دار الابلاغ
DARULIBLAGH

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً

مثالی مسلمان مرد

کامیاب مثالی مسلمان
مرد کی دلکش تصویر
کتاب و سنت کی روشنی میں

مؤلف
ڈاکٹر محمد علی الہاشمی

نظر ثانی
مولانا ابو الحسن مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ

DARULIBLAGH

کتاب وسنت کی اشاعت کا مثالی ادارہ

مثالی مسلمان مرد

کامیاب مثالی مسلمان مرد کی دلکش تصویر کتاب وسنت کی روشنی میں

تالیف .... ڈاکٹر محمد علی الہاشمی

ترجمہ .... غطریف شہباز ندوی

نظر ثانی .... مولانا ابوالحسن مبشر احمد ربانی

پہلا ایڈیشن .... جون 2008ء

پاکستان میں ہماری کتب مندرجہ ذیل اداروں سے مل سکتی ہیں

- لاہور۔ دارالاندلس۔ مرکز القادسیہ 7230549۔ دارالسلام شوروم 7232400۔ مکتبہ قدوسیہ 7230585۔ مکتبہ سلفیہ 7237184۔ کتاب سرائے 7320318۔ اسلامی اکیڈمی 7357587۔ نعمانی کتب خانہ 7321865۔ مکتبہ رحمانیہ 7224228۔ مکتبہ دارالھدیٰ 7639557۔
- راولپنڈی۔ تجلیات طیبہ کشمیری بازار۔ 5535168۔
- اسلام آباد۔ المسعود اسلامک پبلس 2261356۔
- کراچی۔ دی بک ڈسٹری بیوٹرز 7787137۔ مکتبہ دارالقرآن، 021-2211998 علمی کتب خانہ اردو بازار۔
- فیصل آباد۔ مکتبہ اسلامیہ بیرون امین پور بازار، 631204۔ مکتبہ اہلحدیث امین پور بازار 041-2629292 0300-6628021
- پشاور۔ معراج کتب خانہ 214720۔
- حیدر آباد۔ مکتبہ دعوت السلفیہ 0333-2607264
- سیالکوٹ۔ مکتبہ رحمانیہ، ناصر روڈ سیالکوٹ 052-4591911

دار الابلاغ پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 042-7038771, 00300-4453358
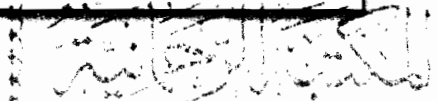
مثالی مسلمان مرد

کامیاب مثالی مسلمان مرد کی دلکش تصویر کتاب وسنت کی روشنی میں

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً

تالیف: ڈاکٹر محمد علی الہاشمی
ترجمہ: غطریف شہباز ندوی

نظر ثانی: مولانا ابو الحسن مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ

دار الابلاغ پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز لاہور پاکستان
فون: 0300-4453358
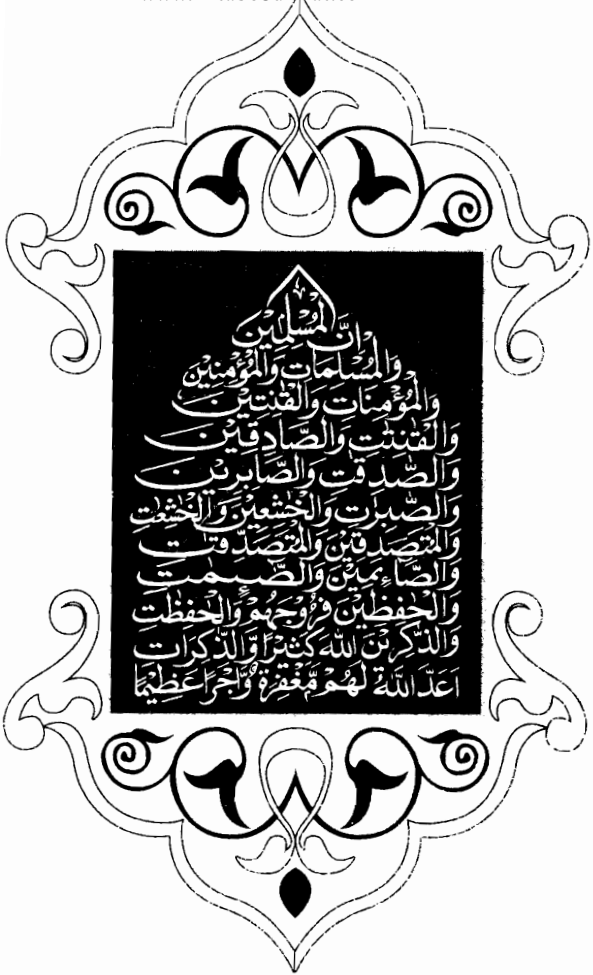
''یقیناً جو مرد اور عورتیں مسلم ہیں، مومن ہیں، مطیع فرمان ہیں، راست باز ہیں، صابر ہیں، اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں، صدقہ دینے والے ہیں، روزہ رکھنے والے ہیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔''

(الاحزاب: 35/33)

آئینہ

مثالی مسلمان مرد

باب : ١

مثالی مُسلمان مَرد کا تعلق

اپنے ربّ کے ساتھ

باب : ۲

مثالی مسلمان مرد کا تعلق

اپنے نفس کے ساتھ

باب : ۳

مثالی مسلمان مرد کا تعلق

اپنے والدین کے ساتھ

باب : ۴

مثالی مسلمان مرد کا تعلق

اپنی بیوی کے ساتھ

باب : ۵

مثالی مُسلمان مَرد کا تعلق

اپنی اولاد کے ساتھ

باب : ۶

مثالی مُسلمان مَرد کا تعلق

اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کیساتھ

باب : ۷

مثالی مسلمان مرد کا تعلق

اپنے پڑوسیوں کے ساتھ

باب : ۸

مثالی مُسلمان مَرد کا تعلق

اپنے بھائیوں اور دوستوں کیساتھ

باب : ۹

مثالی مُسلمان مَرد کا تعلق

اپنے مُعاشرہ کے ساتھ

❀❀❀

ہم اپنی اس کتاب کا انتساب محسن پاکستان، امید عالم اسلام، فخر امت مسلمہ، مرد آہن، پوری دنیا کے مظلوموں کے غمگسار و مونس محترم المقام عزت مآب جناب:

ڈاکٹر عبدالقدیر خان

کرتے ہیں کہ جنھوں نے اپنے وطن پاکستان کو ایٹم بم کا تحفہ دے کر دنیا میں وقار و سربلندی اور عروج بخشا......اور ہمیں اقوام عالم میں سر اٹھا کر بات کرنے، جینے اور فخر و وقار سے چلنے کے قابل بنایا۔ جنھوں نے اپنے آپ کو طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا کر کے پاکستان کو ''کمزوری'' کی بیماری سے ایٹم بم کے ذریعہ نجات دلا دی۔ جنھوں نے خود کو قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا کر کے، سلاخوں کے پیچھے قید ہو کر پاکستان کے مستقبل کو اغیار، کفر ہنود و یہود اور صلیبیوں کی غلامی سے آزادی دلائی۔

اللہ کریم دنیا و آخرت میں انھیں عزتیں، رفعتیں، سربلندیاں اور عظمتیں دے کر ان کے درجات میں اضافہ کرے۔ آمین!

حرفِ تمنا

زندگی گزارنے کا سلیقہ

اس کائنات کی رنگ و بو میں زندگی گزارنے کا سلیقہ اگر کسی کو نہیں آتا تو وہ زندگی میں ہر موڑ پر ناکامیوں' نامرادیوں اور مایوسیوں و پریشانیوں کا سامنا کرتا ہے۔ اسلام نے ایسے سنہری اصول اور قوانین وضوابط فراہم کیے ہیں کہ جن کی روشنی میں اپنے آپ کو ڈھال کر انسان اپنی زندگی کو پرسکون اور کامیاب بنا سکتا ہے۔ اس طرح وہ دنیا میں بھی قابل رشک اور کامیاب' باعزت اور پروقار زندگی گزارتا ہے اور آخرت میں کامیاب ہو کر جنتوں کا وارث بن جاتا ہے۔ زندگی کو جنتوں کے قابل بنانے والے ضابطے ہی اس کتاب میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس کتاب میں بیان کردہ دلنشیں اور قابل رشک تعلیمات نا صرف معاشرے میں مفید انسان پیدا کرتی ہیں' بلکہ اسلام ایک مسلمان کو جس شکل میں دیکھنا چاہتا ہے وہ قابل نمونہ مسلمان بھی بناتی ہیں۔

اللہ کریم کی خاص رحمت سے یہ معرکہ آرا اور قرآن وسنت کے پھولوں اور کلیوں کی دلآویز خوشبو و مہک لیے ہوئے کتاب ''مثالی مسلمان مرد'' قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ یہ کتاب اس سے قبل **دارُالابلاغ** کے پلیٹ فارم سے ''اسلامی طرز زندگی'' کے نام سے شائع ہوتی رہی ہے لیکن اب اللہ کریم کی رحمت اور مدد کے ساتھ یہ کتاب ایک سیٹ کی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں ہوگی۔ ان شاء اللہ دو کتابوں کے اس سیٹ کی ترتیب یوں بنے گی:

① مثالی مسلمان مرد۔ ② مثالی مسلمان عورت

پہلا حصہ تو آپ کے ہاتھوں میں پہنچ گیا ہے' دوسرا حصہ بھی عنقریب آپ کی دسترس میں ہو گا ان شاء اللہ۔ یوں یہ قرآن وحدیث کے پھولوں اور کلیوں سے سجا سنورا سیٹ ایک گلدستہ کی شکل میں آپ کو راہِ عمل دکھائے گا۔

اس قدر عظیم الشان کتاب کی تیاری صرف مجھ اکیلے کے بس کی بات نہ تھی' بلکہ اس کو موجودہ خوبصورت شکل تک پہنچانے کے لیے بندہ ناچیز کے ساتھ مقتدر علما کی ایک ٹیم نے کام کیا اور دو سال کی شب و روز محنت کے بعد یہ تحفہ تیار ہو سکا۔ آخر میں ((مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ

اللّٰہَ)) کے تحت اپنے محترم بھائی جناب فضیلۃ الشیخ ابوالحسن مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر اس کتاب کو بہتر بنانے کے لیے مشوروں سے نوازا اور اس کی نظر ثانی کر کے اس کے حسن کو مزید چار چاند لگا دیے۔ اس کے علاوہ بھائی محمد رمضان آف اسلامی اکیڈمی اور مکمل شاہ صاحب آف معراج کتب خانہ قصہ خوانی بازار پشاور کے بھرپور تعاون کا بھی تہہ دل سے مشکور ہوں۔ فضیلۃ الشیخ مفسر قرآن سابق مشیر وفاقی شرعی عدالت پاکستان جناب حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ صاحب احسن البیان کا بھی مفید مشوروں اور کتاب کی نظر ثالث پر شکر گزار ہوں۔ جناب محترم بھائی نوجوان عالم دین ابو الفردوس حافظ مطیع اللہ آف شرقپور کا ترجمہ کی نظر ثانی پر اور اسی طرح فاضل نوجوان محترم بھائی نصیر احمد کاشف کا کتاب کو حسن تحقیق و تخریج کے زیور سے آراستہ کرنے پر اور حافظ اسلم صاحب شاہدروی کا عربی عبارات کی چیکنگ پر' اسی طرح دوسرے تمام احباب کا جنہوں نے کسی بھی طرح اس کتاب کی تیاری میں میرے ساتھ تعاون کیا' ان سب قابل احترام شیوخ کا میں دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

بندۂ ناچیز نے اس کتاب کو مزید بہتر بنانے کے لیے اس کی زبان' الفاظ اور سلاست کو مزید بہتر اور عام فہم بنایا ہے۔ تمام احادیث و آیات کی تخریج کا اہتمام کیا ہے' صحیح احادیث کا التزام کیا ہے اور ضعیف احادیث کو نکال دیا ہے۔ کتاب کو مزید بہتر بنانے کے لیے بعض جگہ ترمیم و اضافہ بھی کیا ہے۔ بعض جگہ ہندی الفاظ کو اردو کے قالب میں ڈھالا' بعض تشریح طلب امور کی فٹ نوٹ کی شکل میں وضاحت کر دی ہے۔ اسی طرح اور بہت سے فنی مراحل سے گزر کر یہ کتاب اب ایک ایسے مہکی مہکی خوشبو بکھیرتے گلدستے کی شکل میں آپ کے سامنے ہے کہ جو یقیناً آپ کی زندگی کو اپنی مہک سے معطر کر دے گا۔ اب یہ ایک ایسا سدا بہار پھولوں اور کلیوں کا خوشبوئیں بکھیرتا گلدستہ ہے کہ جس کے ہر گل کی خوشبو دوسرے سے بڑھ کر نشیلی، مسحور کن اور روح پرور ہے۔

اللہ کریم سے دعا ہے کہ وہ ہماری اس کاوش کو اپنے دربار میں شرفِ قبولیت سے نواز کر ہمارے اور ہمارے والدین کے لیے ذریعہ نجاتِ اخروی بنا دے۔ آمین!

خادمِ کتاب و سنّت

محمد ناصر

یکم مارچ ۲۰۰۸ء' لاہور

تصدیر

نسخۂ شفا اور شاہراہِ زندگی

از مفسر قرآن فضیلۃ الشیخ

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

یہودیوں کے اُس کردار و عمل کے بارے میں، جس کی وجہ سے دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی ان کا مقدر بنی، اللہ تعالیٰ نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ. فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ﴾ (البقرہ: ۲/ ۸۵)

”کیا تم کتاب الٰہی کی بعض باتوں کو تو مانتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو؟ تم میں سے ایسا کرنے والوں کی سزا یہی ہے کہ دنیا کی زندگی میں بھی ذلت و رسوائی ان کا مقدر ہو اور قیامت کے دن عذابِ شدید ان کا منتظر۔“

کتاب الٰہی کی بعض باتوں کو ماننا اور بعض باتوں کا انکار کرنا، کا مطلب اللہ کی بعض باتوں پر عمل کرنا اور بعض پر عمل نہ کرنا ہے۔ جس پر جی چاہا عمل کر لیا اور جس حکم الٰہی کو چاہا نظر انداز کر دیا، یہ اللہ کے حکموں پر عمل کرنا نہیں ہے، شریعت الٰہیہ کی پابندی نہیں ہے، اللہ کے ساتھ کیے گئے عہد کو نبھانا نہیں ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ ایسے جزوی اور ناقص عمل کو پسند نہیں کرتا، اس کا مطالبہ تو مکمل اطاعت و فرماں برداری ہے، پورے طور پر اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دینا ہے، اور اپنی پسند اور خواہش کو اللہ کے حکم کے مقابلے میں نظر انداز کر دینا ہے۔ اس کی مثال ڈاکٹر اور حکیم کے نسخے کی طرح ہے۔ اس نسخے سے مریض کو تب ہی فائدہ پہنچتا ہے جب مریض اس نسخے کو ڈاکٹر کی ہدایات

کے مطابق استعمال کرتا ہے' یعنی اسے اس کے مکمل اجزا سمیت کھاتا اور اس کی ممنوعہ چیزوں سے پرہیز کرتا ہے۔ اگر کوئی مریض یہ پابندی نہیں کرتا' نہ دوا مکمل طور پر کھاتا ہے نہ پرہیز کرتا ہے' تو ظاہر بات ہے' اسے صحت و شفا حاصل نہیں ہو سکتی۔ وہ نہ صرف بیمار کا بیمار ہی رہے گا' بلکہ اس کی بیماری نہایت خطرناک صورت اختیار کر سکتی اور اس کے لیے جان لیوا ثابت ہو سکتی ہے۔

یہودی بھی اسی لیے لعنت اور غضبِ الٰہی کے مورد بنے کہ انہوں نے شریعت الٰہیہ کو موم کی ناک بنا لیا اور پھر اسے اپنی خواہشات کے مطابق جس طرف چاہا' پھیرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا شریعت پر اس طرح عمل کرنا پسند نہیں آیا اور انہیں مغضوب علیہ قوم قرار دے کر ہمیشہ کے لیے ذلت و مسکنت ان پر مسلط کر دی۔ فرمایا:

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾

(البقرۃ : ۲/ ۶۱)

”ذلت اور مسکنت ان پر مسلط کر دی گئی اور اللہ کے غضب میں وہ گرفتار ہو گئے۔“

آج ہم مسلمانوں کا حال بھی یہودیوں کے حال سے مختلف نہیں۔ اخلاق و کردار کی وہی پستی' جو یہودیوں کا طرۂ امتیاز تھی' مسلمان بھی اسی پستی میں مبتلا ہیں۔ شریعت سے انحراف کا جو راستہ انہوں نے اپنا لیا تھا' مسلمان بھی اسی انحراف کے راستے پر گامزن ہیں اور شریعت کو جس طرح انہوں نے بازیچہ اطفال بنایا تھا' مسلمان بھی اس معاملے میں ان سے پیچھے نہیں رہے' اور رسول اللہ ﷺ نے جو پیش گوئی فرمائی تھی' وہ گویا پوری ہو گئی ہے' آپ نے فرمایا تھا:

((لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَ ذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتّٰى لَوْ سَلَكُوْا جُحْرَ ضَبٍّ لَسَلَكْتُمُوْهُ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ' اليهودَ والنصارىٰ؟ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَمَنْ؟)) [1]

[1] صحيح بخاري۔ كتاب احاديث الانبياء: باب ما ذكر عن بني اسرائيل' حديث ۳۴۵۶۔

''تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں کی پیروی کرو گے' بالشت بہ بالشت' ہاتھ بہ ہاتھ' یہاں تک کہ اگر وہ لوگ گوہ کے بل میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم بھی ضرور اس میں داخل ہو گے۔ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! (کیا ہم) یہود و نصاریٰ کی (پیروی کریں گے)؟ آپ نے فرمایا: (ہاں' وہ نہیں) تو اور کون؟''

جب مسلمان قدم بہ قدم ان لوگوں کی پیروی کر رہے ہیں جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور ذلت و بربادی ان کا مقدر بنی' تو پھر انجام اور مآلِ کار کے اعتبار سے صورت حال کیوں کر مختلف ہو سکتی ہے؟ سنکھیا کی تاثیر تو ایک ہی ہے' مارنا۔ کوئی یہودی اسے کھائے یا مسلمان۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا' دونوں ہی کو وہ موت کی ابدی نیند سلا دے گا۔ آگ کی تاثیر جلانا ہے۔ جو بھی اس کے سامنے آئے گا' وہ اسے جلا کر بھسم کر دے گی' اس میں کودنے والا مسلمان ہو یا کوئی اور۔ اسی طرح اللہ کی نافرمانی کا انجام بھی ذلت و رسوائی ہی ہے۔ پچھلی قومیں اللہ کی نافرمانی کر کے ذلت و رسوائی سے دوچار ہوئیں' تو مسلمان اللہ کی نافرمانی کر کے سرفراز اور سرخ رُو کیوں کر ہو سکتے ہیں؟ ذلت و رسوائی سے وہ کیوں کر بچ سکتے ہیں؟ اور اللہ کے غضب سے کیوں کر محفوظ رہ سکتے ہیں؟

﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا﴾

(الفاطر: ۳۵/ ۴۳)

''تم اللہ کی عادت میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے اور اللہ کے طریقے میں کبھی تغیر نہ دیکھو گے۔''

چنانچہ ہر شخص بہ چشم سر دیکھ سکتا ہے کہ مسلمانوں کی عظمت قصہ پارینہ بن چکی ہے' ان کی حشمت و شوکت ماضی کے اوراق میں دفن ہو گئی ہے' ان کی عزت ذلت میں' ان کی قوت کمزوری میں بدل گئی ہے' اقوام عالم میں ان کا وقار اور دبدبہ ختم ہو گیا ہے اور ذلت و ادبار کی گھنگور گھٹا ان پر چھائی ہوئی ہے۔ یہ سب کچھ کیا ہے؟ اللہ کی نافرمانی

کا نتیجہ، شریعت کو اپنی خواہشات کے مطابق ماننے کی سزا اور پاداشِ عمل ہے۔

بنا بریں اگر مسلمان چاہتے ہیں کہ وہ اپنی عظمتِ رفتہ کو دوبارہ حاصل کریں، دنیا میں از سرِ نو ان کا وقار قائم ہو، وہ دشمن کے لیے لقمۂ تر نہیں بلکہ لوہے کا چنا ثابت ہوں، وہ ذلت و ادبار کی پستی سے نکل کر عزت و اقبال کے مقامِ رفیع پر فائز ہوں، دشمن ان کی ہیبت سے لرزاں و ترساں رہے، تو وہ صحیح معنوں میں اسلام کے فرزند بن جائیں، احکامِ الٰہی کے مکمل پابند بن جائیں، اپنی خواہشات کو احکامِ الٰہی کے تابع کر لیں، اور

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ﴾ (البقرۃ: ۲/ ۲۰۸)

''اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے مت چلو۔''

کے مطابق اپنی سیاست و معیشت، اقتصاد و تجارت، اپنا رہن سہن اور معاشرت، اپنے خانگی امور اور بین الاقوامی معاملات، اپنی اندرونی اور بیرونی پالیساں، سب کو اسلامی تعلیمات کا نمونہ بنائیں اور اپنی ہر چیز کو اسلامی سانچے میں ڈھال لیں۔ اگر مسلمان اس طرح کر لیں تو یقیناً صورتِ حال تبدیل ہو سکتی ہے، وہ اللہ کی فتح و نصرت کے مستحق قرار پا سکتے ہیں اور انہیں ان کا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

﴿لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾ (آل عمران: ۳/۱۳۹)

''کمزوری نہ دکھاؤ اور نہ غم کھاؤ، تم ہی سر بلند ہو گے، اگر تم مؤمن ہوئے۔''

﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ﴾ (محمد: ۴۷/ ۷)

''اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو جما دے گا۔''

﴿وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ﴾ (الحج: ۲۲/ ۴۰)

''اور اللہ اس کی ضرور مدد کرتا ہے جو اس کی مدد کرتا ہے۔''

اللہ کی مدد کرنے کا مطلب' اللہ کے دین کے غلبے کے لیے جدوجہد کرنا اور اس کو مکمل طور پر اختیار کرنا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دینِ اسلام کو صحیح طور پر اپنایا اور اس کے لیے اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کر دیا' تو اللہ تعالیٰ نے انہیں سرفرازیاں اور کامرانیاں عطا فرمائیں' چہار دانگ عالم میں ان کی عظمت کا سکہ رواں ہو گیا اور اقوام عالم پر ان کا رعب اور دبدبہ قائم ہو گیا۔ آج بھی مسلمان اگر صحابہ کا سا ایمان پیدا کر لیں' تو مسلمانوں کو وہی عظمت پھر حاصل ہو سکتی ہے جو کبھی انہیں حاصل تھی۔

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا
فضائے بدر پیدا کر' فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

زیرِ نظر کتاب ''اسلامی طرزِ زندگی'' بھی اسی نقطہ نظر سے لکھی گئی ہے کہ مسلمان اپنی زندگی کو مکمل طور پر اسلامی قالب میں ڈھال لیں' تاکہ وہ اسلام کے فیوض و برکات سے پورے طور پر بہرہ مند ہو سکیں۔ اس لیے فاضل مصنف نے پوری کوشش کی ہے کہ وہ عبادات سے لے کر معاملات تک اور خانگی امور سے لے کر معاشرت تک ہر معاملے میں اسلام کی رہنمائی اور روشنی بہم پہنچائیں۔ اصل کتاب عربی میں ہے' جس کے مؤلف ڈاکٹر محمد علی الہاشمی' الریاض سعودی عرب ہیں' اور مترجم ہیں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (بھارت) کے رضی الاسلام ندوی' اور ناشر ہیں جناب محمد طاہر نقاش...... اسلامی جذبوں اور ولولوں کا پیکر نوجوان' اسلامی عظمت رفتہ کے حصول کے لیے سیماب پا اور تبلیغ و دعوت کے جذبے سے سرشار۔ محمد طاہر نقاش نے ع

نقاش نقشِ ثانی بہتر کشد ز اول

کے مصداق' اردو قالب کے اس نقشِ ثانی کو عربی ایڈیشن کے نقشِ اول سے بہتر بنانے میں سعیٔ بلیغ کی ہے۔ مثلاً:

1. اصل عربی ایڈیشن کو سامنے رکھ کر پورے ترجمے پر نظر ثانی کی ہے جس سے ترجمے کے جھول اور سقم دور ہو گئے ہیں۔
2. قرآنی آیات و احادیث کے اصل عربی متون براہ راست اصل مآخذ سے لے کر کتاب میں شامل کیے ہیں اور ان کے مکمل حوالے درج کر دیے ہیں۔
3. احادیث کی صحت کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے' اور جو حدیث صحت کے معیار پر پوری نہیں اترتی تھی' اسے حذف کر دیا گیا ہے۔
4. کتابت و طباعت' کاغذ اور جلد بندی میں حسن ذوق اور اعلیٰ معیار کو سامنے رکھا گیا ہے' اور اس کوشش میں وہ کامیاب رہے ہیں' جس پر وہ تحسین و تبریک کے اور حوصلہ افزائی کے مستحق ہیں۔ جزاہ اللّٰہ احسن الجزاء۔

یوں ظاہر و باطن' ہر دو لحاظ سے یہ کتاب اعلیٰ معیار کی حامل' مندرجات کے اعتبار سے وقت کی نہایت اہم ضرورت' اور افادیت و اہمیت کے لحاظ سے زیادہ سے زیادہ اشاعت کے قابل اور مطالعے کے لائق ہے۔

ہر مسلمان مرد اور عورت' نہ صرف خود اسے پڑھے' بلکہ اپنے احباب اور حلقہ اثر تک اسے پہنچائے۔ اصحابِ حیثیت اسے خرید کر تقسیم کریں اور علما و خطبا اور واعظ حضرات بھی اس سے استفادہ کریں اور اپنے عوام کو بھی اس کے مطالعے کی تلقین کریں۔ اس لیے کہ یہ کتاب ایک آئینہ ہے جسے دیکھ کر اپنے کردار و عمل کی اصلاح کی جا سکتی ہے' ایک نسخہ شفا ہے جس سے روحانی بیماریاں دور کی جا سکتی ہیں' اور ایک قندیل ربانی ہے جس سے شاہراہِ زندگی کو منور بھی کیا جا سکتا ہے' اور اس پر چل کر کامیابی و کامرانی کی منزل بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔ وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ.

صلاح الدین یوسف
۱۲۴/۴۰' شاداب کالونی' گڑھی شاہو
علامہ اقبال روڈ' لاہور
محرم الحرام ۱۴۲۴ھ بمطابق مارچ ۲۰۰۸ء

تقدیم

کاش! آج کا یہ مسلمان ......

از۔ جناب مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ

اسلام اللہ تعالیٰ کا کامل و اکمل دین ہے جو زندگی کے تمام مسائل میں ہماری مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ جو شخص اسے اپنا لے گا وہی کامیاب و کامران ہے' اور جو اس سے بے رغبتی اختیار کرے گا وہ خائب و خاسر اور ناکام و نامراد ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ (آل عمران: ۳/ ۱۹)

''بلاشبہ اللہ کے ہاں دین اسلام ہے۔'' اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ﴾ (آل عمران: ۳/ ۸۵)

''جو اسلام کے علاوہ دین تلاش کرے گا' وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔''

دین اسلام عقائد و نظریات اور عبادات و معاملات میں ہماری ہر لحاظ سے رہنمائی کرتا ہے۔ انسان کی حیاتِ مستعار کا کوئی ایسا پہلو نہیں ہے جس کی توضیح نہ کی گئی ہو۔ اسلام انسان کو اللہ کا باوفا اور اطاعت کرنے والا فرماں بردار بندہ بنانا چاہتا ہے' اسی لیے اسے صدق و امانت' عفو و درگزر' خوش طبعی و خندہ روئی' سخاوت و فیاضی' حلیمی و بردباری' استقامت و ثابت قدمی جیسے اوصافِ حمیدہ اور خصائل جمیلہ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے اور بدعقیدگی' جھوٹ و غلط بیانی' دھوکا دہی و غداری' لوٹ مار اور قتل و غارت' حسد و کینہ' مبالغہ آرائی و افراط و تفریط' چوری و ڈاکہ' زنا و رشوت' سود خوری وغیرہا جیسے اخلاقِ رذیلہ اور عاداتِ سیئہ سے اجتناب کا امر کرتا ہے۔ دنیا میں اسلام واحد دین ہے جو اپنے بہترین نظام کی وجہ سے تمام ادیان باطلہ سے ممتاز ہے۔ جمہوریت'

سوشلزم، کمیونزم، یہودیت، عیسائیت، بدھ مذہب اور ہندو دھرم، الغرض کوئی مذہب بھی اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اتنی خوبیوں والا دین جس قوم کے پاس موجود ہو اسے تو پوری دنیا پر چھا جانا چاہیے تھا اور عرب وعجم اس کے پاؤں تلے ہونا چاہیے تھا۔ لیکن اس کے ماننے والوں نے اسے خیر باد کہہ کر ادیانِ باطلہ کے عقائد ونظریات اور اعمال و عادات سے عملی طور پر وابستگی اختیار کر رکھی ہے۔ اہل اسلام میں بدعملی انتہا تک پہنچی ہوئی ہے۔ غیر مسلم اسلامی احکامات کو پڑھ کر دنیا میں عروج حاصل کر رہے ہیں، اور مسلم دنیا، اسلام سے بے رغبتی اختیار کر کے روز بروز پیچھے گرتی جا رہی ہے۔ کاش کہ آج کا مسلمان قرون اولیٰ کے اہل اسلام کی یاد تازہ کرتا۔ اور یہ بات حقیقت ہے کہ ہماری اصلاح اسی اسلام سے ہوگی جس سے قرون اولیٰ کے لوگوں کی ہوئی تھی۔

امام مالکؒ کی طرف منسوب مقولہ ہے کہ "لَنْ یُصْلِحَ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا مَا صَلَحَ بِهٖ اُوْلَّهَا" الصارم المنکی فی اسرد علی السبکی لابن عبدالھادی ''اس امت کے آخر کی اصلاح ہرگز نہیں ہوگی، مگر اسی طریقہ سے جس سے اس کے پہلے لوگوں کی اصلاح ہوئی تھی۔'' لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ آج کا مسلمان قرون اولیٰ کے مسلمان جیسا بنے۔ اس کا اپنے اللہ کے ساتھ تعلق مضبوط ہو، رضائے الٰہی کے حصول کے لیے بے تاب رہے، اللہ کے قرآن کی تلاوت، تفہیم، ذکر و اذکار اور ہمہ قسم کی عبادات بجا لائے، معاشرے میں رہتے ہوئے اپنے والدین، عزیز و اقارب، بیوی، بچوں، دوست و احباب، پڑوسیوں اور ہمسایوں کے ساتھ حسن معاشرت اختیار کرے، اور ایسا پاکیزہ ماحول پیدا کرے کہ اسے اپنے اور بیگانے احترام کی نظر سے دیکھنے لگیں۔

مسلمانوں کے اس بگڑے ہوئے معاشرے کی اصلاح کے لیے ہمارے ہردلعزیز بھائی محمد طاہر نقاش نے دعوت وتبلیغ اور اصلاحِ احوال کا ایک نہایت عمدہ اور دلنشیں سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ جس کے تحت کئی ایک عمدہ کتب زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر آ چکی ہیں۔ جنھیں اللہ تعالیٰ نے خاصی پذیرائی عطا کی ہے۔

اسی سلسلہ مروارید کی ایک کڑی زیر تبصرہ کتاب ''مثالی مسلمان مرد'' ہے جسے سعودی عرب ریاض کے ایک اہل قلم فضیلۃ الشیخ محمد علی الہاشمی نے مرتب کیا ہے اور اسے اردو کے حسین سانچے میں مولانا رضی الاسلام ندوی نے ڈھالا ہے۔

اس کتاب میں قرآن و سنت کی نصوصِ جمیلہ اور دلائل قویہ کی روشنی میں ایک خالص مسلمان کی سچی تصویر پیش کی گئی ہے۔ عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ کے ذریعے سے اسلامی تہذیب و تمدن اور حسن معاشرت کے خدوخال نمایاں کیے گئے ہیں۔ ایک مسلمان کا اپنے مالک حقیقی، والدین، اعزہ واقرباء، اولاد و احبا، ازواج و اصدقاء کے ساتھ جو صحیح تعلق ہونا چاہیے اسے نہایت عمدگی کے ساتھ ضبط تحریر میں لایا گیا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ اہل اسلام میں جو کمزور پہلو ہیں انہیں بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ افراط و تفریط، احکامات شرعیہ میں تساہل وسستی اور بدعقیدگی و بدعملی پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور جو مسلمان مغربی تہذیب کے رسیا اور دلدادہ ہو چکے ہیں انہیں اسلامی منہج پر قائم کرنے کے لیے مغرب کے نقائص و معائب اور کمزور پہلوؤں کو بھی مدنظر رکھا ہے، اور ان کی خست وخرابی کا اسلامی تہذیب کے ساتھ موازنہ کر کے اسلام کی برتری ثابت کی ہے تاکہ یہ بات اظہر من الشمس ہو جائے کہ اسلام کے مقابلے کا کوئی دین و مذہب نہیں جس کے سائے تلے اس حیاتِ مستعار کے چند سانس لیے جا سکیں۔ کتاب کی زبان انتہائی سلیس و سادہ اور قاری کے ذہن میں اترنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ بھائی طاہر نقاش کی شب و روز محنت، امت مسلمہ کے بگڑے ہوئے بے راہ رَو افراد کی اصلاح کے لیے کد و کاوش میں مزید برکت و اخلاص پیدا کرے اور ان کے اس تعمیری سلسلے کو پروان چڑھائے۔ علم، عمل، عمر، رزق اور مال و اولاد میں فراوانی عطا کرے۔ آمین! اور اس کتاب کے مؤلف، مترجم، قاری، مصحح، ناشر اور راقم کو اپنی خصوصی رحمتوں و برکتوں کی لپیٹ میں لے کر درجات علیا پر فائز کر دے۔ آمین!

راقم ...... ابوالحسن مبشر احمد ربانی عفی اللہ عنہ

۱۱۔۳۔۲۰۰۳ء

مقدمہ

از مؤلف ڈاکٹر محمد علی الہاشمی حفظہ اللہ

((اَحۡمَدُكَ اللّٰهُمَّ وَ اَسۡتَعِيۡنُكَ و اَسۡتَهۡدِيۡكَ وَ اُصَلِّيۡ وَ اُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوۡلِكَ الۡاَمِيۡنِ وَ عَلٰى اٰلِه وَ صَحۡبِه اَجۡمَعِيۡنَ وَ مَنۡ تَبِعَهُمۡ بِاِحۡسَانٍ اِلٰى يَوۡمِ الدِّيۡنِ))

اَمَّا بَعۡدُ! ''اسلامی نہج پر ایک مسلمان کی شخصیت کی تعمیر'' کا موضوع تقریباً دس سال سے میری توجہ و دلچسپی کا مرکز تھا' کیونکہ میں نے دیکھا کہ بہت سے مسلمان افراط وتفریط کا شکار ہیں۔ کسی پہلو میں افراط ہے تو کسی میں تفریط' بعض معاملات میں کافی اہتمام کرتے ہیں تو بعض دیگر کاموں میں تساہل اور سستی برتتے ہیں۔ مثلاً: ایک شخص پہلی صف میں نماز پڑھنے کی تو شدید خواہش رکھتا ہے مگر اپنے منہ یا کپڑوں سے پیدا ہونے والی بدبو کی مطلق پروانہیں کرتا' یا وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے' اس کے سامنے عاجزی کرتا ہے اور خشوع و خضوع اختیار کرتا ہے' مگر صلہ رحمی میں کوتاہی کرتا ہے۔ اسی طرح بسا اوقات ایک شخص عبادت تو خوب کرتا ہے اور دین کا علم بھی حاصل کرتا ہے' مگر اپنی اولاد کی تربیت کرنے میں کوتاہی کرتا ہے۔ اسے کچھ پتا نہیں ہوتا کہ اس کے لڑکے کیا پڑھتے ہیں؟ اور کس کی صحبت اختیار کرتے ہیں؟ یا وہ اپنی اولاد پر تو توجہ دیتا ہے' مگر والدین کا نافرمان ہے اور ان کے ساتھ معاملات میں سخت رویہ اختیار کرتا ہے' یا وہ والدین کے ساتھ تو حسنِ سلوک کرتا ہے' مگر اپنی بیوی پر ظلم کرتا ہے اور اس کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آتا ہے' یا اپنی بیوی اور اولاد کے ساتھ تو خوش معاملگی کا رویہ اختیار کرتا ہے' مگر پڑوسیوں کے ساتھ اس کے معاملات اچھے نہیں' بسا اوقات وہ اپنے نجی معاملات تو اچھی طرح انجام دیتا ہے اور ایسے کاموں میں دلچسپی لیتا ہے جن سے اس کی ذات کو فائدہ ہو' مگر وہ معاشرتی تعلقات اور مسلمانوں کے اجتماعی معاملات میں دلچسپی لینے میں کوتاہی کرتا ہے یا ایک شخص دین دار اور نیک ہے' مگر سلام کرنے' کھانے پینے' اٹھنے بیٹھنے اور گفتگو کرنے کے سلسلہ میں اسلامی آداب اختیار کرنے میں سست

پایا جاتا ہے......

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ یہ نقص بعض ان لوگوں میں بھی پایا جاتا ہے جو اسلامی دعوت کا کام انجام دیتے ہیں اور اس کے عملی پہلو میں نمایاں دلچسپی رکھتے ہیں۔ جس سے کہ عام طور پر ان میں زبردست اسلامی حس' اسلام کے احکام و آداب اور اقدار کا دقیق فہم اور اسلامی تعلیمات کی سچی پیروی کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ مگر غفلت' بے توجہی اور لاپروائی کی بنا پر بہت سے اسلام سے محبت رکھنے والے لوگ بھی ان کمزوریوں اور تناقضات میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔ پتا نہیں انہیں اس کا احساس بھی ہوتا ہے یا نہیں؟

اس موضوع سے دلچسپی نے مجھے مجبور کیا کہ میں قرآن و حدیث کی ان نصوص کا تتبع کروں جو انسان سے متعلق ہیں اور اس کی ذہن سازی' رہنمائی اور تعمیر کرتی ہیں' تاکہ میں مسلمانوں اور خاص طور پر ان میں سے ان لوگوں کے سامنے جو عمل کرنے پر تیار ہیں' ایک مکمل اور جامع مطالعہ پیش کر دوں' جس سے اسلامی زندگی کے خدوخال نمایاں ہو جائیں' اور اسلامی صفات' عادات اور اخلاق کی وضاحت ہو جائے' تاکہ یہ مطالعہ ان لوگوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہو جن سے بعض پہلوؤں میں کوتاہی سرزد ہو جاتی ہے' تاکہ وہ اپنے نفوس کو اس عظیم اور تابناک بلندی کی طرف لے جانے کی کوشش کریں' جس تک دین حق انہیں لے جانا چاہتا ہے۔

اس مطالعہ کے دوران میں' میں نے جو کچھ دیکھا اس سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور مجھ پر ہیبت طاری ہو گئی۔ میں نے دیکھا کہ اسلام مسلمانوں کو جس نہج پر زندگی گزارنے کا حکم دیتا ہے اور (اس کے مقابلے میں) جو کچھ مسلمانوں نے خود اپنے لیے پسند کیا ہے' دونوں میں زمین و آسمان کی دُوری اور بین فرق ہے۔ صرف چند ہی لوگ ایسے ہیں جن کا عقیدہ صحیح ہے' جن کا اسلام بہتر ہے' جن کے دل پاکیزہ اور صاف ہیں' جن کے نفوس بلند ہیں اور جن کی ہمتیں اور ارادے جوان ہیں۔ انہوں نے پوری سچائی' پورے اخلاص اور پوری گرم جوشی سے دین کی طرف توجہ کی ہے۔ جو اس کے صاف شفاف سرچشمے سے سیراب ہوئے ہیں اور ہر نئے دن میں اسلام کی تابناک اور روشن تعلیمات سے اپنی واقفیت اور معلومات میں اضافہ کرتے ہیں۔

جو شخص بھی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ذریعے سے انسان کے بارے میں اللہ

اور اس کے رسول کی تعلیمات سے واقفیت حاصل کرے گا اسے یہ دیکھ کر انتہائی حیرت ہوگی کہ ان میں انسان کے چھوٹے بڑے تمام مسائل کے سلسلے میں بکثرت جامع نصوص موجود ہیں۔ اپنے رب سے تعلق استوار کرنے' اپنے نفس کے حقوق جاننے اور اپنے اردگرد کے لوگوں سے روابط رکھنے کے سلسلہ میں واضح تعلیمات ہیں۔ جن کے ذریعے سے زندگی کے ہر میدان میں اور ہر پہلو سے مسلمان کی شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے' اور وہ ایک مثالی' انفرادی اور اجتماعی زندگی گزارنے کا اہل ہوتا ہے۔

اس طرح ایک مسلمان قرآن و سنت کے حسب منشا' ایک معاشرت پسند' ترقی یافتہ اور نابغہ روزگار انسان کی حیثیت سے نمودار ہوتا ہے۔ جس کی بے مثل اور بہترین تربیت مکارم اخلاق کے اس مجموعہ سے ہوتی ہے جو قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے بنتا ہے اور جن سے زندگی کو آراستہ کرنا ''دین'' قرار دیا گیا ہے' کہ اس پر انسان عمل پیرا ہو اور ان سے اللہ کی بارگاہ میں اجر و ثواب کی امید رکھے۔

میں ان تمام نصوص کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے جمع کرتا رہا اور ان کو ابواب اور موضوعات کے مطابق ترتیب دیتا رہا۔ یہاں تک کہ جب یہ ترتیب مکمل ہوگئی تو اس کے نقوش واضح ہو گئے اور ایک مسلمان کے تعلقات کی مندرجہ ذیل اقسام بن گئیں:

1. مسلمان کا تعلق اپنے ربّ سے۔
2. مسلمان کا تعلق اپنے نفس سے۔
3. مسلمان کا تعلق اپنے والدین سے۔
4. مسلمان کا تعلق اپنی بیوی سے۔
5. مسلمان کا تعلق اپنی اولاد سے۔
6. اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے تعلق۔
7. مسلمان کا تعلق اپنے پڑوسیوں سے۔
8. مسلمان کا تعلق اپنے بھائیوں اور دوستوں سے۔
9. مسلمان کا تعلق اپنے معاشرہ سے۔

ان نصوص کو جمع کرتے ہوئے اور ان میں پائی جانے والی بلند اور معتدل تعلیمات پر غور کرتے ہوئے مجھ پر یہ واضح ہوا کہ اللہ کی اپنے بندوں پر یہ بہت بڑی رحمت ہے کہ اس نے انہیں گمراہی کی پستیوں سے نجات دینے اور ہدایت کی بلندیوں تک پہنچانے کی دعوت دی۔ اس نے ان کی طرف اپنے رسول بھیجے اور اپنے پیغامات اور شریعتیں نازل کیں' تاکہ انسان ہمیشہ روشن راستے پر چلتے رہیں' تاریکیوں میں نہ بھٹکیں اور اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں نہ ماریں' اور سیدھے راستے کے نقوش ان سے مخفی نہ رہیں۔

مجھے محسوس ہوا کہ انسان ہدایت' تربیت اور رہنمائی کے مقدس جھونکوں کا شدید محتاج

تھا' تاکہ ان کے ذریعے سے اپنی انسانیت کو بروئے کار لائے اور زندگی میں وہ عظیم کردار سر انجام دے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس سے عہد لیا ہے۔ اگر صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرنے اور ہدایت دینے والے یہ پاکیزہ اور جانفزا جھونکے نہ ہوتے تو انسان پر خود غرضی اور انانیت کا غلبہ ہو جاتا۔ وہ دوسروں کو نقصان پہنچانے کی سوچا کرتا اور حسد و کینہ' استحصال' تسلط' ظلم و جور اور دیگر گندی عادتوں اور برے اخلاق کی دلدل میں جا پھنستا۔

اس کی تصدیق ہمیں بچے کی فطرت سے ہوتی ہے جب وہ اپنے والدین کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ خود کو ان کے سامنے نیک سیرت' بلند کردار اور اپنے بھائی سے برتر ثابت کرے۔ اس کی بھرپور خواہش ہوتی ہے کہ اپنے بھائی کو ان تمام صفات سے عاری قرار دے جن سے اس نے اپنے آپ کو متصف بتلایا ہے۔ اس طرح وہ چاہتا ہے کہ اپنی شخصیت کو ثابت کر دے اور اپنے بھائی پر غالب رہنے اور ہر چیز میں اس سے فائق رہنے کے فطری میلان کا اظہار کر دے۔

انسان کی یہ خصلت طبعی اور فطری ہے۔ اسی پر انسان کی بھلائی اور دنیوی معاملات کی درستی کا انحصار ہے۔ بشرطیکہ یہ معتدل اور افراط و تفریط سے عاری ہو۔ کیونکہ یہ خصلت انسان کو اپنے اندرون میں پوشیدہ خیر اور محاسن کو ظاہر کرنے پر اکساتی ہے۔ وہ جب اس خیر کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرتا ہے تو اسے اپنے نفس کے اندرون میں خوشی کا احساس ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ مزید عطا و بخشش کرنے کی طرف سبقت کرتا ہے۔

لیکن جب یہ خصلت انسان میں حد سے زیادہ بڑھ جائے اور وہ اس میں غلو کرنے لگے تو ایک خطرناک اور گھناؤنی بیماری میں بدل جاتی ہے اور جو شخص اس بیماری میں مبتلا ہوتا ہے وہ مغرور اور گھمنڈی ہو جاتا ہے' اپنے ہمسروں کے مقابلہ میں تکبر کرتا ہے اور ڈینگیں مارتا ہے۔ حالانکہ وہ ان فضائل و محاسن اور مکارم سے کوسوں دور ہوتا ہے جن کا وہ اپنے لیے دعویٰ کرتا ہے۔

اس موقع پر اس مہلک بیماری میں مبتلا شخص کی نفس کشی کرنے' اسے خود پسندی میں حد سے گزرنے سے باز رکھنے اور اعتدال' دانش مندی اور تواضع کی جانب رہنمائی کرنے میں دینی تربیت اور اخلاق کی قدر و قیمت اور اہمیت نمایاں ہوتی ہے۔

دین اس زندگی میں ہر خیر اور ہر فضیلت کا سرچشمہ ہے اور جن بلند اقدار' اچھی عادات اور بہترین کریکٹر پر اصولِ تربیت مبنی ہیں اور اصولِ اخلاق دلالت کرتے ہیں' وہ صدیوں سے انسانیت کو اس شیریں اور فراخ الٰہی سرچشمے سے سیراب کر رہے ہیں۔

انسانی زندگی کا مطالعہ کرنے سے یہ چیز پوری وضاحت سے ظاہر ہوتی ہے کہ انسان بلندی کی طرف بڑھنے کے مقابلے میں پستی کی طرف جانے اور پابندی قبول کرنے کے مقابلہ میں شتر بے مہار رہنے کی طرف زیادہ مائل رہتا ہے۔ کیونکہ پستی میں جانا بلندی پر چڑھنے کے مقابلہ میں ہمیشہ آسان رہا ہے' اور آزاد رہنا پابندیاں قبول کرنے کے مقابلہ میں زیادہ پسندیدہ اور مرغوب ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ کوئی ایسی قوت موجود ہو کہ جب بھی غفلت ان کے دلوں پر ڈیرے جمائے اور ان کے قدم صراطِ مستقیم پر ڈگمگانے لگیں تو وہ انہیں انحراف سے باز رکھے اور راہِ حق پر ثابت قدم رکھے۔

اس لیے ارباب فکر اور اصحاب علم کا فریضہ ہے کہ دین کی بلند قدروں کو نمایاں کرنے اور انہیں لوگوں کیلئے سہل' آسان اور قابل قبول بنا کر پیش کرنے کیلئے سرگرم عمل ہوں' اور ان کے سامنے اس روشن اور تابناک صورت کی وضاحت کریں جس سے اس زندگی میں متصف اور آراستہ ہونے کا اللہ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے' تاکہ اس سے زندگی میں حسن و جمال پیدا ہو اور وہ لذت و آسودگی اور چین وسکون سے گزرے۔

اللہ نے اس دین کو سات آسمانوں کے اوپر سے اس لیے نہیں نازل فرمایا ہے کہ وہ محض نظریات کی حیثیت سے باقی رہے اور اس پر بحث و مباحثہ کے ذریعہ عقول متمتع اور لطف اندوز ہوں' نہ ہی اس کے نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کی حیثیت محض مقدس کلام کی ہو جس کی تلاوت سے لوگ برکت حاصل کریں لیکن نہ اس کی تعلیمات کو سمجھیں اور نہ اس کے معانی کا ادراک کریں۔ بلکہ دراصل اللہ نے اس دین کو اس لیے نازل فرمایا ہے تاکہ وہ فرد کی زندگی پر حکومت کرنے اور خاندان کی زندگی کو منظّم کرنے کے ساتھ ساتھ معاشرہ کی زندگی کی بھی قیادت کرے' اور وہ دنیا میں ''نور'' ہو جو انسان کے سامنے راستے روشن کرے اور ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائے۔

﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَه سُبُلَ السَّلٰمِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِه وَ يَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (المائدة: ۵ / ۱۵' ۱۶)

''تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی آ گئی ہے اور ایک ایسی حق نما کتاب جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے طالب ہیں سلامتی کے طریقے بتاتا ہے اور اپنے اِذن سے ان کو اندھیروں سے نکال کر اجالے کی طرف

لاتا ہے اور راہ راست کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے۔''

اسی ہدایت کے سایہ عاطفت میں زندگی خوشگوار ہو سکتی ہے' رہن سہن میں عمدگی اور بہتری آ سکتی ہے اور انسانوں کو چین وسکون اور آرام و اطمینان نصیب ہو سکتا ہے۔ اس رشد و ہدایت اور چین وسکون کی زندگی کے حصول کی جانب پہلا اقدام یہ ہو گا کہ ایک سچا مسلمان فرد تیار کیا جائے جس میں اسلام کی روشن اور تابناک تصویر نظر آئے' جس کو دیکھ کر لوگ اسلام کو سمجھیں' جس کے ساتھ لوگ معاملہ کریں تو اسلام کی سچائی پر ایمان و یقین میں اضافہ ہو اور اس کی طرف دل و جان سے متوجہ ہوں۔

یہی کام رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت کے آغاز میں انجام دیا تھا۔ اسلام کے طویل راستے میں آپ کا پہلا اقدام یہ تھا کہ آپ ایسے افراد تیار کریں جن میں اسلام کی مکمل نمائندگی ہو۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذات زمین پر چلتے پھرتے مصاحف کی طرح تھی۔ وہ دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل گئے۔ لوگوں نے ان میں انسانیت کے نابغہ روزگار کے نمونے دیکھے جو زندگی کے منفرد اور بے مثل نظام اور طریقہ کار کی نمائندگی کرتے تھے۔ چنانچہ جب انہوں نے سچے مؤمن فرد کی ذات میں یکتائے عصر نظام کا مشاہدہ کیا تو فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے۔

آج انسانیت اور خاص طور پر مسلمانوں کو اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ انسانوں کا ایسا منفرد نمونہ تیار کریں' جس کے بغیر زندگی میں خوشحالی و خوشگواری نہیں آ سکتی' جس کے وجود کے بغیر انسانیت کی بلند اور اعلیٰ قدریں رواج نہیں پا سکتیں' اور جس کی ذات کے علاوہ دوسری چیز میں اسلام کی تابناک حقیقت ظاہر نہیں ہو سکتی۔ اس یکتائے روزگار انسانی نمونہ کی خوبصورت اور حسین تصویر کیا ہے؟ اس کا جواب قارئین اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس عمل کو محض اپنی خوشنودی اور رضا جوئی کی خاطر قبول فرمائے' اس سے انسانیت کو فائدے پہنچائے اور اسے میرے لیے اس دن کے لیے زاد بنائے جب کہ مال و دولت اور بیٹے کام نہ آئیں گے اور صرف وہی شخص سرخرو ہو گا جو اللہ ذوالجلال والاکرام کی بارگاہ میں قلب سلیم کے ساتھ حاضر ہو گا۔

محمد علی الہاشمی
الریاض
المملكة العربية السعوديه

مثالی مسلمان مرد کا تعلق

اپنے رب کے ساتھ

ایک مسلمان کا یہ حق بنتا ہے کہ وہ رب تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا مندی پر مبنی اعمال کے ذریعہ اپنے رب سے اپنے تعلق کو مضبوط و مستحکم بنائے۔ مسلمان کا تعلق اپنے رب کریم سے جس قدر مضبوط ہوگا اسی قدر وہ اس فانی چندروزہ زندگی میں کامیاب وکامران اور معزز ومحترم ہوگا اور آخرت میں دائمی فلاح ونجات پائے گا۔ دنیاوی زندگی میں اس کو اطمینان قلب کی دولت حاصل ہوگی۔ اگرچہ صرف اللہ کی رضا کے حصول کی خاطر دنیا سے ٹکرانے کی بنا پر اہل دنیا سے دشمنی مول لینے کی بنا پر مصیبتوں ومشکلات اور آفات و بلیات کے پہاڑ اس پر ٹوٹ پڑے ہوں لیکن اس کے باوجود وہ اپنے رب کی رضا پر راضی ہوگا اور اس کا دل ودماغ پرسکون اور مطمئن ہوگا اس لیے کہ اس کا تعلق اپنے رب سے مضبوط ہوگا۔ چونکہ دین ودنیا کی کامیابی اللہ تعالیٰ سے مضبوط و مستحکم تعلق کے ساتھ وابستہ ہے اس لیے اب ہم ان امور کو تلاش کرتے ہیں کہ جن کو اپنا کر ایک مسلمان اپنے تعلق کو اپنے خالق ومالک سے مضبوط بناتا ہے۔

مسلمان بیدار قلب اور روشن بصیرت کا حامل ہوتا ہے

اسلام سب سے پہلے ایک مسلمان سے جس چیز کا مطالبہ کرتا ہے وہ یہ کہ اللہ پر ایمان لائے جیسا کہ اس پر ایمان لانے کا حق ہے۔ اس سے اپنا تعلق مضبوط کرے ہمیشہ اس کے ذکر میں مشغول رہے اور اس پر توکل کرے۔ اسباب اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ اس سے مدد کا طالب رہے اور اپنے دل کی گہرائی سے یہ احساس رکھے کہ خواہ وہ کتنی ہی کوشش کرے اور کیسے ہی وسائل اور اسباب اختیار کرے مگر وہ ہمیشہ اللہ کی قوت ونصرت اور تائید کا محتاج ہے۔

ایک سچا اور حقیقی مسلمان بیدار دل اور روشن بصیرت رکھتا ہے' دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عجیب وغریب کاریگری کا مشاہدہ کرتا ہے اور یہ یقین رکھتا ہے کہ دنیوی امور اور لوگوں کے معاملات کے پس پردہ اللہ ہی کا مخفی اور بلند ہاتھ کارفرما ہے۔ اس وجہ سے وہ ہمیشہ ذکر الٰہی میں مشغول رہتا ہے۔ وہ زندگی کی ہر جھلک اور دنیا کے ہر منظر میں اللہ رب العزت کی قدرت کے غیر محدود آثار کا مشاہدہ کرتا ہے جس سے اس کے ایمان' ذکر الٰہی اور توکل میں اضافہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ○ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (آل عمران: ۳/ ۱۹۰٬ ۱۹۱)

''زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں' اور دن کے باری باری سے آنے میں ان ہوش مند لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں' جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمان وزمین کی ساخت میں غور کرتے ہیں (وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) پروردگار! یہ سب تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے۔ تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے۔ پس اے

رب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔

شرک سے اجتناب اور توحید کا پاس کرتا ہے

سچا اور موحد مسلمان ہمیشہ عقیدۂ توحید کی حفاظت اپنی جان سے بھی بڑھ کر کرتا ہے' اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ کائنات کی سب سے قیمتی چیز اور متاع اگر ہے تو وہ توحید کی دولت ہے۔ اس لیے وہ اس دولت کو شیطان کے ہاتھوں چھننے نہیں دیتا۔ اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کائنات کا سب سے بڑا جرم بھی شرک ہے اور توحید کی پاسداری کرتے ہوئے شرک کی آلودگی سے اپنے دامن کو کس طرح پاک رکھنا ہے۔ وہ ہر وقت اپنے ذہن میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان رکھتا ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَ مَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيْدًا﴾ (النساء: ۴/ ۱۱۶)

''بے شک اللہ تعالیٰ شرک (جیسے گناہِ عظیم) کو نہیں بخشے گا (یعنی جو کوئی مشرک مرا اس کی بخشش نہ ہوگی) اور اس سے کم (درجہ گناہوں کو) جس کو چاہے بخش دے' اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ دور (پرلے درجے) کا گمراہ ہوگیا۔''

موحد مسلمان اللہ تعالیٰ کی ذات میں' اس کی صفات میں اور اس کے اسما میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ وہ علم غیب کا حامل' حاضر ناظر ہونا' مختار کل' حاکم حقیقی' لازوال ہونا' ہمیشہ زندہ رہنا' مالک یوم قیامت ہونا' حمد کے لائق ہونا' ہدایت دینے والا' مالک شفاعت ہونا' کارساز ہونا' بگڑی بنانے والا ہونا' ہر چیز پر قادر اور متصرف ہونا' نفع و نقصان پہنچانے' دعاؤں کو قبول کرنے والا ہونا' صاحب قوت ہونا اور مخلوق میں سے اپنے بندوں کو قوت دینے کا مالک ہونا' مصیبت و تکلیف میں دستگیری کرنا' عزت و ذلت دینے والا' رزق و معیشت مال و دولت فراہم کرنے والا' مشکل کشائی و حاجت روائی کرنے والا' ہر وقت ہر ایک کی سننے کی طاقت رکھنے والا ہونا' بے مثل ہونا' مارنا اور

زندہ کرنا' توفیق دینا اور عاجز کر دینا' نظر بد سے بچانا' پیدا کرنا' پالنا' پروان چڑھانا' نظامِ کائنات کے ہر کام کا اکیلے خود مالک ہونا' اول و آخر ہونا' بیماری لگانا اور شفا دینا وغیرہ جیسے امور میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات کو اس کا حامل جانتا ہے اور مذکورہ امور میں سب امور کا مالک اور ان امور کے لائق ہونا صرف اللہ کریم کی ذات کو سمجھتا ہے۔

وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ہر طرح کی نفلی و فرضی اور ظاہری و باطنی عبادت کرتا ہے' اس کی غیر مشروط اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہے' اسی کی رضا و رضوان کا متلاشی رہتا ہے' اسی سے خوف وخشیت کا معاملہ کرتا ہے' اسی پر بھروسا کرتا ہے' اسی کے نام کی نذر و نیاز کرتا ہے' شریعت سازی کا اختیار بھی اللہ کو ہی دیتا ہے' اسی سے مدد مانگتا ہے' اسی کی قسم اٹھاتا ہے' اسی کو سجدہ کرتا ہے' اسی کے آگے رکوع کرتا یا جھکتا ہے۔ وہ زندگی کا کوئی بھی پہلو ہو' اس میں توحید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔

مسلمان حکم الٰہی کی اطاعت کرتا ہے

اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ایک سچا مسلمان اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کی اطاعت کرنے والا' اس کے سامنے عاجزی و فروتنی کرنے والا' خشوع اور خضوع اختیار کرنے والا' اللہ کے مقرر کردہ حدود پر ٹھیرنے والا' اس کے ہر حکم کی تعمیل کرنے والا (خواہ وہ اس کی خواہش کے برخلاف ہو) اور اس کے بتلائے ہوئے طریقہ پر چلنے والا ہو (خواہ وہ اس کے مزاج کے خلاف ہو) دراصل مسلمان کے ایمان کی کسوٹی' بغیر کسی استثنا کے ہر چھوٹے بڑے کام میں اللہ اور رسول کے احکام کی پیروی اور اتباع ہی ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ))

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی

خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائیں۔'' ①

ارشاد ربانی ہے:

﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

(النساء ۴/ ۶۵)

''نہیں اے محمد، تمہارے رب کی قسم! یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں بلکہ سر تسلیم کر لیں۔''

یہ اللہ اور اس کے رسول کی مطلق تابع داری اور مکمل اطاعت ہے جس کے بغیر نہ ایمان کا تحقق ہو سکتا ہے نہ اسلام کا۔ اس بنیاد پر ممکن نہیں کہ سچے مسلمان کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے طریقے سے انحراف اور اس کے رسول کے احکام سے پہلوتہی ہو۔ ایسا نہ اس کی انفرادی زندگی میں ہوگا اور نہ اس کے خاندان کے لوگوں اور متعلقین میں ہوگا جو اس کی زیر تربیت اور زیر نگرانی ہوں۔ جن کے سلسلہ میں وہ ذمہ دار ہو اور جن کے اوپر اسے اختیار حاصل ہو۔

---

① الاربعين النووية شرح السنة (۲۱۲، ۲۱۳، ح ۱۰۴) مشكوٰة (۱۶۷) كتاب السنة لابن ابی عاصم ۱/ ۱۲ تاریخ بغداد ۴/ ۳۶۹۔ فتح الباری ۱۳/ ۲۸۹۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

((اخرجه الحسن بن سفيان وغيره و رجاله ثقات و قد صححه النووی فی آخر الاربعين))

''اسے حسن بن سفیان وغیرہ نے نکالا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ امام نوویؒ نے اربعین کے آخر میں اسے صحیح کہا ہے۔''

بعض اہل علم نے اسے نعیم بن حماد کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔ ہمارے نزدیک نعیم بن حماد حسن الحدیث ہے۔ واللہ اعلم (ابوالحسن ربانی)

مسلمان اپنے متعلقین کے بارے میں جواب دہی کا احساس رکھتا ہے

اس لیے کہ اگر اس کے خاندان کے کسی فرد سے اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں کوئی تقصیر، سستی یا تفریط سرزد ہو جائے گی تو وہ اس کا (مسئول) ذمہ دار ہے اور اس سے اس کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ حدیث میں ہے:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَ كُلُّكُمْ مَسْؤُلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ))

''تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے، اور ہر شخص سے اس کے ماتحت رہنے والے لوگوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا......''[1]

یہ ذمہ داری سچے مسلمان کو کسی پہلو چین لینے نہیں دیتی۔ وہ اس پر صبر نہیں کر سکتا کہ اس کے خاندان میں کوئی خلاف شریعت بات پائی جائے۔ اور خواہ اس کے نتائج کچھ بھی ہوں، وہ اس کے اسباب کا ازالہ کرنے کی جدوجہد کرتا ہے۔ اس ذمہ داری پر وہی شخص خاموش رہے گا جس کے ایمان میں ضعف ہو، جس کے دین میں کمزوری ہو اور جس کی مردانگی میں کمی ہو۔

مسلمان اللہ کے فیصلہ اور تقدیر پر راضی رہتا ہے

سچا مسلمان اللہ تعالیٰ کے فیصلہ اور تقدیر پر راضی رہتا ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کو اپنے پیش نظر رکھتا ہے:

((عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ! إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ))

''مؤمن کا معاملہ بھی عجیب وغریب ہے۔ اس کے ہر کام میں خیر ہے۔ اگر اسے خوشی حاصل ہوتی ہے تو شکر ادا کرتا ہے، اور یہ اس کے لیے بہتر ہوتا

---

[1] بخاری۔ کتاب الجمعۃ: باب الجمعۃ فی القریٰ والمدن (ح ۸۹۳)
مسلم۔ کتاب الامارۃ: باب فضیلۃ الامیر العادل و عقوبۃ الجائر (ح ۱۸۲۹)

ہے۔ اور اگر اسے تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے' اور اس میں بھی اس کے لیے خیر ہوتی ہے۔''①

یہ اس لیے کہ سچا مسلمان اپنے دل میں یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ تقدیر پر ایمان اسلام کا ایک رکن ہے اور اس زندگی میں اسے جو کچھ (نقصان) پہنچنا ہے وہ خطا نہیں ہوسکتا' کیونکہ وہ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے' جس کو دفع کرنے پر وہ قادر نہیں ہے۔ اسی طرح وہ یہ عقیدہ بھی رکھتا ہے کہ اللہ کی متعین کردہ تقدیر پر راضی ہونے سے اسے اللہ کی طرف سے بہت زیادہ اجر و ثواب ملے گا اور اس کا شمار اللہ کریم پر ایمان لانے اور اس کی اطاعت کرنے والوں اور کامیاب لوگوں میں سے ہوگا۔

اسی وجہ سے اس کے ہر کام میں خیر ہوتی ہے۔ اگر اسے خوشی حاصل ہوتی ہے تو اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتا ہے جس نے اسے اس نعمت سے نوازا اور اس پر فضل و احسان کیا' اور اگر اسے تکلیف لاحق ہوتی ہے تو وہ حکم الٰہی کی تعمیل میں صبر کرتا ہے' اس کی تقدیر پر رضا کا اظہار کرتا ہے۔ اور دونوں حالتوں میں اس کے لیے خیر ہے۔

مسلمان توبہ و استغفار کرتا رہتا ہے

بسا اوقات مومن پر غفلت طاری ہو جاتی ہے اور اس سے کوئی لغزش ہو جاتی ہے یا کوئی کوتاہی سرزد ہو جاتی ہے' جو کہ ایک صاحب بصیرت' مطیع اور عاجزی اور خشوع و خضوع اختیار کرنے والے بندے سے نہ ہونی چاہیے مگر بہت جلد اسے یاد آ جاتا ہے' وہ غلطی پر متنبہ ہو جاتا ہے' غفلت سے بیدار ہو جاتا ہے' لغزش سے رجوع کر لیتا ہے' کوتاہی پر استغفار کرتا ہے اور اپنے فعل پر شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے' توبہ و استغفار کرتے ہوئے اور اللہ رحیم و کریم کے سامنے عاجزی اور فروتنی کرتے ہوئے اپنے امن دینے والے رب کی پناہ میں آ جاتا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ

① مسلم۔ کتاب الزهد: باب المومن امره كله خير (ح ۲۹۹۹)

مُّبۡصِرُوۡنَ ۝ (الاعراف: ۷/ ۲۰۱)

''جو لوگ متقی ہیں ان کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ کبھی شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال اگر انہیں چھو بھی جاتا ہے تو وہ فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں (اور پھر انہیں صاف نظر آنے لگتا ہے کہ ان کے لیے صحیح طریقہ کار کیا ہے۔)''

اور غفلت اس دل پر طاری نہیں ہوتی جو اللہ کریم سے محبت کرتا ہو اور اسی سے ڈرتا ہو۔ غفلت تو صرف ان دلوں پر ڈیرہ جماتی ہے جو اللہ کریم کے حکم اور اس کی ہدایت سے اعراض کرتے ہوں۔ سچے مسلمان کا دل تو ہمیشہ توبہ و استغفار اور انابت کے لیے کھلا رہتا ہے' اور وہ ہمیشہ اطاعت' ہدایت' تقویٰ اور رضائے الٰہی سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

مسلمان کا مقصد زندگی رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے

سچا مسلمان اپنے تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی چاہتا ہے۔ اس کے پیش نظر ہر قدم پر اور ہر عمل میں صرف اللہ کی خوشنودی مقصود ہوتی ہے نہ کہ لوگوں کی خوشنودی' بلکہ بسا اوقات وہ اللہ کی خوشنودی کے راستے میں لوگوں کو ناراض کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں وہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے رہنمائی حاصل کرتا ہے:

((مَنِ الْتَمَسَ رِضَی اللّٰهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللّٰهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ' وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَی النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰهِ وَ كَلَهُ اللّٰهُ اِلَی النَّاسِ))

''جس نے لوگوں کو ناراض کر کے اللہ کی رضا جوئی حاصل کی' اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کی تکالیف سے کافی ہو جاتا ہے۔ اور جس نے اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کرنا چاہا' اسے اللہ تعالیٰ لوگوں کے سپرد کر دیتا ہے۔'' ①

---

① ترمذی۔ کتاب الزهد: باب (٦٤) منه عاقبة من التمس رضى الناس بسخط الله

چنانچہ وہ اپنے اعمال کو رضائے الٰہی کے ترازو میں تولتا ہے۔ جو پلڑا جھک جاتا ہے اسے قبول کر لیتا ہے اور اسی پر راضی ہو جاتا ہے' اور جو پلڑا اٹھ جاتا ہے اس سے اعراض کر لیتا ہے اور اسے ترک کر دیتا ہے۔ اسی بنا پر مسلمان کے پیمانے درست رہتے ہیں۔ اس کے سامنے سیدھے راستے کے نقوش نمایاں رہتے ہیں اور وہ ایسی متضاد اور باہم متعارض باتوں میں نہیں پڑتا جو کم عقلی پر دلالت کریں اور جن پر لوگ ہنسیں۔ مثلاً کسی ایک کام میں اللہ کی اطاعت کرے اور دوسرے کام میں اللہ کی نافرمانی کرے' یا ایک چیز کو ایک سال حلال قرار دے اور دوسرے سال حرام۔ کیونکہ اگر اصول صحیح ہوں' طریقہ کار واضح ہو' پیمانے متعین ہوں تو تناقض و تعارض کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جن لوگوں کو تم دیکھتے ہو کہ مسجد میں تو بڑے خشوع و خضوع سے نمازیں ادا کرتے ہیں' مگر بازاروں میں سودی لین دین اور سودی کاروبار کرتے ہیں یا جن لوگوں کو دیکھتے ہو کہ گھر یا بازار یا مدرسہ یا محفلوں میں اپنے آپ پر' اپنے اہل و عیال پر اور اپنے متعلقین پر اللہ احکم الحاکمین کی شریعت کو نافذ نہیں کرتے' وہ دین اسلام کی حقیقت کے بارے میں اپنے فہم و تصور میں نقص اور اضطراب کا شکار ہیں۔ جبکہ دین اسلام ایک مسلمان کو اس کے تمام اعمال میں ایک بڑی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے' اور وہ ہے ''اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی'' ان کا نام کے علاوہ اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ شخصیت کا یہ دو رُخا پن ان خطرناک چیزوں میں سے ہے جن میں اس زمانے کے مسلمان مبتلا ہیں۔

مسلمان فرائض و ارکان اور نوافل ادا کرنے والا ہوتا ہے

سچا مسلمان اسلام کے فرائض و ارکان کو کامل طور پر اور اچھی طرح سے ادا کرتا ہے' اور ان میں ذرا سی بھی سستی' کاہلی اور تساہلی نہیں برتتا۔

پس وہ پنج وقتہ نمازیں وقت پر ادا کرتا ہے' کیونکہ نماز دین کا ستون ہے' جس

نے اسے قائم کیا اس نے دین کو قائم کیا اور جس نے اسے ترک کر دیا اس نے دین کو ڈھا دیا۔ ① نماز کا شمار بہترین اور افضل اعمال میں ہوتا ہے' جیسا کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے' فرماتے ہیں:

((سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ ؟ قَالَ: (اَلصَّلَاةُ عَلٰی وَقْتِهَا) ' قُلْتُ: ثُمَّ اَیٌّ ؟ قَالَ: بِرُّ الْوَالِدَیْنِ قُلْتُ: ثُمَّ اَیٌّ؟ قَالَ: (اَلْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ))

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ سب سے اچھا عمل کون سا ہے؟ فرمایا: ''نماز کو وقت پر ادا کرنا۔'' میں نے عرض کیا: ''پھر؟ (یعنی اس کے بعد کون سا عمل افضل ہے؟) فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنا۔'' ②

یہ اس لیے کہ نماز بندے اور رب کے درمیان ایک تعلق ہے جس میں انسان دنیا کی مشغولیات سے یکسو ہو کر اپنے پورے وجود کے ساتھ اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے' اس سے ہدایت' مدد اور رہنمائی چاہتا ہے اور اس سے سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھنے کی درخواست کرتا ہے۔

پس یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ نماز کا شمار بہترین اور افضل اعمال میں ہو۔ اس لیے کہ یہ ایسا کشادہ گھاٹ ہے جس سے مسلمان تقویٰ حاصل کرتا ہے اور ایسا میٹھا اور صاف ستھرا سرچشمہ ہے جس کے شفاف پانی سے وہ اپنے گناہوں اور خطاؤں کو دھوتا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

---

① دیکھیے احیاء العلوم (۱/۱۴۷)

② بخاری۔ کتاب مواقیت الصلاۃ: باب فضل الصلاۃ لوقتها (ح ۵۲۷) مسلم۔ کتاب الإیمان: باب بیان کون الإیمان باللہ تعالیٰ آفضل الأعمال (ح ۸۵)

((اَرَأَيْتُمْ لَوْ اَنَّ نَهْرًا بِبَابِ اَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ مِنْهُ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ، هَلْ يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ ؟)) قَالُوْا: لَا يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ، قَالَ: (فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا))

''بھلا بتاؤ' اگر کسی کے دروازے پر ایک نہر بہتی ہو جس میں وہ روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو' تو کیا اس کے جسم پر کچھ میل کچیل رہے گا؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''اس کے جسم پر کچھ میل کچیل ① نہیں بچے گا۔'' آپؐ نے فرمایا: ''یہی مثال پنج گانہ نمازوں کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے تمام خطاؤں کو مٹا دیتا ہے۔'' ②

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ كَمَثَلِ نَهْرٍ غَمْرٍ جَارٍ عَلَى بَابِ اَحَدِكُمْ، يَغْتَسِلُ مِنْهُ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ))

''پنج گانہ نمازوں کی مثال نہر کی سی ہے جو کسی کے دروازے پر بہہ رہی ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو۔'' ③

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

((اَنَّ رَجُلًا اَصَابَ مِنِ امْرَاَةٍ قُبْلَةً فَاَتَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم، فَاَخْبَرَهُ))

''ایک شخص نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا' پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو یہ عمل سرزد ہونے کے بارے میں بتلایا۔''

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

---

① حدیث میں ''درن'' کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہیں: گندگی اور میل کچیل۔

② بخاری۔ کتاب مواقیت الصلاۃ: باب الصلوات الخمس کفارۃ (ح ۵۲۸)
مسلم۔ کتاب المساجد: باب المشی الی الصلاۃ تمحی بہ الخطایا (ح ٦٦٧)

③ مسلم۔ حوالہ سابق (ح ٦٦٧)

﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ﴾ (هود: ۱۱/ ۱۱۴)

''نماز قائم کرو، دن کے دونوں سروں پر اور کچھ رات گزرنے پر، درحقیقت نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔''

اس شخص نے عرض کیا:

((اَلِیَ هٰذَا؟))

''کیا یہ صرف میرے لیے ہے؟''

آپ ﷺ نے فرمایا:

((لِجَمِیعِ اُمَّتِیْ کُلِّهِمْ))

''یہ میری پوری امت کے لیے ہے۔'' [1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ، وَالْجُمُعَةُ اِلَی الْجُمُعَةِ، کَفَّارَةٌ لِمَا بَیْنَهُنَّ مَا لَمْ تُغْشَ الْکَبَائِرَ))

''پانچ وقت کی نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک ان کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہے، جب کہ کبائر کا ارتکاب نہ کیا جائے۔'' [2]

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنِ امْرِیءٍ مُسْلِمٍ تَحْضُرُهُ صَلَاةٌ مَکْتُوبَةٌ فَیُحْسِنُ وُضُوءَهَا، وَخُشُوعَهَا، وَ رُکُوعَهَا، اِلَّا کَانَتْ کَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوبِ، مَا لَمْ تُؤْتَ کَبِیرَةٌ، وَذٰلِكَ الدَّهْرَ کُلَّهٗ))

---

[1] بخاري۔ کتاب مواقیت الصلاة: باب الصلاة کفارة (ح ۵۲۶)
مسلم۔ کتاب التوبة: باب قوله تعالیٰ ﴿ان الحسنات یذهبن السیئات﴾ (ح ۲۷۶۳)

[2] مسلم۔ کتاب الطهارة: باب الصلوات الخمس والجمعة إلی الجمعة (ح ۲۳۳)

''فرض نماز کا وقت آئے اور کوئی شخص اچھی طرح وضو کرے، پھر خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھے اور رکوع اور سجدہ اچھی طرح کرے، تو یہ نماز اس کے پہلے کے تمام گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے، بشرطیکہ گناہ کبیرہ سے احتراز کیا جائے اور یہ ہمیشہ کے لیے ہوگا۔'' [1]

نماز کی فضیلت واہمیت اور نماز پڑھنے والوں کے لیے اس کے خیر و برکت ہونے کے سلسلہ میں احادیث، آثار اور اخبار بکثرت مروی ہیں، جن کے بیان کرنے کے لیے یہ صفحات ناکافی ہیں۔

اسی طرح ایک متقی مسلمان مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی شدید خواہش رکھتا ہے اور جس حد تک ممکن ہوتا ہے اس کی کوشش کرتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

((صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ اَفْضَلُ مِنْ صَلَاةِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّ عِشْرِيْنَ دَرَجَةً))

''باجماعت نماز، تنہا نماز سے ستائیس گنا افضل ہے۔'' [2]

نیز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

((اِنَّ الْمُسْلِمَ اِذَا تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ، ثُمَّ خَرَجَ اِلَى الْمَسْجِدِ، لَا يُخْرِجُهُ اِلَّا الصَّلَاةُ، لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً اِلَّا رُفِعَتْ لَهُ بِهَا دَرَجَةٌ، وَ حُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةٌ، فَاِذَا صَلّٰى لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ مَا دَامَ فِيْ مُصَلَّاهُ مَا لَمْ يُحْدِثْ: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ، وَلَا يَزَالُ فِيْ صَلَاةٍ مَا انْتَظَرَ

---

[1] مسلم۔ کتاب الطهارة: باب فضل الوضوء والصلاة عقبه (ح ۲۲۸)

[2] بخاری۔ کتاب الاذان باب فضل صلاة الجماعة (ح ۶۴۵)
مسلم۔ کتاب المساجد باب فضل صلاة الجماعة و بیان تشدید فی التخلف عنها (ح ۶۵۰)

الصَّلَاةَ))

''مسلمان جب اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر مسجد جاتا ہے اور صرف نماز ہی کے لیے نکلتا ہے تو ہر ہر قدم پر اس کا ایک درجہ بلند کر دیا جاتا ہے اور ایک ایک خطا بخش دی جاتی ہے۔ ① پھر جب تک وہ نماز پڑھتا رہتا ہے' فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اسے حدث لاحق ہو جائے۔ اور فرشتے کہتے ہیں: ''اے اللہ! اس کی بخشش فرما' اے اللہ! اس پر رحم فرما'' اور وہ جب تک نماز کے انتظار میں رہتا ہے اس کا شمار نماز میں ہوتا ہے۔'' ②

رسول کریم ﷺ نے جماعت کا التزام کرنے والے نمازی کو (جب وہ صبح یا شام مسجد جاتا ہے) جنت کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

((مَنْ غَدَا اِلَی الْمَسْجِدِ اَوْ رَاحَ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهٗ فِی الْجَنَّةِ نُزُلًا ' كُلَّمَا غَدَا اَوْ رَاحَ))

''جو شخص صبح یا شام کو مسجد میں نماز باجماعت ادا کرے گا' اللہ تعالیٰ اس کے ہر دفعہ مسجد میں آنے کے عوض میں جنت میں اس کی مہمان نوازی کرے گا۔'' ③

اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز باجماعت کی شدید خواہش رکھتے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

---

① اسی لیے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مسجد جاتے ہوئے چھوٹے چھوٹے قدم رکھتے تھے' تاکہ قدموں کی تعداد زیادہ ہو جائے اور زیادہ ثواب ملے۔ سبحان اللہ! کیا جذبہ ہے نیکیاں حاصل کرنے کا۔

② بخاری۔ کتاب الصلاۃ: باب الصلاۃ فی مسجد السوق (ح ۴۷۷)
مسلم۔ کتاب المساجد: باب فضل الصلاۃ المکتوبۃ فی جماعۃ (ح ۶۴۸/ ۲۷۲)

③ بخاری۔ کتاب الاذان: باب فضل من غدا الی المسجد و من راح (ح ۶۶۲)
مسلم۔ کتاب المساجد: باب المشی الی الصلاۃ تمحی به الخطایا (ح ۶۶۹)

((مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَلْقَى اللّٰهَ تَعَالٰى غَدًا مُسْلِمًا فَلْيُحَافِظْ عَلٰى هٰؤُلَاءِ الصَّلَوَاتِ حَيْثُ يُنَادٰى بِهِنَّ، فَاِنَّ اللّٰهَ شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ ﷺ سُنَنَ الْهُدٰى، وَ اِنَّهُنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى، وَلَوْ اَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ كَمَا يُصَلِّيْ هٰذَا الْمُتَخَلِّفُ فِيْ بَيْتِهٖ لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ، وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ، وَلَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا اِلَّا مُنَافِقٌ مَعْلُوْمُ النِّفَاقِ، وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يُؤْتٰى بِهٖ يُهَادٰى بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتّٰى يُقَامَ فِي الصَّفِّ))

''جس شخص کو اس کا شوق ہو کہ وہ قیامت کے دن مسلمان کی طرح اللہ کے سامنے پیش ہو، وہ پانچوں وقت کی نماز اس مسجد میں جہاں اذان دی جاتی ہے، باجماعت ادا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کو جو طریقہ ہائے ہدایت عطا فرمائے ہیں، ان میں پانچوں نمازیں باجماعت پڑھنا بھی شامل ہے، اور اگر تم نے یہ نمازیں اپنے گھروں میں پڑھ لیں، جیسے یہ پیچھے رہ جانے والا پڑھتا ہے، تو تم نے اپنے نبی کی سنت ترک کر دی، اور اگر تم نے اپنے نبی کی سنت ترک کر دی تو تم گمراہ ہو گئے۔ ہم نے کسی صحابی کو جماعت سے غیر حاضر ہوتے نہیں دیکھا۔ جماعت سے وہی شخص غیر حاضر ہوتا جو کھلا ہوا منافق ہوتا تھا۔ (۱) بیمار بھی دو آدمیوں کے ساتھ لایا جاتا تھا اور صف میں شامل کر دیا جاتا تھا۔'' (۲)

رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں نماز باجماعت کا اس قدر اہتمام کیا کہ بغیر کسی عذر کے جماعت چھوڑنے والوں کے گھروں کو جلا دینے کا ارادہ فرمایا، ارشاد ہے:

((وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ، فَيُحْتَطَبَ، ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَيُؤَذَّنَ لَهَا، ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمَّ النَّاسَ، ثُمَّ

---

(۱) یعنی بیمار بھی اپنی کمزوری کے باوجود دو آدمیوں کا سہارا لے کر چلتا ہوا مسجد میں آتا تھا۔

(۲) مسلم۔ کتاب المساجد: باب صلاۃ الجماعۃ من سنن الهدیٰ (ح ۶۵۴)

اُخَالِفَ اِلٰی رِجَالٍ فَاُحَرِّقَ عَلَیْهِمْ بُیُوْتَهُمْ))

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ کسی کو لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں' پھر نماز کے لیے اذان کہنے کا حکم دوں' پھر ایک شخص کو امامت کے لیے آمادہ کروں' پھر جو لوگ جماعت میں شریک نہ ہوں ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔'' ①

اس کے بعد اگر ہمیں یہ معلوم ہو تو کوئی تعجب نہیں کہ سیدنا سعید بن مسیّب نے تیس سال کے دوران میں مسجد میں کسی کی گردن کی پشت نہیں دیکھی۔ اس لیے کہ وہ ہمیشہ اذان سے پیشتر ہی پہلی صف میں پہنچ جاتے تھے۔ سیدنا سعیدؒ کے علاوہ مسلمانوں کی تاریخ میں اور بھی بہت سی ایسی مثالیں ملتی ہیں۔

اذان سننے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جماعت میں حاضری سے کوئی چیز باز نہ رکھتی تھی' خواہ ان کے گھر کتنے ہی دور کیوں نہ ہوں۔ اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں جماعت کی بہت زیادہ اہمیت تھی' بلکہ صحابہ کرام مسجد سے اپنے گھروں کے دور ہونے پر خوش ہوتے تھے کہ اس طرح مسجد تک ان کے قدموں کا شمار ہوگا اور ان کا ثواب ان کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔ سبحان اللہ!

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((كَانَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ لَا اَعْلَمُ اَحَدًا اَبْعَدُ مِنَ الْمَسْجِدِ مِنْهُ' وَ كَانَتْ لَا تُخْطِئُهُ صَلَاةٌ! فَقِيْلَ لَهُ: لَوِ اشْتَرَيْتَ حِمَارًا لِتَرْكُبَهُ فِي الظَّلْمَاءِ وَ فِي الرَّمْضَاءِ قَالَ: مَا يَسُرُّنِيْ اَنَّ مَنْزِلِيْ اِلٰى جَنْبِ الْمَسْجِدِ' اِنِّيْ اُرِيْدُ اَنْ يُّكْتَبَ لِيْ مَمْشَايَ اِلَى الْمَسْجِدِ وَ رُجُوْعِيْ اِذَا رَجَعْتُ اِلٰى اَهْلِيْ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (قَدْ جَمَعَ اللّٰهُ لَكَ ذٰلِكَ كُلَّهُ))

''ایک انصاری کا گھر مسجد سے اتنا دور تھا کہ اس سے زیادہ دور کسی کا گھر نہ

---

① بخاری۔ كتاب الأذان: باب وجوب صلاة الجماعة (ح ٦٤٤)

تھا۔ اس کے باوجود اس کی کوئی نماز باجماعت فوت نہ ہوتی تھی۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ: ''ایک گدھا خرید لو۔ اس پر سوار ہو کر رات کی تاریکی اور دن کی تپش میں [1] آ جایا کرو۔'' اس نے کہا: ''میرے لیے باعث مسرت یہ نہیں کہ مسجد کے پہلو میں میرا گھر ہو' بلکہ میں تو چاہتا ہوں کہ میرے نشاناتِ قدم گھر سے مسجد تک اور مسجد سے گھر تک لکھے جائیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے سب کا سب جمع کر دیا ہے۔'' [2]

جن صحابہ رضی اللہ عنہم کے گھر مسجد نبوی سے دور تھے' ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایت یہ تھی کہ مسجد نبوی کے قریب کے گھروں میں نہ منتقل ہوں۔ آپؐ نے انہیں پوری تاکید سے بتلایا تھا کہ مسجد آنے میں ان کے نشاناتِ قدم کا ثواب ان کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا' اور یوں ان کے قدموں کی کثرت کا ثواب ضائع نہیں ہو گا۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((خَلَتِ الْبِقَاعُ حَوْلَ الْمَسْجِدِ ، فَاَرَادَ بَنُوْ سَلِمَةَ اَنْ يَّنْتَقِلُوْا قُرْبَ الْمَسْجِدِ ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ النبيَّ ﷺ فَقَالَ لَهُمْ: (بَلَغَنِي اَنَّكُمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَنْتَقِلُوْا قُرْبَ الْمَسْجِدِ؟) قَالُوْا: نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَدْ اَرَدْنَا ذٰلِكَ، فَقَالَ: (بَنِي سَلِمَةَ دِيَارَكُمْ تُكْتَبْ آثَارُكُمْ، دِيَارَكُمْ تُكْتَبْ آثَارُكُمْ) فقالوا: ما يَسُرُّنَا اَنَّا كُنَّا تَحَوَّلْنَا))

''مسجد نبوی کے گرد کچھ گھر خالی ہوئے تو بنو سلمہ نے ارادہ کیا کہ مسجد کے قریب آ رہیں۔ آپؐ کو اس کی خبر ہوئی تو آپؐ نے ان سے فرمایا: ''میں نے سنا ہے کہ تم مسجد سے قریب منتقل ہونے کا ارادہ رکھتے ہو؟'' ان لوگوں

---

[1] حدیث میں ''رمضا'' کا لفظ ہے جس کا معنی ہے چلچلاتی ہوئی دھوپ۔

[2] مسلم۔ کتاب المساجد: باب فضل كثرة الخطاء إلى المسجد (ح ٦٦٣)

نے عرض کیا: ''ہاں اللہ کے رسول! ہمارا یہی ارادہ ہے۔'' آپؐ نے فرمایا: ''اپنے گھروں میں رہو' تمہارے گھر سے مسجد تک آنے کے نشاناتِ قدم لکھے جائیں گے۔ اپنے گھروں ہی میں رہو' تمہارے نشانات قدم لکھے جائیں گے۔'' انہوں نے کہا: ''اب ہم کو گھر بدلنا پسند نہیں۔''(۱)

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ اَعْظَمَ النَّاسِ اَجْرًا فِی الصَّلَاۃِ اَبْعَدُھُمْ اِلَیْھَا مَمْشًی فَاَبْعَدُھُمْ' وَالَّذِیْ یَنْتَظِرُ الصَّلَاۃَ حَتّٰی یُصَلِّیَھَا مَعَ الْاِمَامِ اَعْظَمُ اَجْرًا مِنَ الَّذِیْ یُصَلِّیْھَا ثُمَّ یَنَامُ))

''جتنی دور سے کوئی نماز پڑھنے آئے گا اتنا ہی زیادہ ثواب پائے گا' اور جو شخص نماز کا انتظار کرے' اور پھر باجماعت امام کے ساتھ ادا کرے' اسے اس شخص سے زیادہ ثواب ملے گا جو اکیلے نماز پڑھ لے اور سو جائے۔''(۲)

خاص طور پر فجر اور عشا کی جماعت میں حاضری پر بہت سی نصوص میں ترغیب دی گئی ہے' اور جو شخص ان دونوں نمازوں میں جماعت میں حاضر ہو اس کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت زیادہ ثواب بیان کیا ہے۔ یہاں میں صرف دو حدیثیں نقل کر رہا ہوں۔

پہلی حدیث سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

((مَنْ صَلَّی الْعِشَاءَ فِیْ جَمَاعَۃٍ فَکَاَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّیْلِ' وَ مَنْ صَلَّی الصُّبْحَ فِیْ جَمَاعَۃٍ فَکَاَنَّمَا صَلَّی اللَّیْلَ کُلَّہٗ))

---

(۱) بخاری۔ کتاب الاذان: باب احتساب الآثار (ح ٦٥٥) عن انس رضی اللہ عنہ
مسلم۔ حوالہ سابق (ح ٦٦٥)

(۲) بخاری۔ کتاب الأذان: باب فضل صلاۃ الفجر فی جماعۃ (ح ٦٥١)
مسلم۔ حوالہ سابق (ح ٦٦٢)

''جس نے عشا کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی اس نے گویا آدھی رات تک نماز پڑھی، اور جس نے صبح کی نماز بھی باجماعت ادا کی تو اس نے گویا پوری رات نماز پڑھی۔'' (یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی پوری رات عبادت کرتے ہوئے شمار ہوگی۔) (۱)

دوسری حدیث سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَیْسَ صَلَاۃٌ أَثْقَلَ عَلَی الْمُنَافِقِیْنَ مِنْ صَلَاۃِ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ وَلَوْ یَعْلَمُوْنَ مَا فِیْهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا))

''منافقوں پر فجر اور عشا کی نماز سے زیادہ گراں کوئی نماز نہیں۔ اگر وہ ان کی فضیلت جان لیں تو ضرور آئیں، خواہ گھسٹ کر آنا پڑے۔'' (۲)

ایک متقی مسلمان جو آخرت میں اپنی کامیابی چاہتا ہے وہ رات اور دن کے مختلف حصوں میں اپنی نشاط اور چستی کے مطابق نوافل پڑھنے سے نہیں چوکتا۔ اس لیے کہ نوافل کی کثرت بندے کو اس کے رب سے قریب کرتی ہے اور اسے اس کی محبوبیت اور خوشنودی کے مقام تک پہنچا دیتی ہے، اور یہ ایک بلند اور معزز مقام ہے۔ جب انسان اس مقام تک پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی عظیم قوت سے نوازتا ہے۔ چنانچہ وہ اس کا کان ہو جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے اس کی آنکھ ہو جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ ہو جاتا ہے جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اس حدیث قدسی سے اس کی تائید ہوتی ہے:

((مَا زَالَ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ إِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ، وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ، وَیَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا، وَلَئِنْ سَأَلَنِیْ

---

(۱) مسلم۔ کتاب المساجد: باب فضل صلاۃ العشاء والصبح فی جماعۃ (ح ۶۵۶)

(۲) بخاری۔ کتاب الأذان: باب فضل صلاۃ العشاء (ح ۶۵۷)

مسلم۔ کتاب المساجد: باب فضل صلاۃ الجماعۃ (ح ۶۵۱)

لَاُعْطِیَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِی لَاُعِیذَنَّهُ))

''میرا بندہ برابر نوافل کے ذریعے سے مجھ سے قریب ہوتا رہتا ہے' یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں' اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے' اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے' اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے' اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو اسے دیتا ہوں' اور اگر میری پناہ طلب کرتا ہے تو اسے پناہ دیتا ہوں۔'' (۱)

اور جب بندے سے اللہ تعالیٰ محبت کرنے لگتا ہے تو دنیا اور آسمان کے لوگ بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ اِذَا اَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرِيلَ فَقَالَ: اِنِّي اُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّهُ، قَالَ: فَيُحِبُّهُ جِبْرِيلُ، ثُمَّ يُنَادِي فِي السَّمَاءِ فَيَقُولُ: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبُّوهُ، فَيُحِبُّهُ اَهْلُ السَّمَاءِ قَالَ: ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي الْاَرْضِ۔ وَاِذَا اَبْغَضَ عَبْدًا دَعَا جِبْرِيلَ فَيَقُولُ: اِنِّي اُبْغِضُ فُلَانًا فَاَبْغِضْهُ، قَالَ: فَيُبْغِضُهُ جِبْرِيلُ، ثُمَّ يُنَادِي فِي اَهْلِ السَّمَاءِ اِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ فُلَانًا فَاَبْغِضُوهُ، قَالَ: فَيُبْغِضُونَهُ، ثُمَّ تُوضَعُ لَهُ الْبَغْضَاءُ فِي الْاَرْضِ))

''اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو بلاتا ہے اور کہتا ہے: ''میں فلاں سے محبت کرتا ہوں' تم بھی اس سے محبت کرو۔'' چنانچہ جبریل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر وہ آسمان میں اعلان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے'

(۱) بخاری۔ کتاب الرقاق: باب التواضع (ح ۶۵۰۲)

تم لوگ بھی اس سے محبت کرو۔'' چنانچہ آسمان کے لوگ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر اسے زمین میں بھی مقبول بنا دیا جاتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے نفرت کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو بلاتا ہے اور کہتا ہے: ''میں فلاں سے نفرت رکھتا ہوں' تم بھی اس سے نفرت رکھو۔'' چنانچہ جبریل علیہ السلام اس سے نفرت رکھتے ہیں اور آسمان کے لوگوں میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے نفرت رکھتا ہے' تم لوگ بھی اس سے نفرت رکھو۔ چنانچہ وہ لوگ بھی اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ پھر دنیا میں بھی اسے مبغوض بنا دیا جاتا ہے۔'' [1]

اسی لیے رسول اللہ ﷺ رات میں اتنی اتنی دیر تک نماز پڑھتے تھے کہ آپ کے قدم مبارک میں ورم آ جاتا تھا۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پوچھتی ہیں: ''اے اللہ کے رسول! آپ اتنی مشقت کیوں فرماتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے ہیں۔'' آپ جواب دیتے ہیں:

((اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا))

''کیا میں (اپنے رب کا) شکر گزار بندہ نہ بنوں؟'' [2]

سچا مسلمان کوشش کرتا ہے کہ اس کی تمام نمازیں اچھی طرح ادا ہوں اور تمام شرائط پوری ہوں اور اس کی نماز محض قیام وقعود اور حرکات وسکنات کا مجموعہ نہ ہو کہ نماز پڑھتے ہوئے ذہن منتشر ہو' نفس پراگندہ ہو اور دل خالی ہو۔

اسی طرح وہ نماز کے بعد فوراً واپس نہیں آ جاتا کہ زندگی کی مشغولیات میں

---

[1] مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب اذا احب الله عبدا آمر جبريل فاحبه (ح ٢٦٣٧) اور بخاری۔ کتاب الادب: باب المقة من الله تعالیٰ (ح ٦٠٤٠) میں مختصراً مروی ہے۔

[2] بخاری۔ کتاب التفسير' سورة الفتح: باب قوله ﴿ليغفرلك الله ما تقدم من ذنبك﴾ (ح ٤٨٣٧)
مسلم۔ کتاب صفات المنافقين: باب اكثار الاعمال والا جتهاد في العبادة (ح ٢٨٢٠)

منہمک ہو جائے اور اس کے تیز دھارے میں بہنے لگے' بلکہ نماز کے بعد دعا و استغفار اور اذکار و تسبیحات میں مشغول رہتا ہے' جن کے بارے میں حدیث میں صراحت کی گئی ہے' اور ان کے بعد بزرگ و برتر ذاتِ باری سے دل کی گہرائیوں سے خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگتا ہے کہ اسے دنیا و آخرت دونوں کی بھلائیوں سے نوازے اور اس کا معاملہ درست فرما دے۔ اس طرح ''نماز'' روح کے تصفیہ' دل کی پاکیزگی اور نفس کے تزکیہ میں نمایاں کردار ادا کرتی ہے' اور اسی لیے رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

((وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ))

''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔'' ①

اس طرح سچے اور خشوع و خضوع سے نماز پڑھنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کی پناہ اور اس کی نگرانی میں رہتے ہیں۔ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو گھبراتے نہیں اور جب کوئی خیر نصیب ہوتی ہے تو بخل سے کام نہیں لیتے:

﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۝ إِلَّا الْمُصَلِّينَ﴾ (المعارج ۷۰/ ۱۹ تا ۲۲)

''انسان کم حوصلہ پیدا کیا گیا ہے۔ جب اس پر مصیبت آتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب اسے خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔ مگر وہ لوگ (اس عیب سے بچے ہوئے ہیں) جو نماز پڑھنے والے ہیں۔''

اگر مسلمان مال دار ہوتا ہے اور اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو وہ زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔ اس فریضہ میں سے اس پر جتنے مال کی ادائیگی لازم ہوتی ہے اس کا پوری باریکی و امانت اور تقویٰ سے حساب لگاتا ہے اور اسے شرعی مصارف میں خرچ کرتا ہے' خواہ اس پر واجب ہونے والی زکوٰۃ کی مقدار لاکھوں اور کروڑوں تک پہنچ جائے' اور اس کے دل کے کسی گوشہ میں کبھی یہ خیال نہیں پھٹکتا کہ اس پر جو زکوٰۃ واجب ہوئی ہے اسے ادا کرنے سے راہِ فرار اختیار کرلے۔

---

① مسند احمد (۳/ ۱۲۸) نسائی۔ کتاب عشرۃ النساء: باب حب النساء (ح ۳۳۸۱)

اس لیے کہ زکوٰۃ ایک متعین کردہ مالی اور تعبدی فریضہ ہے۔ شریعت کے بیان کے مطابق اس کی پوری پوری ادائیگی میں سچا مسلمان کوتاہی نہیں کر سکتا۔ اس کے ادا کرنے میں تو وہی مسلمان عذر اور بہانہ تلاش کرے گا جس کی دین داری میں کھوٹ ہو' جس کے نفس میں تنگی ہو' اور جس کے کردار میں کجی ہو۔ ہمارے لیے یہی جان لینا کافی ہے کہ زکوٰۃ نہ ادا کرنے والا مستحق قتل ہے اور اس کا خون مباح ہے' یہاں تک کہ اس کی پوری پوری ادائیگی کر دے جس طرح کہ دین کے احکام میں بتلایا گیا ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مرتدین کے سلسلہ میں یہ ارشاد رہتی دنیا تک گونجتا رہے گا اور دین اور دنیا کے تعلق کے بارے میں اس دین کی عظمت کا اعلان کرتا رہے گا:

((وَاللّٰهِ لَاُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ))

''اللہ ذوالجلال کی قسم! میں ان لوگوں سے جنگ کروں گا جنھوں نے نماز اور زکوٰۃ کو الگ الگ کر دیا ہے۔'' (۱)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قسم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دین کامل کے مزاج اور اس کی بنیاد قائم کرنے میں نماز اور زکوٰۃ کے درمیان گہرے تعلق کے بارے میں ان کا فہم انتہائی عمیق تھا' کیونکہ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ قرآن کریم کی بے شمار آیتوں میں پے در پے یکے بعد دیگرے اور ایک ساتھ نماز اور زکوٰۃ کا ذکر ہے' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ (المائدہ: ۵/ ۵۵)

''جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ﴾ (البقرہ: ۲/ ۲۷۷)

''وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔''

---

(۱) بخاری۔ باب وجوب الزکوٰۃ (ح ۱۴۰۰) مسلم۔ کتاب الایمان: باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ (ح ۲۰)

نیز فرمایا:

﴿وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ﴾ (البقرہ ۲/ ۴۳)

''اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔''

مسلمان صیام (روزہ) رکھنے والا ہوتا ہے

سچا مسلمان ایمان اور اجر کی خاطر رمضان کے روزے رکھتا ہے اور ایمان اس کے دل میں جاگزیں ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((مَنۡ صَامَ رَمَضَانَ اِیۡمَانًا وَ اِحۡتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡبِهِ))

''جو شخص رمضان میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے روزے رکھے گا' اس کے تمام پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔'' ①

اسی طرح وہ روزہ کے آداب کا خیال رکھتا ہے اور زبان' نگاہ اور دیگر اعضا کو ان چیزوں سے محفوظ رکھتا ہے جن سے اس کا روزہ مخدوش ہو' یا اس سے اجر میں کمی واقع ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا کَانَ یَوۡمُ صَوۡمِ اَحَدِکُمۡ فَلَا یَرۡفُثۡ وَلَا یَصۡخَبۡ' فَاِنۡ سَابَّهُ اَحَدٌ اَوۡ قَاتَلَهُ فَلۡیَقُلۡ: اِنِّیۡ صَائِمٌ))

''روزہ کے دن روزہ دار کو چاہیے کہ بے حیائی کے کام نہ کرے' نہ شور و شغب کرے' اور اگر کوئی اسے گالی دے یا لڑنے پر آمادہ ہو' تو کہہ دے:

① بخاری۔ کتاب الایمان: باب صوم رمضان احتسابًا من الایمان (ح ۳۸)
مسلم۔ کتاب صلاۃ المسافرین: باب الترغیب فی قیام رمضان و ھوالتراویح (ح ۷۶۰)

میں روزہ سے ہوں۔" ①

نیز فرمایا:

((مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهُ وَ شَرَابَهُ))

"جس شخص نے (روزہ رکھ کر بھی) جھوٹ بولنا اور جھوٹی بات پر عمل کرنا نہ چھوڑا' اللہ کو اس بات کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑے۔" ②

روزہ دار مسلمان کو یاد رہنا چاہیے کہ وہ جس مہینے میں روزے رکھ رہا ہے وہ دوسرے مہینوں سے مختلف ہے۔ وہ روزہ کا مہینا ہے اور روزہ اللہ کے لیے ہے اور وہی اس کا بدلہ دے گا۔ اور غنی' فضل واحسان کرنے اور رحمتوں سے نوازنے والے اللہ کریم کا بدلہ اتنا زیادہ اور اتنا عام ہے کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا' جیسا کہ حدیث (قدسی) میں ہے:

((كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ ' اَلْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِمِئَةِ ضِعْفٍ ـ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: اِلَّا الصَّوْمَ فَاِنَّهُ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهِ' يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَ طَعَامَهُ مِنْ اَجْلِيْ ' لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ: فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهِ ' وَ فَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ ـ وَلَخُلُوْفُ فِيْهِ اَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ))

"آدمی کا ہر عمل بڑھایا جاتا ہے' ہر نیکی پر دس گنا سے سات سو گنا تک اجر دیا جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ تو خاص میرے لیے ہے' میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ اس لیے کہ اس کا کھانا پینا چھوڑنا اور خواہشات نفسانی کا

---

① بخاری۔ کتاب الصوم: باب فضل الصوم (ح ۱۸۹۴)
مسلم۔ کتاب الصیام: باب حفظ اللسان للصائم (ح ۱۱۵۱)

② بخاری۔ کتاب الصوم: باب من لم یدع قول الزور والعمل به فی الصوم (ح ۱۹۰۳)

ترک کرنا میری خاطر تھا۔ اور روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں : ایک اس وقت جب وہ افطار کرتا ہے' اور دوسری اپنے رب سے ملاقات کے وقت ہو گی۔ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔''①

اس لیے باہوش اور باشعور مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اس مبارک مہینے کے مختصر اوقات کو غنیمت جانے اور اس میں عمل صالح کرے۔ دن میں روزہ' نماز' تلاوت' صدقہ اور دیگر نیک اعمال کے ذریعے سے اور رات میں نوافل' تہجد اور دعا کے ذریعے سے اللہ کی مغفرت اور رضا جوئی کے لیے کوشش کرے۔

((مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ))

''جس نے ایمان کے ساتھ اور اجر چاہتے ہوئے رمضان میں نوافل ادا کیے' اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔''②

رسول اللہ ﷺ رمضان میں اور خاص طور پر آخری عشرے میں جس کثرت سے اعمال صالحہ کرنے کی کوشش کرتے تھے' اس طرح دوسرے دنوں میں نہیں کرتے تھے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَجْتَهِدُ فِي رَمَضَانَ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِي غَيْرِهِ وَ فِي الْعَشْرِ الاوَاخِرِ مِنْهُ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِي غَيْرِهِ))

''رسول اللہ ﷺ جس قدر اعمالِ صالحہ کی رمضان میں کوشش کرتے تھے اس طرح دوسرے دنوں میں نہیں کرتے تھے' اور جس طرح عشرۂ اخیرہ میں

---

① مسلم۔ کتاب الصیام: باب فضل الصیام (ح ۱۶۴/ ۱۱۵۱)

② بخاری۔ کتاب الایمان: باب تطوع قیام رمضان من الایمان (ح ۳۸)
مسلم۔ کتاب صلاۃ المسافرین: باب الترغیب فی قیام رمضان وھو التراویح (ح ۷۵۹)

کوشش کرتے تھے اس طرح رمضان کے دوسرے دنوں میں نہیں کرتے تھے۔ ①

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ:

((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ الأَوَاخِرُ مِنْ رَمَضَانَ اَحْيَا اللَّيْلَ كُلَّهُ، وَاَيْقَظَ اَهْلَهُ وَجَدَّ وَشَدَّ الْمِئْزَرَ))

''رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ کی راتوں میں شب بیداری فرماتے تھے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے تھے اور خود کمر کس کر تیار ہو جاتے تھے۔'' ②

نبی کریم ﷺ شب قدر تلاش کرنے کا حکم دیتے تھے اور اس میں نوافل وغیرہ پڑھنے کی ترغیب دیتے تھے۔ ارشاد ہے:

((تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ))

''شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو۔'' ③

آپ کا ارشاد ہے:

((تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ))

---

① مسلم۔ کتاب الاعتکاف: باب الاجتهاد فی العشر الاواخر من شهر رمضان (ح ۱۱۷۵ مختصراً)

② بخاری۔ کتاب فضل لیلة القدر: باب العمل فی العشر الاواخر من رمضان (ح ۲۰۲۴)
مسلم۔ کتاب الاعتکاف: باب الاجتهاد فی العشر الاواخر من شهر رمضان (ح ۱۱۷۴)

③ بخاری۔ کتاب فضل لیلة القدر: باب تحری لیلة القدر فی الوتر من العشر الاواخر (ح ۲۰۲۰)
مسلم۔ کتاب الصیام: باب فضل لیلة القدر والحث علی طلبها (ح ۱۱۶۹)

''شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔'' ①

ایک حدیث میں ہے:

((مَنْ قَامَ لَیْلَةَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ))

''جس نے شب قدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی امید رکھتے ہوئے نوافل ادا کیے' اس کے تمام پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔'' ②

اس وجہ سے یہ مبارک مہینا خالص عبادت کا مہینا ہے۔ اس میں ایک سنجیدہ مسلمان کے لیے کسی طرح گنجائش نہیں کہ رات لہو ولعب میں بسر کرے اور بے مصرف جاگتا رہے۔ یہاں تک کہ جب طلوع فجر کا وقت قریب ہو اور اس پر نیند طاری ہونے لگے' تو چند لقمے کھا لے اور بستر پر پڑ رہے اور خراٹے لینے لگے اور فجر کی نماز بھی ادا کرنے کے لیے اٹھنے کی ''زحمت'' نہ کرے۔

ایک متقی اور دین کی تعلیمات سے واقفیت رکھنے والا مسلمان تراویح کی نماز سے واپس آتا ہے تو زیادہ نہیں جاگتا' کیونکہ اسے عنقریب پھر تھوڑی دیر کے بعد تہجد پڑھنے اور سحری کھانے کے لیے اٹھنا پڑے گا اور پھر ادائے فجر کے لیے مسجد میں جانا ہوگا۔ یہ رسول اللہ ﷺ نے سحری کھانے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ اس میں بہت زیادہ برکت ہے۔ فرمایا:

((تَسَحَّرُوْا' فَاِنَّ فِی السُّحُوْرِ بَرَکَةً)) ③

---

① بخاری۔ حوالہ سابق (ح ۲۰۱۷)

② بخاری۔ کتاب الایمان: باب قیام لیلة القدر من الایمان (ح ۳۵)
مسلم۔ کتاب صلاۃ المسافرین: باب الترغیب فی قیام رمضان وھو التراویح (ح ۷۶۰)

③ بخاری۔ کتاب الصوم: باب برکة السحور من غیر ایجاب (ح ۱۹۲۳)
مسلم۔ کتاب الصیام: باب فضل السحور و تاکید استحبابه (ح ۱۰۹۵)

''سحری کھاؤ' کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے۔''

یہ اس لیے کہ سحری کے لیے بیداری تہجد کی نماز کی یاد دلاتی ہے اور فجر کی نماز ادا کرنے کے لیے نفس کو مسجد جانے کے لیے چست اور تیار کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے جسم کو روزہ پر تقویت حاصل ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود بھی ایسا ہی کرتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی آمادہ کرتے تھے۔

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

((تَسَحَّرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ثُمَّ قُمْنَا اِلَی الصَّلَاۃِ قِیْلَ: کَمْ کَانَ بَیْنَہُمَا قَالَ: خَمْسُوْنَ اٰیَۃً))

''ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سحری کھائی' پھر فجر کی نماز کے لیے چلے۔ کسی نے پوچھا کہ سحری اور نماز کے درمیان کتنا وقفہ ہوتا تھا؟ فرمایا: پچاس آیتوں کے پڑھنے کے بقدر۔'' [۱]

متقی اور بیدار مسلمان رمضان کے علاوہ دیگر نفلی روزے بھی (جیسے عرفہ' عاشورا' اور تاسعہ کے روزے) رکھتا ہے۔ ان دنوں کے روزے وہ افضل ترین اعمال ہیں جن سے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی تعلیم فرمائی ہے' جیسے کہ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے عرفہ کے دن کے روزے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

((یُکَفِّرُ السَّنَۃَ الْمَاضِیَۃَ وَالْبَاقِیَۃَ))

''عرفہ کا روزہ گزشتہ سال اور آئندہ سال کے گناہوں کا کفارہ ہے۔'' [۲]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ:

---

[۱] بخاری۔ کتاب الصوم: باب قدر کم بین السحور و صلاۃ الفجر (ح ۱۹۲۱)
مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۱۰۹۷)

[۲] مسلم۔ کتاب الصیام: باب استحباب صیام ثلاثۃ ایام من کل شھر (ح ۱۱۶۲)

((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ صَامَ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَاَمَرَ بِصِیَامِہٖ))

''رسول اللہ ﷺ نے عاشورا کے دن خود بھی روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی رکھنے کا حکم دیا۔ ①

سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے عاشورا کے روزوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

((يُكَفِّرُ السَّنَةَ الْمَاضِيَةَ))

''یہ گزشتہ سال کے روزوں کا کفارہ ہے۔'' ②

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَئِنْ بَقِيتُ إِلٰى قَابِلٍ لَأَصُومَنَّ التَّاسِعَ))

''اگر آئندہ ③ زندگی رہی تو میں نو محرم کو (بھی) روزہ رکھوں گا۔'' ④

یہی فضیلت شوال کے چھ روزوں کی ہے۔ ان کی فضیلت بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ، ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ))

''جس نے رمضان کے روزے رکھے' پھر شوال کے چھ روزے رکھے' اس نے گویا پورے سال کے روزے رکھے۔'' ⑤

جن دنوں میں روزہ رکھنا مستحب ہے' ان میں ہر مہینے کے تین دن بھی ہیں۔

---

① بخاری۔ کتاب الصوم: باب صوم یوم عاشوراء (ح ۲۰۰۴)
مسلم۔ کتاب الصیام: باب صوم یوم عاشوراء (ح ۱۱۳۰)

② مسلم۔ کتاب الصیام: باب استحباب صیام ثلاثة ایام من کل شهر (ح ۱۱۶۲)

③ مسلم۔ کتاب الصیام: باب ای یوم یصام فی عاشوراء (ح ۱۱۳۴)

④ مسلم۔ کتاب الصیام: باب استحباب صوم ستة ایام من شوال اتباعًا لرمضان (ح ۱۱۶۴)۹

⑤ مسلم۔ کتاب الصیام: باب استحباب صوم ستة ایام من شوال اتباعا لرمضان (ح ۱۱۶۴)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((اَوْصَانِیْ خَلِیْلِیْ صلی اللہ علیہ وسلم بِثَلَاثٍ: صِیَامِ ثَلَاثَةِ اَیَّامٍ مِنْ کُلِّ شَهْرٍ وَ رَکْعَتَی الضُّحٰی، وَ اَنْ اُوْتِرَ قَبْلَ اَنْ اَنَامَ))

''میرے خلیل (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے تین کاموں کی وصیت فرمائی ہے: ہر مہینے میں تین روزے رکھنے کی، چاشت میں دو رکعت نماز پڑھنے کی، اور سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی۔'' ①

سیدنا ابو دردا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((اَوْصَانِیْ حَبِیْبِیْ صلی اللہ علیہ وسلم بِثَلَاثٍ لَنْ اَدَعَهُنَّ مَا عِشْتُ: بِصِیَامِ ثَلَاثَةِ اَیَّامٍ مِنْ کُلِّ شَهْرٍ، وَ صَلَاةِ الضُّحٰی، وَ بِاَنْ لَا اَنَامَ حَتّٰی اُوْتِرَ))

''میرے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین کاموں کی وصیت فرمائی ہے میں انہیں زندگی بھر نہیں چھوڑوں گا: ہر مہینے تین دن روزہ رکھنے کی، چاشت کی نماز کی، اور سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی۔'' ②

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((صَوْمُ ثَلَاثَةِ اَیَّامٍ مِنْ کُلِّ شَهْرٍ صَوْمُ الدَّهْرِ کُلِّهٖ)) ③

---

① بخاری۔ کتاب الصوم: باب صیام البیض ثلاث عشرة واربع عشرة و خمس عشرة (ح ۱۹۸۱)

مسلم۔ کتاب صلاۃ المسافرین: باب استحباب صلاۃ الضحی (ح ۷۲۱)

② مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۷۲۲)

① بخاری۔ کتاب الصوم: باب صوم الدهر (ح ۱۹۷۶)

مسلم۔ کتاب الصیام: باب النهی عن صوم الدهر لمن تضربه (ح ۱۱۵۹)

ترمذی۔ کتاب الصوم: باب ماجاء فی صوم ثلاثة ایام من کل شهر (ح ۷۶۲)

نسائی۔ کتاب الصیام: باب ذکر الاختلاف علی موسی بن طلحة فی الخبر فی صیام ثلاثة ایام من الشهر (ح ۲۴۲۴)

”ہر مہینے تین دن کے روزے پورے زمانے کے روزوں کے برابر ہیں۔“

نصوص میں جن تین دنوں کی تعیین کی گئی ہے، وہ ہر مہینا کی تیرہ، چودہ، پندرہ تاریخوں پر مشتمل ہیں۔ انہیں ”ایامِ بیض“ کہتے ہیں۔ بعض دوسری نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ ہر مہینہ میں بغیر کسی تعیین کے تین دن کے روزے رکھتے تھے۔

سیدنا معاذہ عدویہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا: ”کیا رسول اللہ ﷺ ہر مہینہ میں تین دن کے روزے رکھتے تھے؟“ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”ہاں۔“ انہوں نے پھر دریافت کیا کہ: ”رسول اللہ ﷺ مہینے کے کن دنوں میں روزہ رکھتے تھے؟“ سیدہ عائشہؓ نے فرمایا: ”آپ اس کا کوئی خیال نہیں رکھتے تھے کہ مہینا میں کون سے دن روزہ رکھوں۔“ [1]

مسلمان بیت اللہ کا حج بجا لاتا ہے

ایک مسلمان کی، جو اپنے دین کے طریقہ سے واقف ہے، یہ خواہش ہوتی ہے کہ جب بیت اللہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھے گا تو حج کرے گا۔ وہ مقدس دیار کی طرف سفر کرنے سے پہلے حج کے احکام کا تفصیلی مطالعہ کرتا ہے اور حج کے ہر چھوٹے بڑے عمل سے واقفیت حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ جب مناسکِ حج ادا کرنا شروع کرتا ہے، تو اس کا حج صحیح اور مکمل ادا ہوتا ہے۔ یہ عظیم فریضہ جن بلیغ حکمتوں پر مشتمل ہے ان کو اچھی طرح سمجھتا ہے اور انہیں ذہن نشین رکھتا ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ ایمان کی طمانیت اس کے نفس کے اندرون میں موجزن ہے اور اسلام کی بشاشت اس کے وجود کو ڈھانکے ہوئے ہے۔ چنانچہ وہ اس حج مبرور کے بعد اپنے اہل وعیال کی طرف اس حال میں پلٹ کر آتا ہے کہ اس کے گناہ اس طرح دھل چکے ہوتے ہیں جیسے آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔ اس کا دل اس دین کی عظمت سے معمور ہوتا ہے جس

[1] مسلم۔ کتاب الصیام: باب استحباب صیام ثلاثہ ایام من کل شھر (ح ۱۱۶۰)

نے زمین کی تمام اقوام کو ''بیت اللہ'' کے گرد جمع کیا۔ اس لحاظ سے حج قوموں کی ایک بین الاقوامی کانفرنس ہے، جسے دنیا صرف حج ہی میں دیکھ سکتی ہے، جب کہ مختلف رنگ و جنس اور زبان کے حاجی ایک ساتھ تلبیہ، تہلیل، تکبیر، تسبیح اور اللہ واحد و بزرگ و برتر کی حمد بیان کرتے ہیں۔

مسلمان کی زندگی سراپا بندگی اور عبادت ہوتی ہے

مسلمان کا یہ پختہ عقیدہ ہوتا ہے کہ دنیا میں جتنی چیزیں ہیں، سب اس لیے پیدا کی گئی ہیں کہ اللہ کی عبادت کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (الذاریات: ۵۱/ ۵۶)

''میں نے جن اور انسانوں کو اس کے علاوہ کسی کام کے لیے نہیں پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔''

اللہ تعالیٰ کی عبادت کا اظہار انسان کی ان تمام ایجابی اور تعمیری حرکات سے ہوتا ہے جو وہ دنیا کی آبادکاری، زمین پر اللہ تعالیٰ کے احکام نافذ کرنے اور زندگی میں اس کے بتلائے ہوئے طریقہ کار کو عملی طور پر تطبیق دینے کے سلسلہ میں انجام دیتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کا اظہار اُس احساسِ بندگی سے بھی ہوتا ہے جو مسلمان کے ضمیر میں جاگزیں ہوتا ہے اور اس کے تمام اعمال کا مرکز اور ان کی بنیاد ہوتا ہے اور وہ انہیں اللہ کریم کی خوشنودی کے لیے انجام دیتا ہے۔

اسی طرح مسلمان کے اعمال کا شمار بھی عبادت میں ہوتا ہے، جس طرح کہ شعائر کی ادائیگی عبادت سمجھی جاتی ہے، بشرطیکہ تمام اعمال میں اس کی نیت یہ ہو کہ انہیں وہ اللہ کے راستے میں انجام دے رہا ہے۔

سب سے عظیم تعبدی عمل، جو ایک سچا مسلمان انجام دیتا ہے، وہ ہے زمین پر شریعت الٰہی کے نفاذ اور زندگی میں نظام الٰہی کی عملی تطبیق کے لیے جدوجہد، جس سے کہ یہ الٰہی نظام فرد، خاندان، معاشرہ اور ملک پر حکومت کر سکے۔

سچا مسلمان یہ احساس رکھتا ہے کہ اس کی عبادت ناقص رہے گی، اگر وہ اس عظیم مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے جس کے لیے جن وانس کو پیدا کیا گیا ہے، اور وہ مقصد ہے ''زمین پر اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنا'' صرف اسی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا تحقق ہوسکتا ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (الذاریات: ۵۱/ ۵۶)

''میں نے جن اور انسانوں کو اس کے علاوہ اور کسی کام کے لیے نہیں پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔''

اور صرف اسی سے اصل زندگی میں ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کا مفہوم واضح ہوسکتا ہے۔

اسلام میں حقیقت عبادت کی اس صحیح فکر اور واضح تصور کی بدولت مسلمان اپنی زندگی میں ایک پیغام کا حامل ہوتا ہے، اور وہ یہ کہ ''زندگی کے مختلف معاملات میں حکمرانی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے'' اس پیغام کے حامل ہوئے بغیر اس کا اسلام مکمل نہیں ہوسکتا، اور جب تک وہ زندگی میں اس مقصد کے حصول کے لیے سنجیدہ اور مخلص جدوجہد اور عمل پیہم پر آمادہ نہ ہو سکے، اللہ تعالیٰ کی عبادت کا تحقق نہیں ہوسکتا۔ یہی پیغام مسلمان کو اسلام کی طرف صحیح انتساب کی شناخت دیتا ہے۔ یہی پیغام اسے سچے اور جہاد کرنے والے مسلمانوں کے زمرہ میں داخل کرتا ہے۔ اور یہی پیغام زندگی کو اسلام کی نظر میں بامقصد بناتا ہے۔ یہی اس دنیا میں انسان کا مقصدِ وجود ہے اور اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اسے بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾ (الاسراء: ۱۷/ ۷۰)

''ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی وتری میں سواریاں عطا کیں، اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔''

اس لیے کوئی تعجب نہیں کہ سچا مسلمان اس پیغام کی طرف موسم بہار کی طرح متوجہ ہو'اس پر اپنی تمام آسائشیں قربان کر دے' اپنے تمام خزانے نچھاور کرے اور اس کی نصرت کے راستے میں اپنا وقت' اپنی جدوجہد اور اپنا مال و دولت قربان کر دے۔ کیونکہ یہ اس کی زندگی کا امتیازی نشان ہے' اس کے وجود کا بلند مقصد ہے اور جس کے مفقود ہونے سے اس کا وجود بے مقصد ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی و خوشنودی اس وقت تک حاصل نہیں کی جا سکتی جب تک کہ اس مقصد کے حصول کے لیے عمل پیہم اور جہد مسلسل نہ کی جائے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ ایک عظیم عبادت بھی ہے جسے ایک سچا اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنے والا مسلمان انجام دیتا ہے اور اس کے ذریعے سے اللہ کا تقرب حاصل کرتا ہے۔ یہ عظیم عمل اسے اللہ سے قریب کرتا ہے اور اس سے اس کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ اسی لیے باشعور مسلمان ہمیشہ اس پیغام کی تائید کرنے اور زندگی میں اس عظیم مقصد کے حاصل کرنے کے لیے کمربستہ رہتا ہے۔ اس کی محبت صرف اس پیغام سے ہوتی ہے۔ وہ صرف اسی کا علم بردار ہوتا ہے اور اس کے علاوہ کسی دوسرے عقیدہ کونہیں اپناتا۔

مؤمن کثرت سے قرآن کی تلاوت کرنے والا ہوتا ہے

اس عظیم اور روشن مقصد تک پہنچنے کے لیے مسلمان ہمیشہ قرآن کے دراز اور معطر سایہ تلے رہتا ہے' جہاں وہ ہدایت کے ٹھنڈے اور جانفزا جھونکوں سے لطف اندوز ہوتا ہے اور خیر کے آفاق کی طرف نگاہیں لگاتا ہے۔ قرآن کریم کی آیات اس کی رہنمائی کرتی ہیں اور اس کے سامنے آفاق کو کھول دیتی ہیں۔ چنانچہ وہ تدبر و تفکر' بصیرت اور خشوع وخضوع کے ساتھ کثرت سے تلاوت کرتا ہے اور تلاوت کے لیے کچھ اوقات مقرر کر لیتا ہے اور ان کی پابندی کرتا ہے' جن میں وہ اپنے رب سے تنہائی میں ملتا ہے اور اس کے کلام کی تلاوت کرتا ہے۔ چنانچہ اس کے معانی اس کے نفس میں سرایت ہو

کر اس کا تزکیہ کرتے ہیں' اس کی عقل میں پہنچ کر اس کی پرورش کرتے ہیں اور اس کے دل میں جاگزیں ہو کر ایمان وطمانیت میں اضافہ کرتے ہیں:

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ (الرعد ۱۳/ ۲۸)

''خبردار رہو! اللہ کی یاد ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوا کرتا ہے۔''

متقی اور باہوش مسلمان کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ قاری قرآن کی اس خوبصورت اور پسندیدہ تصویر کا مشاہدہ کرے جس کی تصویر کشی رسول اللہ ﷺ نے اپنے بلیغ اور بے مثل فرمان سے کی ہے' تاکہ مسلمان دن کی روشنی اور رات کی تاریکی میں قرآن کی تلاوت کرے اور اس کے بلند' مبارک اور روشن معانی میں تدبر کرے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَثَلُ الْمُوْمِنِ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ مَثَلُ الْاُتْرُجَّةِ ، رِیْحُھَا طَیِّبٌ وَ طَعْمُھَا طَیِّبٌ ، وَ مَثَلُ الْمُوْمِنِ الَّذِیْ لَا یَقْرَأُ الْقُرْآنَ کَمَثَلِ التَّمْرَةِ ، لَا رِیْحَ لَھَا ، وَ طَعْمُھَا حُلْوٌ ، وَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ مَثَلُ الرَّیْحَانَةِ ، رِیْحُھَا طَیِّبٌ وَ طَعْمُھَا مُرٌّ ، وَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِیْ لَا یَقْرَأُ الْقُرْآنَ کَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ لَیْسَ لَھَا رِیْحٌ وَ طَعْمُھَا مُرٌّ))

''جو مؤمن قرآن شریف پڑھتا ہے اس کی مثال ''نارنگی'' [1] کی سی ہے کہ اس کی خوشبو بھی اچھی اور ذائقہ بھی لذیذ۔ اور جو مؤمن قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال کھجور کی ہے کہ اس میں خوشبو تو نہیں ہوتی لیکن ذائقہ میٹھا ہوتا ہے۔ اور جو منافق قرآن شریف پڑھتا ہے اس کی مثال ریحان کی ہے کہ اس کی خوشبو اچھی اور ذائقہ کڑوا ہوتا ہے۔ اور جو منافق قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال حنظل کی ہے کہ اس کی کوئی خوشبو نہیں ہوتی اور ذائقہ میں کڑوا

[1] اترجہ مالٹے کی طرح کا ایک شیریں پھل ہے جس کی بو اچھی ہوتی ہے۔

ہوتا ہے۔''①

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِقْرَاُوا الْقُرْآنَ ' فَاِنَّهُ يَاْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيْعًا لِاَصْحَابِهِ))

''قرآن پڑھا کرو' یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے لیے سفارش کرنے والے کی حیثیت سے آئے گا۔''②

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَلَّذِي يَقْرَاُ الْقُرْآنَ وَ هُوَ مَاهِرٌ بِهِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ ' وَالَّذِي يَقْرَاُ الْقُرْآنَ وَ يَتَتَعْتَعُ فِيْهِ ' وَ هُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ ' لَهُ اَجْرَانِ))

''جو شخص قرآن کو سمجھ کر پڑھتا ہے وہ بزرگ فرشتوں کے ساتھ ہوگا' اور جو اٹک اٹک کر مشکل سے پڑھتا ہے اس کے لیے دو گنا اجر ہے۔''③

کیا اس کے بعد بھی سچا مسلمان قرآن کی تلاوت اور اس کے معانی میں تدبر و تفکر میں تردد کر سکتا ہے؟ پس ایک سچے مسلمان کا اپنے رب سے ایسا ہی تعلق ہونا چاہیے۔ سچا اور گہرا ایمان' نیک اور مسلسل عمل اور اس کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کی پیہم خواہش' جس سے اللہ کریم کی بندگی کا اثبات ہوتا ہے اور وہ مقصد حاصل ہوتا ہے جس کے لیے اس دنیا میں انسان کو وجود بخشا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کی

---

① بخاری۔ کتاب فضائل القرآن: باب فضل القرآن علی سائر الکلام (ح ۵۰۲۰)
مسلم۔ کتاب صلاۃ المسافرین: باب فضیلۃ حافظ القرآن (ح)۷۹۷

② مسلم۔ کتاب صلاۃ المسافرین: باب فضل قراء ۃ القرآن و سورۃ البقرۃ (ح ۸۰۴)

③ بخاری۔ کتاب التفسیر' سورۃ عبس (ح ۴۹۳۷)
مسلم۔ کتاب صلاۃ المسافرین: باب فضل ماھر القرآن والذی یتتعتع فیہ (ح ۷۹۸)

تعیین اس آیت میں کی ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ﴾ (الذاریات: ۵۱/ ۵۶)

''میں نے جن اور انسانوں کو اس کے علاوہ اور کسی کام کے لیے نہیں پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔''

اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان لوگوں کے درمیان نمایاں رہیں اور انہیں دوسروں کے مقابلہ میں اپنے لباس' ہیئات اور اعمال وتصرفات میں امتیاز حاصل رہے۔ تاکہ وہ ان کیلئے اچھا نمونہ ثابت ہوں اور اپنے عظیم پیغام کے حامل ہو سکیں۔

سچا مسلمان اپنی عظیم ذمہ داریوں کے ساتھ' جنہیں وہ اس زندگی میں انجام دیتا ہے' اپنے نفس سے بے توجہی نہیں کرتا اور اپنی ذات کو نہیں بھولتا۔ کیونکہ اس کے تصور میں انسان کا ظاہر اس کے باطن سے الگ نہیں ہو سکتا۔ صاف ستھری' مہذب اور خوبصورت شکل وصورت' پر از معانی اور جوہر گرانمایہ

کہلانے کی زیادہ مستحق ہے۔ انہی چیزوں سے ایک مسلمان داعی کی شخصیت کی (ظاہری) تشکیل ہوتی ہے۔
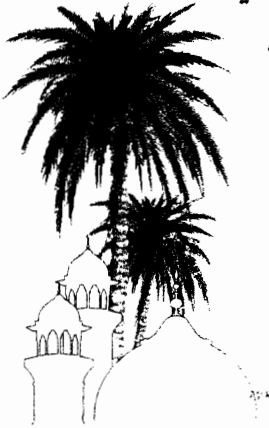
ایک سچا باشعور اور پختہ مسلمان اپنے جسم' عقل اور روح کے درمیان توازن برقرار رکھتا ہے۔ ہر ایک کو اس کا حق دیتا ہے۔ نہ کسی ایک پہلو میں غلو کرتا ہے نہ دوسرے پہلو کے حق میں کمی کرتا ہے' اور

اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے رہنمائی حاصل کرتا ہے:

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

((اَلَمْ اُخْبَرْ اَنَّكَ تَصُوْمُ النَّهَارَ وَ تَقُوْمُ اللَّيْلَ ؟)) قَالَ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ـ قَالَ: ((فَلَا تَفْعَلْ ، صُمْ وَ اَفْطِرْ ، وَ نَمْ وَ قُمْ ، فَاِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَ اِنَّ لِعَيْنَيْكَ عَلَيْكَ حَقًّا ، وَ اِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا ، وَ اِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا))

''رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ وہ بہت زیادہ عبادت کرتے ہیں تو ان سے فرمایا: ''مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم مستقل طور پر دن میں روزہ رکھتے ہو اور رات میں نوافل پڑھتے ہو' کیا یہ صحیح ہے؟'' انہوں نے عرض کیا: ''کیوں نہیں' اے اللہ کے رسول!'' رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایسا نہ کرو' روزہ بھی رکھو' اور کچھ دن روزہ نہ بھی رکھو۔ سوؤ بھی اور نوافل بھی پڑھو۔ تم پر تمہارے بدن کا بھی حق ہے' تمہاری آنکھوں کا بھی حق ہے' تمہاری بیوی کا بھی حق ہے' تمہارے مہمانوں اور ملاقات کرنے والوں کا بھی حق ہے......'' (۱)

مسلمان اپنے جسم' عقل اور روح کے درمیان کس طرح توازن برقرار رکھ سکتا ہے؟ اس کی تفصیل ہم آئندہ سطور میں بیان کریں گے۔

(۱) جسم

کھانے پینے میں اعتدال سے کام لیتا ہے

مسلمان کی پوری خواہش ہوتی ہے کہ اس کا بدن صحیح سالم اور طاقتور ہو' اس لیے وہ کھانے پینے میں اعتدال سے کام لیتا ہے۔ وہ لالچی اور حریص لوگوں کی طرح بے تحاشا نہیں کھاتا' بلکہ وہ صرف اتنا کھاتا ہے کہ اس کی کمر سیدھی رہے اور اس کی

(۱) بخاری۔ کتاب الصوم: باب حق الجسم فی الصوم (ح ۱۹۷۵)

مسلم۔ کتاب الصیام: باب النھی عن صوم الدھر لمن تضرر بہ (ح ۱۱۹۵)

صحت، قوت اور نشاط برقرار رہے۔ اس سلسلہ میں وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے رہنمائی حاصل کرتا ہے:

﴿وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾

(الاعراف ۷/ ۳۱)

''کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد اور طریقہ سے بھی رہنمائی حاصل کرتا ہے:

((مَا مَلَأَ آدَمِيٌّ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنِهِ ، فَإِذَا كَانَ لَا مَحَالَةَ فَاعِلًا ، فَثُلُثٌ لِطَعَامِهِ ، وَ ثُلُثٌ لِشَرَابِهِ ، وَ ثُلُثٌ لِنَفْسِهِ))

''آدمی نے شر کے لحاظ سے اپنے پیٹ سے بڑا برتن اور کوئی نہیں بھرا۔ اگر اسے کھانا ہی ہے تو پیٹ کا تہائی کھانے کے لیے، تہائی پانی کے لیے اور تہائی سانس کے لیے رکھے۔'' ①

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((إِيَّاكُمْ وَ الْبِطْنَةَ فِي الطَّعَامِ وَ الشَّرَابِ ، فَإِنَّهَا مُفْسِدَةٌ لِلْجَسَدِ ، مُوْرِثَةٌ لِلسَّقَمِ ، مُكْسِلَةٌ عَنِ الصَّلَاةِ ۔ وَ عَلَيْكُمْ بِالْقَصْدِ فِيهِمَا ، فَإِنَّهُ أَصْلَحُ لِلْجَسَدِ ، وَ أَبْعَدُ مِنَ السَّرَفِ ۔ وَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى لَيُبْغِضُ الْحَبْرَ السَّمِيْنَ ، وَ إِنَّ الرَّجُلَ لَنْ يَهْلِكَ حَتَّى يُؤْثِرَ شَهْوَتَهُ عَلَى دِيْنِهِ))

''کھانے پینے میں زیادتی سے بچو۔ کیونکہ بسیار خوری سے جسم میں خرابی آتی ہے، بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اور نماز میں تساہلی اور سستی پیدا ہوتی ہے۔ کھانے پینے میں میانہ روی سے کام لو۔ کیونکہ اس سے جسم درست رہتا ہے اور بیماری

---

① ابن ماجہ۔ کتاب الاطعمة: باب الاقتصاد فی الاکل و کراھة الشبع (ح ۳۳۴۹)

نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ پیٹو اور موٹے شخص کو پسند نہیں کرتا۔ آدمی اس وقت تک ہرگز ہلاک نہیں ہوتا جب تک کہ اپنی شہوت کو اپنے دین پر ترجیح نہ دے۔'' (۱)

مسلمان نشہ آور اشیا اور نیند نہ آنے والی دواؤں سے بھی اجتناب کرتا ہے' چہ جائیکہ حرام چیزوں کو استعمال کرے۔ وہ جلدی سوتا ہے اور سویرے بیدار ہوتا ہے اور دواؤں کا استعمال صرف مرض کی حالت میں کرتا ہے۔ ورنہ صحت کی حالت میں اس کے جسمانی نظام کو ہر چیز فطری صحت اور نشاط پیدا کرنے میں ممد ومعاون ثابت ہوتی ہے۔

باشعور مسلمان یہ جانتا ہے کہ طاقت ور مؤمن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کمزور مؤمن سے زیادہ محبوب ہے۔ (۲) جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اپنی زندگی میں نظام صحت پر عمل کرتے ہوئے اپنے جسم کو تقویت پہنچاتا ہے۔

جسمانی ورزش کرتا رہتا ہے

سچے مسلمان کا بدن اگرچہ صحیح سالم اور تنومند رہتا ہے' کیونکہ وہ کھانے پینے کی مضر' بری اور حرام چیزوں سے (کہ جن سے کمزوری لاحق ہوتی ہے اور ہلاکت کا اندیشہ رہتا ہے') دور رہتا ہے اور تھکا دینے والی اور کمزور کر دینے والی بری عادات سے (جیسے زیادہ جاگنا اور ایسی چیزوں میں منہمک رہنا جن سے عزیمت میں کمی آئے اور جسم کمزور ہو') بچا رہتا ہے۔

مگر ساتھ ہی ساتھ وہ اپنے جسم میں مزید قوت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ وہ صرف اسی اسلوب پر اکتفا نہیں کرتا جو اس نے اپنی زندگی کی صحت کے لیے اختیار کر رکھا ہے' بلکہ وہ اپنے جسم' عمر اور معاشرتی پوزیشن کے لحاظ سے ورزش کرتا رہتا ہے' تاکہ اس کے جسم کو قوت' نشاط اور زندگانی حاصل ہو اور وہ علل و امراض سے محفوظ رہے۔ وہ ورزش کے لیے کچھ اوقات متعین کر لیتا ہے جن میں پابندی سے

---

(۱) کنز العمال ۸/ ۴۷ بہت زیادہ کھانے سے جسم' عقل اور نفس پر کیا نقصانات پہنچتے ہیں' اس سلسلہ میں ڈاکٹر حکیم محمد ناظم نسیمی کا ایک وقیع مقالہ دیکھیے مجلہ حضارۃ الاسلام' جلد نمبر ۱۵' شمارہ نمبر ۵' ۶

(۲) صحیح مسلم۔ کتاب القدر: باب الإیمان بالقدر والإذعان له (ح ۲۶۶۴)

ورزش کرتا ہے' تاکہ ان مشقوں کا نتیجہ ظاہر ہو اور اس کے جسم پر اس کا اچھا اثر مرتب ہو۔ وہ ہر چیز میں اعتدال' توازن اور نظم کا خاص لحاظ رکھتا ہے' جو کہ ایک سچے اور باشعور مسلمان کا ہر زماں و مکاں میں طرۂ امتیاز رہا ہے۔

اپنا بدن اور کپڑے صاف رکھتا ہے

مسلمان' جسے اسلام لوگوں کے درمیان نمایاں اور ممتاز دیکھنا چاہتا ہے' بہت صاف ستھرا رہتا ہے۔ وہ اپنا بدن پاک صاف رکھتا ہے اور کثرت سے اور قریب قریب وقفے سے غسل کرتا رہتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے طریقہ پر عمل پیرا ہوتا ہے' جنہوں نے غسل کرنے اور خوشبو لگانے پر (خاص طور پر جمعہ کے دن) ترغیب دلائی ہے۔ ارشاد فرمایا:

((اِغْتَسِلُوْا یَوْمَ الْجُمُعَةِ ' وَاغْسِلُوْا رُؤُوْسَکُمْ ' وَاِنْ لَّمْ تَکُوْنُوْا جُنُبًا وَ اَصِیْبُوْا مِنَ الطِّیْبِ))

''جمعہ کے دن غسل کرو اور سروں کو بھی دھوؤ' خواہ جنبی نہ بھی ہو اور خوشبو لگاؤ۔'' ①

رسول اللہ ﷺ نے نظافت کے لیے غسل پر اس قدر زیادہ ترغیب دلائی ہے کہ بعض ائمہ نے کہا ہے کہ جمعہ کی نماز کے لیے غسل واجب ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((حَقٌّ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ یَغْتَسِلَ فِیْ کُلِّ سَبْعَةِ اَیَّامٍ یَوْمًا ۔ یَغْسِلُ فِیْهِ رَاْسَهٗ وَ جَسَدَهٗ))

''ہر مسلمان پر اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ ہر ہفتہ میں ایک دن ضرور غسل کرے جس میں سر اور بدن دھوئے۔'' ②

---

① بخاری۔ کتاب الجمعة: باب الدهن للجمعة (ح ۸۸۴)

② بخاری۔ کتاب الجمعة: باب هل علی من لم یشهد الجمعة غسل من النساء والصبیان وغیرهم (ح ۸۹۷)

سچا مسلمان اپنے کپڑوں' جوتوں اور جرابوں وغیرہ کو بھی صاف رکھتا ہے۔ وہ وقتاً فوقتاً اپنے کپڑوں اور موزوں کا جائز لیتا رہتا ہے۔ اسے پسند نہیں کہ اس کے جسم اور پاؤں سے بدبو آئے جس سے لوگ نفرت کریں۔ اس کے لیے وہ خوشبو کا بھی اہتمام کرتا ہے۔

باشعور مسلمان اپنے منہ کو بھی دیکھتا رہتا ہے کہ کہیں اس کے منہ سے کسی شخص کو بدبو نہ محسوس ہو۔ چنانچہ وہ روزانہ مسواک' برش اور دوسری صاف کرنے والی چیزوں سے دانت صاف کرتا ہے۔ وہ اپنے منہ کا جائزہ لیتا رہتا ہے۔ سال میں کم از کم ایک بار اپنے دانت' دانتوں کے اسپیشلسٹ ڈاکٹر کو دکھاتا ہے' اور اگر ضرورت محسوس ہوتی ہے تو منہ' نرخرہ اور حلق کے ڈاکٹروں سے بھی رجوع کرتا ہے' تاکہ اس کا منہ صاف رہے اور سانس اچھی لے سکے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ:

((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَ كَانَ لَا يَرْقُدُ لَيْلًا وَلَا نَهَارًا' فَيَسْتَيْقِظُ اِلَّا تَسَوَّكَ قَبْلَ اَنْ يَتَوَضَّاَ))

"رسول اللہ ﷺ رات میں یا دن میں کسی وقت بھی سو کر اٹھتے تھے تو وضو کرنے سے پہلے مسواک کرتے تھے۔"[1]

رسول کریم ﷺ منہ صاف رکھنے کا اس حد تک اہتمام فرماتے تھے کہ آپ نے فرمایا:

((لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِىْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ))

"اگر میں اپنی امت کے لیے دشوار نہ سمجھتا تو انہیں ہر نماز کے وقت مسواک

← مسلم۔ کتاب الجمعة: باب الطیب والسواك یوم الجمعة (ح ۸۴۹)

[1] مسند احمد ۶/ ۱۲۱) ابو داود۔ کتاب الطهارة: باب السواك لمن قام باللیل (ح ۵۷)

کرنے کا حکم دیتا۔'' ①

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ:

((اَیُّ شَیْءٍ یَبْدَأُ بِهِ الرَّسُوْلُ الْكَرِيْمُ اِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ ' فَقَالَتْ: اَلسِّوَاكُ))

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں داخل ہوتے تھے تو سب سے پہلے کیا کرتے تھے فرمایا: ''مسواک'' ②

بہت افسوس کا مقام ہے کہ ہم بعض مسلمانوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ان پہلوؤں سے بے اعتنائی برتتے ہیں۔ درآنحالیکہ یہ چیزیں اسلام کا لب لباب اور اس کی اصل ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ اپنے منہ' بدن اور کپڑوں کو صاف رکھنے کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے' اور جب مساجد' ذکر کی مجالس اور درس و مذاکرہ کے حلقوں میں جاتے ہیں تو ان کی بدبو وہاں حاضرین کو اذیت پہنچاتی ہے اور ان ملائکہ کو بھی متنفر کرتی ہے جو ایسی معزز اور بابرکت جگہوں کو ڈھانپے رہتے ہیں۔ اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ساتھ ساتھ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنتے رہتے ہیں اور خود بھی دہراتے رہتے ہیں:

((مَنْ اَكَلَ الْبَصَلَ وَالثُّوْمَ وَالْكُرَّاثَ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا' فَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَتَاَذّٰى مِمَّا يَتَاَذّٰى مِنْهُ بَنُوْ آدَمَ))

''جو شخص پیاز' لہسن یا گیندنا ③ کھائے وہ ہماری مسجد میں ہرگز نہ آئے۔ کیونکہ جن چیزوں سے آدمیوں کو تکلیف ہوتی ہے' ان سے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔'' ④

---

① بخاری۔ کتاب الجمعة: باب السواك یوم الجمعة (ح ۸۸۷)

مسلم۔ کتاب الطهارة: باب السواك (ح ۲۵۲)

② مسلم۔ حواله سابق (ح ۲۵۳)

③ ایک سبزی جو پیاز کی طرح بدبودار ہوتی ہے۔

④ بخاری۔ کتاب الاذان: باب ماجاء۔ فی الثوم النیء والبصل والکراث (ح ←

جو لوگ بدبو دار سبزیاں کھاتے ہیں انہیں رسول اللہ ﷺ نے مسجد کے قریب ہونے سے منع فرمایا ہے' تاکہ ان کی سانسوں سے آنے والی بدبو سے فرشتوں اور لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔ اور اللہ کی قسم! یہ بدبو' اس بدبو کے مقابلہ میں بہت کم درجے کی اور بہت معمولی ہے جو بعض کاہل' نظافت سے غافل اور بے پروا لوگوں کے گندے کپڑوں اور موزوں' گندے اور میلے بدن اور بدبو دار منہ سے نکلتی ہے اور جن سے مجالس میں لوگ اذیت محسوس کرتے ہیں۔

امام احمد اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہما نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ہم سے ملاقات کرنے کے لیے تشریف لائے' تو ایک شخص کو دیکھا جو میلے کپڑے پہنے ہوئے تھا' آپ نے فرمایا:

((اَمَا كَانَ يَجِدُ هٰذَا مَا يَغْسِلُ بِهِ ثَوْبَهُ؟))!

''کیا اسے کوئی چیز نہیں ملتی جس سے اپنے کپڑے دھولے!؟''[1]

رسول کریم ﷺ کی ہدایت کے پیش نظر انسان جب تک اپنے کپڑے دھونے اور صاف رکھنے پر قادر ہو' اس وقت تک محفلوں میں گندے کپڑے پہن کر نہ جائے۔ اس طرح آپ نے مسلمان کو بتلا دیا کہ اسے ہمیشہ صاف کپڑے پہننا چاہیے۔ اس کا ظاہری لباس خوبصورت اور ظاہری شکل و ہیئت پسندیدہ ہونی چاہیے۔ رسول کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے:

((مَا عَلٰى اَحَدِكُمْ اِنْ وَجَدَ اَنْ يَتَّخِذَ ثَوْبَيْنِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ سِوَى ثَوْبَيْ مِهْنَتِهِ))

← ۸۵۴ مختصراً)

مسلم۔ کتاب المساجد: باب نهی من اکل ثوما اوبصلا او کراثا (ح ۵۶۴ واللفظ له)

[1] احمد ۳/ ۳۵۷ ابوداود۔ کتاب اللباس: باب فی الخلقان و فی غسل الثوب (ح ۴۰۶۲) نسائی۔ کتاب الزینة: باب سکین الشعر (ح ۵۲۳۸)

''اگر کوئی شخص اپنے کام کاج کے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے دن کے لیے دو کپڑے بنا سکے تو کیا حرج ہے۔''①

چنانچہ اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان ہمیشہ صاف ستھرے رہیں' ان کے کپڑوں سے خوشبو پھوٹے اور ان کے جسم سے عمدہ اور بہترین خوشبو نکلے۔ رسول اللہ ﷺ کا بھی یہی حال تھا۔ امام مسلمؒ اپنی سند سے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

((مَا شَمَمْتُ عَنْبَرًا قَطُّ ' وَلَا مِسْكاً ' وَلَا شَيْئًا اَطْيَبَ مِنْ رِيحِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ))

''میں نے رسول اللہ ﷺ کی خوشبو سے زیادہ خوشبو دار کبھی عنبر سونگھا نہ مشک اور نہ کوئی اور چیز۔''②

رسول اللہ ﷺ کے جسم اطہر اور کپڑوں کی نظافت اور پسینہ کی خوشبو کے بارے میں بہت سی احادیث اور اخبار مروی ہیں۔ مثلاً:

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی سے مصافحہ کرتے تھے تو وہ شخص دن بھر اپنے ہاتھ میں خوشبو محسوس کرتا تھا اور جب آپ کسی بچے کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے تھے تو دوسرے بچوں کے درمیان اس بچے سے خوشبو پھوٹتی تھی۔③

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''تاریخ کبیر'' میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کسی راستے سے گزرتے تھے اور کوئی شخص آپ کے پیچھے

① ابوداود۔ کتاب الصلوٰۃ: باب اللبس للجمعۃ (ح ۱۰۷۸) ابن ماجہ۔ اقامۃ الصلوٰۃ: باب ماجاء فی الزینۃ یوم الجمعۃ (ح ۱۰۹۵' ۱۰۹۶)

② بخاری۔ کتاب الصوم باب ما یذکر من صوم النبی ﷺ و افطارہ (ح ۱۹۷۳) مسلم۔ کتاب الفضائل: باب طیب ریحہ ﷺ و لین مسہ (ح ۲۳۳۰)

③ الشفاء لقاضی عیاض ۱/ ۶۲

پیچھے آتا تھا تو آپ سمجھ جاتے تھے کہ وہ آپ کی وجہ سے آ رہا ہے۔ ①

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں سو گئے۔ آپ کے جسم سے پسینہ نکلا تو سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ایک شیشی لے کر آئیں اور اس میں آپ کا پسینہ جمع کر لیا۔ جب آپ بیدار ہوئے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ: ''یہ کیا ہے؟'' انہوں نے عرض کیا: ''یہ آپ کا پسینہ ہے۔ ہم اسے اپنی خوشبوؤں میں ڈال دیں گے۔ یہ بہترین خوشبو ہے۔'' ②

رسول اللہ ﷺ کے اس اسوہ اور ان تعلیمات سے استفادہ کرنے کی مسلمانوں کو کتنی سخت ضرورت ہے!! رسول عظیم ﷺ کی تعلیمات میں سے یہ ہے کہ آپ نے بالوں کی دیکھ بھال رکھنے' ان کی اصلاح کرنے اور انہیں خوبصورت بنانے کا (ان حدود میں رہتے ہوئے جن میں اسلام اجازت دیتا ہے) حکم دیا ہے۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ كَانَ لَهُ شَعْرٌ فَلْيُكْرِمْهُ))

''جس شخص کے بال ہوں وہ ان کا اکرام کرے۔'' ③

اور اسلامی ذوق میں بالوں کے اکرام کا مطلب یہ ہے کہ انہیں صاف ستھرا رکھا جائے' ان میں کنگھی کی جائے' ان میں خوشبو لگائی جائے' اور ان کی شکل و ہیئت اچھی رکھی جائے۔

رسول کریم ﷺ انسانی ہیئت اور شکل کی خوبصورتی کی ان قابل لحاظ چیزوں پر ہمیشہ تنبیہ کرتے رہتے تھے۔ جب بھی آپ نے کسی شخص کو دیکھا کہ وہ بری ہیئت بنائے ہوئے ہے اور پراگندہ بال ہے' آپ نے اسے اس کی بے اعتنائی' تقصیر اور سستی پر ٹوکا اور تنبیہ فرمائی۔

---

① بخاری فی التاریخ الکبیر ۱/ ۳۹۹' ۴۰۰

② مسلم۔ کتاب الفضائل: باب طیب عرقه ﷺ والتبرک به (ح ۲۳۳۱)

③ ابوداود۔ کتاب الترجل: باب فی إصلاح الشعر (ح ۴۱۶۳)

امام احمد اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہما نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' فرماتے ہیں:
''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس ملاقات کرنے کے لیے تشریف لائے تو ایک شخص کو دیکھا جس کے بال پراگندہ اور بکھرے ہوئے تھے' آپ نے فرمایا:
((اَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم زَائِرًا ' فَرَاَی رَجُلًا شُعْثًا قَدْ تفرَّق شَعْرُہٗ' فقَالَ ((مَا كَانَ يَجِدُ هٰذَا مَا يُسَكِّنُ بِهِ رَاْسَهٗ؟))!
''کیا یہ شخص کوئی چیز نہیں پاتا جس سے اپنے بالوں کو درست کر لے؟''[1]

اپنی ہیئت درست رکھتا ہے

حقیقی مسلمان اپنے لباس اور اپنے جسم سے بے اعتنائی نہیں برتتا۔ اسی لیے تم دیکھتے ہو کہ بناؤ سنگار میں غلو اور فضول خرچی کیے بغیر اس کی ہیئت اچھی رہتی ہے اور ظاہری حالت خوش منظر ہوتی ہے' جس کے دیکھنے سے آنکھوں کو راحت اور نفوس کو سکون ملتا ہے۔ وہ لوگوں کے سامنے بری' خراب اور گھٹیا ہیئت میں نہیں آتا' بلکہ لوگوں کے سامنے نکلنے سے پہلے ہمیشہ اپنے آپ کا جائزہ لیتا ہے اور اعتدال کے ساتھ زینت اختیار کرتا ہے۔

ان سارے کاموں کو مسلمان تمام امور میں اسلام کے متوسط نظریہ کے موافق انجام دیتا ہے' اور وہ نظریہ اعتدال کا ہے جس میں افراط ہے نہ تفریط:
﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾ (الفرقان: ۲۵/ ۶۸)
''جو خرچ کرتے ہیں تو نہ تو فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل' بلکہ دونوں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتے ہیں۔''

اسلام چاہتا ہے کہ اس کے متبعین اور خاص طور پر دعوت کے میدان میں کام

---

[1] احمد ۳/ ۳۵۷ ابوداود۔ کتاب اللباس: باب فی الخلقان و فی غسل الثوب (ح ۴۰۶۲)
نسائی۔ کتاب الزینة: باب تسکین الشعر (ح ۵۲۳۸)

کرنے والے جب معاشرہ میں جائیں تو نمایاں ہوں۔ لوگ ان کی طرف دیکھنا چاہیں' نہ کہ ان کو دیکھنے سے اذیت وتنفر محسوس کریں اور وہ نگاہوں میں حقیر ہوں اور نفوس ان سے اعراض کریں۔ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں کہ انسان اپنے لباس اور ظاہری ہئیت میں بہت زیادہ بے اعتنائی اور بے توجہی سے کام لے اور یہ دعویٰ کرے کہ یہ زہد اور تواضع ہے۔ رسول اللہ ﷺ جو اہلِ زہد اور تواضع اختیار کرنے والوں کے امام و سردار ہیں' اچھا لباس زیب تن فرماتے تھے اور اپنے اہل وعیال اور اصحاب کے لیے زیب وزینت اختیار فرماتے تھے' اور اس زیب وزینت اور خوب صورتی اختیار کرنے کو اللہ کی نعمت کا اظہار سمجھتے تھے۔ آپ کا ارشاد ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُرٰى اَثَرُ نِعْمَتِهِ عَلٰى عَبْدِهِ))

''اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنی نعمت کا اثر اپنے بندے پر دیکھے۔'' [۱]

طبقات ابن سعد [۲] میں سیدنا جندب بن مکیث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' فرماتے ہیں: ''جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کوئی وفد آتا تھا تو آپ اپنے کپڑوں میں سے سب سے اچھا کپڑا زیب تن فرماتے تھے اور اپنے ممتاز صحابہ کو اس کا حکم دیتے تھے۔ چنانچہ جب وفد کندہ آیا تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ یمانی جوڑا پہنے ہوئے تھے اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر بھی ایسے ہی کپڑے تھے۔''

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ایسی چادریں یا جوڑے پہنتے تھے جن کی قیمت پانچ سو یا چار سو (درہم) ہوتی تھی۔'' [۳]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک ہزار درہم میں ایک کپڑا خریدا اور اسے پہنا۔ [۴]

---

[۱] ترمذی۔ کتاب الادب: باب ماجاء ان اللہ تعالیٰ یحب ان یری اثر نعمته علی عبده (ح ۲۸۱۹)

[۲] طبقات ابن سعد ۴/ ۳۴۶

[۳] طبقات ابن سعد ۳/ ۱۳۱

[۴] حلیة الاولیاء: ۱/ ۳۲۱

جب تک زیب و زینت افراط کی حد تک نہ پہنچ جائے اس کا شمار اچھی زینت میں ہوگا' جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مباح قرار دیا ہے اور اسے اختیار کرنے پر اکسایا ہے:

﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ○ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾

(الاعراف: ۷/ ۳۱'۳۲)

''اے بنی آدم! ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ رہو اور کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اے محمد! ان سے کہو' کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کر دیا جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا؟ اور کس نے اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں؟ کہو یہ ساری چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی ایمان لانے والوں کے لیے ہیں' اور قیامت کے روز تو خالصتاً انھی کے لیے ہوں گی۔ اس طرح ہم اپنی باتیں صاف صاف بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھنے والے ہیں۔''

صحیح مسلم میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ ' فَقَالَ رَجُلٌ: اِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ اَنْ يَكُوْنَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا وَ نَعْلُهٗ حَسَنَةً؟۔ يَعْنِيْ: اَيُعَدُّ هٰذَا مِنَ الْكِبْرِ ؟ ۔ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ: ((اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ۔ اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ ' وَ غَمْطُ النَّاسِ))

''وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر (غرور و تکبر) ہو گا۔ ایک شخص نے دریافت کیا: آدمی چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور جوتے اچھے ہوں۔ (یعنی کیا اس کا شمار بھی ''کبر'' میں ہو گا؟) نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی پسند کرتا ہے۔ ''کبر'' تو یہ ہے کہ آدمی تکبر کے سبب حق کو قبول کرنے سے انکار کر دے [1] اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔'' [2]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم نے اس چیز کو سمجھا اور اس پر عمل کیا۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی ہیئت اچھی رکھتے تھے اور کپڑے اچھے پہنتے تھے' بہترین خوشبو کا استعمال کرتے تھے اور لباس کی خوبصورتی کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔ ہیئت کی درستی اور کپڑوں کی خوبصورتی ان کے نزدیک اس قدر پسندیدہ اور محبوب تھی کہ وہ دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے' اور ہیئت کی اصلاح پر بہت زیادہ ابھارا کرتے تھے۔ ایک دن اپنی مجلس میں بیٹھنے والوں میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ بوسیدہ کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اس کو تنہائی میں بلا کر ایک ہزار درہم پیش کیے کہ اس سے وہ اپنی ہیئت درست کر لے۔ اس شخص نے کہا: ''میں تو مال دار ہوں' میرے پاس ہر قسم کی آسائش کا سامان ہے' مجھے اس کی ضرورت نہیں۔'' امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ملامت کرتے ہوئے فرمایا: ''کیا تم تک یہ حدیث نہیں پہنچی ہے کہ:

((اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ اَنْ یُرٰی اَثَرُ نِعْمَتِهٖ عَلٰی عَبْدِهٖ؟))

''اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کی نعمت کا اثر اس کے بندے پر ظاہر ہو؟''

تمہیں اپنا حال بدلنا چاہیے تاکہ تمہارا دوست تمہارے اس حال کو دیکھ کر دھوکا نہ کھائے۔''

یہ چیز بدیہی ہے کہ داعیانِ کرام کو چاہیے کہ دوسروں کے مقابلے میں ان کی

---

[1] مسلم۔ کتاب إلایمان: باب تحریم الکبر و بیانه (ح ۹۱)

[2] حدیث کے الفاظ ہیں ''الکبر بطر الحق و غمط الناس''

ہئیت اچھی ہو' ان میں ظاہری جمال' حسن اور خوبصورتی ہو' اور ان میں دوسروں کے لیے جاذبیت اور کشش ہو' تاکہ وہ لوگوں کے دلوں میں گھر کرنے اور ان میں اپنی دعوت پہنچانے پر قادر ہوسکیں۔

اور خواہ وہ لوگوں کے سامنے نہ بھی ظاہر ہوں' تب بھی دوسروں کے مقابلے میں داعیانِ کرام سے مطالبہ ہے کہ وہ ان امور کو انجام دیں۔ داعیان کرام کو چاہیے کہ وہ اپنی ہیئتوں کو درست رکھنے اور اپنے بدن' کپڑے' ناخن اور بال صاف ستھرے رکھنے کی طرف توجہ دیں۔ خواہ وہ تنہائی میں کیوں نہ رہیں اور اس طرح فطرت سلیمہ کی آواز پر لبیک کہیں جس کے لوازم کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشاد میں خبر دی ہے:

((خَمسٌ مِنَ الفِطرَۃ: اَلْخِتَانُ ' وَ حَلْقُ الْعَانَۃِ ' وَ نَتْفُ الْإِبْطِ ' وَ تَقْلِيمُ الْاَظَافِرِ ' وَ قَصُّ الشَّارِبِ))

''پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں: ختنہ کرنا' زیر ناف بال صاف کرنا' بغل کے بال اکھاڑنا' ناخن تراشنا اور مونچھ کترنا۔''[1]

انسانی فطرت کی خوبصورتی کا لحاظ اس دین نے محبوب قرار دیا ہے اور ہر بلند طبیعت اور ذوق سلیم رکھنے والے شخص کو اس پر اکسایا ہے۔

لیکن سچے اور برحق مسلمان کو چاہیے کہ ظاہری خوبصورتی کے اہتمام میں اور زینت وخوبصورتی اختیار کرنے میں اس حد تک غلو اور افراط میں نہ مبتلا ہو جائے کہ اس سے اس توازن میں خلل آ جائے جو اسلام نے اپنے تمام قوانین میں رکھا ہے۔ باشعور مسلمان کو چاہیے کہ ہر چیز میں اعتدال کو پیش نظر رکھے اور کسی پہلو میں افراط یا تفریط نہ کرے۔

اسے نہیں بھولنا چاہیے کہ اسلام جس نے تزئین اختیار کرنے' ظاہری خوبصورتی

---

[1] بخاری۔ کتاب اللباس : باب قصص الشارب (ح ۵۸۸۹)
مسلم۔ کتاب الطھارۃ : باب خصال الفطرۃ (ح ۲۵۷)

کا اہتمام کرنے اور ''ہر عبادت کے موقع پر زینت سے آراستہ ہونے'' پر اکسایا ہے' اسی نے زینت میں اس حد تک افراط اور مبالغہ سے ڈرایا ہے کہ انسان اس زندگی میں اس کا غلام ہو جائے' اس کو اہم مشغلہ بنا لے اور ہمیشہ اسی کی فکر میں رہے۔ مندرجہ ذیل حدیث میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

((تَعِسَ عَبْدُ الدِّينَارِ وَالدِّرْهَمِ وَالْقَطِيفَةِ وَالْخَمِيصَةِ ' إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ ' وَإِنْ لَمْ يُعْطَ لَمْ يَرْضَ))

''دینار و درہم اور قطیفہ ① و خمیصہ ② کا بندہ ہلاک ہو۔ اگر اس کو یہ چیزیں دے دی جائیں تو راضی ہو جاتا ہے ورنہ ناراض ہو جاتا ہے۔'' ③

اور بے شک داعیان کرام اس لغزش کے مقام سے محفوظ ہیں کیونکہ انہوں نے اس دین عظیم کا طریقہ اختیار کر رکھا ہے اور اعتدال اور میانہ روی کا وہ نظریہ اپنا رکھا ہے جسے اس دین کے قوانین نے پیش کیا ہے۔

ب۔ عقل

علم کو مسلمان فضیلت اور شرف سمجھتا ہے

مسلمان یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ علم کے ذریعے سے عقل کو پروان چڑھانا اور اسے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں معلوم کرنے کے لیے استعمال کرنا فرض ہے۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ))

''علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔'' ④

---

① ''قطیفه'' اس کپڑے کو کہتے ہیں جس میں روئیں ہوں۔

② ''خمیصه'' ریشم یا اُون کی بنی ہوئی چوکور چادر کو کہتے ہیں۔

③ بخاری۔ کتاب الجهاد: باب الحراسة في الغزو في سبيل الله (ح ۲۸۸۶)

④ ابن ماجه۔ المقدمة: باب فضل العلماء' والحث على طلب العلم (ح ۲۲۴)

اس لیے اس پر یہ فریضہ عائد ہو جاتا ہے کہ ہمیشہ علم و معرفت کے ذریعہ سے عقل کی پرورش اور نگرانی کرتا رہے' اور جب تک سانس آتی جاتی رہے اور رگوں میں خون گردش کرتا رہے' اس سے باز نہ آئے۔

علم حاصل کرنے پر مسلمان کی حوصلہ افزائی کے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے علما کی شان اور ان کا مرتبہ بلند کیا ہے' انہیں اپنی خشیت اور تقویٰ میں خاص کیا ہے اور تمام لوگوں کے مقابلہ میں عزت و شرف کو انھی میں محدود کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ (فاطر: ۳۵/ ۲۸)

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں۔''

یعنی اللہ سے (جتنا اس سے ڈرنے کا حق ہے) صرف وہی لوگ ڈرتے ہیں جن کی فکر روشن ہے اور جن کے سامنے دنیا' زندگی اور مخلوق کے بارے میں اللہ کی قدرت اور عظمت واضح ہوگئی ہے اور وہ اصحاب علم ہیں۔ پھر انہیں علم نہ رکھنے والوں پر فضیلت بخشی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ﴾ (زمر: ۳۹/ ۹)

''کیا علم رکھنے والے اور علم نہ رکھنے والے دونوں کبھی یکساں ہو سکتے ہیں؟ (یقیناً نہیں)! نصیحت تو صرف عقل رکھنے والے ہی قبول کرتے ہیں۔''

سیدنا صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائے' آپ اس وقت مسجد نبوی میں تھے۔ انہوں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں علم حاصل کرنے آیا ہوں۔'' آپ نے ارشاد فرمایا:

((مَرْحَبًا بِطَالِبِ الْعِلْمِ ، إِنَّ طَالِبَ الْعِلْمِ تَحُفُّهُ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا ، ثُمَّ يَرْكَبُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا حَتَّى يَبْلُغُوا السَّمَاءَ

الدُّنیَا مِنْ مَحَبَّتِهِمْ لِمَا یَطْلُبُ))

''علم حاصل کرنے والے کو خوش آمدید! بے شک علم حاصل کرنے والے کو فرشتے اپنے پروں سے ڈھانک لیتے ہیں۔ پھر بعض، بعض پر سوار ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ دنیا والے آسمان تک پہنچ جاتے ہیں۔ ایسا وہ اس چیز (یعنی علم) سے محبت کی وجہ سے کرتے ہیں جو وہ حاصل کرتا ہے۔''[1]

علم کی فضیلت اور اس کے حاصل کرنے پر ترغیب کے سلسلہ میں بہت سی نصوص اور شواہد مروی ہیں۔ اس طور پر سچا مسلمان یا تو عالم ہوگا یا متعلّم، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگا۔

مسلمان علم کا حصول موت تک جاری رکھتا ہے

حقیقی تحصیل علم یہ نہیں کہ تم ایک اعلیٰ ڈگری حاصل کرلو، جس سے کشادہ آمدنی کا ذریعہ حاصل ہو جائے اور خوش حال اور آسودہ زندگی گزار سکو، پھر مطالعہ اور علم و معرفت کے خزانوں سے استفادہ سے پہلوتہی اور کنارہ کشی اختیار کرلو۔ بلکہ حقیقی تحصیل علم یہ ہے کہ تم مسلسل مطالعہ کرتے رہو اور ہر دن اپنے علم میں اضافہ کرو۔ اس ارشاد باری پر عمل کرتے ہوئے:

﴿وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا﴾ (طٰه: ۲۰/ ۱۱۴)

''اور دعا کرو کہ اے پروردگار! مجھے مزید علم عطا فرما۔''

ہمارے سلف صالحین علمی مقام کی خواہ کتنی ہی بلندیوں پر پہنچ جاتے تھے مگر آخری عمر تک علم میں اضافہ کرنے سے نہیں رکتے تھے اور تحصیلِ علم کا سلسلہ جاری رکھتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ تحصیلِ علم کا سلسلہ جاری رکھنے سے ہی علم زندہ رہتا اور پروان چڑھتا ہے۔ اور اسے ترک کر دینے اور اس سے رابطہ منقطع کر لینے سے علم کا سرچشمہ

---

[1] مسند احمد ۴/ ۲۴۰ مستدرك حاكم ۱/ ۱۰۰، ۱۰۱ واللفظ له۔ ابن ماجه۔ المقدمة: باب فضل العلماء والحث على طلب العلم (ح ۲۲۶) میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ ہے واللہ اعلم!

خشک ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ان کے بہت سے دلکش اقوال مروی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علم کی نہایت تقدیس اور احترام کرتے تھے۔ ان میں تعلیمی سلسلہ جاری رکھنے کی حرص پائی جاتی تھی اور وہ علم کے میٹھے سرچشمہ سے مسلسل سیراب ہوتے رہتے تھے۔

ان دلکش اقوال میں سے ایک قول وہ ہے جو امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ابی غسانؒ سے نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

((لَا تَزَالُ عَالِمًا مَا كُنتَ مُتَعَلِّمًا ، فَإِذَا اسْتَغْنَيْتَ كُنتَ جَاهِلًا))

''جب تک تم علم حاصل کرتے رہو گے، اس وقت تک صاحب علم رہو گے، اور جب تم نے علم سے بے نیازی اختیار کی، اسی وقت سے جاہل ہو گئے۔''①

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((لَا يَنبَغِي لِأَحَدٍ يَكُونُ عِندَهُ الْعِلْمُ أَنْ يَتْرُكَ التَّعَلُّمَ))

''ایسے شخص کے لیے، جس کے پاس کچھ علم ہو، مناسب نہیں ہے کہ وہ مزید علم حاصل کرنا ترک کر دے۔''②

امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا:

((إِلَى مَتَى تَطْلُبُ الْعِلْمَ ؟ قَالَ: حَتَّى الْمَمَاتِ ، وَلَعَلَّ الْكَلِمَةَ الَّتِي أَنْتَفِعُ بِهَا لَمْ أَكْتُبْهَا بَعْدُ))

''آپ کب تک علم حاصل کرتے رہیں گے؟'' فرمایا: ''موت تک، اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ جو بات میرے حق میں مفید ہو اسے اب تک نہ حاصل کر سکا ہوں۔''③

---

① جامع بیان العلم و فضلہ ۱/ ۱۱۵
② جامع بیان العلم و فضلہ ۱/ ۱۱۴
③ جامع بیان العلم و فضلہ ۱/ ۱۱۵

امام ابو عمرو بن علا رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا:

((حَتّٰی مَتٰی یَحْسُنُ بِالْمَرْءِ اَنْ یَتَعَلَّمَ ؟ فَقَالَ: مَا دَامَ تَحْسُنُ بِهِ الْحَیَاةُ))

''آدمی کو کب تک علم حاصل کرتے رہنا چاہیے؟'' فرمایا: ''جب تک اس کی زندگی وفا کرے۔'' [1]

امام سفیان بن عیینہ سے کسی نے پوچھا: ''لوگوں میں علم حاصل کرنے کا سب سے زیادہ ضرورت مند کون ہے؟'' اس کا انہوں نے بہت خوبصورت جواب دیا' فرمایا: ''جو سب سے زیادہ علم رکھتا ہے۔'' پوچھنے والے نے کہا: ''کیوں؟'' فرمایا: ''کیونکہ اگر اس سے غلطی سرزد ہوگی تو یہ بہت بری اور انتہائی شرم کی بات ہے۔'' [2]

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ جو ایک عظیم مفسر' بہت سی کتابوں کے مصنف اور علم کلام' معقولات اور دیگر علوم میں اپنے زمانے کے منفرد امام تھے (جن کی وفات ۶۰۶ ھ میں ہوئی) اللہ تعالیٰ نے انہیں اس قدر شہرت اور ناموری عطا فرمائی تھی کہ جہاں بھی جاتے اور جس شہر میں داخل ہوتے' علما ان پر دیوانہ وار ٹوٹ پڑتے۔ اپنے وقت کا یہ امام جب شہر ''مرو'' پہنچا تو علما اور طلبہ کا ایک ہجوم ان سے علم حاصل کرنے اور تحصیل علم کے انتساب کا شرف حاصل کرنے کے لیے جمع ہو گیا۔ انھی طلبہ میں جوان کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے' ایک طالب علم ایسا تھا جو ''علم الانساب'' میں مہارت رکھتا تھا۔ امام فخر الدینؒ کو یہ علم اچھی طرح نہیں آتا تھا۔ انہیں جب معلوم ہوا کہ اس طالب علم کو' جس کی عمر بیس سال سے بھی کم تھی' ''علم الانساب'' پر قدرت حاصل ہے تو انہوں نے اس سے کہا کہ انہیں وہ علم سکھا دے۔ انہیں اس کی شاگردی اختیار کرنے میں کچھ بھی ذلت محسوس نہیں ہوئی۔ انہوں نے اس کو استاد کی جگہ بٹھایا اور خود اس کے سامنے بیٹھے۔ یہ تواضع اور رفعت کی امتیازی علامت ہے جس سے امام فخر الدین رازیؒ کی

[1] حوالہ سابق۔

[2] حوالہ سابق۔

سیرت مزین ہے۔ اس سے ان کے عظیم مقام میں کچھ بھی نقص اور کمی لازم نہیں آئی' اور وہ اپنے زمانے کے امام ہوئے۔

اس نادر واقعہ کو مورخ و ادیب یاقوت حموی نے اپنی کتاب معجم الادباء میں عزیزالدین اسماعیل بن حسن المروزی النسابہ الحسینی کی سیرت میں بیان کیا ہے۔ امام عزیزالدین سے یاقوت کی ملاقات رہی ہے۔ وہ ان کے ساتھ رہے ہیں اور ان کی مصاحبت اختیار کی ہے اور اپنی کتاب میں ان کی مفصل سوانح لکھی ہے۔ ان کی سوانح میں لکھتے ہیں:

''عزیز الدین نے مجھ سے بیان کیا کہ امام فخر الدین رازیؒ ایک مرتبہ ''مرو' آئے۔ وہ اتنی عظیم الشان حیثیت کے مالک تھے اور ان کی ایسی شہرت اور ہیبت تھی کہ کوئی ان سے بات دہرانے کو نہیں کہہ سکتا تھا' اور ان کے احترام و اکرام میں ان کے سامنے کوئی اونچی سانس نہیں لے سکتا تھا۔ میں ان کے پاس گیا' مجھے ان کے سامنے (ان کی ہیبت کی وجہ سے) پڑھنے میں تردد ہوتا تھا۔ ایک دن انہوں نے مجھ سے فرمایا: ''میں چاہتا ہوں کہ تم میرے لیے طالبین کے انساب پر ایک کتاب تصنیف کردو' تاکہ میں اس میں غور وفکر کروں۔ میں چاہتا ہوں کہ میں اس علم میں جاہل نہ رہ جاؤں۔'' میں نے ان سے کہا: ''آپ شجرہ کی صورت میں چاہتے ہیں [۱] یا عبارت کی صورت میں؟'' انہوں نے فرمایا: ''شجرہ کی صورت میں یاد نہیں کیا جا سکتا۔ اور میں ایسی چیز چاہتا ہوں جسے میں یاد کرسکوں۔'' میں نے کہا: ''بسر وچشم قبول ہے۔'' پھر میں چلا گیا اور ان کے لیے ایک کتاب لکھی جس کا نام ''الفخری'' رکھا۔ اسے میں ان کے پاس لے کر آیا۔ جب انہیں معلوم ہوا تو وہ مسند درس [۲] سے اتر آئے اور چٹائی پر بیٹھ گئے اور مجھ سے کہا: ''اس مسند پر بیٹھو۔'' میں نے اسے بڑا گراں سمجھا اور جھجک محسوس کرتے

---

[۱] یعنی میں انساب کی کتاب شجرہ کی صورت میں لکھوں یا نثر کی صورت میں لکھوں۔

[۱] عربی عبارت میں لفظ ''طراحة'' ہے' جس کے معنی ہیں وہ گدے دار مسند جس پر استاد درس کے وقت بیٹھتا ہے۔

ہوئے عرض کیا ''میں تو آپ کا خادم ہوں۔'' انہوں نے زور سے گھرکی دی اور ڈانٹ کر کہا خ: ''جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔'' مجھ پر ان کی اس قدر ہیبت طاری ہوئی کہ جس جگہ انہوں نے بیٹھنے کا حکم دیا تھا' وہاں بیٹھنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ پھر وہ میرے سامنے بیٹھ کر کتاب پڑھنے لگے' اور جہاں جہاں سمجھ میں نہ آتا اور دشواری ہوتی وہاں پوچھتے جاتے۔ یہاں تک کہ پوری کتاب ختم کر لی۔ جب اس سے فارغ ہو گئے تو مجھ سے فرمایا: ''اب جہاں چاہو' بیٹھو۔ بے شک یہ ایسا علم ہے کہ اس میں میں تم سے استفادہ کر رہا ہوں اور تمہاری شاگردی اختیار کر رہا ہوں' اور ادب کا تقاضا یہ ہے کہ شاگرد استاد کے سامنے بیٹھے' اسی لیے میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا...... اس کے بعد وہ پھر مسند پر جا بیٹھے اور میں جہاں پہلے بیٹھا تھا' وہیں بیٹھ کر ان کے سامنے پڑھنے لگا۔''[1]

یاقوت اس قصہ کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''اللہ کی قسم! یہ حسنِ ادب ہے اور خاص طور پر ایسے عالی مرتبت شخص سے صادر ہوا ہے۔''

دیکھو! ان علما کے دلوں میں علم کی کتنی محبت تھی! ان کے نفوس میں اس کا کتنا عظیم مقام تھا! اور ان کی نگاہوں میں اس کی کتنی بلند حیثیت تھی! ان کے بعد کے لوگ ان کی اقتدا کے کس قدر محتاج ہیں!

مسلمان کو کس علم میں مہارت رکھنی چاہیے؟

مسلمان کو سب سے پہلے کتاب اللہ کی تلاوت' تجوید اور تفسیر میں مہارت رکھنی چاہیے' پھر علوم حدیث' سیرت نبوی اور صحابہ و تابعین کے حالات سے واقفیت رکھنی چاہیے اور فقہ میں بھی اتنی معلومات رکھنی چاہیے جتنی عبادات و معاملات کی ادائیگی اور مضبوط بنیاد پر دین کے احکام جاننے کے لیے ضروری ہے۔ یہ اس صورت میں ہے

[1] معجم الادباء ۶/ ۱۴۸۔۱۵۰۔

جب مسلمان علوم شریعت کے علاوہ کسی دوسرے علم میں اختصاص (Specialization) رکھتا ہے۔ لیکن جب وہ علوم شریعت میں سے کسی علم میں ماہر ہو تو ضروری ہے کہ اس میں پوری طرح مہارت رکھتا ہو اور اس کی باریکیوں اور جزئیات سے بھی واقف ہو۔ ساتھ ہی ساتھ بہتر ہے کہ مسلمان عربی زبان میں بھی مہارت اور قدرت رکھتا ہو۔

اپنے خاص موضوع میں مہارت رکھتا ہے

اس کے بعد باشعور مسلمان اپنے خاص موضوع کی طرف توجہ کرتا ہے اور اس میں اپنی پوری طاقت صرف کرتا ہے' اس میں پوری دلچسپی لیتا ہے اور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اپنے اختصاص کے دائرے میں اس کا عمل فرض ہے' خواہ اس کا اختصاص شرعی علوم میں سے کسی علم میں ہو یا دنیوی علوم میں سے کسی علم میں' جیسے حساب (Mathematics) ' طبیعات (Physics)' کیمیا (Chemistry)' انجینئرنگ (Engineering) ' فلکیات (Astronomy) ' طب (Medicne)' صنعت (Industry)' تجارت (Commerce) اور دیگر علوم۔ اس پر واجب ہوتا ہے کہ جس علم میں اختصاص کر رہا ہے اس میں مہارت حاصل کرے' اور اگر اس سے ہو سکے تو اس علم کے متعلق مختلف زبانوں میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا احاطہ کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے' اور مختلف وجوہ اور متعدد طرق سے مسلسل مطالعہ اور معلومات کے ذریعے سے اس علم کی نئی تحقیقات سے واقفیت رکھے۔

اس زمانے میں باشعور اور حقیقی مسلمان ہی ایسی اعلیٰ اور علمی کامیابی حاصل کر سکتا ہے کہ جس سے اس کی لوگوں کی نگاہوں میں تعظیم و توقیر' احترام اور عزت ہو اور وہ عظمت و شرف اور تکریم کے بلند مراتب تک پہنچ سکے۔ وہ علم کے میدان میں جو بلندیاں حاصل کرے گا اس سے اس کی دعوت کو بھی ترقی حاصل ہو گی۔ بشرطیکہ وہ پورے اخلاص' پوری جدوجہد اور عمل پیہم سے دعوت کی نمائندگی کرتا رہے اور اپنے اندر

وہ روح اور جذبہ پیدا کرے جس کی اسلام نے علم کے ماحول میں اشاعت کی ہے۔
اسلام نے تحصیل علم کو فرض قرار دیا ہے۔ علم حاصل کرنے والا اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتا ہے اور علم کو اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھتا ہے۔
اس وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے سلف صالحین اپنی تالیف کے مقدموں میں انھی بلند معانی کو تحریر کرتے تھے کہ انہوں نے جن علوم کی نشر و اشاعت میں اپنی زندگیاں صرف کی ہیں ان سے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی چاہتے ہیں اور اپنے نتائج فکر کو خالص اللہ کریم کی رضا کے لیے پیش کرتے ہیں۔

فکر کے دریچے کھولے رکھتا ہے

باشعور، فہیم اور صاحب رائے مسلمان صرف اپنے اختصاص کے دائرے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ اپنی فکر اور عقل کے دریچے کھولے رکھتا ہے۔ مختلف علوم و فنون میں مختلف علمی و ادبی اور ثقافتی کتب و رسائل کا مطالعہ کرتا ہے جو اس کے فنِ اختصاص سے قریبی تعلق رکھتے ہوں۔ چنانچہ وہ علم و معرفت کی قسموں میں سے ہر قسم کے بارے میں تھوڑی بہت واقفیت رکھتا ہے، جس سے اپنے ذہن کو نشیط اور چاق و چوبند رکھتا ہے، اپنے علمی افق کو وسعت دیتا ہے اور عقلی صلاحیتوں کو پروان چڑھاتا ہے۔

کوئی نہ کوئی غیر ملکی زبان جانتا ہے

وہ کسی نہ کسی بیرونی زبان سے دلچسپی رکھتا ہے۔ اس زمانے میں صاحبِ فہم، نشیط اور عصر حاضر میں اسلامی زندگی کے تقاضوں کو سمجھنے والے مسلمان کے لیے بیرونی زبان کا جاننا انتہائی ضروری ہے۔
باشعور مسلمان کو بیرونی زبان جاننے کے سلسلہ میں اپنے عظیم دین کے طریقے سے بہت حوصلہ افزائی ملتی ہے۔ نبی ﷺ نے پندرہ صدیاں قبل اجنبی زبانوں کے سیکھنے کی دعوت دی تھی تاکہ مسلمان ہمیشہ مختلف قوموں سے روابط اور تعلقات رکھ سکیں اور انہیں اس حق کی طرف دعوت دے سکیں جسے ساری دنیا میں عام کرنے کا انہیں ذمہ دار

بنایا گیا ہے۔ اس کی تصدیق اس حدیث سے ہوتی ہے جسے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

((یَا زَیْدُ، تَعلَّمْ لِیْ کِتَابَ یَهُوْدَ، فَإِنِّیْ وَاللّٰهِ مَا آمَنُ یَهُوْدَ عَلٰی کِتَابِیْ))

''اے زید! یہود کی زبان سیکھ لو' کیونکہ میں اپنے خطوط کے بارے میں یہود سے مطمئن نہیں ہوں۔''

سیدنا زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسے سیکھ لیا اور پندرہ دن بھی نہ گزرے تھے کہ اس میں مہارت حاصل کر لی۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کوئی خط لکھتے تو مجھ سے لکھواتے اور جب وہ لوگ آپ کو کوئی خط لکھتے تو میں آپ کو پڑھ کر سناتا۔

دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

((أَتُحْسِنُ السِّرْيَانِيَةَ ؟ فَإِنَّهَا تَأْتِيْنِيْ كُتُبٌ')) قُلْتُ: لَا قَالَ: ((فَتَعَلَّمْهَا)) ' فتعلَّمْتُهَا))

''کیا تمہیں سریانی زبان اچھی طرح آتی ہے؟ میرے پاس اس زبان میں خطوط آتے ہیں۔'' میں نے عرض کیا: ''نہیں!'' فرمایا: ''اسے سیکھ لو۔'' چنانچہ میں نے اسے سیکھ لیا۔''[1]

سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ متعدد زبانیں جانتے تھے' اور ان کی وجہ سے دین یا آخرت سے غافل نہیں ہوتے تھے۔ ان کے پاس سو غلام تھے۔ ہر غلام الگ الگ زبان بولتا تھا اور سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ ہر غلام سے اس کی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ اگر تم انہیں دنیوی معاملات میں مشغول دیکھتے تو کہتے کہ یہ شخص ایک لمحہ بھی اللہ کو یاد نہ کرتا ہوگا' اور اگر انہیں آخرت کے کاموں میں منہمک دیکھتے تو کہتے کہ یہ شخص تو ایک لمحہ بھی

---

[1] بخاري۔ كتاب الاحكام: باب ترجمة الحكام وهل يجوز ترجمان واحد (ح ۷۱۹۵ تعليقًا) ابوداود۔ كتاب العلم: باب رواية حديث أهل الكتاب (ح ۳۶۴۵) ترمذی۔ كتاب الاستئذان: باب ماجاء فى تعليم السريانية (ح ۲۷۱۵)

دنیوی کاموں میں مشغول نہ ہوتا ہوگا۔ [1]

ہر زمانے سے زیادہ آج کے زمانے میں اس چیز کا شدت سے تقاضا ہے کہ مسلمان بعض اجنبی زبانوں سے واقف ہو' تا کہ وہ اس زمانہ میں زندگی گزار سکے اور اس کی زبان کے علاوہ دیگر زبانوں میں جو چیزیں اس کی امت کی ثقافت' اس کے دین اور اس کے قدیم سرمایہ سے تعلق رکھتی ہوں' ان کے ایجابی اور سلبی پہلوؤں سے واقف ہو' تا کہ وہ اہلِ اسلام سے شر کو دفع کر سکے اور ان کے لیے خیر حاصل کر سکے۔

ج۔ روح

مسلمان اپنے نفس کی دیکھ بھال کرتے ہوئے اور اپنے جسمانی اور عقلی وجود کی تعمیر کرتے ہوئے یہ نہیں بھولتا کہ وہ صرف جسم اور عقل کا مرکب ڈھانچہ نہیں ہے' بلکہ اس کے پاس ایک دھڑکنے والا دل' ایک موجزن روح اور ایک حساس نفس ہے' اور وہ بلند خواہشات رکھتا ہے جو عالم عبادت میں مستغرق ہونے اور اللہ کریم کے پاس ملنے والی نعمتوں کی امید رکھنے اور سزاؤں سے ڈرنے پر اکساتی ہیں۔

عبادت کے ذریعہ سے روح کو جلا بخشتا ہے

اس طور پر مسلمان پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنی روح پر توجہ دے اور رات اور دن کے اوقات میں عبادت اور مراقبہ الٰہی کے ذریعے سے اسے جلا دے' بیدار اور ہوشیار رہے اور شیطان کے پرفریب حیلوں اور ہلاکت خیز وسوسوں سے محفوظ رہے' اور جب انسانی کمزوری کے کسی لمحے میں کوئی شیطانی وسوسہ دل میں پیدا ہو تو فوراً متنبہ ہو جائے اور توبہ و استغفار کر لے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ﴾ (الاعراف: ۷/ ۲۰۱)

''جو لوگ متقی ہیں ان کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ کبھی شیطان کے اثر سے کوئی برا

---

[1] مستدرك حاكم ۳/ ۵۴۹ حلية الاولياء ۱/ ۳۳۴

خیال اگر انہیں چھو بھی جاتا ہے تو وہ فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں' اور پھر انہیں
صاف نظر آنے لگتا ہے کہ ان کے لیے صحیح طریق کار کیا ہے۔''

مسلمان اپنی روح کی تقویت اور اپنے نفس کی اصلاح میں متعدد قسم کی عبادات کا سہارا لیتا ہے جنہیں وہ اللہ کی عبادت کرتے ہوئے اور عاجزی اور فروتنی اختیار کرتے ہوئے انجام دیتا ہے۔ جیسے وقار' تدبر اور خشوع کے ساتھ قرآن کی تلاوت' عاجزی اور حاضر قلبی کے ساتھ اللہ کا ذکر' تمام شروط کے ساتھ خشوع و خضوع اور حاضرین کے ساتھ نماز اور دیگر قسم کی عبادتیں اور روحانی ریاضتیں۔ وہ اپنے نفس کو ان طاعات کے انجام دینے پر تیار کرتا ہے' حتیٰ کہ وہ اس کی عادت اور فطرت ثانیہ بن جاتی ہیں اور ان میں انقطاع اور توقف نہیں ہوتا۔ اس طرح اس کے نفس اور شعور و احساس میں رقت پیدا ہو جاتی ہے' اس کے حواس بیدار ہو جاتے ہیں اور وہ بیشتر اوقات بیدار' ہوشیار' کھلے چھپے اللہ کریم کا دھیان رکھنے والا اور لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں اللہ کی خشیت کا استحضار رکھنے والا ہوتا ہے۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا' حق سے نہیں ہٹتا اور سیدھے راستے سے انحراف نہیں کرتا۔

نیک دوست کے ساتھ رہتا ہے اور ایمان کی مجلسوں میں شریک ہوتا ہے

اس مقصد کو حاصل کرنے اور اس پر مشقت منزل تک پہنچنے میں مسلمان اپنے نیک دوست سے بھی مدد لیتا ہے جو اس کو حق کی نصیحت کرتا ہے اور دونوں آپس میں ایک دوسرے کو صبر کی تلقین اور وصیت کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ ایمان کی روحانی مجلسوں میں بھی کثرت سے جاتا رہتا ہے' جہاں اللہ کا ذکر ہوتا ہے اور اسلام...... اور فرد' خاندان اور معاشرہ کی تربیت میں اس کے عظیم اصولوں کے بارے میں گفتگو ہوتی رہتی ہے اور جن میں حاضر ہونے والے لوگ اللہ بزرگ و برتر کی قدرت کا مشاہدہ کرتے ہیں اور کائنات' زندگی اور انسان میں اللہ تعالیٰ کی عظیم خلقت اور عجیب و غریب کاریگری کا جائزہ لیتے ہیں۔ چنانچہ ان مجالس میں روح کا تزکیہ ہوتا ہے' نفس جلا پاتا ہے' قلب کا تصفیہ ہوتا ہے اور انسان کے پورے وجود میں ایمان کی بشاشت سرایت کر

جاتی ہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلافت کی مشغولیات اور حکومت کی ذمہ داریوں سے اپنے آپ کو الگ کرتے اور ایک آدمی یا دو آدمیوں کا ہاتھ پکڑتے اور فرماتے:

((قُمْ بِنَا نَزْدَادُ اِیْمَانًا)) ''آؤ چلیں' اپنے ایمان میں اضافہ کریں۔''

چنانچہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے۔ ①

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جو تقویٰ و صلاح اور حسن عبادت کے اونچے مقام پر تھے' وقتاً فوقتاً نفس کا جلا کرنے کی ضرورت محسوس کرتے تھے اور دنیا کی مصروفیات اور زندگی کی ضروریات سے کچھ وقت نکال کر اس میں قلب کو آرام پہنچانے' نفس کا جلا کرنے اور روح کا تصفیہ کرنے کے لیے یکسو ہو جاتے تھے۔

اسی طرح سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اگر اپنے ساتھیوں کے ساتھ کہیں جا رہے ہوتے تو کہتے:

((اِجْلِسُوْا بِنَا نُؤْمِنْ سَاعَةً))

''آؤ تھوڑی دیر بیٹھ کر ایمان میں اضافہ کرلیں۔'' ②

مسلمان اپنی روح کو تقویت پہنچانے' اپنے نفس کا تزکیہ کرنے' اسے ہمیشہ بلندی کی طرف لے جانے اور تنزل کی طرف جانے سے بچانے کے سلسلے میں ذمہ دار اور جواب دہ ہے۔ جیسے کہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَ نَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾ (الشمس: ۹۱/ ۱۰۷)

---

① ابن ابی شیبة (۱۱/ ۲۶) کتاب الایمان والروئیة باب: ۶ ح (۷/ ۲۱۹) بتحقیق الشیخ سعید اللحام۔ بخاری۔ کتاب الایمان: باب قول النبی ﷺ بنی الاسلام علی خمس الخ اس روایت کو امام احمد نے صحیح سند کے ساتھ موصول روایت کیا ہے فتح الباری ص ۴۸ ج ۱ حیاۃ الصحابہ ۳/ ۳۲۹

② ابن ابی شیبة ۱۱/ ۲۶ حیاۃ الصحابہ ۳/ ۳۲۹

''اور نفس انسانی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے ہموار کیا' پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کر دی۔ یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا' اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا۔''

اس لیے مسلمان سے جو چیز مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایسے دوست بنائے اور ایسی مجلسوں میں جائے جن سے اس کے ایمان' صلاح' تقویٰ اور بصیرت میں اضافہ ہو' اور ہمیشہ برے اور شیطان صفت دوستوں سے بچا رہے' اور ایسی بدکاری' فحاشی اور معصیت کی مجلسوں سے دور رہے جن سے نفس ظالم ہو جاتا ہے اور دل میں زنگ لگ جاتا ہے:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا﴾ (الکهف: ۱۸/ ۲۸)

''اور اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو جو اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر صبح و شام اسے پکارتے ہیں' اور ان سے ہرگز نگاہ نہ پھیرو۔ کیا تم دنیا کی زینت پسند کرتے ہو؟ کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کر لی ہے اور جس کا طریقہ کار افراط و تفریط پر مبنی ہے۔''

بکثرت مسنون دعائیں دہراتا رہتا ہے

مسلمان اپنی روح کو تقویت پہنچانے اور اپنے دل کو اللہ سے جوڑنے میں ان مسنون دعاؤں سے مدد لیتا ہے جو رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں۔ جیسے گھر سے نکلنے' گھر میں داخل ہونے' مسافر کو الوداع کہنے' مسافر کا استقبال کرنے' نیا کپڑا پہننے' بستر پر لیٹنے' سو کر اٹھنے وغیرہ اور دیگر کاموں اور مواقع کے لیے مسنون دعائیں مروی ہیں۔ نبی کریم ﷺ جب بھی کوئی کام کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ اس کام میں راستی اور استقامت کی توفیق دے' اور اس میں غلطی اور لغزش سے بچائے رکھے' لطف و

کرم فرمائے اور خیر کا معاملہ کرے۔ یہ ساری دعائیں حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ ① رسول کریم ﷺ یہ دعائیں اور اذکار' صحابہ رضی اللہ عنہم کو سکھاتے تھے اور ان کے مواقع پر انہیں پڑھنے کے لیے ترغیب دلاتے تھے۔

ایک متقی اور باشعور مسلمان رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اسوہ اختیار کرتے ہوئے ان مسنون دعاؤں کو یاد کرتا ہے اور ان کے اوقات اور مناسب مواقع میں ان کو دہراتا رہتا ہے۔ اس طرح اس کا دل اللہ عزوجل سے ملا رہتا ہے اس کے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے' اس کی روح کو بلندی حاصل ہوتی ہے اور اس کے وجدان و شعور پر رقت طاری ہوتی ہے۔

اس روحانی ریاضت سے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ارواح کو سدھایا' ان کے نفوس کو جلا بخشی جس سے وہ صاف شفاف اور روشن ہو گئے اور ان میں کوئی کھوٹ' کدورت اور ملاوٹ باقی نہ بچی اور ان کے ذریعہ سے اسلام کا عظیم معجزہ ظاہر ہوا اور ایک ایسی مہذب' ترقی یافتہ اور منفرد نسل نمودار ہوئی جس نے چند ہی سال میں معجزات کر دکھائے۔

سچے اور حقیقی مسلمان کو آج ہر زمانے سے زیادہ ضرورت ہے کہ اپنی روح کو اس روشن اور بلند افق تک پہنچائے اور اس کے گرد منڈلانے پر سدھائے' تاکہ وہ اپنی دعوت کے معیار پر پورا اتر سکے اور جو عظیم ذمہ داریاں اس پر عائد ہوتی ہیں انہیں بحسن وخوبی ادا کر سکے۔

---

① دیکھیے حافظ عبدالسلام بن محمد حفظہ اللہ کی ترجمہ کردہ کتاب ''حصن المسلم'' مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ کی مشہور اور مقبول کتاب ''پیارے رسول کی پیاری دعائیں'' برصغیر کے نامور عالم دین شارح بخاری الشیخ مولانا محمد داؤد راز رحمہ اللہ کی کتاب ''مقدس مجموعہ'' جو اب ''دعائیں التجائیں'' کے نام سے مولانا مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ کی نظر ثانی کے ساتھ تخریج شدہ ایڈیشن دارالابلاغ کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ اور دیکھیے حسن البنا شہید کی کتاب ''الماثورات'' اور عبدالفتاح ابو غدہ کی کتاب رسالۃ المسترشدین۔ (نقاش)

مثالی مُسلمان مرد کا تعلّق

اپنے والدین کے ساتھ

اسلام ایک مسلمان کو بتاتا ہے کہ اس نے اپنے والدین کے ساتھ زندگی کس طرح گزارنی ہے؟ وہ فرد اور معاشرے کو کلیتہً آزاد نہیں چھوڑتا' جیسا کہ مغربی معاشرے میں ہے کہ جونہی بچہ بلوغت کے قریب پہنچا اب وہ آزاد ہے' والدین کا حق اس پر سے ختم ہو گیا' اب وہ جو جی میں آئے کرتا پھرے' اور اگر اس کے راستہ میں والدین رکاوٹ بنیں تو پولیس اسٹیشن فون کر کے والدین کو حوالات میں بند کروا دے' کہ یہ لوگ میری آزادی کو سلب کر رہے ہیں اور مجھ پر ''اخلاق'' کے نام پر بے جا پابندیاں عائد کر کے مجھے پریشان کر رہے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے والدین کو سزا دلواتا ہے۔

یہ مغربی تصور ہے۔ اسلام ایک مسلمان کو اپنے والدین کے ساتھ جس طرح کے تعلقات استوار کرنے کی تلقین کرتا ہے' اس کی ایک دلکش تصویر کچھ یوں ہے:

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرتا ہے

حقیقی مسلمان کی ایک نمایاں صفت یہ ہے کہ وہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرتا ہے اور ان کے ساتھ خوش معاملگی سے پیش آتا ہے۔ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک ان جلیل القدر اور عظیم کاموں میں سے ہے جن کی اسلام نے ترغیب دی ہے اور اس کی نصوص میں ان پر بہت زور دیا گیا ہے۔ قرآن وسنت میں یہ نصوص بکثرت مذکور ہیں اور ان سب میں والدین کے ساتھ نیک سلوک اور حسنِ مصاحبت کا حکم دیا گیا ہے۔ اس وجہ سے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک ایک باشعور مسلمان کی ایک ممتاز خصلت اور نمایاں عادت ہوتی ہے۔

والدین کی قدر ومنزلت اور ان کے حقوق پہچانتا ہے

اسلام نے والدین کے مقام کو اتنا بلند کیا ہے جتنا اس دین کے علاوہ دوسرے ادیان و مذاہب میں انسانیت نے کبھی نہیں دیکھا۔ اسلام نے ان کے ساتھ نیک برتاؤ اور حسنِ سلوک کو اللہ پر ایمان اور اس کی بندگی کے درجے کے بعد متصل رکھا ہے۔ قرآن کریم میں بکثرت، پے درپے اور مسلسل آیات مذکور ہیں جو اللہ کی خوشنودی کے بعد والدین کی خوشنودی کا درجہ قرار دیتی ہیں اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کو اللہ پر ایمان کی فضیلت کے بعد سب سے بڑی انسانی فضیلت قرار دیتی ہیں:

﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾

(النساء: ۴/ ۳۶)

”اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔“

اس لیے سچا اور باشعور مسلمان دنیا میں ہر انسان سے زیادہ اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرتا ہے۔

قرآن کریم نے والدین کے مقام کی بہترین تصویر کشی کی ہے اور وہ بلند اخلاقی

اسلوب بتلایا ہے جسے ایک مسلمان کو والدین کے ساتھ معاملہ برتنے میں اختیار کرنا چاہیے۔ یہ کہ اگر دونوں یا کسی ایک کی عمر طویل ہو جائے اور وہ بڑھاپے' کمزوری اور بے چارگی کے مرحلہ میں پہنچ جائیں' تو اسلام نے ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے جو اس دین کے آنے سے پہلے انسانیت نے کبھی نہیں دیکھا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ○ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾ (الاسراء : ۱۷/ ۲۳'۲۴)

''تمہارے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ سوائے اس کے کسی کی عبادت نہ کرو' اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اف تک نہ کہو' نہ انہیں جھڑک کر جواب دو' بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو' اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو کہ ''پروردگار! ان پر رحم فرما' جس طرح انہوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔''

مسلمان سے اللہ تعالیٰ کا یہ زندۂ و جاوید ارشاد حتمی فیصلہ کی صورت میں ہے جس سے چھٹکارا اور خلاصی ممکن نہیں' یعنی تمہارے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ سوائے اس کے کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

اس آیت میں اللہ کی عبادت اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کے درمیان مضبوط تعلق پایا جا رہا ہے۔ اس طرح والدین کے مقام کو اتنی بلندی اور ان کی قدر و منزلت کو اتنی رفعت حاصل ہوتی ہے جہاں تک حکما و مصلحین اور معلّمین اخلاق کبھی نہیں پہنچ سکے ہیں۔

آیت کا سیاق والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی یہ روشن اور عظیم تصویر کھینچنے پر اکتفا نہیں کرتا' بلکہ وہ وجدانی' رقیق اور محبت آمیز تعبیر کے ذریعہ سے' جس سے رقت' سلاست اور اُنسیت ٹپکتی ہے' بیٹوں کے دلوں میں رحم و ہمدردی اور حسن سلوک کے جذبات موجزن کر دیتا ہے۔ فرمایا:

اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں۔''

تو وہ تمہاری دیکھ بھال' نگرانی اور حفاظت میں رہتے ہیں' اور وہ بوڑھے' ضعیف اور کمزور ہوتے ہیں اس لیے بچو کہ کہیں تمہارے منہ سے ناراضی' ملامت' اکتاہٹ اور تنگی کا کوئی کلمہ نہ نکل جائے۔ فرمایا:

''تو انہیں اُف تک نہ کہو' نہ انہیں جھڑک کر جواب دو۔''

بلکہ کوئی بات کہنے سے پہلے دیر تک سوچ لو اور ایسی بات کہو جو ان کی پسندیدہ ہو اور جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ چنانچہ فرمایا:

''ان سے احترام کے ساتھ بات کرو۔''

ان کے ساتھ پورے احترام اور انتہائی ادب کے ساتھ کھڑے ہو۔ جس طرح انتہائی عاجزی و فروتنی اور خشوع و خضوع کے ساتھ کھڑا ہوا جاتا ہے۔ فرمایا:

''اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو۔''

اور ان کے لیے تمہاری زبان سے دعا نکلنی چاہیے کیونکہ انہوں نے تم پر ایسا احسان کیا ہے جسے بھلایا نہیں جا سکتا اور تمہاری اس وقت پرورش کی ہے جب تم چھوٹے' کمزور اور ناتواں تھے۔ چنانچہ فرمایا:

''اور دعا کیا کرو کہ پروردگار! ان پر رحم فرما' جس طرح انہوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔''

مسلمان (جو کھلے دل اور روشن بصیرت کا حامل ہوتا ہے) اس قسم کے ارشاد ربانی کو متعدد آیتوں میں پاتا ہے۔ چنانچہ اپنے والدین کے ساتھ اس کے احترام اور حسنِ سلوک میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے:

﴿وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـئًا وَّ بِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا﴾

(النساء: ۴/ ۳۶)

''اورتم سب اللہ کی بندگی کرو' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔''

﴿وَوَصَّيۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَيۡهِ حُسۡنًا﴾ (العنکبوت: ۲۹/ ۸)

''ہم نے انسان کو ہدایت کی ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے۔''

﴿وَوَصَّيۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَيۡهِ حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ وَهۡنًا عَلٰى وَهۡنٍ﴾

(لقمان: ۳۱/ ۱۴)

''ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا۔''

''والدین کے ساتھ حسنِ سلوک'' کے سلسلے میں وارد نصوص میں غور کرنے والا شخص دیکھتا ہے کہ قرآنی آیات کے ساتھ ساتھ احادیث شریفہ بھی والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی فضیلت کو پورے زور و تاکید سے ثابت کرتی ہیں اور ان کی نافرمانی اور بدسلوکی سے ڈراتی ہیں' خواہ اس کے اسباب کچھ بھی ہوں۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ''کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے؟'' فرمایا: ''وقت پر نماز ادا کرنا۔'' میں نے کہا: ''پھر کون سا؟'' فرمایا: ''والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا۔'' میں نے کہا: ''پھر کون سا؟'' فرمایا: ''اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔'' [1]

---

[1] بخاری۔ کتاب مواقیت الصلاۃ: باب فضل الصلاۃ لوقتھا (ح ۵۲۷) مسلم۔ کتاب الایمان: باب بیان کون الایمان باللہ تعالیٰ افضل الاعمال (ح ۸۵)

تربیت کرنے والے عظیم رسول نے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کو اسلام کے دو عظیم اعمال کے درمیان رکھا ہے' اور وہ ہیں: وقت پر نماز کی ادائیگی اور اللہ کے راستے میں جہاد۔ اور نماز دین کا ستون ہے اور جہاد اسلام کا سب سے بلند حصہ ہے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے والدین کو کتنا عظیم اور معزز مقام عطا فرمایا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آتا ہے اور عرض کرتا ہے: ''میں آپ سے ہجرت اور جہاد پر بیعت کرنا چاہتا ہوں اور اللہ سے اس کے اجر و ثواب کی امید رکھتا ہوں۔'' آپ کچھ دیر کے بعد اس سے سوال کرتے ہیں: ''کیا تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟'' وہ شخص کہتا ہے: ''ہاں دونوں زندہ ہیں۔'' رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''کیا تم اللہ تعالیٰ سے اجر چاہتے ہو؟'' وہ شخص جواب دیتا ہے: ''ہاں!'' تو رحمدل اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کی تعلیم دینے والے رسول ﷺ فرماتے ہیں:

((فَارْجِعْ اِلٰی وَالِدَیْكَ فَاَحْسِنْ صُحْبَتَهُمَا))

''اپنے والدین کے پاس واپس جاؤ اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔'' [۱]

بخاری و مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جہاد کی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا: ''کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟'' اس نے کہا: ''جی ہاں!'' فرمایا:

((فَفِیهِمَا فَجَاهِدْ))

''تو پھر انھی کی خدمت جہاد سمجھ کر کرو۔'' [۲]

---

[۱] بخاري۔ کتاب الجهاد: باب الجهاد باذن الأبوین (ح ۳۰۰۴)
مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب برالوالدین وایهما احق به (ح ۲۵۴۹ واللفظ له)

[۲] بخاري۔ کتاب الأدب: باب لا یجاهد إلا بإذن الأبوین (ح ۵۹۷۲) مسلم۔ حواله سابق۔

رسول قائد ﷺ جہاد کے لیے فوجوں کی ٹولیاں تیار کرتے ہوئے والدین کی کمزوری کو فراموش نہیں کرتے ہیں اور ان کا انسانی اور رقت پذیر دل یہ یاد رکھتا ہے کہ والدین اپنے بیٹے کے محتاج ہیں۔ چنانچہ آپ جہاد کے لیے آنے والے شخص کو اس سے واپس لوٹا دیتے ہیں اور اس کو نرمی کے ساتھ والدین کی خدمت کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ جب کہ آپ کو اس وقت ایسے لوگوں کی شدید ضرورت تھی جو جنگ کر سکیں۔ اس لیے کہ آپ کو پورا اندازہ تھا کہ اسلام کے کامل، متوازن اور منفرد نظام میں، جسے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی سعادت کے لیے نازل فرمایا ہے، والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کے کام بحسن وخوبی انجام دینے کو کتنی اہمیت حاصل ہے!

جب سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی والدہ نے ان کے اسلام قبول کرنے پر ناراضی کا اظہار کیا اور ان سے کہا: ''تم اسلام سے پھر جاؤ، ورنہ میں کھانا پینا چھوڑ دوں گی، یہاں تک کہ مر جاؤں گی اور تم کو عرب بھر میں عار لگ جائے گی اور لوگ کہیں گے کہ اس نے اپنی ماں کو مار ڈالا۔'' سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''اماں جان! جان لو، اللہ رب العزت کی قسم! اگر تمہاری سو جانیں ہوں اور ایک ایک کر کے سب نکل جائیں تب بھی میں اسلام سے نہیں پھروں گا۔'' ان کی ماں نے ایک دن صبر کیا، دو دن صبر کیا، تیسرے دن جب بہت زیادہ بھوک نے ستایا تو کھانا کھا لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ پر عتاب تھا کہ انہوں نے اپنی ماں کو اتنا سخت جواب کیوں دیا؟ فرمایا:

﴿وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا﴾ (لقمان: ۳۱/ ۱۵)

''اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان! مگر دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ۔'' [1]

---

[1] مسلم۔ کتاب فضائل الصحابۃ: باب فی فضل سعد بن ابی وقاصؓ ←

عبادت گزار جریج کے قصہ میں بھی والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کی اطاعت و تابعداری کے سلسلہ میں بڑی عبرت ہے۔ وہ نماز پڑھ رہے تھے کہ ان کی ماں نے آواز دی۔ انہوں نے کہا: اے رب! میں کیا کروں؟ نماز جاری رکھوں یا ماں کی پکار پر لبیک کہوں؟ آخر انہوں نے نماز کو ترجیح دی۔ ماں نے دوبارہ آواز دی' مگر انہوں نے جواب نہیں دیا اور نماز میں مشغول رہے' تو ان کی ماں نے بدعاء دے دی کہ ''اللہ تعالیٰ تجھے مرنے سے پہلے بدکار عورتوں کا چہرہ دکھائے۔''

چنانچہ ایک بدکار عورت نے ایک چرواہے سے زنا کیا جس سے اسے حمل ہو گیا۔ جب اسے ڈر ہوا کہ اس کا پول کھل جائے گا تو چرواہے نے اس سے کہا کہ اگر کوئی تم سے بچے کے بارے میں پوچھے تو کہہ دینا کہ وہ عبادت گزار جریج کا ہے۔ عورت نے ایسا ہی کہہ دیا۔ لوگوں نے جریج کے صومعہ (عبادت گاہ) کو توڑ پھوڑ کر گرا دیا اور حاکم اسے سزا دینے کے لیے میدان میں لے جانے لگا۔ وہ راستے ہی میں تھا کہ اسے اپنی ماں کی بددعا یاد آ گئی اور وہ مسکرا دیا۔ جب اسے سزا دینے کے لیے آگے بڑھایا گیا تو اس نے دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت مانگی۔ نماز کے بعد اس نے بچے کو طلب کیا اور اس کے کان میں آہستہ سے کہا: ''تیرا باپ کون ہے؟'' بچے نے کہا ''میرا باپ فلاں چرواہا ہے۔'' ① لوگوں نے ''لا الٰہ الا اللہ'' اور ''اللہ اکبر'' کہا اور کہا کہ ہم تمہارے صومعہ کو سونے چاندی سے بنا دیں گے۔ جریج نے کہا: ''نہیں' اسی طرح مٹی کا بنا دو جس طرح پہلے تھا۔'' ②

← (ح ۴۳/ ۱۷۴۸)

① یہ بچہ ان تین بچوں میں سے ایک ہے جو گود میں بولے ہیں۔ دوسرے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہیں اور تیسرا وہ بچہ ہے جو اپنی ماں کے ساتھ ''اخدود'' (گڑھے) میں کودا تھا۔

② بخاری۔ کتاب احادیث الانبیاء: باب قول اللہ تعالیٰ ﴿واذکر فی الکتاب مریم﴾ (ح ـ۳۴۳۶' ۱۱۲۰۶)...... مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب تقدیم بر الوالدین علی التطوع بالصلوۃ وغیرھا (ح ۲۵۵۰) لیکن اس میں جریج کے فقیہ ہونے کے متعلق قول موجود نہیں ہے۔

''اگر جریج فقیہ ہوتا تو اسے معلوم ہوتا کہ والدہ کی آواز پر لبیک کہنا نماز جاری رکھنے سے زیادہ ضروری ہے۔'' امام بخاریؒ کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے اس حدیث پر یوں باب قائم کیا ہے: ''اذ دعت الام ولدھا فی الصلوۃ'' کہ جب ماں اپنے بچے کو نماز میں آواز دے...... اسی لیے فقہا کہتے ہیں کہ آدمی جب نفل نماز پڑھ رہا ہو اور والدین میں سے کوئی اسے آواز دے تو اس پر ضروری ہے کہ نماز توڑ دے اور ان کی آواز پر لبیک کہے۔

ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے خواہ وہ غیر مسلم ہوں

والدین کے سلسلہ میں نبی کریم ﷺ کے مبارک ارشادات انسانیت کے بام عروج کو چھوتے ہیں۔ کیونکہ آپ نے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور نیک برتاؤ کی ہر حال میں وصیت کی ہے خواہ وہ اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب کے پیرو ہوں۔ سیدنا اسما بنتِ ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں کہ میری ماں میرے گھر آئیں (وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایمان نہیں لائی تھیں) میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس سلسلہ میں دریافت کیا اور کہا: ''میری ماں آئی ہیں اور مجھ سے کسی چیز کی خواہش مند ہیں'[1] کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہوں؟'' آپ نے فرمایا:

((قَدِمَتْ عَلَیَّ اُمِّیْ وَھِیَ رَاغِبَةٌ اَفَاَصِلُ اُمِّیْ؟ قَالَ: نَعَمْ صِلِیْ اُمَّكِ))

''ہاں! تم اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہو۔''[2]

حقیقی مسلمان' جو ان بلند قرآنی توجیہات اور اعلیٰ نبوی ارشادات کو سمجھتا اور یاد رکھتا ہے' ہر وقت اور ہر حال میں لوگوں میں سب سے زیادہ اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرتا ہے اور ان کے ساتھ خوش معاملگی سے پیش آتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین

---

[1] یعنی مجھ سے کوئی چیز مانگنا چاہتی ہیں۔

[2] بخاری۔ کتاب الھبة: باب الھدیة للمشرکین (ح ۲۶۲۰)
مسلم۔ کتاب الزکاۃ: باب فضل النفقة والصدقة علی الاقربین (ح ۱۰۰۳)

علیہ السلام کا بھی یہی کردار تھا۔ ایک شخص نے سیدنا سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا: ''جس آیت میں والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے' اسے میں سمجھ گیا ہوں' مگر اللہ کا یہ ارشاد: ﴿وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا﴾ سمجھ میں نہیں آیا ہے کہ قولِ کریم (نیک بات) کا کیا مطلب ہے؟'' جنابِ سعیدؒ نے جواب دیا: ''اس کا مطلب ہے کہ ان سے اس طرح بات کرو جس طرح غلام اپنے آقا سے بات کرتا ہے۔'' [1]

جناب ابن سیرینؒ اپنی والدہ کے سامنے احترام واکرام کی وجہ سے اتنا آہستہ بولتے تھے گویا بیمار ہوں۔

ان کی نافرمانی سے بہت ڈرتا ہے

جب ہم اس روشن اور تابناک پہلو سے آگے بڑھتے ہیں اور اس کے بالمقابل دوسرے پہلو پر نظر ڈالتے ہیں جس میں والدین کی نافرمانی سے ڈرایا گیا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ گھٹا ٹوپ اور سخت وعیدوں سے بھرپور پہلو ہے جو نافرمان اولاد کی سنگدلی کو پگھلا کر رکھ دیتا ہے اور اس کے ضمیر کو اندر سے جھنجھوڑ دیتا ہے۔

اس قسم کی احادیث نافرمان اولاد کی زبردست سرزنش کرتی ہیں' کیونکہ ان میں والدین کی نافرمانی کو شرک سے متصل درجہ میں رکھا گیا ہے' جس طرح کہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک کو اللہ پر ایمان کے بعد کا درجہ دیا گیا ہے۔ والدین کی نافرمانی ایک بدترین اور سخت جرم ہے' جس کے تصور ہی سے سچے مسلمان کا دل دہل جاتا ہے اور اس کے ہوش اڑ جاتے ہیں اور اس کا شمار کبائر اور بڑے گناہوں اور خطاؤں میں ہوتا ہے۔

سیدنا ابوبکرہ نفیع بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا: ''کیا میں تم کو بڑے گناہوں کے بارے میں نہ بتلاؤں؟'' ہم نے عرض کیا: ''کیوں نہیں اے اللہ کے رسول فرمایا:

((اَلْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ))

---

[1] تفسیر ابن جریر (۱۵/ ۴۹)

"اللہ کے ساتھ شریک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔" ①

پہلے ماں کی خدمت بجا لاتا ہے پھر باپ کی

اسلام نے اپنے ارشادات میں ماں باپ دونوں کے ساتھ حسنِ سلوک پر زور دیا ہے اور ہر ایک کا الگ الگ خاص طور پر تذکرہ کیا ہے' تاکہ بیٹوں کے نزدیک والدین کے ساتھ حسن سلوک کے توازن میں خلل نہ ہو اور والدین میں سے کسی کی حق تلفی نہ ہو۔

ابھی ایک حدیث میں گزرا کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور آپ سے جہاد پر بیعت کرنے کی خواہش ظاہر کرتا ہے۔ آپ اس سے دریافت فرماتے ہیں: "کیا تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہیں؟" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ماں باپ دونوں کے ساتھ برابر حسن سلوک کو واجب قرار دیا ہے۔

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں مشرک ماں کے ساتھ بھی صلہ رحمی کرنے کا حکم دیا۔ اسی طرح ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! میرے اچھے برتاؤ کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟" رسول کریم ﷺ نے جواب دیا: "تمہاری ماں۔" اس شخص نے کہا: "اس کے بعد؟" تو آپ نے فرمایا: "تمہاری ماں۔" اس نے کہا: "پھر؟" فرمایا: "تمہاری ماں۔" اس نے کہا: "پھر؟" فرمایا: "تمہارا باپ" ②

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ماں کی خدمت اور اچھا برتاؤ باپ کے ساتھ حسن سلوک پر مقدم ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ

---

① بخاری۔ کتاب الادب: باب عقوق الوالدین من الکبائر (ح ۵۹۷۶)
مسلم۔ کتاب الایمان: باب بیان الکبائر واکبرھا (ح ۸۷)

② بخاری۔ کتاب الادب: باب من احق الناس بحسن الصحبة (ح ۵۹۷۱)
مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب بر الوالدین وایھما احق به (ح ۲۵۴۸)

کرامؓ نے بھی مسلمانوں کو اس کی اہمیت بتلائی اور اس پر زور دیا۔ حتیٰ کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما (جو اس امت کے عالم اور فقیہ ہیں) نے ماں کے ساتھ حسنِ سلوک کو اللہ سے سب سے زیادہ قریب کرنے والا عمل بتایا ہے۔ ان کی خدمت میں ایک شخص آیا اور عرض کیا: ''میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا تھا' اس نے میرے ساتھ نکاح کرنے سے انکار کر دیا' اور دوسرے شخص نے اسے نکاح کا پیغام دیا تو اس نے اس کے ساتھ نکاح کرنا منظور کر لیا۔ مجھے غیرت آئی اور میں نے اسے قتل کر دیا۔ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''کیا تمہاری ماں زندہ ہیں؟'' اس نے کہا: ''نہیں!'' آپ نے فرمایا: ''تو پھر تم سے جتنا ہو سکے اللہ سے توبہ کرو اور اس سے تقرب والے اعمال کرو۔'' عطا بن یسارؒ جنہوں نے اس حدیث کو سیدنا ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے' فرماتے ہیں کہ میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا: ''آپ نے اس شخص سے ماں کے زندہ ہونے کے بارے میں کیوں سوال کیا تھا؟'' فرمایا:

((اِنِّی لَا اَعْلَمُ عَمَلًا اَقْرَبَ اِلَی اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ مِنْ بِرِّ الْوَالِدَةِ))

''میں نہیں جانتا کہ والدہ کے ساتھ حسن سلوک سے زیادہ کوئی عمل اللہ سے قریب کرنے والا ہے۔'' [1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الادب المفرد میں (جس کا آغاز انہوں نے ''والدین کے ساتھ حسن سلوک'' کے باب سے کیا ہے) ''ماں کے ساتھ حسن سلوک'' کے باب کو ''باپ کے ساتھ حسن سلوک'' کے باب پر مقدم رکھا ہے۔ اس طرح امام بخاریؒ نے اپنے ابواب میں یکسانیت وہم آہنگی پیدا کی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کا لحاظ کیا ہے۔

قرآن نے بیٹوں کے نفوس میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کے حقوق پہچاننے کے جذبات برانگیختہ کیے ہیں۔ چنانچہ اس نے والدین کے حقوق

[1] بخاری فی الادب المفرد (ح ۴)

پہچاننے کی تاکید کے ساتھ ماں کی فضیلت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ وہ حمل و رضاعت کے مراحل میں انتہائی مشقتیں اور تکالیف برداشت کرتی ہے۔ قرآن نے اس کی ایسی نازک اور لطیف تصویر کشی کی ہے جو اس کی بے غرض، فیاضی، شفقت و مہربانی اور رحم و کرم پر دلالت کرتی ہے:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ﴾ (لقمان: ۳۱/ ۱۴)

''ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف [۱] اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے۔ [۲] (اسی لیے ہم نے اس کو نصیحت کی کہ) میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجا لا، (آخر) میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے۔''

کتنی اعلیٰ تربیت ہے! اور کس قدر رحم اور ہمدردی سے معمور رہنمائی ہے! کہ (میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجا لا! والدین نے اپنے بچے کے ساتھ جو خیر کا معاملہ کیا تھا، اس پر ان کا شکر اللہ تعالیٰ کے شکر کے درجے سے متصل ہے جو تمام فضائل کی اصل اور نیک اعمال کی بنیاد ہے۔ اس دین نے والدین کو کتنا بلند درجہ مرحمت فرمایا ہے!!

دنیا میں عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ جب لڑکے کو دنیا حاصل ہوتی ہے، روزی کی بہتات ہوتی ہے، اس کے خزانے مال و دولت سے پر ہو جاتے ہیں، بہت زیادہ کشادگی حاصل ہو جاتی ہے اور خوب صورت بیوی اسے اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے تو وہ اپنے والدین سے بے توجہی برتنے لگتا ہے، اپنے باپ کو اور جو کچھ اس نے اس پر خرچ کیا تھا اور جو احسانات کیے تھے وہ سب بھول جاتا ہے، اس پر کچھ خرچ کرنے سے اپنا ہاتھ روک لیتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے۔

---

[۱] آیت میں ''وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ'' کے الفاظ ہیں، جس کے معنی ہیں: کمزوری پر کمزوری۔

[۲] آیت میں ''فِطَام'' کا لفظ ہے، جس کا معنی ہے: دودھ چھوٹنا۔

لیکن حقیقی اور سچا مسلمان اس سے کوسوں دور رہتا ہے۔ اس لیے کہ وہ ہمیشہ اسلام کی بلند، پُر حکمت اور سیدھی تعلیمات کے مبارک اور موجزن سرچشمہ سے اپنا تعلق استوار رکھتا ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے اس اعلان کو سنتا ہے:

((اَنْتَ وَ مَالُكَ لِاَبِیْكَ))

''تم بھی اپنے ماں باپ کے ہو اور تمہارا مال بھی۔''①

---

① مسند احمد ۲/ ۲۱۴ ابوداؤد۔ کتاب البیوع: باب الرجل یاکل من مال ولدہ (ح ۳۵۳۰) ابن ماجہ۔ کتاب التجارات: باب مال الرجل من مال ولدہ (ح ۲۲۹۲)

حدیث کا مکمل متن یہ ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں صاحب اولاد ہوں، میرے پاس کچھ مال ہے، میرا باپ اسے ہلاک کرنا چاہتا ہے۔'' آپ نے فرمایا:

((اَنْتَ وَمَالُكَ لِاَبِیْكَ ، اِنَّ اَوْلَادَكُمْ مِنْ اَطْیَبِ كَسْبِكُمْ، فَكُلُوْا مِنْ كَسْبِ اَوْلَادِكُمْ))

''تم بھی اپنے باپ کے ہو اور تمہارا مال بھی۔ تمہاری اولاد تمہاری بہترین کمائی ہیں۔ اپنی اولاد کی کمائی میں سے کھاؤ۔''

امام احمدؒ کی ایک روایت میں ہے:

((فَكُلُوْهُ هَنِیْئًا))

''ان کی کمائی سے مزے لے کر کھاؤ۔'' (۲/ ۱۷۹)

امام خطابیؒ نے اس حدیث پر یہ حاشیہ چڑھایا ہے: ''سوال کرنے والے نے جو یہ ذکر کیا کہ اس کا باپ اس کا مال ہلاک کرنا چاہتا ہے''۔ اس کا مطلب شاید یہ ہے کہ ان پر خرچ کرنے کے لیے جتنے مال کی ضرورت ہے وہ بہت زیادہ ہے، اس کے لیے مال کا منافع کافی نہیں ہے بلکہ اصل مال کو بھی خرچ کرنا پڑے گا۔ مگر اس کے باوجود نبی ﷺ نے انہیں معذور نہیں سمجھا اور ان پر خرچ نہ کرنے کی رخصت نہیں دی اور فرمایا ''تم بھی اپنے باپ کے ہو اور تمہارا مال بھی۔'' یعنی انہیں تمہارے مال میں سے جب اور جتنی ضرورت ہوگی اتنا لے لیں گے، جس طرح کہ اپنے مال میں سے لیتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اگر تمہارے پاس مال نہ ہو اور تم کماتے ہو تو تم پر ضروری ہے کہ تم کما کر ان پر خرچ کرو۔ (معالم السنن ۳/ ۱۶۵، ۱۶۶)

تو اس کا وجود اس ادب نبوی سے جھوم اٹھتا ہے اور ہدایت کے فیوض سے اس کا نفس کھل اٹھتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک‘ ان کی دیکھ بھال‘ محبت و ہمدردی اور داد و دہش میں منہمک ہو جاتا ہے اور ان کی نافرمانی سے بچا رہتا ہے‘ اور حقیقی طور پر ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ اور اس کا مال اس کے باپ کا ہے۔

ان کے دوستوں اور عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے

اس دین حنیف کی توجیہات و ارشادات میں صرف والدین ہی کے ساتھ حسن سلوک کا حکم نہیں دیا گیا ہے‘ بلکہ اس سے بڑھ کر ان کے دوستوں‘ عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ بھی نیک سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((اَبرُّ الْبِرِّ اَنْ یَصِلَ الرَّجُلُ وُدَّ اَبِیْهِ))

”سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کرے۔“

ایک روایت میں ہے کہ:

((اِنَّ مِنْ اَبَرِّ الْبِرِّ صِلَةَ الرَّجُلِ وُدَّ اَبِیْهِ بَعْدَ اَنْ یُوَلِّیَ))

”سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے انتقال کے بعد ان کے دوستوں کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔“ (۱)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ملاقات ان کے والد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایک دوست سے ہوئی۔ انہوں نے ان کی خوب خاطر تواضع اور اکرام کیا۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ جو لوگ تھے انہوں نے ان سے کہا کہ اس کے لیے تو یہی کافی تھا کہ اسے دو درہم دے دیتے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

(۱) مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب فضل صلة اصدقاء الاب والام (ح)۲۵۵۲

((اِحفَظْ وُدَّ اَبِیکَ، لَا تَقطَعهُ فَیُطفِیءَ اللّٰهُ نُورَکَ))

''اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ نیک سلوک کرو اور اس کے رشتوں کو نہ توڑو' ورنہ اللہ تعالیٰ تمہیں بے نور کر دے گا۔'' ①

یہ والدین کے ساتھ محبت' وفاداری' حسنِ سلوک اور احترام و اکرام کا کتنا اعلیٰ مقام ہے کہ لڑکا ان کی زندگی میں بھی اور ان کی وفات کے بعد ان کے دوستوں کے ساتھ بھی صلہ رحمی کرتا ہے۔ حقیقی اور سچا مسلمان ہمیشہ ان کے دوستوں کے ساتھ محبت و مودت' تعلق اور دوستی کے رشتے مستحکم رکھتا ہے اور والدین کی وفات کے بعد بھی ان سے محبت کرتا رہتا ہے اور ان کے ساتھ احترام و اکرام کے ساتھ پیش آتا ہے۔ وہ اس قدیم دوستی کو نہیں بھولتا اور اس شریف انسانی رشتے سے غفلت نہیں برتتا جسے اس کے محبوب والدین نے قائم کیا تھا۔ ایسے ہی بلند انسانی جذبات اور خالص دوستی سے زندگی کا حسن قائم ہے اور جینے کا مزا باقی ہے' اور یہ چیزیں اس زندگی میں سچے مسلمان کے وجود سے مربوط و متعلق ہیں۔

مغرب میں لڑکا سن بلوغت کو پہنچتے ہی اپنے والدین سے الگ ہو جاتا ہے اور ماں باپ اور بیٹے کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے۔ پھر اپنے ماں باپ سے ملاقات کرنے اور رحم و ہمدردی کا برتاؤ کرنے کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا۔ لڑکا اپنے کام سے کام رکھتا ہے اور مڑ کر بھی اپنے بوڑھے والدین کو محبت و وفاداری اور ہمدردی و حسن سلوک کی نگاہ سے نہیں دیکھتا' جنہوں نے کہ اپنے نوخیز لڑکوں کے لیے پوری زندگی قربان کر دی۔ مغرب میں لڑکے کی اپنے والدین کے ساتھ اس نافرمانی' سختی اور بدسلوکی کو اس نیک برتاؤ' محبت و مودت' وفاداری اور جذباتی سیرابی سے کیا نسبت جس کا اظہار اسلام کا وفادار فرزند والدین کی حیات میں اور وفات کے بعد ان کے دوستوں کے ساتھ بھی صلہ رحمی کر کے کرتا ہے؟ یہ اسلام اور اس کا منفرد اور ممتاز نظام ہی ہے جس نے نفوس کو اس طرح ڈھال دیا ہے اور اتنے بلند اور شریف انسانی تعلقات قائم کیے ہیں جن کی بلندی تک

① مسلم۔ حوالہ سابق

نہ کوئی دوسرا نظام پہنچ سکا ہے اور نہ کوئی قانون۔

وہ ان کے ساتھ کس طرح حسنِ سلوک کرتا ہے؟

اسلام نے جس مسلمان کی شخصیت کو ڈھالا ہے وہ حقیقتاً والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والا ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ احترام و اکرام کے خوبصورت مظاہر کے ساتھ پیش آتا ہے۔ اگر وہ کہیں بیٹھا ہوتا ہے اور اس کے والدین اس کے پاس آتے ہیں تو کھڑا ہو جاتا ہے' ان کے ہاتھوں کا بوسہ لیتا ہے' ان کے سامنے ادباً و احتراماً پست آواز سے بولتا ہے اور ان کے سامنے نرمی اور رحم کے ساتھ جھک کر رہتا ہے' ان سے بات کرتے وقت مہذب اور لطیف جملے سوچ سوچ کر بولتا ہے اور اس کی زبان پر کوئی سخت لفظ' ترش جملہ' نقص وعیب کی عبارت یا طعن و تشنیع کا کلمہ نہیں آتا' اور نہ ہی ان کے ساتھ برتاؤ کرنے میں کسی بھی حال میں اس سے کوئی ایسا فعل سرزد ہوتا ہے جو ادب واحترام اور تکریم سے گرا ہوا ہو۔ وہ ہمیشہ اس ارشاد باری سے رہنمائی حاصل کرتا ہے:

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ○ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾ (الاسراء: ۱۷/ ۲۳'۲۴)

''تمہارے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ سوائے اس کے کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اُف تک نہ کہو' نہ انہیں جھڑک کر جواب دو' بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو' اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو کہ ''پروردگار! ان پر رحم فرما' جس طرح انہوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا

تھا۔“

بسا اوقات والدین سیدھے راستے سے منحرف اور راہ حق سے ہٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں وفادار مسلمان لڑکے پر واجب ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ نرمی‘ خوش اخلاقی‘ نرم خوئی اور بردباری کے ساتھ پیش آئے‘ اور جس باطل پر وہ جمے ہوئے ہیں اس سے انہیں حکمت اور نرمی کے ساتھ ہٹانے کی کوشش کرے‘ اور ان کے ساتھ کبھی سختی سے پیش نہ آئے‘ تند خوئی اور بدمزاجی کا مظاہرہ نہ کرے اور نہ انہیں جھڑکے بلکہ پوری ذہانت‘ ہوشیاری اور نرمی کے ساتھ انہیں مطمئن کرنے اور حق کی طرف پھیرنے کی کوشش کرے‘ اور اس سلسلہ میں قوی دلیل‘ منطق سلیم اور مہذب اور پر حکمت اسلوب سے مدد حاصل کرے۔

باشعور اور سمجھدار مسلمان کو یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ اس کا والدین کے ساتھ یہ نرم ولطیف اسلوب اختیار کرنے کا اسلام کی طرف سے ہر حال میں مطالبہ ہے‘ خواہ وہ مشرک ہوں ...... یہ جانتے ہوئے بھی کہ شرک سب سے بڑا گناہ ہے......ضروری ہے کہ ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرے اور خوش معاملگی سے پیش آئے۔ اس سلسلہ میں وہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کرتا ہے:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ وَّفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ○ وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَّاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ (لقمان: ۳۱/ ۱۴‘۱۵)

”ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے۔ (اسی لیے ہم نے اس کو نصیحت کی کہ) میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجالا‘ (آخر) میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے۔ لیکن اگر وہ

تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں
جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان۔ دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ۔
مگر پیروی اس شخص کے راستے کی کر جس نے میری طرف رجوع کیا ہے۔
پھر تم سب کو پلٹنا میری ہی طرف ہے۔ اس وقت میں تمہیں بتا دوں گا کہ تم
کیسے عمل کرتے رہے ہو۔''

گویا والدین اگرچہ رشتہ داروں میں سب سے قریبی اور سب سے زیادہ محبوب ہوتے ہیں' مگر ان کی جلالت قدر کے باوجود ان سے تعلق کا درجہ' عقیدہ کے تعلق کے بعد آتا ہے۔ چنانچہ اگر وہ مشرک ہوں اور اپنے بیٹے کو اللہ ذوالجلال والاکرام کی ذات بابرکات کے ساتھ شرک کرنے کا حکم دیں تو اس میں ان کی کوئی اطاعت نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ:

((لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ))

''خالق کی معصیت میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں۔''

عقیدہ کا رشتہ ہر رشتہ سے بلند اور اس کا معاملہ ہر چیز سے برتر و بالا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرتا رہتا ہے اور ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے اور ان کی دیکھ بھال کرنے میں کچھ کمی نہیں کرتا۔

حقیقی مسلمان ہر حال میں اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرتا ہے اور جس طرح بھی ممکن ہوتا ہے انہیں نیک بخت کرنے اور ان کے دلوں میں خوشی و مسرت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے' اور اطاعتِ الٰہی کے حدود میں رہتے ہوئے ان کے ساتھ حسن سلوک' ان کی دیکھ بھال اور ان کے اکرام کے متعدد طریقے اختیار کرتا ہے۔ مثلاً: ان کے لیے لذیذ کھانے' بہترین کپڑے' آرام دہ گھر اور زمانے اور معاشرتی معیار زندگی کے مناسب جائز سہولیات اور آرام پہنچانے والی چیزیں فراہم کرتا ہے۔ اور ان سب چیزوں سے بڑھ کر ان سے اچھی بات' خندہ پیشانی اور کھلے ہوئے چہرے کے ساتھ جس سے محبت واشتیاق اور وفاداری ٹپکتی ہے' پیش آتا ہے۔

حقیقی مسلمان اپنے والدین کی وفات کے بعد بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کا سلسلہ جاری رکھتا ہے۔ ان کی طرف سے صدقہ کرتا ہے اور ان کے لیے کثرت سے دعا استغفار کرتا رہتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا﴾ (الاسراء: ۱۷/ ۲۴)

''اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو کہ پروردگار! ان پر رحم فرما' جس طرح انہوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔''

یہ ہیں والدین کے ساتھ حسن سلوک کے سلسلہ میں اسلام کی ہدایات' اور یہ ہے اس حقیقی مسلمان کا کردار جو ان سے رہنمائی حاصل کرتا ہے۔ آج جب کہ مادی زندگی نے مسلمانوں پر تسلط جما لیا ہے اور تمدن جدید کی روشنی نے ان کی نگاہوں کو خیرہ کر دیا ہے' کیا مسلمان ان اسلامی ہدایات کا التزام کرتے ہیں؟ اور کیا اس اسلامی طریقہ پر عمل پیرا ہیں؟

آج کل لوگ بیوی بچوں پر پوری توجہ مبذول کرتے ہیں۔ رہے والدین' تو ان پر بیوی بچوں کے بعد توجہ کی جاتی ہے' اور بسا اوقات وہ معمولی سی توجہ سے بھی محروم رہتے ہیں' الا یہ کہ ان کے لڑکے بہت ہی نیک اور متقی ہوں۔

اس کا سبب یہ ہے کہ مغرب کے وہ جدید معاشرتی نظام' جنہوں نے بہت سے مسلمانوں کی عقلوں کو مسحور کر لیا ہے اور ان پر تسلط جما لیا ہے' والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے' ان کے بڑھاپے کا احترام اور لحاظ کرنے اور بڑھاپے میں انہیں اِدھر اُدھر مارے پھرنے اور ذلت و حقارت سے بچانے کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے۔ اس وجہ سے جو شخص ان افکار و نظریات اور نظاموں سے متاثر ہوتا ہے' وہ صرف اپنے بیوی بچوں کے بارے ہی میں سوچتا ہے اور پیچھے پلٹ کر اس بوڑھی نسل پر محبت و سلوک اور وفاداری کی ایک نگاہ بھی نہیں ڈالتا جس نے بارہا اس کی تربیت میں راتیں جاگ جاگ

کر کاٹی ہیں اور اسے پروان چڑھانے میں اور زندگی کے سرد وگرم برداشت کرنے کے لیے تیار کرنے میں اپنا قیمتی سرمایہ قربان کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ جب آرام دہ گھر' عمدہ لباس' لذیذ کھانے اور آرام دہ سواری کے بارے میں سوچتا ہے تو پوری طرح بیوی بچوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے دل کے کسی گوشے میں یہ خیال نہیں آتا کہ ان نعمتوں' سہولتوں اور خوش حالیوں میں اس کے والدین کا بھی حصہ ہے اور وہ اپنے محبوب لڑکے کے ہاتھ سے ان کو حاصل کرنے کے شدید محتاج اور ضرورت مند ہیں۔

والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا' محبت سے لبریز دل کے ساتھ ان کی طرف متوجہ ہونا' خوب سخاوت سے ان پر خرچ کرنا' اچھی اور اُنسیت والی بات کرنا اور محبت آمیز مسکراہٹ اور خندہ پیشانی سے پیش آنا' مسلمانوں کی اصلی خصلت ہے' اور خواہ زندگی کے معاملات کتنے ہی پیچیدہ ہو جائیں' اس میں کتنا ہی ارتقا ہو جائے اور اس پر باہر سے آئی ہوئی عادات کی کتنی ہی تہیں جم جائیں' مگر مسلمانوں کو اپنے اندر اس خصلت کو برقرار رکھنا چاہیے۔ یہ خصلت ایسی ہے کہ جب دوسرے لوگ خود غرضی' حق تلفی اور ناشکری کی عمیق کھائیوں میں گرتے ہیں تو یہ ان کے دل کو سخت ہونے سے محفوظ رکھتی ہے' کردار کی انانیت سے بچائے رکھتی ہے' ان میں اصالت ونجابت' انسانیت اور وفاداری پیدا کرتی ہے' اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کے لیے جنت کے دروازے کھول دیتی ہے۔

مثالی مُسلمان مرد کا تعلق

اپنی بیوی کے ساتھ

انسانی زندگی ایک گاڑی کی مانند ہے کہ جس کے دو پہیے ہوں۔ اگر اس گاڑی کا ایک پہیا خراب ہو جائے تو یہ گاڑی چلنے سے قاصر رہے گی۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق نیک بیوی انسان کے خزانوں میں سے بہترین خزانہ ہے۔ اس خزانہ کی حفاظت کیسے کرنی ہے؟ اس کو ضائع ہونے سے کیسے بچانا ہے؟ اس سے زیادہ سے زیادہ بہتر انداز میں فائدہ کس طرح اٹھانا ہے؟ اور زندگی کی گاڑی کو کامیابی سے چلانے کے لیے ایک مسلمان کو کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے؟ اسلام اس کے متعلق بہترین رہنمائی فراہم کرتا ہے اور مسلمان کو بتاتا ہے کہ اس نے اپنی بیوی کے ساتھ اس طرح زندگی گزارنی ہے کہ وہ نہ صرف اس کیلیے دونوں جہانوں میں کامیابی کا باعث بن جائے بلکہ دنیا میں ہی باعث اجر و ثواب بن جائے کہ اللہ کریم بھی اس سے خوش ہو جائے۔

شادی اور عورت اسلام کی نظر میں

اسلام میں شادی کا مقصد یہ ہے کہ نفس کی تسکین ہو' دل کو راحت ملے' ضمیر کو استقرار حاصل ہو اور مرد و عورت محبت و مودت' رحم و ہمدردی' یکسانیت و ہم آہنگی' باہمی تعاون' آپسی شفقت و مہربانی اور ایک دوسرے کی خیر خواہی کے ساتھ زندگی گذاریں' تاکہ دونوں الفت و محبت' حلم و بردباری اور شفقت و مہربانی کی اس فضا میں ایسا مبارک خلیہ تعمیر کرسکیں جس میں نوخیز نسل کی پرورش ہو سکے اور ایک محفوظ مسلم خاندان پروان چڑھ سکے۔

قرآن کریم نے مرد اور عورت کے درمیان اس فطری اور مستقل ازدواجی تعلق کی بہت ہی لطیف اور پر اشتیاق تصویر کشی کی ہے جس میں امن و سکون اور اطمینان کی بادِ نسیم چلتی ہے اور جس سے محبت' تفاہم اور رحمت کی خوشبو پھوٹتی ہے:

﴿وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَ جَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً﴾ (الروم ۳۰/ ۲۱)

''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو۔ اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔''

یہ دو نفوس کے درمیان باہم انتہائی گہرے رشتے کا تعلق ہے جسے اللہ تعالیٰ ان کے درمیان پیدا کرتا ہے' تاکہ دونوں سکون و قرار اور راحت کی نعمت سے لطف اندوز ہوں' اور ایسا پرسکون اور محبوب گھر وجود میں آئے جو خالص محبت و مودت اور رحمت و شفقت سے معمور ہو۔

اسلام کی نظر میں صالح عورت زندگی کی پہلی عمدہ شئے ہے اور مرد پر اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ جب وہ زندگی کی تکالیف' رنج و غم اور محنت و مشقت کی تھکن سے اس کے پاس جاتا ہے تو راحت' تسلی اور ایسا سامانِ زینت پاتا ہے جس کے مثل انسانی

زندگی میں کوئی شئے نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا ہے:

((اَلدُّنیَا مَتَاعٌ، وَ خَیرُ مَتَاعِهَا الْمَرْاَةُ الصَّالِحَةُ))

''دنیا سامانِ زیست ہے اور اس کا بہترین سامان صالح عورت ہے۔''①

اسلام کی نظر میں شادی کا کتنا بلند اور تابناک مقصد ہے! اور وہ عورت کی نسوانیت کو کتنا بلند اور محترم مقام دیتا ہے۔

مسلمان کیسی بیوی چاہتا ہے؟

شادی اور عورت کے اس بلند مقام کی وجہ سے حقیقی مسلمان ان کھوکھلے مظاہر کی خواہش نہیں کرتا جنہیں اس زمانے کی بعض نوجوان لڑکیاں اختیار کرتی ہیں' بلکہ اس کے دل میں اس لڑکی کی شخصیت گھر کرتی ہے جو کامل مسلمان ہو۔ اسی لیے وہ اپنی رفیقہ حیات اختیار کرنے میں جلدی نہیں کرتا' بلکہ ایسی لڑکی تلاش کرتا ہے جو بلند اسلامی صفات کے زیور سے آراستہ ہو' کہ جن سے ازدواجی زندگی میں آرام وچین اور سکون و استقرار حاصل ہو سکے۔ وہ صرف خوبصورتی' حسن و جمال اور زیب و زینت کو معیار نہیں بناتا' جس پر کہ عام طور پر نوجوان فریفتہ ہوتے ہیں' بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دین' عقل اور حسنِ سیرت کو بھی پیش نظر رکھتا ہے' اور رسول کریم ﷺ کے اس ارشاد سے رہنمائی حاصل کرتا ہے:

((تُنْكَحُ الْمَرْاَةُ لِاَرْبَعٍ: لِمَالِهَا، وَلِحَسَبِهَا، وَلِجَمَالِهَا، وَلِدِيْنِهَا، فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ، تَرِبَتْ يَدَاكَ))

''عورت سے چار چیزوں کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے: دولت' خاندان و وجاہت' خوبصورتی اور دین داری۔ تم دین دار عورت سے نکاح کرنے میں کامیاب ہو جاؤ' تمہارے ہاتھ گرد آلود② ہوں۔''③

---

① مسلم۔ کتاب الرضاع: باب خیر متاع الدنیا المراۃ الصالحۃ (ح ۱۴۶۹)

② یہ دین دار عورت چاہنے والے کے لیے دعائیہ کلمہ ہے اور اس کی ترغیب ہے۔

③ بخاری۔ کتاب النکاح: باب الاکفاء فی الدین (ح ۵۰۹۰)

رسول کریم ﷺ کی اس وصیت (کہ مسلم نوجوان دین دار عورت کو تلاش کرے) کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شکل وصورت کی خوبصورتی کی خواہش کو آپ نے مہمل قرار دیا ہے' بلکہ آپ نے نکاح سے قبل عورت کو دیکھنا مستحسن قرار دیا ہے' تا کہ مسلمان کو ایسی عورت سے شادی کرنے کے بعد پچھتانا نہ پڑے جس سے اس کے قلب کو سکون اور آنکھوں کو ٹھنڈک نہ مل سکے۔

سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((اَنَظَرْتَ اِلَيْهَا؟)) قُلْتُ: لَا' قَالَ: فَانْظُرْ اِلَيْهَا' فَاِنَّهُ اَجْدَرُ اَنْ يُّؤْدَمَ بَيْنَكُمَا))

''کیا تم نے اسے دیکھ لیا ہے؟'' میں نے عرض کیا: ''نہیں!'' فرمایا: ''پہلے جا کر دیکھ لو' کیوں کہ اس سے تعلقات میں پائیداری [1] ہو گی۔'' [2]

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص' جس نے ایک انصاری عورت کو نکاح کا پیغام دیا تھا' نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نبی ﷺ نے اس سے فرمایا: ''کیا تم نے اسے دیکھ لیا ہے؟'' اس نے عرض کیا: ''نہیں!'' آپ نے اس شخص کو اسے دیکھ لینے کا حکم دیا۔ [3]

رسول اللہ ﷺ نے متعدد احادیث میں اس بات پر زور دیا ہے کہ دیگر معنوی

← مسلم۔ کتاب الرضا: باب استحباب نکاح ذات الدین (ح ۱۴۶۶)

[1] یعنی تم دونوں کے درمیان اس سے محبت اور موافقت پیدا ہو گی۔

[2] ترمذی۔ کتاب النکاح: باب ماجاء فی النظر الی المخطوبة (ح ۱۰۸۷)
نسائی۔ کتاب النکاح: باب اباحة النظر قبل التزویج (ح ۳۲۳۷)
ابن ماجه۔ کتاب النکاح: باب النظر المراة اذا اراد ان یتزوجها (ح ۱۸۶۶)

[3] مسلم۔ کتاب النکاح: باب ندب من اراد نکاح امراة الی ان ینظر الی وجهها۔ (ح ۱۴۲۴)
نسائی۔ کتاب النکاح: باب اباحة النظر قبل التزویج (ح ۳۲۳۶ واللفظ له)

صفات کے ساتھ ساتھ خوبصورتی بھی ان بنیادی صفات میں سے ہے' جنہیں آدمی نیک عورت میں چاہتا ہے اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے کا بدل نہیں ہوسکتا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا: ''بہترین عورت کون سی ہے؟'' آپ نے فرمایا:

((اَلَّتِی تَسُرُّہُ اِذَا نَظَرَ ، وَ تُطِیْعُہُ اِذَا اَمَرَ ، وَلَا تُخَالِفُہُ فِیْمَا یَکْرَہُ فِیْ نَفْسِھَا وَمَالِہِ))

''جسے دیکھ کر شوہر کو خوشی حاصل ہو' جو اس کے ہر حکم کی تعمیل کرے' اور کوئی ایسا کام نہ کرے جو اسے ناپسند ہو' اور اس کے مال کو ایسی جگہ خرچ نہ کرے جہاں اس کی مرضی نہ ہو۔'' [۱]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اِن ارشادات میں ایسی عورت کی شخصیت کی طرف رہنمائی کی ہے جو مرد کو سعادت و نیک بختی اور سکون و قرار عطا کرسکتی ہے' اور زوجیت کی آغوش اور نوخیز نسل کی گود میں بشاشت' چین وسکون اور خوشی انڈیل سکتی ہے' اور ساتھ ہی ساتھ وہ نسلوں کی مربی' بہادروں کی معمار اور عباقرہ (Genius) کو پیدا کرنے والی ہوسکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید خواہش تھی کہ شادی کی بنیاد مستحکم اور راسخ ہو' اور جسم' عقل' روح اور جذبات کے تقاضوں میں توازن رہے' تاکہ یہ رشتہ انتہائی قوی ہو' کہ مزاجوں کے اختلاف سے اس میں کچھ بھی رکاوٹ اور کمزوری واقع نہ ہو اور نفسانی خواہشات اسے برباد نہ کردیں۔ چنانچہ حقیقی مسلمان جو اپنے تمام اعمال میں شریعتِ الٰہی کا اتباع کرتا ہے اور اسی سے رہنمائی حاصل کرتا ہے۔ وہ ''گھورے پر اُگے ہوئے سبزے'' (یعنی وہ عورت جو بظاہر بہت حسین ہو' مگر اس کا باطن خراب اور ناکارہ ہو) کے پھندے میں نہیں پھنستا' بلکہ لوگوں سے کہتا ہے ''گھورے پر اُگے ہوئے سبزے سے بچو۔'' [۲]

---

[۱] نسائی۔ کتاب النکاح: باب ای النساء خیر (ح ۳۲۳۳)

[۲] یہ قول حدیث نہیں ہے۔

اپنی ازدواجی زندگی میں اسلامی طریقہ کا التزام کرتا ہے

حقیقی اور سچا مسلمان شادی کے بعد بیوی کے ساتھ حسنِ معاشرت برتنے اور اچھا سلوک کرنے کے سلسلہ میں اسلام کی بلند تعلیمات پر عمل کرتا ہے۔ اسلام نے عورت کے بارے میں جو ہدایات دی ہیں اور اس کی تکریم اور نیک برتاؤ کے بارے میں جتنا اکسایا ہے' اس پر اگر ہم غور کریں تو ہمیں بہت تعجب ہوگا۔

اسلام نے عورت کے بارے میں خیر کی وصیت کی ہے اور اس کو اتنا بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے جتنا اس کے علاوہ اور کسی مذہب میں نہیں دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا:

((اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَیْرًا ' فَاِنَّ الْمَرْاَۃَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ ' وَاِنَّ اَعْوَجَ مَا فِی الضِّلَعِ اَعْلَاہُ ' فَاِنْ ذَھَبْتَ تُقِیْمُہٗ کَسَرْتَہٗ ' وَاِنْ تَرَکْتَہٗ لَمْ یَزَلْ اَعْوَجَ ' فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ))

''عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلیوں میں سب سے زیادہ ٹیڑھا حصہ اوپر کا ہے۔ اگر اس کو سیدھا کرو گے تو ٹوٹ جائے گی اور اگر چھوڑے رہو گے تو ٹیڑھی ہی رہے گی۔ پس عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔'' [1]

صحیحین کی ایک روایت میں ہے:

((اَلْمَرْاَۃُ کَالضِّلَعِ: اِنْ اَقَمْتَھَا کَسَرْتَھَا' وَاِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِھَا اسْتَمْتَعْتَ بِھَا' وَ فِیْھَا عِوَجٌ))

''عورت پسلی کی طرح ہے' اگر اسے سیدھا کرو گے تو ٹوٹ جائے گی اور اگر ٹیڑھی رہتے ہوئے اس سے لطف اندوز ہو گے تو تبھی اس سے لطف

---

[1] بخاری۔ کتاب النکاح: باب الوصاۃ بالنساء (ح ٥١٨٦)
مسلم۔ کتاب الرضاع: باب الوصیۃ بالنساء (ح ٦٠)

انددوز ہو سکتے ہو۔'' ①

مسلم کی ایک روایت میں ہے:

((اِنَّ الْمَرْاَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ ' لَنْ تَسْتَقِيْمَ لَكَ عَلٰى طَرِيْقَةٍ ' فَاِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا ' اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَ فِيْهَا عِوَجٌ ' وَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهَا كَسَرْتَهَا ' وَ كَسْرُهَا طَلَاقُهَا))

''عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے' تم کسی بھی صورت میں اسے سیدھا نہیں کر سکتے۔ اگر تم اس سے ٹیڑھی رہتے ہوئے لطف اندوز ہو گے تو تبھی اس سے لطف اندوز ہو سکتے ہو۔ ورنہ اگر اسے سیدھا کرنے لگو گے تو ٹوٹ جائے گی اور اس کا ٹوٹنا طلاق ہے۔'' ②

اس بلیغ نبوی تمثیل میں عورت کی حقیقت اور اس کے فطری مزاج کا دلکش بیان ہے کہ عورت شوہر کی خواہش کے مطابق کسی ایک حال پر قائم نہیں رہ سکتی' اس لیے مسلمان شوہر کو سمجھنا چاہیے کہ یہ اس کی جبلت' فطرت اور طبعی عادت ہے۔ اس لیے وہ جس طریقے کو اپنے دل میں صحیح یا کامل سمجھتا ہے' اس کو سو فیصد اسی طریقے پر لانے کی کوشش نہ کرے بلکہ اس کے خاص نسوانی مزاج کا بھی خیال رکھے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کی تخلیق کی ہے (کسی حد تک) ویسے ہی اسے قبول کر لے۔ بسا اوقات بیوی کی عادات و اطوار میں بعض چیزیں خاوند کی حسب منشا نہیں ہوتیں۔ اب اگر وہ انہیں اپنے ارادے اور اپنے مزاج کے عین مطابق بالکل سیدھا کرنا چاہے گا تو اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو پسلی کی کجی کو سیدھا کرنا چاہے تو وہ سیدھی تو نہ ہو گی البتہ وہ ٹوٹ جائے گی۔ اور عورت کے ٹوٹ جانے سے مراد طلاق کا واقع ہو جانا ہے۔

جب سچے مسلمان شوہر کے وجدان میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشادِ عالی جاگزیں

---

① بخاري۔ كتاب النكاح: باب مداراة مع النساء (ح ۵۱۸۴)
مسلم۔ كتاب الرضاع: باب الوصية بالنساء (ح ۶۵/ ۱۴۷۰)

② مسلم۔ كتاب الرضاع: باب الوصية بالنساء (ح ۱۵۰)

ہو جاتا ہے جو کہ عورت کی نفسیات اور مزاج کے گہرے مطالعہ پر مبنی ہے تو وہ بیوی کی بہت سی لغزشوں میں حلم و بردباری سے کام لیتا ہے اور اس کی بہت سی خامیوں سے چشم پوشی برتتا ہے۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ اس کی فطرت ہے اور اسی طرح اس کی تخلیق ہوئی ہے۔ چنانچہ اس طرح ازدواجی زندگی بڑے ہی چین و سکون' امن اور نیک بختی سے گزرتی ہے اور گھر میں کسی طرح کا شور وغل' چیخ پکار اور لڑائی جھگڑا نہیں ہوتا۔

جو شخص اس بارے میں مذکور پہلی حدیث کے متن پر غور کرے گا وہ دیکھے گا کہ نبی کریم ﷺ نے شروع میں فرمایا ''عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔'' پھر اس کی شخصیت کا جائزہ لینے کے بعد آخر میں بھی یہی فرمایا: ''عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔'' عورت کے بارے میں رسول کریم ﷺ نے کتنی توجہ فرمائی ہے' اس کی نفسیات کا کتنا زبردست اور گہرا مطالعہ کیا ہے' اور اس پر کتنی عظیم مہربانی کی ہے۔ پھر سچے مسلمان شوہر کے لیے اس کے علاوہ اور کیا گنجائش ہو سکتی ہے کہ وہ اس ارشادِ نبوی کی سچی تصویر بن جائے اور اس پر ہر وقت عمل پیرا رہے۔

عورت کے بارے میں رسول کریم ﷺ نے اتنی زیادہ توجہ دی ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع میں بھی آپ نے عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کی طرف اشارہ کرنا فراموش نہیں کیا' رسول اللہ ﷺ کو احساس ہو گیا تھا کہ یہ لوگوں کے ساتھ حج میں آخری ملاقات ہے' اس لیے مسلمانوں سے کہنے کی جو جو باتیں تھیں ان کا نچوڑ آپ نے اس خطبہ میں پیش کر دیا تھا۔ اس عظیم خطبہ میں آپ نے عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت کو فراموش نہیں کیا' بلکہ عورتوں کے بارے میں حسنِ سلوک کی خصوصی تنبیہ فرمائی' جس سے عورتوں کے بارے میں آپ کی توجہ اور اہتمام کا پتا چلتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلَا وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَیْرًا ' فَاِنَّهُنَّ عَوَانٍ عِنْدَكُمْ لَیْسَ تَمْلِكُوْنَ مِنْهُنَّ شَیْئًا غَیْرَ ذٰلِكَ' اِلَّا اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ' فَاِنْ فَعَلْنَ فَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَیْرَ

مُبَرِّحٍ ، فَإِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ، اَلَا اِنَّ لَكُمْ عَلٰى نِسَائِكُمْ حَقًّا ، وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا ، فَحَقُّكُمْ عَلَيْهِنَّ اَلَّا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ مَنْ تَكْرَهُوْنَ ، وَلَا يَاْذَنَّ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لِمَنْ تَكْرَهُوْنَ ، اَلَا وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ اَنْ تُحْسِنُوْا اِلَيْهِنَّ فِيْ كِسْوَتِهِنَّ وَ طَعَامِهِنَّ))

''لوگو سنو! عورتوں کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش آؤ' کیونکہ وہ تمہارے پاس قیدیوں کی طرح ہیں۔ تمہیں ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرنے کا کوئی حق نہیں' سوائے اس صورت کے جب ان کی طرف سے کوئی کھلی ہوئی نافرمانی سامنے آئے۔ اگر وہ ایسا کر بیٹھیں تو پھر خواب گاہوں میں ان سے علیحدہ رہو' اور انہیں مارو تو ایسا نہ مارنا کہ کوئی شدید چوٹ آئے' اور پھر جب وہ تمہارے کہنے پر چلنے لگیں تو ان کو خواہ مخواہ ستانے کے بہانے نہ ڈھونڈو۔ دیکھو سنو! تمہارے کچھ حقوق تمہاری بیویوں پر ہیں اور تمہاری بیویوں کے کچھ حقوق تمہارے اوپر ہیں۔ ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں کو ان لوگوں سے نہ روندوائیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور تمہارے گھروں میں ایسے لوگوں کو ہرگز نہ گھسنے دیں جن کا آنا تمہیں ناگوار ہو۔ اور سنو! ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم انہیں اچھا کھلاؤ اور اچھا پہناؤ۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ کی اس وصیت کو سچا اور باشعور مسلمان سنتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ آپ نے شوہروں اور بیویوں کے حقوق اور فرائض کی تعیین کر دی ہے اور عورتوں کا حق یہ بتلایا ہے کہ شوہر ان کے ساتھ رحم و ہمدردی سے پیش آئیں' ان کے ساتھ مہربانی اور شفقت کا برتاؤ کریں اور اچھا سلوک کریں۔ اس کے بعد مسلم گھرانے میں بیوی پر ظلم کرنے یا اسے ضرر پہنچانے کے بارے میں سوچنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں باقی

---

[1] ترمذی۔ کتاب الرضاع: باب ماجاء فی حق المراۃ علی زوجھا (ح ۱۱۶۳)
ابن ماجہ۔ کتاب النکاح: باب حق المراۃ علی الزوج (ح ۱۸۵۱)

رہتی۔

رسول کریم ﷺ نے عورت کے بارے میں بہت سی ہدایات دی ہیں' حتیٰ کہ بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والے شوہر کو اس امت کے بہترین اور ممتاز لوگوں میں سے قرار دیا ہے' فرمایا:

((اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا ' وَ خِیَارُکُمْ خِیَارُکُمْ لِنِسَائِھِمْ))

''کامل ایمان والے مؤمن وہ ہیں جو اپنے اخلاق میں سب سے اچھے ہوں' اور تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں سب سے اچھے ہوں۔''①

کچھ عورتیں آپ کے گھر والوں کے پاس آئیں اور اپنے شوہروں کی شکایت کرنے لگیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مردوں میں اعلان کر دیا:

((لَقَدْ اَطَافَ بِآلِ مُحَمَّدٍ نِسَاءٌ کَثِیْرٌ یَشْکُوْنَ اَزْوَاجَھُنَّ ' لَیْسَ اُولٰئِکَ بِخِیَارِکُمْ))

''محمد (ﷺ) کے گھر والوں کو بہت سی عورتوں نے گھیر لیا ہے جو اپنے شوہروں کی شاکی ہیں۔ ان کے شوہر اچھے لوگ نہیں ہیں۔''②

اسلام نے عورت کو اتنا بلند مقام عطا کیا ہے کہ شوہر کو حکم دیا کہ اس کے ساتھ انصاف برتے' اس کا احترام و اکرام کرے اور اچھے سلوک سے پیش آئے' خواہ وہ اسے ناپسند کرتا ہو۔ اس دین کے علاوہ پوری تاریخ میں کبھی عورت کو یہ مقام نہیں دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنی محکم کتاب میں فرماتا ہے:

﴿وَ عَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ کَرِھْتُمُوْھُنَّ فَعَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا

---

① ترمذی۔ حوالہ سابق (ح ۱۱۶۲)

② ابوداؤد۔ کتاب النکاح: باب فی ضرب النساء (ح ۲۱۴۶)

ابن ماجہ۔ کتاب النکاح: باب ضرب النساء (ح ۱۹۸۵)

وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا﴾ (النساء: ۴/ ۱۹)

''ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔ اگر وہ تمھیں ناپسند ہوں تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمھیں پسند نہ ہو' مگر اللہ نے اسی میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔''

یہ آیت کریمہ سچے مسلمان کے وجدان کو لمس (Touch) کرتی ہے تو اس کے شعلہ غضب کو ٹھنڈا کر دیتی ہے اور اس کی کراہیت کی حدت کو کم کر دیتی ہے۔ اس طرح اسلام ازدواجی بندھن کو ٹوٹنے سے بچا لیتا ہے اور پاکیزہ تعلق کو بدلتے ہوئے جذبات اور ادھر ادھر بھٹکنے والے رجحانات کی حماقت سے محفوظ کر دیتا ہے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ قول کتنا عظیم ہے جو انھوں نے اس شخص سے کہا تھا جس نے ناپسندیدگی کی وجہ سے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تھا' فرمایا:

((وَيْحَكَ اَلَمْ تُبْنَ الْبُيُوْتُ اِلَّا عَلَى الْحُبِّ؟ فَاَيْنَ الرِّعَايَةُ وَالتَّذَمُّمُ))

''تمھارا برا ہو' کیا گھر محبت کے علاوہ اور کسی بنیاد پر قائم نہیں ہوتے ہیں؟ گھر داری اور عہد کی پاسداری بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔''

اسلام میں زوجیت کا رشتہ حقیر جذباتی میلانات اور حیوانی رجحان کے دباؤ سے کہیں بلند ہے۔ حقیقی مسلمان اپنی مروت' شرافت' صبر و تحمل' قوتِ برداشت' کشادہ دلی اور اخلاقی بلندی کی بنا پر' جس بیوی کو ناپسند کرتا ہے' اس کے ساتھ بھی معاملہ کرنے میں بلند مرتبہ رہتا ہے' اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہے اور حیوانی خواہشات' تاجرانہ حرص اور کم مائیگی سے بہت دور رہتا ہے۔

سچا مسلمان اپنے ربّ کا حکم بجا لاتا ہے' اپنی بیوی کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے خواہ اس کو ناپسند کرتا ہو۔ وہ اپنے رب کی تلقین کو یاد رکھتا ہے اور اس میں غور کرتا ہے کہ انسان بسا اوقات کسی چیز کو ناپسند کرتا ہے' اس سے کراہت محسوس کرتا ہے اور اس سے دور رہنا چاہتا ہے' حالانکہ وہ چیز خیر سے پر اور برکت سے لبریز ہوتی ہے۔ اسی

لیے باشعور مسلمان جانتا ہے کہ کیسے محبت کی جائے اور کیسے کراہت کی جائے؟ چنانچہ وہ جس سے محبت کرتا ہے اس کی محبت کی رَو میں بیوقوفوں اور اندھوں کی طرح بہہ نہیں جاتا' اور اسی طرح جس سے نفرت کرتا ہے اس سے بداخلاق' اعراض کرنے والے' حق تلفی کرنے والے شخص کی طرح منہ نہیں موڑ لیتا اور علیحدگی نہیں اختیار کر لیتا' بلکہ وہ معتدل رہتا ہے اور انصاف سے کام لیتا ہے۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسلمان اور مؤمن عورت کو اس کا شوہر خواہ کتنا ہی ناپسند کرے' مگر اس میں بہت سے ایسے اخلاق بھی ہو سکتے ہیں جنہیں مرد پسند کرتا ہے۔ اس لیے شوہر کو اس پسندیدہ پہلو سے تجاہل نہیں برتنا چاہیے اور اسے پس پشت ڈال کر صرف پسندیدہ پہلو کو نمایاں نہیں کرنا چاہیے۔ فرمایا:

((لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً ' إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ))

''کوئی مؤمن مرد اپنی مؤمنہ بیوی سے نفرت نہ کرے۔ اگر بیوی کی کوئی عادت اس کو ناپسند ہے تو ہو سکتا ہے کہ دوسری خصلت اسے پسند آ جائے۔''[1]

حقیقی مسلمان ''مثالی شوہر'' ہوتا ہے

حقیقی مسلمان ان صریح اور قطعی نصوص سے' جن میں عورت کے ساتھ انصاف کرنے اور اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا گیا ہے' واقف ہوتا ہے اور ان پر عمل پیرا ہوتے ہوئے مثالی شوہر ثابت ہوتا ہے۔ اس کی بیوی اس کے اچھے برتاؤ' اس کی خوش اخلاقی اور اس کی مہذب اور صالح رفاقت سے لطف اندوز ہوتی ہے اور خوش حال زندگی گزارتی ہے اور دونوں میں محبت ومودت برقرار رہتی ہے' خواہ عمر کتنی ہی لمبی ہو جائے اور کتنا ہی زمانہ گزر جائے۔

جب وہ گھر میں داخل ہوتا ہے تو خندہ پیشانی اور کھلے ہوئے چہرے کے ساتھ

---

[1] مسلم۔ کتاب الرضاع: باب الوصیة بالنساء (ح ۱۴۶۷)

بیوی بچوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور انہیں سلام کرنے میں پہل کرتا ہے' جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے:

﴿فَإِذَا دَخَلْتُم بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً﴾ (النور : ۲۴/ ۶۱)

''جب گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے لوگوں کو سلام کیا کرو۔ دعائے خیر اللہ کی طرف سے مقرر فرمائی ہوئی بڑی بابرکت اور پاکیزہ۔''

ہاں! یہ کتنی بڑی برکت کا فعل ہے کہ آدمی اپنے گھر والوں سے ملتے وقت سلام کرے' ان کی طرف موسم بہار کی طرح متوجہ ہو' ان کی زندگی کو سعادت و سرور اور خوشی اور مسرت سے بھر دے' ان میں انسیت' رحمت اور خوشی پیدا کر دے۔ اگر ضرورت محسوس کرے تو اپنی بیوی کے کاموں میں ہاتھ بٹائے۔ اگر اس میں تھکن' اکتاہٹ اور تنگی کی شکایت دیکھے تو نرم اور میٹھی باتوں سے اس کی دل جوئی کرے اور اسے یہ احساس دلائے کہ وہ ایک قوی' کریم اور حلیم و بردبار شوہر کے سایہ میں زندگی گزار رہی ہے جو اس کی حفاظت کرتا ہے' اس کی دیکھ بھال رکھتا ہے' اس کے معاملات پر توجہ کرتا ہے اور ممکن حد تک اس کی جائز ضرورتیں پوری کرتا ہے' شریعت کے جائز حدود میں اس کے لیے زینت اختیار کر کے اس کی نسوانیت کو خوش کرتا ہے' اس کے لیے اپنے اوقات اور اپنی توجہ کا ایک حصہ فارغ رکھتا ہے اور اپنا تمام وقت مطالعہ یا دیگر کاموں میں نہیں لگاتا' اور دیگر خواہشات کی تکمیل میں یا ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں یا دوستوں سے ملاقات کرنے میں نہیں صرف کرتا۔

اسلام نے عورت کو شوہر سے لطف اندوز ہونے کا حق دیا ہے۔ یہاں تک کہ اس نے شوہر کو اس کی بھی اجازت نہیں دی ہے کہ وہ اپنے تمام اوقات کو سب سے عظیم اور اشرف عمل ''عبادت'' میں مشغول رکھے۔ تاکہ اس دین محکم میں جو توازن پایا جاتا ہے اس میں کوئی خلل نہ واقع ہو۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے عبادت میں غلو کرنے کے بارے میں معلوم ہوا تو ان سے

فرمایا: ''مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم دن میں مسلسل روزے رکھتے ہو اور رات میں مسلسل نوافل پڑھتے ہو۔ کیا یہ صحیح ہے؟''

انہوں نے عرض کیا: ''کیوں نہیں اے اللہ کے رسول!''

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ایسا نہ کرو' روزہ بھی رکھو اور کچھ دن روزہ نہ بھی رکھو۔ کچھ وقت سویا کرو اور کچھ وقت نماز پڑھا کرو۔ کیونکہ تم پر تمہارے بدن کا بھی حق ہے' تمہاری آنکھوں کا بھی حق ہے' تمہاری بیوی کا بھی حق ہے' تمہارے مہمانوں کا بھی حق ہے۔'' [1]

سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیوی سیدہ خولہ بنت حکیمؓ نبی ﷺ کی بیویوں کے پاس بوسیدہ اور پرانے کپڑوں میں اور بری ہیئت میں گئیں' تو ان لوگوں نے ان سے کہا: ''تم نے یہ حالت کیوں بنا رکھی ہے؟'' انہوں نے اپنے شوہر کی شکایت کی کہ وہ رات بھر نمازیں پڑھتے ہیں اور دن میں روزہ رکھتے ہیں۔'' نبی کریم ﷺ کی بیویوں نے یہ بات آپ تک پہنچا دی۔ آپ سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے ملے اور انہیں ملامت کرتے ہوئے فرمایا:

''کیا تمہارے لیے میری ذات میں اُسوہ نہیں ہے؟''

انہوں نے عرض کیا:

''کیوں نہیں' اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے۔''

اس کے بعد سیدہ خولہؓ آئیں تو ان کی ہیئت اچھی تھی اور ان سے خوشبو پھوٹ رہی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا عثمانؓ سے فرمایا:

((یَا عُثْمَانُ، اِنَّ الرُّھْبَانِیَةَ لَمْ تُکْتَبْ عَلَیْنَا، اَفَمَا لَكَ فِیَّ اُسْوَةٌ؟ فَوَ اللّٰهِ اِنَّ اَخْشَاکُمْ وَاَحْفَظَکُمْ لِحُدُوْدِهِ لَاَنَا))

''اے عثمان! ہم پر رہبانیت نہیں فرض کی گئی ہے۔ کیا تمہارے لیے میری

---

[1] بخاری۔ کتاب الصوم: باب حق الجسم فی الصوم (ح ۱۹۷۵)
مسلم۔ کتاب الصیام: باب النھی عن صوم الدھر لمن تضرر بہ (ح ۱۱۵۹)

ذات میں اسوہ نہیں ہے؟ اللہ کی قسم! تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اس کی حدود کی حفاظت کرنے والا میں ہوں۔'' ①

رسول کریم ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان اپنے اس ارشاد کو عام کرتے تھے اور ان کی تعبدی زندگی اور ازدواجی زندگی کے درمیان اعتدال اور توازن قائم رکھنے کا حکم دیتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ اعتدال اور توازن ان کی عادت اور فطرت ثانیہ بن گئی جس کا وہ آپس میں ایک دوسرے کو حکم دیتے تھے' ان سے آراستہ ہونے کی خواہش کرتے تھے اور اگر کوئی اس سے آزاد ہو کر عبادت' زہد اور معاشرے سے کنارہ کشی میں مبالغہ کرتا تو اس کا مقدمہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے۔ جیسے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح کا واقعہ روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ نے سیدنا سلمان اور سیدنا ابوادردا رضی اللہ عنہما کے درمیان مواخات کرائی۔ سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ سیدنا ابودردا رضی اللہ عنہ کے گھر گئے تو دیکھا کہ سیدہ ام دردا سادے اور بے رونق کپڑے پہنے ہوئے تھیں۔ انہوں نے کہا: ''تم نے یہ حالت کیوں بنا رکھی ہے؟'' کہا: ''تمہارے بھائی ابودردا کو دنیا میں کسی چیز کی کوئی حاجت ہی نہیں ہے۔'' سیدنا ابودردا آئے' ان کے لیے کھانا بنایا اور'' کہا: ''کھاؤ۔'' تو انہوں نے جواب دیا: ''میں روزے سے ہوں۔'' سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''جب تک تم نہیں کھاؤ گے' میں ہرگز نہیں کھاؤں گا۔'' چنانچہ سیدنا ابودردا رضی اللہ عنہ نے بھی کھایا۔ رات آئی اور سیدنا ابودردا رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے کے لیے جانے لگے تو سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''سو جاؤ! یہاں تک کہ جب رات کا آخری پہر آیا تو سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابودردا رضی اللہ عنہ سے کہا: ''تم پر تمہارے رب کا بھی حق ہے اور تمہارے نفس کا بھی حق ہے اور تمہارے گھر والوں کا بھی حق ہے۔ اس لیے ہر صاحب حق کو اس کا حق دو۔'' سیدنا ابودردا رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی

① مسند احمد (۶/ ۲۲۶) مختصراً۔ حلیة الاولیاء (۱/ ۱۰۶) طبقات ابن سعد (۳/ ۳۹۴' ۳۹۵) کنزالعمال (۸/ ۳۰۵)

خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کا تذکرہ کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''سلمان نے سچ کہا۔'' (۱)

متقی، باشعور اور خوش اخلاق مسلمان وقتاً فوقتاً خوش طبعی، لطیف ہنسی مذاق اور خوش کن اور مزیدار لطیفوں کے ذریعے سے اپنے بیوی کے ساتھ دائمی زندگی کی خشکی کو زائل کرتا ہے اور آپس میں رہن سہن کے گوشوں کو تروتازہ کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں وہ رسول کریم ﷺ کے اسوہ پر عمل کرتا ہے جو کہ اپنی پوری زندگی میں ایک بلند مقام پر فائز تھے۔ آپؐ باوجود یہ کہ بڑی بڑی ذمہ داریوں کو سرانجام دیتے تھے، دین کی بنیادیں راسخ کرتے تھے، امتِ مسلمہ کی تعمیر کرتے تھے، جہاد کے لیے جماعتیں تیار کرتے تھے اور دیگر عظیم کاموں میں مصروف رہتے تھے، پھر بھی اپنی ازواج کے ساتھ حسن معاشرت، نرم خوئی، کشادہ روئی، خوش طبعی اور ہنسی مذاق میں ایک مثالی شوہر تھے۔ جیسے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حریرہ (یعنی دودھ، گھی اور آٹے سے تیار کیا ہوا کھانا) لے کر آئی کہ جسے میں نے خود آپ کے لیے تیار کیا تھا۔ وہاں سودہ (رضی اللہ عنہا) بھی تھیں۔ نبی کریم ﷺ میرے اور ان کے بیچ میں تھے۔ میں نے سودہ (رضی اللہ عنہا) سے کہا: ''کھاؤ!'' انہوں نے انکار کیا۔ میں نے کہا: ''کھاؤ، ورنہ تمہارے چہرہ پر لتھیڑ دوں گی۔'' انہوں نے پھر بھی انکار کیا۔ میں نے حریرہ میں اپنا ہاتھ ڈالا اور ان کے چہرہ پر لیپ دیا۔ نبی کریم ﷺ ہنسنے لگے۔ آپ نے سودہ (رضی اللہ عنہا) سے فرمایا: ''اس کے بھی چہرے پر لتھیڑ دو۔'' (ایک روایت میں ہے کہ سیدہ عائشہؓ کہتی ہیں کہ آپ نے اپنا گھٹنا نیچے کر لیا، تاکہ سودہ (رضی اللہ عنہا) مجھ سے بدلہ لے سکیں۔) چنانچہ انہوں نے بھی پلیٹ سے کچھ لے کر میرے چہرے پر تھوڑا سا لیپ دیا اور رسول کریم ﷺ ہنستے رہے۔'' (۲)

---

(۱) بخاری۔ کتاب الصوم: باب من اقسم علی اخیه لیفطر فی التطوع (ح ۱۹۶۸)

(۲) مسند ابی یعلٰی (۷/ ۴۴۹،۴۵۰) (ح ۴۴۷۶) الهیثمی ص ۴/ ۳۱۶ المنتخب ص ۴/ ۳۹۳ کنز العمال ص ۷/ ۳۰۲

غور کرنے کا مقام ہے کہ بیوی کے ساتھ خوش طبعی اور ہنسی مذاق کرنے، حسنِ معاشرت کا برتاؤ کرنے اور اس کے دل میں خوشی و مسرت پیدا کرنے میں رسول اللہ ﷺ کا اخلاق کتنا پسندیدہ، آپ کی طبیعت کتنی خوش طبع اور آپ کا دل کتنا کشادہ تھا۔

سیدہ عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ:

"وہ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دوڑ میں مقابلہ کیا اور جیت گئیں۔ پھر جب (کچھ عرصہ بعد ان کے) بدن پر گوشت چڑھ گیا اور وہ فربہ بدن ہو گئیں تو ایک سفر میں اسی طرح دوڑ کا مقابلہ کیا۔ اس میں رسول اللہ ﷺ آگے بڑھ گئے (یعنی جیت گئے۔) آپؐ نے فرمایا: "عائشہ! یہ اس جیت کا بدلہ ہے۔" [1]

رسول اللہ ﷺ اپنی محبوب اور نوجوان بیوی کے دل میں خوشی و مسرت پیدا کرنے کے سلسلہ میں فراخ دل تھے۔ چنانچہ آپ انہیں مختلف قسم کے جائز کھیل دکھانے کے لیے بلاتے، تاکہ ان کے نفس کو تسکین اور خوشگواری حاصل ہو اور وہ ان کے دیکھنے سے لطف اندوز ہوں۔ سیدہ عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ:

"رب ذوالجلال کی قسم! مجھے وہ منظر اب تک یاد ہے کہ نبی کریم ﷺ میرے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہیں، حبشی لوگ مسجد نبوی میں نیزوں کے ذریعے سے کھیل رہے ہیں، رسول اللہ ﷺ مجھے اپنی چادر سے چھپائے ہوئے ہیں اور میں آپ کے کندھے اور کان کے درمیان سر رکھے ان کا کھیل دیکھ رہی ہوں۔ پھر آپ میری ہی وجہ سے کھڑے رہتے ہیں اور اس وقت تک کھڑے رہتے ہیں جب تک کہ خود میں ہی نہ پلٹ جاؤں۔ اندازہ کرلو کہ اس نوعمر اور کھیل کی حریص لڑکی کا کیا مقام تھا۔" [2]

---

[1] مسند احمد (۴/ ۲۶۴) ابوداود۔ کتاب الجهاد: باب فی السبق علی الرجل (ح ۲۵۷۸) ترمذی۔ کتاب المناقب: باب قوله ﷺ ان الشیطان لیخاف منك یا عمر (ح ۱۹۶۳) میں ہے۔

[2] بخاری۔ کتاب الصلاة: باب اصحاب الحراب فی المسجد (ح ۴۵۴، ←

حقیقی مسلمان جب دیکھتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ ازواج کے ساتھ حسن معاشرت، ہنسی مذاق، بے تکلفی اور خوش روئی سے پر ہے تو وہ بھی اپنی بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے والا، خوش اخلاق، نرم خو، کشادہ رُو اور فراخ دل ہو جاتا ہے۔ البتہ اس کی خوش طبعی اور کشادہ روئی حلال لطف کے حدود اور جائز تفریح کے دائرے میں ہوتی ہے۔

متقی اور سچا مسلمان معمولی معمولی باتوں پر برانگیختہ اور آپے سے باہر نہیں ہوتا، جس طرح کہ جاہل شوہر کرتے ہیں کہ اگر کبھی اتفاقاً کھانا ان کے مزاج کے خلاف پک گیا، یا کھانا وقت مقررہ سے کچھ تاخیر سے ملا، تو غصہ سے ان کی گردن کی رگیں پھول جاتی ہیں، وہ ایک ہنگامہ برپا کر دیتے ہیں، ان کی آنکھوں سے غیظ و غضب کے شرارے نکلنے لگتے ہیں، اور یوں میاں بیوی کے درمیان لڑائی جھگڑا شروع ہو جاتا ہے اور تلخی و رنجش پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ حقیقی مسلمان جو رسول کریم ﷺ جیسے عظیم انسان کا اُسوہ اختیار کرتا ہے، وہ ہمیشہ آپ کے اخلاقِ حسنہ کو ذہن نشین رکھتا ہے، جس کی وجہ سے وہ خود نیک، حلیم اور بردبار رہتا ہے۔ وہ رسول کریم ﷺ کے شمائل یاد کرتا ہے کہ:

((مَا عَابَ طَعَامًا قَطُّ: اِنِ اشْتَهَاهُ اَكَلَهُ، وَاِنْ كَرِهَهُ تَرَكَهُ))

"نبی کریم ﷺ نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا۔ اگر پسند آیا تو کھا لیا ورنہ چھوڑ دیا۔" ①

وہ یہ حدیث بھی یاد رکھتا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے اپنے گھر والوں سے سالن مانگا۔ انہوں نے کہا: "ہمارے پاس صرف سرکہ ہے۔" آپ نے اسے منگایا اور

← (۵۲۳۶) مسلم۔ کتاب العیدین: باب الرخصة فی اللعب الذی لا معصیة فیه، فی ایام العید (ح ۸۹۲)

① بخاری۔ کتاب المناقب: باب صفة النبی ﷺ (ح ۳۵۶۳)

مسلم۔ کتاب الاشربة: باب لایعیب الطعام (ح ۲۰۶۴)

تناول فرمانے لگے اور ساتھ ساتھ یہ کہتے جاتے تھے:

((نِعْمَ الْاَدْمُ الْخَلُّ ، نِعْمَ الْاَدْمُ الْخَلُّ))

''سرکہ کیا ہی اچھا سالن ہے' سرکہ کیا ہی اچھا سالن ہے۔'' [1]

بے وقوف اور احمق شوہروں کو اس سے سبق لینا چاہیے کہ جن کی بیویوں کی کسی غلطی یا بھول چوک کی وجہ سے کھانا پکنے میں تاخیر ہو جاتی ہے یا کھانا ان کے پسندیدہ ذوق کے مطابق نہیں بن پاتا' تو ان کی آنکھوں سے غصہ کی وجہ سے شرارے نکلنے لگتے ہیں' حالانکہ بہت ممکن ہے کہ کچھ ناگزیر اسباب پیش آ گئے ہوں جن کی وجہ سے بیچاری بیوی اس تقصیر اور غلطی میں پڑنے پر مجبور ہو۔ مگر یہ شوہر بغیر ان اسباب کو جانے آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ کیا وہ عورتوں کی دیکھ بھال اور نگہبانی کرنے والے مرد نہیں ہیں؟

سچا مسلمان شوہر اپنی بیوی کے ساتھ حسنِ معاشرت اور نیک سلوک کرنے پر اکتفا نہیں کرتا' بلکہ اپنی بیوی کی معزز سہیلیوں کے ساتھ بھی اچھے سلوک سے پیش آتا ہے' ان کے ساتھ خیر کا معاملہ کرتا ہے اور ان سے اپنے تعلق کا اظہار کرتا ہے' اور اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کا اُسوہ اختیار کرتا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''ایک بوڑھی عورت نبی کریم ﷺ کے پاس آتی تھی۔ آپ اس کے آنے پر خوشی کا اظہار فرماتے تھے اور اس کا اکرام و احترام کرتے تھے اور اس سے کہتے تھے: ''آپ کیسی ہیں؟ آپ کا حال کیسا ہے؟ ہمارے بعد آپ کیسی رہیں؟'' وہ جواب دیتی: ''خیریت سے' میرے (ماں) باپ قربان جائیں آپ پر' اے اللہ کے رسول!''

ایک دفعہ جب وہ واپس چلی گئی تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا: ''آپ اس بڑھیا پر اتنی توجہ فرماتے ہیں؟ آپ اس کا اتنا اکرام کرتے ہیں جتنا کسی کا نہیں کرتے؟'' نبی کریم ﷺ جواب دیتے ہیں:

---

[1] مسلم۔ کتاب الاشربة: باب فضیلة الخل والتادم به (ح ۲۰۵۲)

((اِنَّهَا كَانَتْ تَاْتِيْنَا عِنْدَ خَدِيْجَةَ ، اَمَا عَلِمْتِ اَنَّ كَرَمَ الْوُدِّ مِنَ الْاِيْمَانِ))

''یہ ہمارے یہاں خدیجہ کے پاس آتی تھی۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تعلقات کا پاس ولحاظ ایمان میں سے ہے۔'' ①

بسا اوقات کسی سبب سے بیوی کو غصہ آ جاتا ہے اور وہ برانگیختہ ہو جاتی ہے تو اپنے شوہر سے روٹھ جاتی ہے اور اسے اپنے غصہ کا اور برانگیختہ ہونے کا احساس دلاتی ہے۔ اس وقت مسلمان شوہر کو چاہیے کہ اپنے پسندیدہ اخلاق، اپنے وسیع حلم و بردباری اور بیوی کی (نسوانی) حقیقت، شخصیت اور مزاج پر گہری نظر کے باوصف اس سے اس انداز سے پیش آئے کہ اسے راضی کر لے اور اس کے دل میں گھر کر لے، جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج کے ساتھ معاملہ کرتے تھے، جب وہ آپ سے خفگی کا اظہار کرتی تھیں اور دن دن بھر آپ سے روٹھی رہتی تھیں۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ہم قریش کے لوگ اپنی عورتوں کو دبا کر رکھتے تھے۔ جب ہم مدینہ آئے تو دیکھا کہ یہاں لوگوں پر ان کی عورتیں حاوی ہیں۔ ان سے ہماری عورتیں بھی سیکھنے لگیں۔ میرا گھر مدینہ کے اطراف میں بنی امیہ بن زید کے محلّہ میں تھا۔ ایک دن میری بیوی مجھ پر غصہ کا اظہار کرنے لگی۔ میں نے ڈانٹا تو وہ زبان درازی کرنے لگی اور میری بات کا دُو بدو جواب دینے لگی۔ مجھ پر یہ ناگوار گزرا تو اس نے کہا: ''میری بات کا جواب دینا آپ کو ناگوار گزر رہا ہے۔ اللہ کی قسم! نبی کریم ﷺ کی بیویاں آپ کو دُو بدو جواب دیتی ہیں اور ان میں سے کوئی آپ سے دن بھر روٹھی رہتی ہے۔'' میں گھر سے نکلا اور (اپنی بیٹی) حفصہ کے یہاں گیا اور اس سے پوچھا: ''کیا تم رسول اللہ ﷺ کی بات کا جواب دیتی ہو؟'' اس نے کہا: ''ہاں!'' میں نے کہا: ''تم میں سے ایسا جو بھی کرے وہ ناکام ہوگئی اور خسارے میں پڑ گئی۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات سے

---

① مستدرك حاكم ۱/ ۱۶، ۵ كنز العمال (۷/ ۱۱۵)

بے خوف ہوگئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ناراض ہونے پر اللہ اس سے ناراض ہوگا؟ اور وہ ہلاک ہوکر رہے گی؟ تم رسول اللہ ﷺ کی بات کا جواب نہ دیا کرو اور ان سے کچھ نہ مانگا کرو۔ جو کچھ ضرورت ہو مجھ سے مانگ لیا کرو۔''[۱]

پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے جو گفتگو ہوئی تھی اس کو بیان کیا تو رسول کریم ﷺ مسکرانے لگے۔

مسلمان کو ایسے ہی پسندیدہ اخلاق سے آراستہ ہونا چاہیے تاکہ وہ رسول کریم ﷺ کے شمائل و عادات اور اعمال میں آپ کا اُسوہ اختیار کر سکے۔ تبھی وہ اپنے اس دعویٰ پر دلیل قائم کرسکتا ہے کہ اسلام معاشرتی زندگی کا دین ہے۔ آج افراد' خاندان اور معاشرے جس بدبختی' انتشار و اضطراب' قلق و بے چینی اور پراگندہ حالی کا شکار ہیں ان کا واحد سبب یہ ہے کہ لوگ ان بلند قدروں سے دور ہو گئے ہیں جن کی اسلام نے اشاعت کی تھی' ان سے پورے طور پر واقف نہیں ہیں اور ان کے بارے میں انہوں نے غلط تصورات قائم کر رکھے ہیں۔ جب کہ واقعہ یہ ہے کہ یہ قدریں بیش بہا اخلاقی قدریں ہیں۔ اگر زوجین ان سے آراستہ ہو جائیں تو خاندان میں گھریلو جھگڑے نہ ہوں اور نہ ہی تعلقات میں بگاڑ پیدا ہو' بلکہ گھروں میں سعادت وطمانیت' سکون و قرار اور خوش حالی کی فضا چھائی رہے۔

کامیاب شوہر ثابت ہوتا ہے

اس طرح باشعور مسلمان شوہر اجتماعی زندگی میں ایک کامیاب شوہر ثابت ہوتا ہے اور صالح' پاکیزہ اور پاک دامن بیوی کے نزدیک محبوب ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جانتا ہے کہ کس طرح نرمی' خوش اخلاقی اور دانائی سے بیوی کے دل میں گھر کرسکتا ہے اور اسے صحیح رُخ کی طرف موڑ سکتا ہے' جس کا اسلامی زندگی

[۱] بخاري۔ كتاب المظالم: باب الغرفة والعلية المشرفة وغيرمشرفة في السطوح وغيرها (ح ۲۴۶۸)
مسلم۔ كتاب الطلاق: باب في الايلاء واعتزال النساء (ح ۱۴۷۹)

تقاضا کرتی ہے۔ وہ اسلامی زندگی جو فطرتِ سلیمہ اور پاکیزہ اَخلاق سے پوری طرح ہم آہنگ ہے' وہ اس کے رجحانات' رغبات اور مزاج سے واقف ہوتا ہے' اور ایک لمحہ بھی یہ فراموش کیے بغیر کہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی کو سیدھا کرنا ممکن نہیں' یہ کوشش کرتا ہے کہ اس کے رجحانات و رغبات کے درمیان اور اپنی پسندیدگی (کہ وہ اس کے اندر جو مثالی اور اچھی سیرت دیکھنا چاہتا ہے) دونوں کے درمیان موافقت و یکسانیت پیدا کر دے۔

اپنی بیوی کے ساتھ زیرکی اور دُور اندیشی سے کام لیتا ہے

حقیقی اور باشعور مسلمان اپنی بیوی کے ساتھ ہمیشہ زیرکی اور دُور اندیشی سے کام لیتا ہے۔ وہ اس کے احساسات کی رعایت کرتے ہوئے اس کے سامنے اس کے گھر والوں میں سے کسی کی برائی نہیں کرتا اور نہ ہی اپنی زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکالتا ہے جس سے اس کے رشتہ داروں کے بارے میں نفرت اور طعنہ کا اظہار ہو۔ چنانچہ وہ بھی اس کے احساسات کا احترام کرتی ہے اور قول وفعل کے ذریعے سے اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچاتی اور نہ ہی اس کے گھر والوں کی کوئی برائی کرتی ہے۔

اسی طرح شوہر اپنی بیوی کے راز کو کسی پر ظاہر نہیں کرتا اور اگر وہ کوئی چیز اسے بتلاتی ہے تو اس کا افشا نہیں کرتا۔ کیونکہ ان امور میں ذرا سی تساہلی سے زوجین کے درمیان شدید اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں اور محبت ومؤدت کا شعلہ سرد پڑ جاتا ہے۔

سچا اور باشعور مسلمان' جب تک اسلام کے شفاف سرچشمے سے سیراب ہوتا ہے اور بلند اور معتدل اسلامی آداب اختیار کرتا ہے' ان تمام چیزوں سے بہت دور رہتا ہے اور ان سے اپنے آپ کو پوری طرح محفوظ رکھتا ہے۔

اس کے نقص کی تکمیل کرتا ہے

باشعور مسلمان شوہر اگر اپنی بیوی کے علم یا کردار میں کوئی نقص دیکھتا ہے تو اس کی تکمیل کرتا ہے اور اس راستے میں وہ کامیاب' لطیف اور سنجیدہ طریقے اختیار کرتا ہے'

اور اگر اس دوران میں اس کی طرف سے نافرمانی اور سرکشی کا اظہار ہوتا ہے تو وہ اس کو نرمی، بردباری اور ذہانت سے سیدھے راستے کی طرف پھیر دیتا ہے۔ وہ لوگوں کے سامنے اس کو سرزنش نہیں کرتا اور اس پر عتاب و ملامت نہیں کرتا خواہ جو بھی اسباب ہوں۔ کیونکہ عورت کو سب سے زیادہ جس چیز سے تکلیف پہنچتی ہے، وہ یہ ہے کہ کوئی اس کی ملامت سنے یا اس کی سرزنش کے وقت موجود ہو۔ متقی اور باشعور مسلمان لوگوں میں سب سے زیادہ حساس ہوتا ہے اور دوسرے لوگوں کے احساسات کا بھی خیال رکھتا ہے۔

بیک وقت بیوی کو بھی خوش رکھتا ہے اور ماں کے ساتھ بھی نیک برتاؤ کرتا ہے

صالح اور باشعور مسلمان شوہر جانتا ہے کہ کس طرح اپنی ماں اور اپنی بیوی دونوں کو بیک وقت خوش رکھے۔ وہ دونوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں اپنی ذہانت، نرم خوئی، بردباری اور شخصی قوت کا اس طرح استعمال کرتا ہے کہ کسی پہلو میں بھی زیادتی نہ ہو۔ اس طرح نہ تو وہ اپنی ماں کا نافرمان ہوتا ہے اور نہ اپنی بیوی پر ظلم کرتا ہے، بلکہ اپنی ماں کے حقوق پہچانتا ہے اور اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرتا ہے اور اپنی بیوی کے حقوق بھی پہچانتا ہے اور ماں کے ساتھ حسنِ سلوک کے راستے میں اور اس کے لحاظ میں بیوی کا کوئی حق ہڑپ نہیں کرتا۔ سچا اور باشعور مسلمان اس پر بآسانی قادر ہوسکتا ہے، بشرطیکہ وہ تقویٰ اختیار کرے اور اسلام اور اس کی روشن تعلیمات سے ماخوذ پسندیدہ اور نرم اخلاق سے آراستہ ہو۔ اسلامی تعلیمات نے ماں اور بیوی دونوں کے ساتھ انصاف کیا ہے اور دونوں کو ان کا صحیح مقام دیا ہے۔

عورت کی بہترین نگہبانی کرتا ہے

ان بلند اخلاق اور اچھے برتاؤ کی بدولت مسلمان شوہر بیوی کے دل میں گھر کر لیتا ہے۔ چنانچہ وہ کسی بات میں اس کی نافرمانی نہیں کرتی۔ اسی وجہ سے مسلمان مرد کو

عورت پر نگہبان بنایا گیا ہے' کیونکہ دین نے اسے متعدد صفات سے آراستہ کیا ہے' متعدد بنیادی چیزوں سے نوازا ہے اور متعدد ضوابط وقوانین کا پابند بنایا ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾ (النساء: ۴/ ۳۴)

''مرد عورتوں پر نگہبان ہیں' اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔''

اس نگہبانی کے بہت سے فرائض ہیں اور اس کے سبب سے مرد پر بہت سی ذمہ داریاں لازم ہوتی ہیں۔ چنانچہ مرد اپنی بیوی کے بارے میں پوری طرح ذمہ دار ہے:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ ' وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ ' وَالْاَمِيْرُ رَاعٍ ' وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰى اَهْلِ بَيْتِهِ ' وَالْمَرْاَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهِ ' فَكُلُّكُمْ رَاعٍ ' وَ كُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ))

''تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر شخص سے اس کے متعلقین و ماتحت رہنے والے لوگوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ حاکم ذمہ دار ہے' مرد اپنے گھر والوں کے بارے میں ذمہ دار ہے' عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچے کی ذمہ دار ہے۔ تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر شخص سے اس کے متعلقین و ماتحت رہنے والے لوگوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔'' (۱)

یہ ذمہ داریاں اسلامی معاشرے میں ہر فرد کو جکڑے رہتی ہیں اور ہر شخص معاشرتی زندگی کے کسی نہ کسی پہلو میں ذمہ دار ہوتا ہے۔ کیونکہ اسلام کی نظر میں زندگی عمل پیہم' جدوجہد اور تعمیر کا نام ہے' جو معاشرہ کے ہر فرد سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ذمہ دار ہو۔ اس کی نظر میں زندگی کھیل تماشا' بیکاری اور لہو ولعب کا نام نہیں۔

---

(۱) بخاري- كتاب الجمعة: باب الجمعة في القرىٰ والمدن (ح ۸۹۳)
مسلم- كتاب الامارة: باب فضيلة الامير العادل و عقوبة الجائر (ح ۱۸۲۹)

اسلام نے جہاں عورت کے ساتھ اچھے سلوک کا حکم دیا ہے اور اسے بلند مقام عطا کیا ہے، وہیں اسے یہ بھی حکم دیا ہے کہ وہ زندگی میں اپنے کردار کو پہچانے اور شریعت نے اس کے لیے جو حدود متعین کیے ہیں ان کی پابندی کرے، تاکہ وہ اپنے مشن کو پورا کر سکے، نئی نسل کی تربیت کے سلسلہ میں مرد کے دوش بدوش بہترین طریقے پر اپنا کردار انجام دے سکے اور زندگی کو لذت وسعادت اور حسن و جمال سے بھر دے۔

اسلام نے جہاں مرد سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ عورت کے ساتھ نیک برتاؤ کرے اور حسن سلوک سے پیش آئے، وہیں عورت کو بھی یہ حکم دیا ہے کہ حلال، انصاف اور عدل کے حدود میں مرد کی اطاعت کرے۔ اس اطاعت پر اسلام نے جتنی سختی سے زور دیا ہے اس کا اندازہ رسول کریم ﷺ کے اس ارشاد سے ہو سکتا ہے:

((لَوْ كُنْتُ آمِرًا اَحَدًا اَنْ يَسْجُدَ لِاَحَدٍ، لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا))

''اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ کسی دوسرے انسان کو سجدہ کرے تو بیوی کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔'' ①

اسلام نے نافرمانی کرنے اور شوہر سے الگ رہنے والی عورت کے بارے میں یہ وعید سنائی ہے کہ فرشتے اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ وہ راست روی اختیار کر لے اور شوہر کے ساتھ مصالحت کر لے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِذَا بَاتَتِ الْمَرْاَةُ هَاجِرَةً فِرَاشَ زَوْجِهَا لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتَّى تُصْبِحَ))

''جب عورت اپنے شوہر سے ناراض ہو کر اس کے بستر سے الگ رات گزارے تو فرشتے صبح تک اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔'' ②

---

① ترمذی۔ کتاب النکاح: باب ماجاء فی حق الزوج علی المراۃ (ح ۱۱۵۹)

② بخاری۔ کتاب النکاح: باب اذا باتت المراۃ مہاجرۃ فراش زوجہا (ح ۵۱۹۴)
مسلم۔ کتاب النکاح: باب تحریم امتناعہا من فراش زوجہا (ح ۱۴۳۶)

اسلام نے عورت پر مرد کی نگہبانی پر بہت زور دیا ہے اور بیوی پر شوہر کی اطاعت وخوشنودی کو لازم قرار دیا ہے' حتیٰ کہ اس نے اس کی بھی اجازت نہیں دی ہے کہ بغیر اس کی اجازت کے نفلی روزے رکھے یا اس کے گھر میں کسی مہمان کو آنے دے۔ حدیث رسول ہے:

((لَا یَحِلُّ لِلْمَرْاَۃِ اَنْ تَصُوْمَ وَ زَوْجُھَا شَاھِدٌ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ' وَلَا تَاْذَنَ فِیْ بَیْتِہٖ اِلَّا بِاِذْنِہٖ))

''کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ اس کا شوہر موجود ہو اور وہ بغیر اس کی اجازت کے نفلی روزے رکھے یا کسی کو گھر میں آنے دے۔'' [1]

اسلام نے شوہر کو عورت پر نگہبانی کا حق دیا ہے' تاکہ اس کی مردانگی کا پورے طور پر اظہار ہو اور اسے معلوم ہو کہ خاندان میں زندگی کی کشتی کو کس طرح امن وسلامتی اور ہدایت وراستی کے ساحل سے ہم کنار کیا جا سکتا ہے۔ اس نے تمام مردوں کو خبردار کیا ہے کہ عورتوں کے فتنے میں مبتلا ہونے سے بچیں کہ کہیں ان سے ان کی نگاہیں خیرہ ہو جائیں' ان کے عزم پست ہو جائیں اور ان کے دین میں فتور پیدا ہو جائے اور وہ عورتوں کے جادۂ حق سے منحرف ہونے سے بے پروا ہو جائیں۔ پھر زمام کار ان کے ہاتھ سے نکل جائے اور منحرف عورت ہی گھر کی سب کچھ بن جائے' جس کی نافرمانی نہ کی جا سکے' جس کی بات نہ ٹالی جا سکے اور جس کی خواہش کو رد نہ کیا جا سکے۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث کس قدر مبنی برصداقت ہے جس میں عورتوں کو مردوں کے لیے سب سے بڑا فتنہ قرار دیا گیا ہے:

((مَا تَرَکْتُ بَعْدِیْ فِتْنَۃً ھِیَ اَضَرُّ عَلَی الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ))

''میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں

---

[1] بخاری۔ کتاب النکاح: باب لاتاذن المراۃ فی بیت زوجھا لاحد الا باذنہ (ح ۱۵۹۵)

مسلم۔ کتاب الزکاۃ: باب ما انفق العبد من مال مولاہ (ح ۱۰۲۶)

چھوڑا۔‘‘ [1]

مسلمان شوہر اپنی منحرف بیوی کے سامنے کمزوری نہیں دکھاتا‘ خواہ اس کا فتنہ کتنا ہی سخت ہو‘ بلکہ اس کو نرمی اور لطافت سے سمجھاتا ہے کہ اگرچہ وہ اس کے نزدیک محبوب ہے مگر اللہ کی خوشنودی اس سے بڑھ کر محبوب ہونی چاہیے۔ آدمی اپنی بیوی سے خواہ کتنی بھی محبت کرے مگر وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سے کم ہونی چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاؤُكُمْ وَ اَبْنَاؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ناقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾

(التوبہ: ۹/ ۲۴)

’’اے نبی! کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں‘ تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو‘ یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے‘ اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔‘‘

اس طرح حقیقی اور سچے مسلمان کی گھریلو زندگی ان تمام تناقضات و مخالفات سے پاک ہوتی ہے جنہیں ہم بہت سے ان لوگوں کے گھروں میں دیکھتے ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔

---

[1] بخاری۔ کتاب النکاح: باب ما یتقی من شوم المراۃ (ح ۵۰۹۶)
مسلم۔ کتاب الرقاق: (الذکر والدعاء) باب اکثر اھل الجنۃ الفقراء...... (ح ۲۷۴۰‘ ۲۷۴۱)

جو شخص اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے کہ اس کی بیوی' اس کی بیٹیاں اور اس کی بہنیں بے پردہ بازاروں میں نکلتی ہیں' ان کے بدن پر لباس ہوتے ہوئے بھی وہ ننگی معلوم ہوتی ہیں' سر دوپٹے سے خالی اور سینے اور بازو کھلے رہتے ہیں' مگر وہ اس منحرف صورت حال کو بدلنے کی کوشش نہیں کرتا' اس میں دراصل مردانگی کی کمی ہے' اس نے اسلام کا طوق گلے سے اتار پھینکا ہے اور اس پر اللہ کا غضب ہے۔ اس عمیق کھائی سے اسے سچی توبہ ہی نکال سکتی ہے جو اس کے ضمیر کو بیدار کر دے اور اس سے ایک زبردست جھٹکے سے نجات پا سکتا ہے جو اس کی مردانگی کو متحرک کر دے اور اسے سیدھے راستے کی طرف پھیر دے۔

اسلام نے عورت کے لیے کچھ ادب متعین کیے ہیں اور اس کے لیے ایک الگ ہیئت کا تعین کیا ہے اور اس کے لیے ایسے لباس کی تعیین کی ہے جسے پہن کر وہ باہر نکل سکتی ہے یا نامحرم مردوں کے سامنے آ سکتی ہے۔ اس لباس کو ''شرعی پردہ'' کہتے ہیں۔ مسلمان عورت' جس نے اسلام کے شفاف چشمے سے سیرابی حاصل کی ہے اور اس کی ٹھنڈی فضاؤں میں پرورش پائی ہے' اس پردے کو بخوشی پورے اطمینانِ قلب اور یکسوئی کے ساتھ قبول کرتی ہے اور یہ سمجھتی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوا حکم ہے۔ یہ نہ مردوں کی طرف سے ظلم و زیادتی ہے' نہ اس کا مقصد ان کی انانیت کو خوش کرنا اور عورت کو اپنے لیے خاص کرنا ہے۔ نہ انہوں نے اپنی رائے سے یہ فیصلہ دیا ہے اور نہ ہی یہ کوئی رسم ہے' جسے عہدِ اموی میں ولید بن عبدالملک کے زمانے میں اس کی بدچلنی کی وجہ سے رواج عام حاصل ہو گیا ہو' جیسا کہ پردہ کو حقیر سمجھنے والے مرد و عورت بغیر کسی دلیل کے کہتے ہیں۔

حدیث شریف میں سیدہ صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

''ہم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے' ہم نے قریش کی عورتوں اور ان کے فضل و برتری کا ذکر کیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''بے شک قریش کی عورتوں کو بہت فضیلت حاصل ہے' مگر اللہ کی قسم! میں نے انصار کی عورتوں سے زیادہ

صاحب فضل، کتاب اللہ کی تصدیق کرنے والی اور قرآنی تعلیمات و احکامات پر آمنّا و صدّقنا کہنے والی کسی کو نہیں پایا۔ جب سورۂ نور نازل ہوئی:

﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ﴾ (سورہ نور: ۲۴/ ۳۱)

''اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رکھیں۔''

تو انصار اپنے اپنے گھر گئے اور اپنی عورتوں، بیٹیوں، بہنوں اور رشتہ داروں کو اللہ کی نازل کردہ آیات سنائیں، تو ہر انصاری عورت نے اپنی منقش [1] چادر لی اور اس کا برقع بنا لیا، [2] اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم پر ایمان لاتے ہوئے اور اس کی تصدیق کرتے ہوئے، اور اسے پہن کر صبح رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ ان کے برقع پہننے سے ایسا لگتا تھا گویا ان کے سروں پر کوے بیٹھے ہوں۔'' [3]

اللہ تعالیٰ انصار کی عورتوں پر رحم کرے! ان کا ایمان کتنا قوی تھا؟ ان کا اسلام کس قدر سچا تھا؟ حق نازل ہونے پر وہ کتنی خوبصورتی سے اس کی طرف رجوع کرتی تھیں؟ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والی ہر عورت کو چاہیے کہ انصار کی عورتوں (صحابیات) کا اسوہ اختیار کرے، مخصوص اسلامی لباس پہنے، اور اس کے ارد گرد جو عریانی، بے پردگی اور تبرج پھیلا ہوا ہے، اس کی مطلق پروا نہ کرے۔ مجھے دمشق یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے والی ایک مسلمان پردہ پوش طالبہ کا مؤقف اچھی طرح یاد ہے (جس کی شان وشوکت انصار کی عورتوں کے مؤقف کے رعب وجلال سے کسی

---

[1] حدیث میں ''مرط مرحل'' کے الفاظ ہیں جس کے معنی ہیں: وہ اونی چادر جس پر کجاوہ کی تصویریں بنی ہوں۔

[2] حدیث میں ((اعتجرت به)) کے الفاظ ہیں جس کا معنی ہے: برقع ڈالنا، اوڑھنی لپیٹنا۔

[3] ابو داود۔ کتاب اللباس: باب فی قول اللہ تعالیٰ (يدنين عليهن من جلابيبهن (ح ۴۱۰۰، ۴۱۰۱ بلفظ مختلف تفسیر ابن کثیر (۳/ ۵۴۱) وتفسیر ابن ابی حاتم ۸/ ۲۵۷۵ واللفظ له)

طرح کم نہیں) کہ جب اس سے ایک اخباری نامہ نگار نے اس کے پردہ کے بارے میں سوال کیا کہ ''اس سخت گرمی میں آخر کون سی چیز اسے برقع پہننے پر مجبور کرتی ہے؟'' تو اس نے جواب دیا:

﴿ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا﴾ (التوبة: ۹/ ۸۱)

''جہنم کی آگ کی گرمی اس سے زیادہ سخت ہوگی۔''

مسلمان گھرانوں میں ایسی ہی باشعور اور پاکیزہ مسلمان لڑکیوں کی ضرورت ہے جو نئی نسل کی بہترین تربیت کریں' تاکہ اس طرح معاشرہ میں جواں مرد' بہادر اور کام کرنے والے لوگوں کی کثرت ہو۔ الحمدللہ! آج بھی ایسی لڑکیاں بڑی تعداد میں ہیں۔

سچا مسلمان اس بات کا ذمہ دار ہے کہ اس کی عورتیں اپنے گھروں سے نکلنے میں اسلامی آداب کا التزام کریں اور شرعی پردہ اختیار کریں' جو کہ مسلمان عورت کا نشانِ امتیاز اور اس کا مخصوص لباس ہوگیا ہے۔ جس دن بھی شوہر پر اس کی بیوی یا اس وقت کا ماحول و معاشرہ غالب آ گیا اور اسے اس شرعی حکم سے تجاوز کرنے پر آمادہ کرلیا اور وہ ان دونوں کے سامنے کچھ نہ کر سکا تو دراصل اس کے دین اور اس کی مردانگی دونوں کا خاتمہ ہوگیا۔

بیوی کے بارے میں شوہر کی ذمہ داری صرف باہر نکلنے کے آداب ہی تک محدود نہیں ہے' بلکہ اس سے آگے بڑھ کر عبادات اور زندگی کے طور طریق بھی ان میں شامل ہیں۔ بیوی اگر عبادت میں کوتاہی کرتی ہے یا اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اس سے کوئی تقصیر یا معصیت سرزد ہوتی ہے تو شوہر اس کا ذمہ دار ہے۔ اسی طرح شوہر اپنی بیوی کے حسنِ سیرت' کردار کی استقامت اور فرائض کی ادائیگی کے سلسلہ میں بھی جوابدہ ہے۔ اگر کسی بھی پہلو میں اس سے کوئی کوتاہی سرزد ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ شوہر کی مردانگی میں کمی اور اس کے حسنِ اسلام میں نقص ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے جس حکمرانی ونگہبانی (قوامیت) سے نوازا ہے' اس میں کوئی عیب ہے۔

اسلام نے عورت کو مرد کے پاس امانت رکھا ہے۔ عورت عام طور پر اپنے شوہر

ہی کے دین پر ہوتی ہے۔ وہ اسے اپنے ساتھ جنت یا جہنم میں لے جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو حکم دیا ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو بھی جہنم کی آگ سے بچائیں۔ اگر انہوں نے اپنی عورتوں اور گھر والوں کے بارے میں تساہلی برتی اور انہیں حق کی طرف مائل کرنے کی کوشش نہیں کی' تو بڑے دردناک انجام سے دوچار ہوں گے۔ قرآن کریم نے اس انجام کا اتنا خوفناک اور بھیانک نقشہ کھینچا ہے کہ اس کی شدت سے دل لرز جاتے ہیں اور اس کے ہول سے سر چکرا جاتے ہیں:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ﴾ (التحریم: ٦٦/ ٦)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ جس پر نہایت تند خو اور سخت گیر فرشتے مقرر ہوں گے' جو کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم بھی انہیں دیا جاتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔''

عورت پر مرد کی حاکمیت (قوامیت) کا تحقق اسی وقت ہوسکتا ہے جب شوہر اپنے گھر اور خاندان کی قیادت کرنے والا کامیاب مرد ہو۔ مسلمان شوہر کی مردانگی کا اظہار سختی' ترش روئی' تند خوئی' بدخلقی اور چرب زبانی سے نہیں ہوتا۔ یہ تو جاہلیت کی مردانگی ہے۔ اسلام میں مردانگی کے خصائص ہیں: قوی' پرکشش اور محبوب شخصیت' بلند پاکیزہ اخلاق' حلم و بردباری' عفو و درگزر' اللہ کے قائم کردہ حقوق کا پاس و لحاظ' خاندان کے تمام افراد پر احکامِ الٰہی کا نفاذ' خیر کی طرف ماہرانہ اور سنجیدہ قیادت' فضول خرچی یا بخل کے بجائے سخاوت و انفاق' دانائی' شعور' دنیا و آخرت میں ذمہ داری کا احساس اور مسلمان گھرانے کو جس مثالی حالت میں رہنا چاہیے اس کا ادراک۔

یہ ہیں وہ صفات جنہیں اسلام حقیقی مسلمان میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔

❀❀❀

مثالی مسلمان مرد کا تعلق

اپنی اولاد کے ساتھ

اولاد انسان کی آنکھوں کی ٹھنڈک' زندگی کا سرور اور جیون کی انسیت ہے۔ انھی سے زندگی کا لطف قائم ہے' انھی سے توقعات اور امیدیں وابستہ کی جاتی ہیں' انھی کی برکت سے رزق ملتا ہے' رحمت کا نزول ہوتا ہے اور اجر میں اضافہ ہوتا ہے۔ مگر یہ سب اس وقت ہوگا جب اولاد کی تربیت اچھی اور پرورش نیک ہو۔ جس سے وہ خیر کے عناصر' نیکی کے عوامل اور سعادت کے سرچشمے ثابت ہوں۔ اگر اولاد میں یہ چیزیں جمع ہو جائیں تو واقعی وہ دنیوی زندگی کی آرائش ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی صفت بیان کی ہے: ﴿الْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾ (الکھف : ۱۸/۴۶)

''یہ مال اور یہ اولاد دنیوی زندگی کی آرائش ہیں۔''
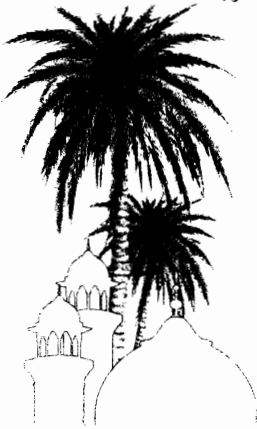
اسی لیے نبی کریم ﷺ جس شخص سے محبت کرتے تھے اس کے لیے کثرت مال و اولاد کی دعاء کرتے تھے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھ ان کی ماں

اور خالہ بھی تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے ان کو نماز پڑھائی اور پھر ان کے لیے خیر کی دعا کی۔ ام انس رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! یہ آپ کا ادنیٰ خادم ہے' اس کے لیے دعا کر دیجیے۔'' آپ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے لیے خیر کی دعا کی اور دعا کے آخر میں فرمایا:

((اَللّٰھُمَّ اَکْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ وَ بَارِكْ لَهُ))

''اے اللہ! اس کے مال اور اس کی اولاد میں اضافہ فرما اور اسے برکت عطا فرما۔'' ①

لیکن اگر ماں باپ اپنی اولاد کی تربیت اور صالح رہنمائی سے غفلت برتیں' تو اولاد مصیبت بن جاتی ہے اور تنگی' سختی' بدبختی اور دائمی حزن و غم کا باعث بنتی ہے' جس کے پیچھے راتوں کی نیند حرام اور دن کا سکون غارت ہو جاتا ہے۔

مسلمان اپنی اولاد کے سلسلہ میں اپنی اہم ذمہ داری کا احساس رکھتا ہے

حقیقی اور باشعور مسلمان اپنی اولاد کے سلسلہ میں اپنی اہم ذمہ داری کا احساس رکھتا ہے۔ وہ قرآن کریم کا یہ اعلان سنتا ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَ اَھْلِیْکُمْ نَارًا وَّقُوْدُھَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَۃُ﴾ (التحریم: ٦٦/ ٦)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔''

وہ رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد بھی سنتا ہے جس میں اس کی اہم ذمہ داریاں یاد دلائی گئی ہیں:

((کُلُّکُمْ رَاعٍ ' وَ کُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِهِ ' اَلْاِمَامُ رَاعٍ وَ

---

① بخاری۔ کتاب الدعوات: باب الدعاء بکثرۃ الولد مع البرکۃ (ح ٦٣٨٠' ٦٣٨١)
مسلم۔ کتاب فضائل الصحابۃ: باب من فضائل انس بن مالک رضی اللہ عنہ (ح ٢٤٨٠)

مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ ' وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِيْ اَهْلِهِ وَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ ' وَالْمَرْاَةُ رَاعِيَةٌ فِيْ بَيْتِ زَوْجِهَا وَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا ' وَالْخَادِمُ رَاعٍ فِيْ مَالِ سَيِّدِهِ وَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ ' فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ))

''تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر شخص سے اس کے متعلقین اور ماتحت رہنے والے لوگوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ امام ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ مرد اپنے گھر والوں کے بارے میں ذمہ دار ہے اور اس سے انکے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی ذمہ دار ہے اور اس سے اسکے متعلق سوال کیا جائے گا۔ خادم اپنے آقا کے مال کا ذمہ دار ہے اور اس سے اسکے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر شخص سے اسکے متعلقین اور ماتحت رہنے والے لوگوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔'' [۱]

یہ ایک ہمہ گیر ذمہ داری ہے جو اسلام نے تمام انسانوں پر عائد کی ہے اور ان میں سے کسی کو اس سے مستثنیٰ نہیں کیا ہے۔ اس کے مطابق والدین کو ذمہ دار ٹھیرایا ہے کہ اپنے بچوں کی کامل اسلامی تربیت اور صالح پرورش کریں جو مکارم اخلاق پر مبنی ہو۔ جس کے بارے میں رسول کریم ﷺ نے بتلایا ہے کہ آپ اس کی تکمیل اور لوگوں کے درمیان اس کی اشاعت کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔ فرمایا:

((اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ))

''میری بعثت کا مقصد صرف یہ ہے کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کروں۔'' [۲]

---

[۱] بخاری۔ كتاب الجمعة: باب الجمعة فی القری والمدن (ح ۸۹۳)
مسلم۔ كتاب الامارة: باب فضيلة الامير العادل و عقوبة الجائر (ح ۱۸۲۹)

[۲] موطا امام مالك (۲/ ۹۰۴) كتاب حسن الخلق: باب ماجاء فی حسن الخلق ←

اللہ اور رسول کی اطاعت وتابعداری پر بچوں کی پرورش کے سلسلہ میں والدین کی ذمہ داری کی اہمیت وعظمت کا سب سے بڑا ثبوت علما کا یہ قول ہے کہ ہر گھر میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد سنا جاتا ہے کہ:

((مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ، وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ، وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا، وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِينَ))

''تمہاری اولاد جب سات برس کی ہو جائے تو انہیں نماز کا حکم دو اور جب دس برس کی ہو جائے تو مار کر نماز پڑھاؤ۔'' ①

تقریباً ہر گھر میں والدین یہ ارشادِ نبوی جانتے ہیں' مگر سات برس کی عمر کو پہنچنے کے بعد بھی وہ بچوں کو نماز کا حکم نہیں دیتے اور دس برس کے ہونے پر نماز نہ پڑھنے پر مارتے پیٹتے نہیں۔ جس گھر میں ایسا نہیں کیا جاتا وہ گھر اللہ کے حق کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے اور اس کوتاہی اور تقصیر کے سلسلہ میں والدین گناہگار اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔

گھر وہ پرورش گاہ ہے جہاں نوخیز نسل کے بال و پر نکلتے ہیں' وہ پہلا ماحول ہے جہاں ان کی پرورش و پرداخت ہوتی ہے اور وہ فضا ہے جس میں ان کے رجحانات' مزاج اور شخصیت کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان سرسبز وشاداب کلیوں کی دیکھ بھال کرنے' انہیں نفع بخش غذا پہنچانے اور مکمل رہنمائی کرنے میں (جس سے جسم' عقل اور روح تینوں کی برابر پرورش ہو) والدین کا کتنا عظیم کردار ہے۔

ان کی تربیت میں بہترین اسالیب اختیار کرتا ہے

باشعور مسلمان والدین اپنے بچوں کی نفسیات سمجھتے ہیں اور اسی کے مطابق ان سے برتاؤ کرتے ہیں۔ وہ ان کی معصوم نفسیات کا لحاظ کرتے ہیں اور اسے ڈھالنے اور

← (ح ۸) مسند احمد ۲/ ۳۸۱)

① مسند احمد (۲/ ۱۸۰) ابو داود۔ کتاب الصلاۃ: باب یومر الغلام بالصلاۃ (ح ۴۹۵)

اس کی رہنمائی کرنے میں بہترین اسالیب اختیار کرتے ہیں۔

ماں باپ میں سے ہر ایک مختلف وسائل سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے۔ اس سے قریب ہوتا ہے' اس کی عقل اور عمر کے معیار کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کے ساتھ کھیل کود کرتا ہے' اس سے خوش طبعی کے ساتھ پیش آتا ہے' ہنسی مذاق کرتا ہے' محبت وایثار اور ہمدردی کے کلمات کہتا ہے' جس سے ان کے دل خوش وخرم ہو جاتے ہیں اور وہ والدین سے محبت کرنے لگتے ہیں' ان کی باتوں کو پورے شوق و ذوق' گرم جوشی اور صدقِ دل سے سنتے ہیں اور دل سے ان کی اطاعت کرتے ہیں اور ان کے احکام بجا لاتے ہیں۔ اور جو اطاعت محبت' احترام واکرام اور اعتماد و بھروسا کے ساتھ کی جائے اس کے مقابلہ میں اس اطاعت کی کیا حیثیت جو سختی' زبردستی' دباؤ' جبر اور ڈانٹ ڈپٹ کر ہو؟ پہلی اطاعت ہمیشہ رہنے والی اور دیرپا ہے' جب کہ دوسری اطاعت وقتی اور جلد ختم ہو جانے والی ہے' جو سختی' تشدد اور دباؤ کے ختم ہوتے ہی یا تھوڑی ہی دیر میں ختم ہو جاتی ہے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ باپ کے بچوں کے ساتھ بے تکلف ہونے اور ان کے ساتھ گھل مل کر رہنے سے ان کی نگاہوں میں اس کی حیثیت کم ہو جاتی ہے اور اس کے تربیتی مقام میں فرق آ جاتا ہے۔ حالانکہ یہ صریح غلطی ہے۔ بچوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا وہ کامیاب اور پرحکمت تربیتی اسلوب ہے جسے آج کل تربیت کے جدید انداز میں اختیار کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے آج سے پندرہ صدیاں قبل اپنے قول وفعل سے اس کی طرف دعوت دی تھی۔

رسول اللہ ﷺ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے بچوں عبداللہ' عبیداللہ اور کثیر کو ایک قطار میں کھڑا کرتے پھر فرماتے:

((مَنْ سَبَقَ اِلَیَّ فَلَهُ كَذَا وَ كَذَا' فَيَسْتَبِقُوْنَ اِلَيْهِ فَيَقَعُوْنَ عَلٰى ظَهْرِهِ وَ صَدْرِهِ فَيُقَبِّلُهُمْ))

''جو میرے پاس سب سے پہلے دوڑ کر آئے گا اسے فلاں فلاں چیز دوں

گا۔'' وہ سب دوڑ کر آتے اور کوئی پیٹھ پر گرتا تو کوئی سینے پر' اور آپ ان سب کا بوسہ لیتے۔''①

رسول عظیم ﷺ کا انداز تربیت سب سے زیادہ سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کو اپنی پیٹھ پر لادنے' ان کے ساتھ کھیل کرنے اور نرمی' محبت اور تواضع کے ساتھ خوش طبعی کرنے میں نمایاں ہوتا ہے۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ نے ہر زمانہ میں اور ہر جگہ آبا و اجداد کے لیے ایک نمونہ پیش کیا ہے کہ خواہ وہ کتنے ہی باوقار اور کتنے ہی اصحاب قدر و منزلت ہوں' مگر ان نرم و نازک اور سرسبز و شاداب کلیوں کے ساتھ پسندیدہ اخلاق سے پیش آئیں۔

بسا اوقات نبی عظیم ﷺ کہیں تشریف لے جانے کے لیے باہر نکلتے' آپ کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ہوتے۔ راستے میں آپ کا کوئی نواسا ملتا تو آپ اس سے خوش طبعی اور ہنسی مذاق کرنے کے لیے لپکتے اور اس میں آپ کوئی حرج اور کسرِ شان نہ سمجھتے۔ طبرانی نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' فرماتے ہیں:

''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک دعوت میں مدعو تھے۔ راستے میں حسین (رضی اللہ عنہ) بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ لوگوں کے درمیان سے نکل کر ان کی طرف لپکے' پھر دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔ حسین اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ نبی کریم ﷺ ہنس ہنس کر انہیں پکڑنے لگے۔ یہاں تک کہ پکڑ لیا اور ایک ہاتھ ان کی ٹھوڑی پر رکھا' دوسرا سر پر پھر اپنے ساتھ چمٹا لیا اور بوسہ لیا۔''②

مسلمان کو اپنے بچوں کے ساتھ اسی طرح برتاؤ کرنا چاہیے۔ اسے چاہیے کہ ان کے ساتھ گھل مل کر رہے' ان کے ساتھ خوش طبعی اور ہنسی مذاق کرے اور ان کے دلوں

---

① مسند احمد (۱/ ۲۱۴) مرسلًا و حسنہ الھیثمی ۹/ ۱۷

② طبرانی فی الکبیر ۳/ ۳۳ ح (۲۵۸۹۲) لمن یعلی بن مرہ و ھو فی ابن ماجہ۔ المقدمۃ۔ باب فضل الحسن والحسین رضی اللہ عنہما (ح ۱۴۴)

میں سعادت و سرور پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

ان کو اپنی محبت و شفقت کا احساس دلاتا ہے

باپ کی اولین ذمہ داریوں میں سے یہ ہے کہ بچوں کو رحمت' شفقت' مہربانی اور محبت کا احساس دلائے تاکہ نفسیاتی طور پر ان کی صحیح پرورش ہو' ان کے دل اعتماد سے معمور' ان کے نفوس خلوص و محبت سے لبریز اور ان کے خیالات توقعات اور امیدوں کی آماجگاہ ہوں۔

''رحمت'' رسول کریم ﷺ کے اخلاق و شمائل میں سب سے نمایاں خصلت تھی۔ جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' فرماتے ہیں:

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی کو بچوں کے ساتھ رحم کا برتاؤ کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ رسول کریم ﷺ کے صاحب زادے ابراہیم (رضی اللہ عنہ) مدینہ کے دیہاتوں میں سے کسی دیہات میں دودھ پلوانے کے لیے لے جائے گئے تھے۔ آپ وہاں جاتے' ہم لوگ آپ کے ساتھ ہوتے۔ آپ گھر میں داخل ہوتے' انہیں لے کر بوسہ لیتے' پھر واپس آ جاتے۔''①

نبی اکرم ﷺ کی رحمت ''نوخیز کلیوں'' کے لیے عام تھی اور آپ کھیلتے ہوئے چھوٹے بچوں کے ساتھ بھی محبت و ہمدردی اور شفقت کا معاملہ کرتے تھے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

((اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ کُلَّمَا مَرَّ بِصِبْیَانٍ ھَشَّ لَھُمْ وَ سَلَّمَ عَلَیْھِمْ))

''نبی اکرم ﷺ جب بھی بچوں کے پاس سے گزرتے تو ان کے سامنے خوشی و مسرت کا اظہار کرتے اور ان کو سلام کرتے۔''②

---

① مسلم۔ کتاب الفضائل: باب رحمته ﷺ الصبیان والعیال (ح ۲۳۱۶)

② بخاری۔ کتاب الاستئذان: باب التسلیم علی الصبیان (ح ۶۲۴۷)
مسلم۔ کتاب السلام: باب استحباب السلام علی الصبیان (ح ۲۱۶۸)

آپ کے زندۂ جاوید تربیتی اقوال میں سے یہ قول بھی ہے:

((لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا ' وَ یَعْرِفْ حَقَّ کَبِیْرَنَا))

''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کا حق نہ پہچانے۔'' ①

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا بوسہ لیا تو سیدنا اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''میرے تو دس لڑکے ہیں' مگر میں نے کبھی کسی کا بوسہ نہیں لیا۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ لَا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ))

''جو دوسروں کے ساتھ رحم کا برتاؤ نہیں کرتا' اس کے ساتھ بھی رحم کا معاملہ نہیں کیا جاتا۔'' ②

رسول عظیم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کوشش فرماتے تھے کہ لوگوں کے دلوں میں رحمت کے چشمے جاری کر دیں اور ان میں انسانی خصائص کی سب سے نمایاں خصوصیت ''محبت و شفقت'' پیدا کر دیں۔

آپ کی خدمت میں ایک دن ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا: ''کیا تم لوگ اپنے بچوں کا بوسہ لیتے ہو؟ ہم تو اپنے بچوں کا بوسہ نہیں لیتے۔'' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَوَ اَمْلِكُ لَكَ اِنْ نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ؟))

''اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل سے محبت نکال دی ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں؟'' ③

---

① مسند احمد۔ ۲/ ۱۸۵) ابوداود۔ کتاب الادب: باب فی الرحمة (ح ۴۹۴۳) ترمذی۔ کتاب البروالصلة: باب ماجاء فی رحمة الصبیان (ح ۱۹۲۰)

② بخاری۔ کتاب الادب: باب رحمة الولد و تقبیله و معانقته (ح ۵۹۹۷) مسلم۔ کتاب الفضائل: باب رحمته صلی اللہ علیہ وسلم الصبیان والعیال (ح ۲۳۱۸)

③ بخاری۔ حواله سابق (ح ۵۹۹۸) مسلم۔ حواله سابق (ح ۲۳۱۷)

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے' ان کا بوسہ لیتے اور ان کو اپنی جگہ بٹھاتے' اور جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ آپ کے لیے کھڑی ہو جاتیں' آپ کا ہاتھ پکڑتیں' آپ کا استقبال کرتیں' آپ کا بوسہ لیتیں' آپ کو اپنی جگہ بٹھاتیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں' تو آپ نے ان کا استقبال کیا اور ان کا بوسہ لیا۔ [1]

سچا مسلمان اس نبوی طریقے کو دیکھتے ہوئے اپنی اولاد کے ساتھ ترش روی سے پیش نہیں آتا' ان کے ساتھ سختی کا معاملہ نہیں کرتا اور تلخی سے گفتگو نہیں کرتا۔ بلکہ اگر فطری طور پر اس کی طبیعت میں سختی اور اس کے اخلاق میں خشکی بھی ہو' تب بھی وہ ان کے ساتھ خوش معاملگی سے پیش آتا ہے۔ کیونکہ اس دین اسلام نے جو روشن ہدایات دی ہیں وہ دل میں رقت پیدا کرتی ہے' رحمت و شفقت کے چشمے جاری کرتی ہیں اور محبت و مودت کو موجزن کرتی ہیں۔ کیونکہ اولاد حقیقت میں دل کے ٹکڑے ہیں جو زمین پر چلتے پھرتے ہیں' جیسا کہ شاعر نے کہا ہے: [2]

وَ اِنَّمَا اَوْلَادُنَا بَیْنَنَا
اَکْبَادُنَا تَمشِیْ عَلَی الْاَرْضِ
اِنْ هَبَّتِ الرِّیْحُ عَلٰی بَعْضِهِمْ
تَمْتَنِعُ الْعَیْنُ مِنَ الْغَمْضِ

---

[1] ابو داؤد۔ کتاب الادب: باب فی القیام (ح ۵۲۱۷)
ترمذی۔ کتاب المناقب: باب ماجاء فی فضل فاطمة رضی اللہ عنہا (ح ۳۸۷۲ واللفظ له)
ورواه البخاری۔ کتاب الاستئذان: باب من ناجی بین یدی الناس (ح ۶۲۸۵، ۶۲۸۶) مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة: باب من فضائل فاطمة رضی اللہ عنہا (ح ۲۴۵۰) مختصراً نحو المعنیٰ)

[2] یہ دونوں اشعار حطان بن معلیٰ کے ہیں۔ شرح الحماسه للتبریزی (۱/ ۲۷۵)

’’ہماری اولاد تو ہمارے جگر کے ٹکڑے ہیں‘ جو زمین پر چلتے پھرتے ہیں۔
اگر انہیں (گرم و سرد) ہوا بھی لگ جاتی ہے تو آنکھوں سے نیند دور ہو جاتی ہے۔‘‘

بچے جذبات بھڑکانے والے اور محبت و شفقت کو برانگیختہ کرنے والے ہوتے ہیں اور ان کے والدین کے دلوں میں دیکھ بھال کرنے‘ پرورش و پرداخت کرنے اور ان کے لیے قربانی دینے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

ان پر برضا و رغبت سخاوت سے خرچ کرتا ہے

اسلام نے والدین کے فطری جذبہ اور اولاد سے ان کی محبت و شفقت پر اکتفا نہیں کیا ہے‘ اس لیے کہ بسا اوقات زندگی میں ایسے حادثے پیش آ جاتے ہیں جو بچے سے غافل کر دیتے ہیں اور جن کی وجہ سے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بچے کے لیے زندگی کی آسائشیں قربان نہیں کرتے‘ یا حالات سخت ہو جاتے ہیں‘ جینا دوبھر ہو جاتا ہے‘ فقر و فاقہ عام ہو جاتا ہے جس کی بنا پر والدین (یا ان میں سے کوئی ایک) ذمہ داریوں کے بوجھ اور گراں بار اخراجات سے پریشان ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے اسلام نے والدین کے فطری جذبہ کے ساتھ ساتھ ان کے لیے عظیم ثواب کا تذکرہ بھی کیا ہے کہ جس کی بنا پر قربانیاں آسان ہو جاتی ہیں‘ زندگی کی پریشانیاں بے حیثیت اور سہل ہو جاتی ہیں اور فقر و فاقہ کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

اسلام نے اہل و عیال پر خرچ کرنے کو سب سے افضل اور سب سے زیادہ اجر والا عمل بتلایا ہے۔ اس کی تصدیق اس حدیث سے ہوتی ہے جسے امام مسلمؒ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((دِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ، وَ دِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهُ فِيْ رَقَبَةٍ ، وَ دِيْنَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهِ عَلٰى مِسْكِيْنٍ ، وَ دِيْنَارٌ اَنْفَقْتَهُ عَلٰى اَهْلِكَ ، اَعْظَمُهَا اَجْرًا الَّذِيْ اَنْفَقْتَهُ عَلٰى اَهْلِكَ))

''ایک دینار تم نے اللہ کے راستے میں خرچ کیا' ایک دینار غلام کے آزاد کرنے میں صرف کیا' ایک دینار مسکینوں پر صدقہ کیا اور ایک دینار گھر والوں پر خرچ کیا۔ سو جو دینار گھر والوں پر خرچ کیا اسکا اجر سب سے زیادہ ہے۔'' ①

مسلم کی دوسری روایت میں ہے:

((اَفۡضَلُ دِیۡنَارٍ یُنۡفِقُهُ الرَّجُلُ دِیۡنَارٌ یُنۡفِقُهُ عَلٰی عِیَالِهِ ' وَ دِیۡنَارٌ یُنۡفِقُهُ عَلٰی دَابَّتِهِ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ' وَ دِیۡنَارٌ یُنۡفِقُهُ عَلٰی اَصۡحَابِهِ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ))

''افضل ترین دینار وہ ہے جس کو آدمی اپنے گھر والوں پر خرچ کرے' اور وہ دینار جسے ان جانوروں پر خرچ کرے جو اللہ کے راستے (جہاد فی سبیل اللہ) میں کام آئیں' اور وہ دینار جو اللہ کے راستے میں اپنے ساتھیوں پر خرچ کرے۔'' ②

حقیقی اور سچے مسلمان کو دل میں گھر والوں پر خرچ کرنے سے خوشی و راحت اور سعادت محسوس ہوتی ہے' کیونکہ اسے یقین ہوتا ہے کہ مسلمان اپنے اہل و عیال پر جو کچھ بھی خرچ کرتا ہے اور اس سے اللہ کی خوشنودی چاہتا ہے' اللہ تعالیٰ اسے اس میں اجر عظیم سے نوازتا ہے۔ یہاں تک کہ اس لقمہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اجر رکھا ہے جسے آدمی محبت' ہمدردی اور خوش طبعی سے اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے۔ اس کا اثبات اس حدیث سے ہوتا ہے جسے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

((وَاِنَّكَ لَنۡ تُنۡفِقُ نَفَقَةً تَبۡتَغِیۡ بِهَا وَجۡهَ اللّٰهِ اِلَّا اُجِرۡتَ بِهَا، حَتّٰی مَا تَجۡعَلُ فِیۡ فِیِّ اِمۡرَأَتِكَ))

''تم اللہ کی خوشنودی چاہتے ہوئے جو کچھ بھی خرچ کرو گے اس پر تمہیں اجر

---

① مسلم۔ کتاب الزکاۃ: باب فضل النفقة علی العیال و المملوك (ح ۹۹۵)

② مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۹۹۴)

ملے گا۔ یہاں تک کہ اس لقمہ پر بھی اجر پاؤ گے جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے۔'' ①

سچا مسلمان اپنے اہل و عیال سے بے توجہی نہیں برت سکتا اور انہیں فقر و فاقہ' تنگی اور پراگندہ حالی میں نہیں چھوڑ سکتا۔ کیونکہ اس نے رسول عظیم ﷺ کا یہ ارشاد سنا ہے جس میں آپ نے ان لوگوں کو ڈرایا ہے جو اپنی خانگی ذمہ داریوں کو نہیں ادا کرتے اور انہیں سخت عذاب اور شدید گناہ سے آگاہ کیا ہے' فرمایا:

((كَفَى بِالْمَرْءِ اِثْمًا اَنْ يُضِيِّعَ مَنْ يَقُوْتُ))

''آدمی کا یہی گناہ کافی ہے کہ وہ جن لوگوں کا کفیل ہو ان کی کفالت سے ہاتھ اٹھالے اور وہ لوگ اِدھر اُدھر مارے مارے پھریں۔'' ②

شفقت و مہربانی اور نفقہ میں لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان فرق نہیں کرتا

بعض لوگ لڑکیوں کی ولادت پر دل تنگ ہوتے ہیں اور یہ تمنا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں صرف لڑکوں سے نوازے۔ حالانکہ انہیں نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے لیے کتنے عظیم ثواب کا وعدہ کیا ہے جس کی صرف لڑکیاں ہوں اور وہ ان پر صبر کرے' ان کی اچھی تربیت کرے اور ان کے ساتھ مہربانی و شفقت سے پیش آئے۔ اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ لڑکیوں کی پرورش کرنے' ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے اور رحم و ہمدردی سے پیش آنے والے باپ کو کتنا ثواب ملنے والا ہے! تو وہ اس پر رشک کریں اور سب اپنے لیے لڑکیوں ہی کی تمنا کریں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ، فَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ، وَاَطْعَمَهُنَّ وَ سَقَاهُنَّ وَ كَسَاهُنَّ مِنْ جِدَّتِهِ، كُنَّ لَهُ حِجَابًا مِنَ النَّارِ يَوْمَ

---

① بخاري۔ كتاب المغازي: باب حجة الوداع (ح ۴۴۰۹)
مسلم۔ كتاب الوصية: باب الوصية بالثلث (ح ۱۶۲۸)

② مسلم۔ كتاب الزكاة: باب فضل النفقة على العيال والمملوك (ح ۹۹۶)

الْقِيَامَةِ))

''جس کی تین لڑکیاں ہوں اور وہ ان پر صبر کرے اور انہیں اچھا پہنائے' وہ (قیامت کے دن) اس کے لیے جہنم کی آگ سے پردہ ہوں گی۔'' ①

دوسری روایت میں ہے:

((مَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ يُؤْوِيهِنَّ ' وَيَكْفِيهِنَّ ' وَيَرْحَمُهُنَّ ' فَقَدْ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ الْبَتَّةَ ' فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ بَعْضِ الْقَوْمِ وَاثْنَتَيْنِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ؟ قَالَ: وَاثْنَتَيْنِ))

''جس کی تین لڑکیاں ہوں' وہ ان کے رہنے کا انتظام کرے' ان کی ضرورتیں پوری کرے اور ان کے ساتھ رحم کا برتاؤ کرے' تو اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔''

ایک آدمی نے عرض کیا: ''اگر دو لڑکیاں ہوں اے اللہ کے رسول تو؟ فرمایا: ''دو ہوں تب بھی۔'' ②

اس اجر و انعام کے بعد کون باپ لڑکیوں کی تربیت کرنے اور ان پر خرچ کرنے کو گراں سمجھے گا؟

اس پاکیزہ جذباتی آسودگی و سیرابی سے' جس سے کہ اسلام میں اولاد محظوظ ہوتی ہے' مادی زندگی کی اس خشکی کا کیا مقابلہ جس سے مغرب میں اولاد دوچار ہوتی ہے؟ جہاں بچے اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچتے ہی والدین کی گرم آغوش سے الگ ہو جاتے ہیں' خواہ وہ لڑکے ہو یا لڑکیاں' تاکہ وہ مادی زندگی کی سختیوں کو جھیلیں اور کسب معاش کی زحمتوں سے دوچار ہوں۔ حالانکہ ابھی وہ اس قابل نہیں ہوئے تھے اور ابھی گھریلو محبت و شفقت سے پوری طرح سیراب بھی نہ ہو پائے تھے۔

---

① مسند احمد ۴/ ۱۵۴) ابن ماجہ۔ کتاب الادب: باب برالوالد والاحسان الی البنات (ح ۳۶۶۹)

② مسند احمد۔ (۳/ ۳۰۳)

یہ ہے نمایاں فرق الٰہی قانون (جو انسان کو سعادت بخشتا ہے) اور انسانی قانون کے درمیان (جو انسان کی بدبختی کا ذمہ دار ہے۔)

اسی مادی قانون کا نتیجہ ہے کہ ہم مغرب میں آوارہ اور مارے مارے پھرنے والے نوجوان لڑکوں کی فوج اور در در کی ٹھوکریں کھانے والی آوارہ نوجوان لڑکیوں اور ''غیر شادی شدہ ماؤں'' کا جم غفیر دیکھتے ہیں اور دونوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔

شخصیت کی تعمیر پر اثر انداز ہونے والی چیزوں کی نگرانی رکھتا ہے

باشعور مسلمان باپ اپنے بچوں پر اپنی نگاہیں کھلی رکھتا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ کیا پڑھتے لکھتے ہیں؟ وہ مطلع ہوتا ہے کہ ان کی دلچسپیاں کیا ہیں جنہیں انہوں نے خود اختیار کیا ہے یا غیر شعوری طور پر اس نے انہیں اس طرف متوجہ کیا ہے اور اس میں وہ دلچسپیاں پیدا کی ہیں؟ وہ مطلع ہوتا ہے کہ ان کے دوست کیسے ہیں جن کے ساتھ وہ رہتے ہیں اور جن کے ہمراہ بیشتر اوقات گزارتے ہیں؟ اسے پتا ہوتا ہے کہ وہ لوگ خالی اوقات میں کہاں کہاں جاتے ہیں؟ وہ ان پر پوری نگرانی رکھتا ہے اور یہ سب چیزیں اس طرح نوٹ کرتا ہے کہ انہیں احساس بھی نہیں ہو پاتا۔ چنانچہ جب وہ ان میں مطالعہ‘ خواہشات‘ غلط دوستوں کے ساتھ رہنے‘ مشتبہ جگہوں پر جانے‘ سگریٹ نوشی جیسی مضر عادات میں مبتلا ہونے یا مکروہ یا حرام کھیلوں میں دلچسپی لینے کے سلسلہ میں انحراف دیکھتا ہے‘ جس سے کہ وقت کا ضیاع ہوتا ہے‘ طاقت ختم ہوتی ہے اور وہ بیکاری اور لہو ولعب کے عادی ہو جاتے ہیں‘ تو وہ انہیں نرمی‘ حکمت اور دانائی سے سیدھے راستے کی طرف پھیر دیتا ہے اور ہوشیاری سے انہیں مطمئن کر کے راستی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

صحیح بخاری کی روایت کردہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ:

((كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ ' فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ اَوْ يُنَصِّرَانِهِ اَوْ يُمَجِّسَانِهِ))

’’ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی‘ نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔‘‘ ①

اس طور پر مذکورہ اثر انداز ہونے والے تربیتی عوامل کے مشاہدے کے ذریعے سے بچے کی عقل کو ڈھالنے‘ اس کی شخصیت کی تعمیر کرنے اور اس کے نفس کی تربیت کرنے کے سلسلہ میں والدین کی ذمہ داری نمایاں ہوتی ہے۔

لڑکے جن کتابوں کا مطالعہ کریں انہیں ایسا ہونا چاہیے کہ ان سے ان کے ذہن کھلیں‘ ان کے نفوس میں مکارمِ اخلاق پیدا ہوں اور ان کی شخصیتیں اسلامی اقدار و روایات کی پابند ہوں‘ نہ کہ وہ ایسی ہوں کہ ان کے ذریعے سے ان کی عقلوں میں فساد پیدا ہو‘ ان کی فطرتیں مسخ ہوں اور ان کے نفوس میں خیر کے شعلے سرد پڑ جائیں۔

اسی طرح ان کی دلچسپیاں ایسی ہونی چاہییں کہ ان کے نفوس میں خیر کے پہلو پروان چڑھیں نہ کہ شر کے پہلو‘ ان کے دل میں حق کی شمعیں روشن ہوں نہ کہ باطل کی چنگاریاں‘ اور ان میں ذوق سلیم کی پرورش ہو نہ کہ ذوق سقیم کی۔

دوست ایسا ہونا چاہیے جو جنت کی طرف رہنمائی کرے نہ کہ جہنم کی طرف‘ جو حق کی طرف لے جائے نہ کہ باطل کی طرف‘ جو ہدایت‘ بلندی‘ کامیابی اور حسنِ سلوک کی طرف رہنمائی کرے نہ کہ ضلالت‘ پستی‘ ناکامی اور نافرمانی کی طرف۔ نہ جانے کتنے دوست ایسے ہیں جنہوں نے اپنے دوستوں کو برائی کے گڑھوں‘ شر کی وادیوں اور رذالت کی کھائیوں میں دھکیل دیا ہے‘ جبکہ والدین اپنے بیٹوں کی نگرانی کی ذمہ داری سے غافل تھے۔ شاعر عدی بن زید العبادی نے ساتھی اور دوست کے بارے میں کتنے پرحکمت اشعار کہے ہیں:

① إِذَا كُنْتَ فِيْ قَوْمٍ فَصَاحِبْ خِيَارَهُمْ
وَلَا تَصْحَبِ الْاَرْدَى فَتَرْدَى مَعَ الرَّدِي

---

① بخاری۔ کتاب الجنائز: باب اذا اسلم الصبی فمات هل یصلی علیه (ح ۱۳۵۹)
مسلم۔ کتاب القدر: باب معنی کل مولود یولد علی الفطرة (ح ۲۶۵۸)

② عَنِ الْمَرْءِ لَاتَسْأَلْ وَ سَلْ عَنْ قَرِيْنِهٖ
فَكُلُّ قَرِيْنٍ بِالْمُقَارِنِ يَقْتَدِيْ [1]

① ''جب تم لوگوں کے درمیان رہو تو ان میں سب سے بہتر کی مصاحبت اختیار کرو اور ایسے شخص کے ساتھ نہ رہو جس نے اپنے لیے ہلاکت کا فیصلہ کر لیا ہو' ورنہ اس کے ساتھ تم بھی ہلاک ہو جاؤ گے۔

② آدمی کے بارے میں دریافت کرنے کے بجائے یہ معلوم کرو کہ اس کے دوست احباب کیسے ہیں؟ اس لیے کہ ہر شخص اپنے دوست کی اقتدا کرتا ہے۔''

اس طرح باشعور مسلمان باپ کی نگاہ اپنے لڑکوں کی تربیت میں کتب و رسائل' دوست احباب' خواہشات و رغبات' مدرسہ' اساتذہ' محفلوں' ذرائع ابلاغ اور ہر اس چیز پر دھیان دیتی ہے' جو اس کے لڑکوں کی شخصیتوں کی تعمیر اور ان کے عقول و نفوس اور عقیدہ کی تربیت پر اثر انداز ہوتی ہے' اور ضرورت پڑنے پر وہ حسب ضرورت نرمی یا سختی سے دخل اندازی کرتا ہے' تاکہ بچوں کی تربیت میں ناکامی نہ ہو' رکاوٹیں پیدا نہ ہوں' ان میں اخلاقی امراض جنم نہ لیں اور ان کے کردار مسخ نہ ہوں۔

اس طور پر ہم سمجھ سکتے ہیں کہ بچوں کی تربیت میں بعض خاندانوں کے کامیاب ہونے اور بعض کے ناکام ہونے کا کیا راز ہے؟ پہلی قسم کے خاندان نے بچوں کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داریوں کا احساس کیا اور ان پر پوری توجہ دی۔ چنانچہ ان کے بچے خود ان کے لیے بھی خیر و برکت کا موجب بنے اور معاشرہ اور لوگوں کے لیے بھی۔ جب کہ دوسری قسم کے خاندان نے ان کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داری سے بے توجہی برتی اور ان کی باحسن وجہ ادائیگی سے پہلوتہی برتی' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود ان کے لیے بھی اور معاشرہ اور قوم کے لیے بھی وبال اور دائمی شر ثابت ہوئے' اور اس زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی ان کے لیے غم و الم کا سبب بن گئے۔

---

[1] دیوان عدی: ص ۱۰۷۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد برحق ہے:

﴿يَآيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَ أَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ وَإِنْ تَعْفُوا وَ تَصْفَحُوا وَ تَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾

(التغابن: ۶۴/ ۱۴)

''تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں' ان سے ہوشیار رہو' اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو ان کو تو اللہ بھی یقیناً بخشنے والا مہربان ہے۔''

اگر والدین صحیح طریقے کو اختیار کیے رہیں' اپنی اولاد کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داریاں پہچانیں اور بحسن وخوبی انجام دیں تو لڑکے ان کے دشمن کیوں ہوں گے؟

ان کے درمیان مساوات کا برتاؤ کرتا ہے

بچوں کی تربیت کا پرحکمت اسلوب یہ ہے کہ ان کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کیا جائے اور تمام معاملات میں کسی کو دوسرے پر فضیلت وفوقیت نہ دی جائے۔ اس لیے کہ جو لڑکا اپنے اور اپنے بھائیوں کے درمیان مساوات اور برابری محسوس کرے گا اس کی پرورش صحیح نہج پر ہوگی' وہ ذہنی ونفسیاتی نقص کی پیچیدگیوں سے بری ہوگا' اپنے بھائیوں سے حقد وکینہ نہیں رکھے گا' اور نہ ہی اس کے دل میں غیرت وحسد کے جذبات پیدا ہوں گے' بلکہ اس کے بالمقابل اس کے دل میں رضا' تسامح و رواداری' ایثار' حسنِ سلوک اور دوسرے سے محبت کے جذبات نشوونما پائیں گے۔ یہی وہ مطلوبہ چیز ہے جس پر اسلام نے اکسایا ہے اور والدین کو اس کا حکم دیا ہے۔

شیخین (بخاری ومسلم) نے سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

''میرے والد مجھے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''میں نے اپنے اس لڑکے کو اپنا ایک غلام ہدیہ کر دیا ہے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم نے اسی طرح اپنے ہر لڑکے کو ہدیہ کیا ہے؟''

عرض کیا: ''نہیں'' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تو پھر اس سے بھی واپس لے لو۔''[1]

دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم نے ایسا اپنے تمام لڑکوں کے ساتھ کیا ہے؟'' عرض کیا: ''نہیں!'' فرمایا:

((اِتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا فِيْ اَوْلَادِكُمْ))

''اللہ سے ڈرو اور اپنے بچوں میں عدل و مساوات کا معاملہ کرو۔''[2]

ایک تیسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''کیا تم نے اسی طرح تمام لڑکوں کو غلام دیا ہے؟'' عرض کیا: ''نہیں!'' فرمایا: ''تو پھر مجھے گواہ نہ بناؤ' میں ظلم و زیادتی کا گواہ نہیں بنوں گا۔'' پھر فرمایا: کیا تمہارے لیے یہ بات خوش آئند نہیں ہوگی کہ وہ سب بھی تمہارے ساتھ برابر کا حسنِ سلوک کریں؟'' عرض کیا: ''کیوں نہیں۔'' فرمایا: ''تو پھر تم بھی ان کے ساتھ برتاؤ میں تفریق و امتیاز نہ کرو۔''[3]

چنانچہ متقی مسلمان اپنے بچوں میں عدل و مساوات کا برتاؤ کرتا ہے' کوئی چیز ہدیہ کرنے' ان پر خرچ کرنے' یا کسی دوسرے معاملہ میں کسی کو دوسرے پر فوقیت نہیں دیتا' اور اس کے نتیجہ میں وہ سب بھی اس کے لیے دعائے خیر کرتے ہیں' ان کے دل اس کی محبت سے لبریز ہوتے ہیں اور ان کے نفوس حسنِ سلوک' احترام و اکرام اور تعظیم سے معمور ہوتے ہیں۔

---

[1] بخاری۔ کتاب الهبة: باب الهبة للولد (ح ۲۵۸۶)
مسلم۔ کتاب الهبات: باب کراهة تفضیل بعض الاولاد فی الهبة (ح ۹/ ۱۶۲۳)

[2] بخاری۔ کتاب الهبة: باب الاشهاد فی الهبة (ح ۲۵۸۷)
مسلم۔ حواله سابق (ح ۱۳/ ۱۶۲۳)

[3] بخاری۔ کتاب الشهادت: باب لایشهد علی شهادة جور اذا اشهد (ح ۲۶۵۰)
مسلم۔ حواله سابق (ح ۱۷/ ۱۶۲۳ واللفظ له)

ان کے اندر بلند اخلاق کی نشو ونما کرتا ہے

خوش طبعی، رضا، قناعت اور حسنِ سلوک سے لبریز ان نفوس کے ساتھ باپ اپنے بچوں کو عالی اوصاف اور بلند انسانی فضائل کے مدارج تک پہنچا دیتا ہے۔ وہ ان میں دوسروں سے محبت کرنے، کمزور لوگوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آنے، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے، بڑوں کا احترام کرنے، چھوٹوں کے ساتھ رحمت و شفقت کا برتاؤ کرنے، خیر کے کام سے راحت حاصل کرنے، لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کی اشاعت کی رغبت کرنے اور اسی طرح کے دیگر بلند اخلاق کی نشو ونما کرتا ہے۔ خیر کا صدور انھی لوگوں سے ہوسکتا ہے جو اس سے سیراب ہو چکے ہوں۔ مگر جو شخص خود اس سے تہی دامن ہو اس سے اس کی کیا توقع کی جاسکتی ہے؟ کہنے والے نے سچ ہی کہا ہے:

((اَلصَّلَاحُ مِنَ اللّٰهِ، وَ الْاَدَبُ مِنَ الْآبَاءِ))

''درستی تو منجانب اللہ ہوتی ہے، البتہ ادب سکھانا والدین کا کام ہے۔'' [1]

باشعور مسلمان باپ کو معلوم ہوتا ہے کہ کیسے اپنے بیٹوں کے نفوس میں داخل ہو اور کس طرح پسندیدہ مثالی نمونہ، خوش اخلاقی، حسن معاشرت، دیکھ بھال، رحمت، تواضع، کشادہ روی، محبت، اہتمام، حوصلہ افزائی، شفقت و مہربانی، مساوات و عدل، خیر خواہی، رہنمائی اور دیگر تربیت کے پرحکمت اسالیب کو اختیار کر کے نرمی اور سختی کے امتزاج کے ساتھ ان کے اندر حکمت اور پاکیزہ اخلاق کو پروان چڑھائے۔ نہ ہی ایسی نرمی اختیار کرے جو کمزوری کا باعث ہو اور نہ ہی ایسی سختی سے پیش آئے جو نقصان دہ ثابت ہو۔ اس طرح لڑکے حسنِ سلوک، نگرانی اور محبت کی فضا میں پروان چڑھیں گے اور اس فضا میں پرورش پا کر ایسے لڑکے نمودار ہوں گے جو اچھے برتاؤ کرنے والے، وفادار اور نیک ہوں گے۔ جن کی شخصیت بے عیب اور بے داغ ہوگی، جن کے ذہن کھلے اور روشن ہوں گے، جو عطا و بخشش پر قادر ہوں گے اور جو ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کی اہلیت

---

[1] بخاری۔ فی الادب المفرد (ح ۹۲)

''قطع رحمی اور بغاوت سے بڑھ کر کوئی گناہ ایسا نہیں جو اس لائق ہو کہ اس کے ارتکاب کرنے والے کو اللہ تعالیٰ آخرت میں سزا دینے کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی سزا دے۔'' ①

قطع رحمی اور بغاوت دونوں کی اصل ایک ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنی حدیث میں دونوں کو ملا دیا ہے۔ اس لیے کہ قطع رحمی ظلم میں سے ہے اور اس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہوگا کہ رشتوں کو کاٹ دیا جائے' محبت کے تعلق کو منقطع کر لیا جائے اور الفت ومودت کے سوتوں کو خشک کر دیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے رشتہ پر قطع تعلقی کے ذریعے سے ہونے والے اس ظلم کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرمایا:

((اِنَّ الرَّحِمَ شِجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ ' تَقُوْلُ: يَا رَبِّ ' اِنِّی ظُلِمْتُ ' يَا رَبِّ ' اِنِّی قُطِعْتُ ' يَا رَبِّ اِنِّی...... فَيُجِيْبُهَا: اَلَا تَرْضَيْنَ اَنْ اَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ وَ اَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ))

''رحم (رشتہ) رحمٰن سے بندھا ہوا ہے۔ ② کہتا ہے: ''اے رب! مجھ پر ظلم کیا گیا' اے رب! مجھے کاٹا گیا' اے رب! مجھے'' اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے: ''کیا تو اس بات سے خوش نہیں کہ جو تجھے کاٹے میں اسے کاٹوں' اور جو تجھے جوڑے میں اسے جوڑوں؟'' ③

---

① مسند احمد۔ ۵/ ۳۶ ابو داود۔ کتاب الادب: باب فی النھی عن البغی (ح ۴۹۰۲) ترمذی۔ کتاب صفة القیامة: باب (۵۷) فی عظم الوعید علی البغی وقطیعة الرحم (ح ۲۵۱۱)
ابن ماجه۔ کتاب الزھد: باب البغی (ح ۴۲۱۱)

② بندھے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ رحمٰن سے ایسا پیوستہ تعلق ہے جس طرح رگوں کا آپس میں ہوتا ہے۔

③ بخاری۔ کتاب الادب: باب من وصل وصله الله (ح ۵۹۸۷)
مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب صلة الرحم و تحریم قطیعتها (ح ۲۵۵۴)

اللہ تعالیٰ نے رشتہ کی شان بہت بلند کر دی ہے' کیونکہ اسے اپنے نام رحمٰن کے ساتھ بندھا ہوا بتلایا ہے' اور اس کے نام کو اپنے نام سے مشتق کر کے اسے عزت بخشی ہے۔ فرمایا:

((اَنَا الرَّحْمٰنُ ' وَاَنَا خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَاشَقَقْتُ لَهَا مِنَ اسْمِیْ. فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ ' وَ مَنْ قَطَعَهَا بَتَتُّهُ))

''میں رحمٰن ہوں۔ میں نے رحم (رشتہ) کو پیدا کیا ہے اور اپنے نام سے اسے مشتق کیا ہے۔ جو اسے جوڑے گا اسے میں جوڑوں گا' اور جو اسے کاٹے گا اسے میں کاٹوں گا۔'' (۱)

اس سے باشعور مسلمان کو یہ اشارہ ملتا ہے کہ صلہ رحمی کرنے والا اپنے رب کی رحمت کے خوشگوار' ٹھنڈے اور خنک سائے میں ہو گا' اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جڑا ہو گا' اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو گا اور عزت سے رہے گا۔ اس کے برخلاف قطع رحمی کرنے والا اس سائے سے محروم ہو گا' اللہ تعالیٰ سے اس کا تعلق کٹا ہو گا اور وہ بدبختی اور ذلت کے ساتھ رہے گا۔

مسلمان اسلامی تعلیمات کے مطابق صلہ رحمی کرتا ہے

چنانچہ متقی اور باشعور مسلمان صلہ رحمی کرتا ہے اور مال و دولت' بیوی بچے اور دنیا وغیرہ اسے عزیزوں اور رشتہ داروں کی خبر گیری کرنے' ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کا اکرام و احترام اور تعاون کرنے سے غافل نہیں کرتے۔ اس سلسلہ میں وہ دین حنیف کی تعلیمات و ہدایات کی پیروی کرتا ہے' جس نے اس تعلق کو قائم کیا ہے اور اسے اہمیت و قرابت کے مطابق سلسلہ وار قرار دیا ہے۔ چنانچہ پہلے ماں کا درجہ قرار دیا' پھر باپ کا' پھر ترتیب وار قریب ترین رشتہ داروں کا۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میرے حسنِ

(۱) ابوداود۔ کتاب الزکاۃ: باب فی صلۃ الرحم (ح ۱۶۹۴)
ترمذی۔ کتاب البر والصلۃ: باب ماجاء فی قطیعۃ الرحم (ح ۱۹۰۷)

فرمائی ہے کہ رشتہ اللہ تعالیٰ کے روبرو اس بڑے میدان میں' جہاں اللہ تعالیٰ نے عالم مثال میں مخلوق کی تخلیق فرمائی' کھڑی ہوتی ہے اور رشتوں کے کاٹنے والوں سے پناہ مانگتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی اس درخواست کو قبول کر لیتا ہے۔ چنانچہ جو رشتوں کو جوڑتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسے جوڑتا ہے' اور جو رشتوں کو کاٹتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسے کاٹ دیتا ہے۔ حدیث صحیح میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مخلوقات پیدا کیں' یہاں تک کہ جب وہ اس سے فارغ ہوا تو رشتہ کھڑا ہوا اور عرض کیا: ''کیا یہ جگہ اس کے کھڑے ہونے کی ہے جو تیرے ذریعے سے قطع رحمی سے پناہ مانگے؟'' فرمایا:

((هٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِيعَةِ۔ قَالَ نَعَمْ' اَمَا تَرْضَيْنَ اَنْ اَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ ' وَاَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ ؟ قَالَتْ: بَلَى ' قَالَ: فَذٰلِكِ لَكِ))

''ہاں! کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ جو تجھے جوڑے' میں اسے جوڑوں اور جو تجھے کاٹے' میں اسے کاٹوں؟'' رشتہ نے کہا: ''کیوں نہیں؟'' تو اللہ نے فرمایا: ''تیرے لیے ایسا ہی ہوگا۔''[۱]

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''چاہو تو یہ ارشاد خداوندی پڑھو:

﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَ تُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَ اَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ﴾

(محمد: ۴۷/ ۲۲'۲۳)

''اب کیا تم لوگوں سے اس کے سوا کچھ اور توقع کی جا سکتی ہے کہ تم الٹے منہ پھر گئے تو زمین پر پھر فساد برپا کرو گے اور آپس میں ایک دوسرے کے گلے کاٹو گے یہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان کو اندھا اور بہرا بنا دیا۔''

---

[۱] بخاری۔ کتاب الادب: باب من وصل وصله الله (ح ۵۹۸۷)
مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب صلة الرحم و تحریم قطیعتها (ح ۲۵۵۴)

قرآن کریم میں پے در پے بے شمار آیات ہیں جو اسلام میں رشتہ کا مقام واضح کرتی ہیں، رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے، رشتوں کا احساس کرنے اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں ذکی الحس ہونے پر ابھارتی ہیں، اور ان حقوق کو ہضم کرنے، انہیں پامال کرنے یا ان کے سلسلہ میں ظلم و زیادتی کرنے یا تکلیف پہنچانے سے بچنے کا حکم دیتی ہیں اور رشتہ کے تعلقات کو خراب کرنے سے ڈراتی ہیں۔ مثلاً ارشاد باری ہے:

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِه وَالْاَرْحَامَ﴾ (النساء: ۴/ ۱)

''اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو اور رشتہ اور قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پہلے تقویٰ اختیار کرنے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیا ہے، اور اس کے بعد متصلاً رشتوں کے بارے میں حکم دیا ہے۔ اس طرح اس نے رشتہ کی عظمت کا احساس دلایا ہے اور رشتہ کا پاس و لحاظ کرنے اور ہمیشہ اس کے خنک اور ٹھنڈے سایہ میں پناہ لینے کی تاکید کی ہے۔

سچے مسلمان کے شعور و احساس میں رشتہ کی اہمیت و منزلت کے لیے یہی کافی ہے کہ بیشتر آیات میں اللہ پر ایمان اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کے بعد ہی صلہ رحمی کرنے اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

﴿وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾

(الاسراء: ۱۷/ ۲۳)

''تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اسی کی اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔''

اس کے آگے فرمایا:

﴿وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۷/ ۲۶)

''اور رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق دو اور فضول

خرچی نہ کرو۔''

دوسری آیت میں ہے:

﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰی وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ﴾ (النساء: ۴/ ۳۶)

''اور تم سب اللہ کی بندگی کرو' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ' ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو' قرابت داروں' یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ' اور پڑوسی رشتہ دار سے' اجنبی ہمسایہ سے' پہلو کے ساتھی سے اور مسافر سے احسان کا معاملہ رکھو۔''

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حسنِ سلوک میں رشتہ داروں کا درجہ والدین کے بعد آتا ہے' جیسا کہ قرآنی آیات میں انسانی تعلقات کی درجہ بدرجہ تحدید کی گئی ہے۔ پھر حسنِ سلوک کا دائرہ رشتہ داروں سے وسیع ہو جاتا ہے اور اس کی برکات ان تمام محتاجوں اور ضرورت مندوں کو حاصل ہوتی ہیں جو انسانی برادری میں رہتے ہیں۔ حسنِ سلوک کے مستحقین کی یہ ترتیب انسانی مزاج سے میل کھاتی ہے جو کہ حسنِ سلوک کا آغاز اپنے قریب ترین لوگوں سے کرنا چاہتا ہے۔ اسی طرح یہ ترتیب اسلام کے اس طریقہ کار سے بھی موافقت رکھتی ہے جو وہ اسلامی معاشرہ برپا کرنے کے سلسلہ میں اختیار کرتا ہے۔ اسلام میں معاشرتی کفالت وتعاون کا آغاز گھر سے ہوتا ہے' پھر وہ رشتہ داروں تک وسیع ہو جاتا ہے اور پھر اس کا دائرہ پوری جماعت کو حاوی ہو جاتا ہے۔

اسلام میں حسنِ سلوک کی یہ ترتیب بہت ہی آسانی اور سہولت پر مبنی ہے جس میں کوئی دشواری یا پریشانی نہیں' اور یہ رحم و مہربانی' رضا اور محبت و الفت کی خوشگوار فضا میں ہوتا ہے۔ جس سے زندگی بہت ہی دل فریب' حسین اور خوش گوار ہو جاتی ہے۔

صلہ رحمی ان اولین اسلامی مبادی و اصول میں سے ہے جن کے ساتھ یہ دین

روز اوّل ہی سے دنیا والوں کے سامنے ظاہر ہوا' جب رسول اللہ ﷺ نے دعوت کا اعلان کیا' اس کی بنیادوں کی تشریح کی اور اس کے نقوش واضح کیے۔ چنانچہ رشتہ داروں کے ساتھ تعلق اور نیک برتاؤ شریعت اسلامی کے ممتاز اور نمایاں اصولوں میں سے ہے۔ اس کی تائید ہرقل کے ساتھ ابوسفیانؓ کی اس گفتگو سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ جب ہرقل نے ابوسفیانؓ سے پوچھا:

''تمہارا نبی تمہیں کن چیزوں کا حکم دیتا ہے؟''

تو انہوں نے جواب دیا:

((اُعْبُدُوا اللّٰهَ وَحْدَهُ ' وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ' وَاتْرُكُوا مَا يَقُولُ آبَاؤُكُمْ ' وَيَأْمُرُنَا بِالصَّلَاةِ ' وَالصِّدْقِ ' وَالْعَفَافِ ' وَالصِّلَةِ))

''وہ کہتے ہیں: صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیراؤ اور جو کچھ تمہارے باپ دادا کہا کرتے تھے اسے چھوڑ دو۔ وہ نماز' سچائی' پاک دامنی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔'' [1]

یہاں صلہ رحمی کو اس دین حنیف کے بنیادی اصولوں توحید' نماز' سچائی اور پاک دامنی کی فہرست میں شمار کیا گیا ہے۔ اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ صلہ رحمی اس دین کی ان ممتاز خصوصیات میں سے ہے جن کے بارے میں دین کے متعلق پہلی مرتبہ پوچھنے والوں کو آگاہ کیا جاتا ہے۔

سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس میں اسلام کے جملہ اصول و آداب بیان کیے گئے ہیں۔ سیدنا عمروؓ فرماتے ہیں:

''میں مکہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ آغاز نبوت کا زمانہ تھا۔ میں نے عرض کیا: ''آپ کون ہیں؟'' فرمایا: ''نبی ہوں۔'' میں نے عرض کیا: ''نبی

---

[1] بخاری۔ کتاب بدء الوحی: باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ (ح ۷)...... مسلم۔ کتاب الجهاد: باب کتب النبی ﷺ الی هرقل ملك الشام یدعوه الی الاسلام (ح ۱۷۷۳)

کسے کہتے ہیں؟'' فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے۔'' میں نے عرض کیا: ''کن چیزوں کے ساتھ بھیجا ہے؟''

((اَرْسَلَنِی بِصِلَةِ الْاَرْحَامِ، وَ كَسْرِ الْاَوْثَانِ، وَاَنْ يُّوَحَّدَ اللّٰهُ لَا يُشْرَكَ بِهِ شَيْئٌ))

''اس نے مجھے ان احکام کے ساتھ بھیجا ہے کہ رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جائے، بتوں کو توڑا جائے، صرف اللہ کی عبادت کی طرف (متوجہ ہوا جائے) اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرایا جائے۔''[1]

یہ بالکل عیاں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اس حدیث میں اسلام کے اہم اصول و مبادی کی مختصر تشریح کرتے ہوئے صلہ رحمی کو مقدم رکھا ہے اور آپ نے اس کو ان اصول و مبادی میں سرفہرست ذکر کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دین کے نظام میں، جسے اللہ تعالیٰ نے دنیا والوں کے لیے رحمت بنا کر نازل کیا ہے، اس کا کتنا عظیم مقام اور کتنا بڑا مرتبہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بکثرت ایسی نصوص مروی ہیں جو صلہ رحمی پر ابھارتی ہیں اور اس کی ترغیب دیتی ہیں اور قطع رحمی سے ڈراتی ہیں اور ایسا کرنے والے کو وعید سناتی ہیں۔

سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جس سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔'' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَ تُقِيمُ الصَّلَاةَ، وَ تُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَ تَصِلُ الرَّحِمَ))

''اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو

---

[1] مسلم۔ کتاب صلاۃ المسافرین: باب اسلام عمرو بن عبسۃ رضی اللہ عنہ (ح ۸۳۲)

اور رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔'' ①

اس حدیث میں اللہ کی عبادت' توحید' نماز اور زکوٰۃ کے بعد اسی سیاق میں صلہ رحمی کا تذکرہ ہے' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلہ رحمی کا شمار بھی ان جلیل القدر نیک اعمال میں ہوتا ہے' جن کی بدولت ان کا کرنے والا جنت میں داخل ہوگا اور جہنم سے محفوظ رہے گا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّبْسَطَ لَهُ فِیْ رِزْقِهِ ' وَ یُنْسَأَ لَهُ فِیْ اَثَرِهِ ' فَلْیَصِلْ رَحِمَهُ))

''جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں کشادگی کر دی جائے اور اس کی عمر دراز کر دی جائے تو وہ صلہ رحمی کرے۔'' ②

معلوم ہوا کہ صلہ رحمی کرنے سے رزق میں برکت ہوتی ہے اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔ صلہ رحمی مال میں اضافہ کرتی ہے' اسے پروان چڑھاتی ہے' اس کے عرصہ حیات کو دراز کرتی ہے اور زندگی میں برکت دیتی ہے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((مَنِ اتَّقٰی رَبَّهُ ' وَوَصَلَ رَحِمَهُ نُسِیءَ فِیْ اَجَلِهِ ' وَ ثَرٰی مَالُهُ' وَ اَحَبَّهُ اَهْلُهُ))

''جو شخص اپنے رب سے ڈرے گا اور صلہ رحمی کرے گا' اس کی عمر دراز کر دی جائے گی' اس کے مال میں اضافہ کر دیا جائے گا اور اس سے اس کے اہل

---

① بخاری۔ کتاب الادب: باب فضل صلة الرحم (ح ۵۹۸۳)
مسلم۔ کتاب الایمان: باب بیان الایمان الذی یدخل به الجنة (ح ۱۳)

② بخاری۔ کتاب الادب: باب من بسط له فی الرزق لصلة الرحم (ح ۵۹۸۶)
مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب صلة الرحم و تحریم قطیعتها (ح ۲۵۵۷)

خوش رہیں گے۔'' ①

مذکور بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صلہ رحمی کرنے سے صلہ رحمی کرنے والے کے رزق اور عمر میں کشادگی اور برکت ہوتی ہے اور دنیا و آخرت میں وہ اللہ کی رحمت کا مستحق ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں اس سے محبت پیدا ہوتی ہے اور وہ اس کی تعریف کرتے ہیں۔

قطع رحمی کرنے والے کی بدبختی اور محرومی کے لیے یہی کافی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق واضح طور پر فرمایا:

((لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعُ رَحِمٍ))

''جنت میں قطع رحمی کرنے والا نہیں جائے گا۔'' ②

اور اس کی نحوست، ہلاکت اور گمراہی کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ جس قوم میں ہو اس پر رحمت نازل نہیں ہوتی، جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے جسے امام بیہقیؒ نے ''شعب الایمان'' میں روایت کیا ہے:

((اِنَّ الرَّحْمَةَ لَا تَتَنَزَّلُ عَلٰی قَوْمٍ فِیهِمْ قَاطِعُ رَحِمٍ))

''رحمت اس قوم پر نہیں نازل ہوتی جس میں قطع رحمی کرنے والا ہو۔'' ③

اسی لیے صحابی جلیل سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس مجلس میں اللہ سے دعا کرنے پر تیار نہیں ہوتے تھے جس میں قطع رحمی کرنے والا موجود ہو۔ کیونکہ وہ نزول رحمت اور قبولیتِ دعا کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ طبرانی نے سیدنا اعمشؒ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

---

① بخاری۔ الادب المفرد (ح ۵۸) اوردہ الحافظ فی الفتح ۱۰/ ۴۱۶ و سکت علیه فهو عنده حسن۔ سلسلة الصحیحة (ح ۲۷۶)

② بخاری۔ کتاب الادب: باب اثم القاطع (ح ۵۹۸۴)
مسلم۔ حواله سابق (ح ۲۵۵۶)

③ شعب الایمان ۶/ ۲۲۳

((اَنْشُدُ اللّٰهَ قَاطِعَ رَحِمٍ لَمَا قَامَ عَنَّا ' فَإِنَّا نُرِيدُ اَنْ نَدْعُوَ رَبَّنَا ' وَإِنَّ اَبْوَابَ السَّمَاءِ مُرْتَجَةٌ دُوْنَ قَاطِعِ رَحِمٍ))

''سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک دن فجر کی نماز کے بعد ایک حلقہ میں بیٹھے تھے کہنے لگے: ''میں قطع رحمی کرنے والے کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ وہ ہماری مجلس سے اٹھ جائے۔ کیوں کہ ہم اپنے رب سے دعا کرنا چاہتے ہیں اور آسمان کے دروازے قطع رحمی کرنے والے کے لیے بند ہیں۔'' [1]

یہ نصوص ذکی الحس اور اللہ کی خوشنودی اور آخرت میں سلامتی چاہنے والے مسلمان کو اس کے اندرون سے جھنجھوڑ دیتی ہیں۔ کیونکہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ قطع رحمی سے رحمت رک جاتی ہے، دعا قبول نہیں کی جاتی ہے اور عمل ضائع ہو جاتا ہے اور یہ بہت بڑی آزمائش ہے جس میں انسان مبتلا ہو جاتا ہے۔ وہ دعا کرتا ہے مگر قبول نہیں ہوتی، عمل کرتا ہے مگر بارگاہِ ایزدی میں مقبول نہیں ہوتا، اپنے رب کی رحمت کی طرف رجوع کرتا ہے مگر رحمت اس سے دور رہتی ہے۔ چنانچہ یہ چیز ناقابل تصور ہے کہ برحق مسلمان کبھی قطع رحمی کرنے والا ہو۔

قطع رحمی ایسا گناہ ہے جس کا ارتکاب کوئی ایسا مسلمان نہیں کر سکتا جس کا دل اسلامی تعلیمات سے منور اور نفس اللہ کی اطاعت وخوشنودی پر راضی ہو۔ اس لیے کہ قطع رحمی کا شمار ان گناہوں میں ہوتا ہے جن پر اللہ تعالیٰ جلدی سزا دے دیتا ہے۔ بلکہ یہ ان گناہوں میں سرفہرست ہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کا ارتکاب کرنے والوں کی آخرت سے قبل دنیا ہی میں گرفت کرتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

((مَا مِنْ ذَنْبٍ اَحْرَى اَنْ يُعَجِّلَ اللّٰهُ لِصَاحِبِهِ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا ۔ مَعَ مَا يَدَّخِرُ لَهُ فِي الْآخِرَةِ ۔ مِنْ قَطِيعَةِ الرَّحِمِ وَالْبَغْيِ))

---

[1] ضعیف مجمع الزوائد ۸۵/ ۱۵۱ (اس کے ضعف کو اوپر والی روایت شاہد بن کر ختم کر دیتی ہے۔)

’’قطع رحمی اور بغاوت سے بڑھ کر کوئی گناہ ایسا نہیں جو اس لائق ہو کہ اس کے ارتکاب کرنے والے کو اللہ تعالیٰ آخرت میں سزا دینے کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی سزا دے۔‘‘ [1]

قطع رحمی اور بغاوت دونوں کی اصل ایک ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنی حدیث میں دونوں کو ملا دیا ہے۔ اس لیے کہ قطع رحمی ظلم میں سے ہے اور اس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہوگا کہ رشتوں کو کاٹ دیا جائے، محبت کے تعلق کو منقطع کر لیا جائے اور الفت و مودت کے سوتوں کو خشک کر دیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے رشتہ پر قطع تعلقی کے ذریعے سے ہونے والے اس ظلم کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرمایا:

((اِنَّ الرَّحِمَ شِجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ ، تَقُوْلُ: يَا رَبِّ ، اِنِّي ظُلِمْتُ ، يَا رَبِّ ، اِنِّي قُطِعْتُ ، يَا رَبِّ اِنِّي...... فَيُجِيْبُهَا: اَلَا تَرْضَيْنَ اَنْ اَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ وَ اَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ))

’’رحم (رشتہ) رحمٰن سے بندھا ہوا ہے۔ [2] کہتا ہے: ’’اے رب! مجھ پر ظلم کیا گیا، اے رب! مجھے کاٹا گیا، اے رب! مجھے‘‘ اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے: ’’کیا تو اس بات سے خوش نہیں کہ جو تجھے کاٹے میں اسے کاٹوں، اور جو تجھے جوڑے میں اسے جوڑوں؟‘‘ [3]

---

[1] مسند احمد۔ ۵/ ۳۶ ابو داود۔ کتاب الادب: باب فی النھی عن البغی (ح ۴۹۰۲) ترمذی۔ کتاب صفۃ القیامۃ: باب (۵۷) فی عظم الوعید علی البغی وقطیعۃ الرحم (ح ۲۵۱۱)
ابن ماجه۔ کتاب الزھد: باب البغی (ح ۴۲۱۱)

[2] بندھے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ رحمٰن سے ایسا پیوستہ تعلق ہے جس طرح رگوں کا آپس میں ہوتا ہے۔

[3] بخاری۔ کتاب الادب: باب من وصل وصله الله (ح ۵۹۸۷)
مسلم۔ کتاب البر والصلۃ: باب صلۃ الرحم و تحریم قطیعتھا (ح ۲۵۵۴)

اللہ تعالیٰ نے رشتہ کی شان بہت بلند کر دی ہے' کیونکہ اسے اپنے نام رحمٰن کے ساتھ بندھا ہوا بتلایا ہے' اور اس کے نام کو اپنے نام سے مشتق کر کے اسے عزت بخشی ہے۔ فرمایا:

((اَنَا الرَّحْمٰنُ ' وَاَنَا خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَاشْتَقَقْتُ لَهَا مِنَ اسْمِی فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ ' وَ مَنْ قَطَعَهَا بَتَتُّهُ))

''میں رحمٰن ہوں۔ میں نے رحم (رشتہ) کو پیدا کیا ہے اور اپنے نام سے اسے مشتق کیا ہے۔ جو اسے جوڑے گا اسے میں جوڑوں گا' اور جو اسے کاٹے گا اسے میں کاٹوں گا۔'' [۱]

اس سے باشعور مسلمان کو یہ اشارہ ملتا ہے کہ صلہ رحمی کرنے والا اپنے رب کی رحمت کے خوشگوار' ٹھنڈے اور خنک سائے میں ہوگا' اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جڑا ہوگا' اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوگا اور عزت سے رہے گا۔ اس کے برخلاف قطع رحمی کرنے والا اس سائے سے محروم ہوگا' اللہ تعالیٰ سے اس کا تعلق کٹا ہوگا اور وہ بدبختی اور ذلت کے ساتھ رہے گا۔

مسلمان اسلامی تعلیمات کے مطابق صلہ رحمی کرتا ہے

چنانچہ متقی اور باشعور مسلمان صلہ رحمی کرتا ہے اور مال و دولت' بیوی بچے اور دنیا وغیرہ اسے عزیزوں اور رشتہ داروں کی خبر گیری کرنے' ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کا اکرام و احترام اور تعاون کرنے سے غافل نہیں کرتے۔ اس سلسلہ میں وہ دین حنیف کی تعلیمات و ہدایات کی پیروی کرتا ہے' جس نے اس تعلق کو قائم کیا ہے اور اسے اہمیت وقرابت کے مطابق سلسلہ وار قرار دیا ہے۔ چنانچہ پہلے ماں کا درجہ قرار دیا' پھر باپ کا' پھر ترتیب وار قریب ترین رشتہ داروں کا۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میرے حسنِ

[۱] ابوداود۔ کتاب الزکاۃ: باب فی صلة الرحم (ح ۱۶۹۴)
ترمذی۔ کتاب البروالصلة: باب ماجاء فی قطیعة الرحم (ح ۱۹۰۷)

سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟'' فرمایا:

((اُمُّكَ، ثُمَّ اُمُّكَ، ثُمَّ اُمُّكَ، ثُمَّ اَبُوْكَ، ثُمَّ اَدْنَاكَ اَدْنَاكَ))

''تمہاری ماں، پھر تمہاری ماں، پھر تمہاری ماں، پھر تمہارا باپ، پھر رشتہ داروں میں جو تم سے قریب ترین ہو۔'' [1]

ایک دوسری حدیث میں ہے:

''اللہ تمہیں ماؤں کے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت کرتا ہے، پھر ماؤں کے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت کرتا ہے، پھر باپوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت کرتا ہے، پھر ترتیب وار قریب ترین رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت کرتا ہے۔'' [2]

مسلمان کو رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے میں دو اجر ہیں: ایک رشتہ داری کا اجر، دوسرا صدقہ کا اجر۔ یہ چیز تقاضا کرتی ہے کہ اگر انہیں مال کی ضرورت ہو تو ان پر اپنا مال خرچ کرے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے یہاں اسے دو اجر ملیں گے۔ یہی چیز ہے جسے رسول کریم ﷺ نے پسندیدہ قرار دیا ہے اور اس کی طرف دعوت دی ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی سیدہ زینب ثقفیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا:

((تَصَدَّقْنَ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ))

''اے عورتو! صدقہ کرو، خواہ اپنے زیورات ہی میں سے ہو۔''

تو میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آئی اور ان سے کہا: ''آپ تنگ دست آدمی ہیں [3] اور رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صدقہ کا حکم دیا ہے۔ آپ جا کر پوچھ

---

[1] بخاری۔ کتاب الادب: باب من احق الناس بحسن الصحبة (ح ۵۹۷۱)
مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب بر الوالدین وایهما احق به (ح ۲۵۴۸ واللفظ له)

[2] مسند احمد (۴/ ۱۳۲) ابن ماجه۔ کتاب الادب: باب بر الوالدین (ح ۳۶۶۱)

[3] حدیث میں "خفیف ذات الید" کے الفاظ ہیں، یعنی جس کے پاس بہت کم مال ہو۔

آ یئے کہ اگر میں صدقہ آپ کو دے دوں تو کیا یہ کافی ہوگا؟[1] تاکہ اگر ایسا نہ ہو تو میں کسی دوسرے کو دے دوں۔'' عبداللہ نے فرمایا: ''تم ہی چلی جاؤ۔'' میں گئی تو دیکھا کہ ایک انصاری عورت بھی رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر کھڑی ہے اور وہ بھی اسی لیے آئی تھی جس لیے میں گئی تھی۔ نبی اکرم ﷺ کی شخصیت بڑی بارعب اور پر ہیبت تھی۔ (ہمارے دستک دینے پر) سیدنا بلالؓ نکلے۔ ہم نے ان سے کہا: ''رسول اللہ ﷺ کو جا کر بتلائیے کہ دو عورتیں دروازے پر کھڑی ہیں اور پوچھ رہی ہیں کہ اگر وہ صدقہ اپنے شوہروں کو دے دیں یا ان یتیم بچوں پر خرچ کریں جو ان کی گود میں ہوں[2] تو کیا ایسا صدقہ صحیح ہے؟ آپؐ کو یہ نہ بتلانا کہ ہم لوگ کون ہیں۔'' سیدنا بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور دریافت کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: ''وہ دونوں کون ہیں؟'' کہا: ''ایک انصاری عورت اور دوسری زینب ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''کون سی زینب؟'' کہا: ''عبداللہ کی بیوی۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَهُمَا اَجْرَانِ، اَجْرُ الْقَرَابَةِ وَاَجْرُ الصَّدَقَةِ))

''ان کے لیے دو اجر ہیں: ایک قرابت کا اجر' دوسرا صدقہ کا اجر۔''[3]

رسول اللہ ﷺ کا مزید ارشاد ہے:

((اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ، وَ عَلٰى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ: صَدَقَةٌ وَ صِلَةٌ))

''مسکین پر تو صدقہ کرنے کا ایک ثواب ہے' یعنی صدقہ کا' اور رشتہ دار پر صدقہ کرنے کے دو ثواب ہیں' صدقہ کا اور صلہ رحمی کا۔''[4]

---

[1] یعنی آپ کو صدقہ دینا

[2] یعنی ان کی ولایت میں

[3] بخاری۔ کتاب الزکاۃ: باب الزکاۃ علی الزوج والایتام فی الحجر (ح ۱۴۶۶) مسلم۔ کتاب الزکاۃ: باب فضل النفقة والصدقة علی الاقربین والزوج (ح ۱۰۰۰)

[4] ترمذی۔ کتاب الزکاۃ: باب ماجاء فی الصدقة علی ذی القرابة (ح ۶۵۸) ←

رسول اللہ ﷺ ہر موقع پر رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کی افضلیت کو تاکید سے بیان کرتے تھے۔ چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ (آل عمران : ۳/ ۹۲)

''تم نیکی نہیں حاصل کر سکتے جب تک کہ اپنی عزیز چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔''

تو سیدنا ابوطلحہؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: ''اے اللہ کے رسول! اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ ''تم نیکی نہیں حاصل کر سکتے جب تک کہ اپنی عزیز اور محبوب چیزوں کو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔'' اور میرے نزدیک سب سے محبوب مال بیرحا ہے۔ ① میں اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں اور اس کا ثواب اور اجر اللہ کے یہاں پانے کی امید کرتا ہوں۔ اے اللہ کے رسول! اللہ آپ کو جہاں بتلائے وہاں اس کو خرچ کر دیجیے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((بَخٍ ، ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ ، ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ ! وَ قَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ ، وَاِنِّیْ اَرٰی اَنْ تَجْعَلَهَا فِی الْاَقْرَبِیْنَ))

''بہت خوب ② یہ نفع بخش مال ہے، یہ نفع بخش مال ہے۔ تم نے جو کچھ کہا ہے وہ میں نے سن لیا ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ تم اسے رشتہ داروں میں بانٹ دو۔''

سیدنا ابوطلحہؓ نے عرض کیا: ''ٹھیک ہے اے اللہ کے رسول! میں ایسا ہی کروں گا۔'' چنانچہ سیدنا ابوطلحہؓ نے اسے اپنے رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر

➔ نسائی۔ کتاب الزکاۃ: باب الصدقۃ علی الاقارب (ح ۲۵۸۳)

ابن ماجہ۔ کتاب الزکاۃ: باب فضل الصدقۃ (ح ۱۸۴۴)

① بیرحا کھجور کے ایک باغ کا نام ہے۔

② حدیث میں ''بخ'' کا لفظ ہے جو کسی چیز کی تعریف کرنے اور اس پر شاباش دینے کے لیے کہا جاتا ہے۔

دیا۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے زمانہ کے قلب میں گھس کر اور تاریخ کے پردے چاک کر کے اس رشتہ سے متعلق بھی لوگوں کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے جو صدیوں سے چلا آ رہا تھا۔ چنانچہ آپ نے ایک حدیث میں جسے امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے' مصری باشندوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے۔ فرمایا:

((سَتَفْتَحُونَ مِصرَ' فَإِذَا فَتَحْتُمُوهَا فَأَحسِنُوا إِلَى أَهْلِهَا ' فَإِنَّ لَهُمْ ذِمَّةً وَ رَحِمًا أَوْ قَالَ: ذِمَّةً وَ صِهرًا))

''عنقریب تم مصر کو فتح کرو گے۔ جب اسے فتح کر لو تو وہاں کے باشندوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔ کیونکہ ان سے تمہاری قرابت اور رشتہ داری ہے۔'' یا فرمایا: ''ان سے تمہاری قرابت اور سسرالی کا رشتہ ہے۔''

علما نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا ہے کہ اس میں اہل مصر سے جس قرابت کا تذکرہ ہے وہ یہ ہے کہ سیدنا ہاجرہؓ (اسماعیل علیہ السلام کی والدہ) ان میں سے ہیں اور ''سسرالی کے رشتہ'' سے اس طرف اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے سیدنا ابراہیمؓ کی والدہ ماریہ رضی اللہ عنہا بھی اہل مصر میں سے ہیں۔

یہ وفا اور حسنِ سلوک کا کتنا عظیم مقام ہے! اور کتنی بڑی انسانی فیاضی ہے کہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی ان دونوں معزز رشتوں سے نکلنے والی نسلوں کو حسنِ سلوک میں شامل کیا گیا ہے۔ سبحان اللہ العظیم

اس لیے کوئی تعجب کی بات نہیں اگر ایک متقی اور باشعور مسلمان اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں پر پوری توجہ مبذول کرے' ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے' ان

---

[1] بخاری۔ کتاب الزکاۃ: باب الزکاۃ علی الاقارب (ح ۱۴۶۱)
مسلم۔ کتاب الزکاۃ: باب فضل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین (ح ۹۹۸)

سے تعلق استوار کرنے اور حسنِ سلوک سے پیش آنے میں دلفریب و شاداب موسم کی طرح متوجہ ہو اور ان کے ساتھ پوری سخاوت اور فیاضی کا معاملہ کرے۔

رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہے' خواہ وہ غیر مسلم ہی نہ ہوں

اسلام نے صرف مسلمان رشتہ داروں کے ساتھ نیک برتاؤ اور حسنِ سلوک کرنے کا حکم نہیں دیا ہے' بلکہ اس نے اپنی سماحت و رواداری اور انسانیت میں بلند ہو کر غیر مسلم رشتہ داروں کے ساتھ بھی صلہ رحمی کرنے کی وصیت کی ہے۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الاعلان بغیر کسی اخفا کے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

((اِنَّ آلَ اَبِیْ فُلَانٍ لَیْسُوْا بِاَوْلِیَائِیْ ' اِنَّمَا وَلِیِّیَ اللّٰہُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ ' وَلٰکِنْ لَھُمْ رَحِمٌ اَبُلُّھَا بِبَلَالِھَا))

''قبیلہ بنی فلاں کے لوگ میرے دوست نہیں ہیں بلکہ میرا دوست تو اللہ تعالیٰ اور نیک لوگ ہیں۔ لیکن ان سے رشتہ داری ہے جسے تر و تازہ [1] رکھوں گا۔'' [2]

جب یہ آیت:

﴿وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾ (الشعراء: ۲۶/ ۲۱۴)

''اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ۔''

نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو بلایا۔ جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے تمام لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

---

[1] یعنی حسب مرتبہ صلہ رحمی کرتا رہوں گا۔ حدیث میں ''بلال'' کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہیں ''پانی''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلہ رحمی کو تراوٹ اور سیرابی سے تشبیہ دی ہے۔

[2] بخاری۔ کتاب الادب: باب قبل الرحم ببلالھا (ح ۵۹۹۰)
مسلم۔ کتاب الایمان: باب موالاۃ المومنین و مقاطعة غیرھم والبراء ۃ منھم (ح ۲۱۵)

((یَا بَنِیْ عَبْدِ شَمْسٍ ' یَا بَنِیْ کَعْبِ بْنِ لُؤَیٍّ ' اَنْقِذُوا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ ' یَا بَنِیْ مُرَّةَ بْنِ کَعْبٍ اَنْقِذُوا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ ' یَا بَنِیْ عَبْدِ مَنَافٍ اَنْقِذُوا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ ' یَا بَنِیْ هَاشِمٍ اَنْقِذُوا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ ' یَا بَنِیْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ اَنْقِذُوا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ ' یَا فَاطِمَةُ اَنْقِذِیْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ ' فَاِنِّیْ لَا اَمْلِكُ لَکُمْ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا ' غَیْرَ اَنَّ لَکُمْ رَحِمًا سَاَبُلُّهَا بِبَلَالِهَا))

''اے بنی عبدشمس! اے بنی کعب بن لوی! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ اے بنی مرہ بن کعب! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ اے بنی ہاشم! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ اے بنی عبدالمطلب! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ اے فاطمہ! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچا۔ اس لیے کہ اللہ کی بارگاہ میں میں (محمد بھی) آپ لوگوں کو کچھ نفع پہنچانے پر قادر نہیں ہوں گا۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ آپ لوگوں سے رشتہ داری ہے جسے میں شاداب اور تروتازہ رکھوں گا۔''[1]

انسانی جذبہ کی سیرابی مسلمان کے دل سے منقطع نہیں ہوتی بلکہ بر و احسان اور حسنِ سلوک کی ایک موج رشتہ داروں کو بھی سیراب کر دیتی ہے' خواہ ان کا دین' اسلام کے علاوہ کوئی اور ہو۔ اسی لیے رسول کریم ﷺ نے اس کی جو تعبیر اختیار فرمائی ہے کہ:

''ہاں! یہ ضرور ہے کہ میری آپ لوگوں سے رشتہ داری ہے جسے میں تروتازہ رکھوں گا۔''

عربی بلاغت کے بیش بہا شہ پاروں میں سے ہے۔

آپ نے رشتہ کو زمین سے تشبیہ دی ہے جو کہ صلہ رحمی سے سیراب ہوتی ہے اور جس میں محبت و اخلاص کی بار آوری ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف قطع رحمی سے وہ زمین سوکھ جاتی ہے اور اس میں بغض و نفرت اور بدسلوکی کے خاردار کانٹے اگ آتے ہیں۔

---

[1] مسلم۔ کتاب الایمان: باب فی قوله تعالیٰ (وانذر عشیرتك الاقربین) (ح ۲۰۴)

سچا مسلمان دوسروں سے محبت کرتا ہے اور دوسرے بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس میں مکارمِ اخلاق کو عملی پیرہن میں زندہ اور چلتا پھرتا دیکھتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا کہ اس جوڑے کو' جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھیجا تھا' اپنے ماں کے رشتے سے ہونے والے مشرک بھائی کو ہدیہ کر دیں۔ ①

اس سے پہلے ہم نے ملاحظہ کیا تھا کہ اسلام نے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک پر اکسایا ہے خواہ وہ مشرک ہوں' اور یہاں ہم دیکھ رہے ہیں کہ اسلام رشتہ داروں کے ساتھ بھی صلہ رحمی کرنے اور اچھا برتاؤ کرنے پر اکساتا ہے خواہ وہ غیر مسلم ہوں۔ اس سے اس دین کی نرمی اور انسانیت پر واضح دلیل قائم ہوتی ہے اور یہ اس دین میں کوئی نئی چیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَٰلَمِينَ﴾ (الانبیاء: ۲۱/ ۱۰۷)

''اے نبی! ہم نے تمہیں دنیا والوں کے لیے محض رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ))

''میری بعثت کا مقصد یہ ہے کہ میں مکارمِ اخلاق کی تکمیل کروں۔'' ②

صلہ رحمی کا وسیع مفہوم پیش نظر رکھتا ہے

سچے اور دین کی تعلیمات کو سمجھنے والے مسلمان کے نزدیک صلہ رحمی صرف مال خرچ کرنے سے نہیں ہوتی' بلکہ صلہ رحمی اس سے بہت زیادہ عام اور وسیع ہے۔ صلہ رحمی غریب ③ رشتہ داروں پر مال خرچ کرنے سے ہوتی ہے۔ صلہ رحمی زیارتوں اور

① بخاري۔ كتاب الهبة: باب الهدية للمشركين (ح ۲۶۱۹)
مسلم۔ كتاب اللباس: باب تحريم لبس الحرير وغير ذلك للرجال (ح ۲۰۶۸)

② موطا امام مالك (۲/ ۹۰۴) كتاب حسن الخلق: باب ماجاء فی حسن الخلق (ح ۸) مسند احمد (۲/ ۳۸۱) اسے مالک رحمہ اللہ نے موطا میں روایت کیا ہے۔

③ حدیث میں ''عفاۃ'' کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں: فقرا۔

ملاقاتوں سے ہوتی ہے جس سے قرابت کے رشتے مضبوط ہوتے ہیں' محبت کے تعلقات پائدار ہوتے ہیں اور باہم رحم و ہمدردی اور اخلاص و مودت میں اضافہ ہوتا ہے۔ صلہ رحمی آپس میں ایک دوسرے کی خیر خواہی' بھلائی' تعاون' ایثار اور انصاف کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ صلہ رحمی اچھی بات' خندہ پیشانی' شگفتہ ملاقات اور پر محبت مسکراہٹ سے ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ صلہ رحمی ان دیگر اعمال سے بھی ہوتی ہے جن سے دلوں میں محبت کے سوتے پھوٹتے ہیں اور عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ محبت والفت' باہمی رحم و ہمدردی اور تعاون کے جذبات موجزن ہوتے ہیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات میں صلہ رحمی پر اکسایا ہے اور اس کے لیے ایسی شکلیں بتائی ہیں جن میں کوئی زحمت' پریشانی اور تکلیف نہیں۔ فرمایا:

((بُلُّوا اَرْحَامَكُمْ وَلَوْ بِالسَّلَامِ))

''اپنی رشتہ داریاں تر و تازہ رکھو' خواہ سلام (السلام علیکم) کہہ کر ہی سہی۔''

رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی ہی کرتا ہے' خواہ وہ ایسا نہ کریں

سچا مسلمان اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہے' خواہ وہ لوگ اس کے ساتھ صلہ رحمی نہ کریں۔ کیونکہ وہ صلہ رحمی کے ذریعے سے صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہتا ہے اور خود کو اسلامی اخلاق و آداب سے آراستہ و پیراستہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ صلہ رحمی کرتے ہوئے اس بات کی توقع نہیں رکھتا کہ اسے بھی ویسا ہی بدلہ دیا جائے اور اسی طرح اس کے ساتھ بھی صلہ رحمی کی جائے۔ چنانچہ وہ ہمیشہ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہے' خواہ وہ لوگ اس کے ساتھ صلہ رحمی کریں یا نہ کریں۔ اس طرح وہ اپنے بلند اسلامی اخلاق کے ذریعے سے ایک مثالی نمونہ پیش کرتا ہے اور یہ ثابت کرتا ہے کہ اسلام انسان کو ایسے سانچہ میں ڈھالتا ہے جو اسے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ معاملہ کرنے میں تمام احوال میں بلند کردار اور عظیم بنا دیتا ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِیءِ، وَلٰكِنَّ الْوَاصِلُ الَّذِیْ اِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا))

''صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو احسان کا بدلہ احسان سے ادا کرے' بلکہ دراصل صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس سے قطع رحمی کی جائے تو وہ صلہ رحمی کرے۔'' ①

بعض احادیث کے ذریعے سے اس شخص کے نفس میں' جو خود تو صلہ رحمی کرتا ہے مگر اس کے رشتہ دار اس کے بدلہ میں اس سے قطع رحمی' سختی اور بدسلوکی کا معاملہ اختیار کرتے ہیں' حلم و بردباری' صبر' عفو اور سماحت و کرم کے اخلاق راسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ اللہ کی تائید اس شخص کے ساتھ ہوتی ہے جو صلہ رحمی کرتا ہے' مگر دوسرے اس کے ساتھ صلہ رحمی نہیں کرتے۔ اسی طرح اس گناہ کی بھیانک اور خوفناک تصویر کشی کی گئی ہے جو سختی برتنے والوں' احسان فراموشی اور ناشکری کرنے والوں اور قطع رحمی کرنے والوں کو ملتا ہے۔ مثلاً: ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میرے کچھ رشتہ دار ہیں' میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہوں لیکن وہ نہیں کرتے' میں ان کے ساتھ احسان کرتا ہوں لیکن وہ برائی اور بدسلوکی کرتے ہیں' میں حلم و بردباری سے کام لیتا ہوں لیکن وہ جہالت سے پیش آتے ہیں۔'' آپ نے فرمایا:

((لَئِنْ كُنْتَ كَمَا قُلْتَ، فَكَاَنَّمَا تُسِفُّهُمُ الْمَلَّ ، وَلَا يَزَالُ مَعَكَ مِنَ اللّٰهِ ظَهِيْرٌ عَلَيْهِمْ مَا دُمْتَ عَلٰى ذٰلِكَ))

''اگر تم ایسے ہی ہو جیسا کہ تم نے بیان کیا تو گویا تم ان کو گرم راکھ ② کھلا رہے ہو' اور تمہارے ساتھ ہمیشہ اللہ کی طرف سے مددگار (فرشتہ) ہے' جب تک کہ تم اس صفت پر قائم ہو۔'' ③

---

① بخاری۔ کتاب الادب: باب لیس الواصل بالمکافیء (ح ۵۹۹۱)

② حدیث میں ''مل'' کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں: گرم راکھ۔

③ مسلم۔ کتاب البروالصلۃ: باب صلۃ الرحم و تحریم قطیعتها (ح ۲۵۵۸)۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ صلہ رحمی کرنے والے اور رشتہ داروں کے جفا اور قطع رحمی کو برداشت کرنے والے مسلمان کو اللہ تعالیٰ کس طرح اپنی تائید مرحمت فرماتا ہے' اس کی مدد کرتا ہے' ان کی اذیتوں کے مقابلہ میں اس کے دل کو صبر سے بھر دیتا ہے اور اسے مسلسل شریف انسانی اخلاق اختیار کرنے پر قائم رکھتا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ان نافرمان' جفا کرنے والے اور بدسلوکی اور قطع رحمی کرنے والے لوگوں کو پہنچنے والے گناہ کی کیسی تشبیہ دی ہے کہ اس سے ان کو ویسے ہی تکلیف ہوگی جس طرح گرم راکھ کھانے والے کو پہنچتی ہے۔ یہ جزا ان لوگوں کو اس لیے ملے گی کیونکہ انہوں نے اس نیک اور احسان و محبت کا معاملہ کرنے والے مسلمان کے ساتھ تقصیر' بدسلوکی' جفا اور قطع رحمی کی تھی۔

ان واضح تعلیمات کو دیکھتے ہوئے سچا مسلمان ہر حال میں صلہ رحمی کرتا ہے اور اس کے بدلہ میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہتا ہے' اور ان تمام جہالتوں' حماقتوں اور بدسلوکیوں کو خاطر میں نہیں لاتا جو وقتاً فوقتاً اس کے رشتہ داروں کی طرف سے ظاہر ہوتی ہیں اور ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے اعراض کرتا ہے جنہیں پست درجے کے لوگ بہت اہم سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ایک متقی اور باشعور مسلمان اس سے بہت بلند ہوتا ہے کہ ان جہالتوں' حماقتوں اور چھوٹی موٹی باتوں کی طرف توجہ کرے جن سے اس کے رشتہ داروں سے تعلقات میں خرابی اور کشیدگی آئے گی۔ وہ رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد اچھی طرح ذہن نشین رکھتا ہے:

((اَلرَّحِمُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَقُوْلُ: مَنْ وَصَلَنِیْ وَصَلَهُ اللّٰهُ ' وَ مَنْ قَطَعَنِیْ قَطَعَهُ اللّٰهُ))

''رشتہ عرش سے لٹکا ہوا ہے' کہتا ہے: ''جو مجھے جوڑے گا اللہ اسے جوڑے گا' اور جو مجھے کاٹے گا اللہ اسے کاٹے گا۔'' [1]

---

[1] بخاری۔ کتاب الادب: باب من وصل وصله الله (ح ۵۹۸۷)
مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۲۵۵۵)

مثالی مسلمان مرد کا تعلق

اپنے پڑوسیوں کے ساتھ

اسلام نے زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا کہ جس کے متعلق مکمل رہنمائی فراہم نہ کی ہو۔ ہمسایہ کے ساتھ چونکہ ساری زندگی واسطہ رہنا ہوتا ہے اس لیے اسلام نے اس پہلو کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا' بلکہ ایک مکمل اور مفصل ضابطہ عمل فراہم کیا ہے کہ ایک مسلمان نے اپنے پڑوسی کے ساتھ کس طرح زندگی گزارنی ہے۔ اس لائحہ عمل کو جب دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے پڑوسی کی اہمیت اس قدر مقرر کر دی ہے کہ بعض اوقات یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے انسان کی حقیقی اور اخروی کامیابی کا دارومدار جن امور میں پنہاں ہے ان میں ایک پڑوسی کے ساتھ بہترین تعلق بھی ہے' کہ جو ایک مسلمان کیلئے جنت میں داخلے کا سبب بن جاتا ہے۔
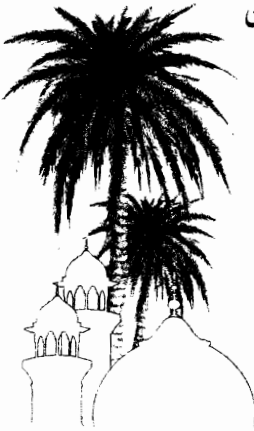
ہوش مند اور باشعور مسلمان جو اپنے دین کے احکام کو اچھی طرح سمجھتا ہے' اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بہترین معاملہ کرتا ہے' ان کے ساتھ

سب سے زیادہ نیک برتاؤ اور اچھا سلوک کرتا ہے اور مہربانی اور رحم و کرم کے ساتھ پیش آتا ہے۔

پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کے سلسلہ میں اسلامی تعلیمات کو پیش نظر رکھتا ہے

اس لیے کہ وہ پڑوسی کے سلسلہ میں اسلام کی بیش قیمت تعلیمات اور بے بہا وصیتوں کو اپنے ذہن میں ملحوظ رکھتا ہے اور اسلامی تعلقات کے مراتب میں اسلام نے پڑوسی کو جو مرتبہ عطا کیا ہے، اسے پیش نظر رکھتا ہے۔ اسلام نے پڑوسی کو اتنا بلند مقام اور عالی مرتبہ عطا کیا ہے جتنا نہ اس سے پہلے کسی شریعت نے دیا اور نہ اس میں اس کے بعد کوئی نظام ہی اس کی ہمسری کر سکا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی محکم کتاب میں پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾

(النساء: ۴/ ۳۶)

''اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ اور رشتہ دار پڑوسی سے، اجنبی ہمسایہ سے، پہلو کے ساتھی اور مسافر سے اور ان لونڈی غلاموں سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں احسان کا معاملہ رکھو۔''

رشتہ دار پڑوسی سے مراد وہ شخص ہے جس کے ساتھ پڑوس کا تعلق ہونے کے ساتھ ساتھ نسب یا دین کا بھی رشتہ ہو، اور اجنبی ہمسایہ سے مراد وہ شخص ہے جس کے

ساتھ نسب یا دین کا رشتہ نہ ہو' اور پہلو کے ساتھی سے مراد ہر وہ شخص ہے جو کسی اچھے کام میں شریک اور ہمراہ ہو۔

معلوم ہوا کہ جو شخص بھی تمہارے پڑوس میں ہے تم پر اس کا ''حق جوار'' ہے۔ خواہ تمہارے اور اس کے درمیان نہ کوئی نسب کا تعلق ہو اور نہ دین کا رشتہ۔ اس میں پڑوسی کی تکریم اور اس کا احترام ہے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ اسلام کی انسانی اور تابناک شریعت نے پڑوسی کی کتنی عزت افزائی کی ہے؟

اسی طرح بے شمار احادیث رسول میں بھی بلا کسی تخصیص کے پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا گیا ہے' خواہ اس سے قرابت اور دین کا کوئی تعلق ہو یا نہ ہو' اور ان میں اسلام کے نزدیک پڑوسی کے تعلق کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ مثلاً: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ))

''مجھے جبرئیل علیہ السلام برابر پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کرنے کی وصیت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ میں یہ گمان کرنے لگا کہ وہ اسے وراثت کا مستحق قرار دے دیں گے۔'' [1]

روح امین سیدنا جبرئیل علیہ السلام کی زبان سے اسلام پڑوسی کو کتنے عالی اور باعزت مقام پر فائز کرتا ہے کہ سیدنا جبرئیلؑ رسول کریم ﷺ کے سامنے پڑوسی کے ساتھ تعلقات استوار کرنے پر اس قدر زور دیتے رہے اور اس کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے کی اس قدر تاکید کرتے رہے کہ رسول کریم ﷺ کو گمان ہونے لگا کہ وہ اسے قرابت کے درجے تک پہنچا دیں گے اور رشتہ داروں کی طرح اسے بھی میراث میں حق دار ٹھیرا دیں گے۔

سیدنا جبرئیل علیہ السلام کی وصیت کے بالمقابل رسول اللہ ﷺ نے بھی پڑوسی کے

---

[1] بخاری۔ کتاب الادب: باب الوصاءة بالجار (ح ۶۰۱۴)
مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب الوصية بالجار والاحسان اليه (ح ۲۶۲۴)

ساتھ اکرام و احترام کا معاملہ کرنے اور حسنِ سلوک کا برتاؤ کرنے پر اکسایا ہے۔ یہاں تک کہ آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے تاریخی خطبہ میں (کہ جس میں ان تمام چیزوں کا خلاصہ پیش کر دیا تھا جن سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا تھا) پڑوسی کے بارے میں بھی وصیت فرمائی اور اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے پر زور دیا۔ آپ نے اس جانب صحابی جلیل سیدنا ابو امامہؓ کو متوجہ کیا۔ یہاں تک کہ وہ بھی یہ سمجھنے لگے کہ آپ اسے وراثت کا حق دار قرار دے دیں گے۔

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جدعا نامی اونٹنی پر سوار تھے۔ اس حالت میں میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا: ''(لوگو!) میں تمہیں پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔'' آپ نے یہ اتنی بار فرمایا اور اتنا زور دے کر فرمایا کہ میں سمجھنے لگا کہ آپ اسے وراثت میں حق دار قرار دے دیں گے۔'' ①

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے اور اچھا برتاؤ کرنے کو اتنی اہمیت دی ہے کہ اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے اور اسے تکلیف نہ پہنچانے کو اللہ اور آخرت پر ایمان کی علامتوں میں سے ایک علامت اور اس کے بہترین نتائج میں سے ایک حتمی اور لازمی نتیجہ قرار دیا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُحْسِنْ اِلٰى جَارِهِ ' وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ' وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَسْكُتْ))

''جو شخص اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ جو شخص اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔ جو شخص اللہ اور روزِ آخر پر ایمان ہو وہ خیر کے کلمات زبان

① طبرانی فی الکبیر۔ ۸/ ۱۳ ح ۷۵۲۳ و رواہ احمد (۵/ ۲۶۷) بلفظ مختلف۔

سے نکالے ورنہ خاموش رہے۔''①

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ))

''جو اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتا ہو' وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔''②

سچا مسلمان اپنے پڑوسی کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتا ہے

اس لیے اس میں کوئی تعجب نہیں کہ سچا مسلمان جو اس دین کی تعلیمات سے اپنے دل اور عقل کو روشن کرتا ہے' اپنے پڑوسی کے ساتھ نرم خو اور خوش خلق ہوتا ہے' رہن سہن میں بھلائی کے ساتھ پیش آتا اور معاملات میں نرمی برتتا ہے۔ اس کے پڑوسی کو اگر اس کے گھر سے کوئی فائدہ پہنچ رہا ہو تو اسے روکتا نہیں۔ اس سلسلہ میں وہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے رہنمائی حاصل کرتا ہے:

((لَا يَمْنَعُ جَارٌ جَارَهُ أَنْ يَغْرِزَ خَشَبَةً فِي جِدَارِهِ))

''کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی کو دیوار میں کھونٹی گاڑنے سے نہ منع کرے۔''③

جو اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی اپنے پڑوسی کے لیے پسند کرتا ہے

روشن بصیرت رکھنے والا اور اپنے دین کے نور سے رہنمائی حاصل کرنے والا

---

① بخاری۔ کتاب الادب: باب من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلا یوذ جارہ (ح ۶۰۱۹)
مسلم۔ کتاب الایمان: باب الحث علی اکرام الجار والضیف ولزوم الصمت الاعن الخیر (ح ۴۷، ۴۸)

② بخاری۔ حوالہ سابق ح ۸/ ۶۰ مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۴۷)

③ بخاری۔ کتاب المظالم: باب لا یمنع جار جارہ ان خشبة فی جدارہ (ح ۲۴۶۳)
مسلم۔ کتاب المساقاۃ: باب غرز الخشبة فی جدار الجار (ح ۱۶۰۹)

مسلمان نرم دل، بیدار مغز، خوش اخلاق اور ذکی الحس ہوتا ہے۔ اپنے پڑوسی کے احساسات میں شریک رہتا ہے۔ اس کی خوشی کو اپنی خوشی اور اس کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتا ہے۔ جو چیز اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی اس کے لیے بھی پسند کرتا ہے، اور رسول کریم ﷺ کے اس ارشاد کو اپنے لیے مشعل راہ بناتا ہے:

((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ)) ①

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

جب بھی اس کے گھر سے کسی اچھی چیز کے پکنے یا بھننے کی خوشبو آتی ہے تو وہ اپنے غریب پڑوسیوں کو فراموش نہیں کرتا، بلکہ ان کا بھی خیال رکھتا ہے۔ اس پر شاق گزرتا ہے کہ اس کی ہانڈی کی خوشبو سے یا کسی چیز کے بھننے کی خوشبو سے اس کے تنگدست پڑوسیوں کو تکلیف ہو، کہ ان میں بھی لذیذ کھانے کی خواہش پیدا ہو اور وہ اپنی مفلسی اور تنگدستی کی بنا پر اس کے حصول پر قادر نہ ہوں، جب کہ بسا اوقات ان میں ناسمجھ بچے، مفلس، یتیم، مسکین، بیوہ اور بے بس بوڑھے ہوتے ہیں۔ چنانچہ سچا مسلمان ہمیشہ اجتماعی کفالت و تعاون کی اس روح کو بیدار رکھتا ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے نفوس میں جاگزیں کیا ہے۔

آپ ﷺ نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:

((یَا اَبَا ذَرٍّ، اِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَاَکْثِرْ مَاءَهَا، وَتَعَاهَدْ جِیْرَانَكَ))

''اے ابوذر! جب تم شوربے والی کوئی چیز پکاؤ تو اس میں شوربا زیادہ کر دو اور اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو۔'' ②

① بخاری۔ کتاب الایمان: باب من الایمان ان یحب لاخیه ما یحب لنفسه (ح ۱۸) مسلم۔ کتاب الایمان: باب الدلیل علی ان من خصال الایمان ان یحب لاخیه المسلم (ح ۴۵)

② مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب الوصیة بالجار والاحسان الیه (ح ۱۴۲/ ۲۶۲۵)

دوسری روایت میں ہے:

((اِذَا طَبَخْتَ مَرَقًا فَاَكْثِرْ مَاءَهُ ، ثُمَّ انْظُرْ اَهْلَ بَيْتٍ مِنْ جِيْرَانِكَ فَاَصِبْهُمْ مِنْهَا بِمَعْرُوْفٍ))

''جب تم کوئی شوربے والی چیز پکاؤ تو اس میں شوربا زیادہ کر دو' پھر اپنے پڑوس میں رہنے والوں کو دیکھو اور اس میں سے انہیں بھلائی کے ساتھ دو۔'' ①

سچے مسلمان کا وجدان یہ برداشت نہیں کر سکتا اور اس کی حس یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ اس کا پڑوسی تو تنگی' فاقہ اور تنگ دستی میں ہو اور وہ فراخی' خوش حالی اور عیش و آرام سے زندگی گزارے۔ آخر وہ اپنے اور اپنے پڑوسی کے درمیان اس دوری کو کیسے گوارا کر سکتا ہے؟ جب کہ وہ رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد سنتا ہے:

((مَا آمَنَ بِیْ مَنْ بَاتَ شَبْعَانَ ، وَ جَارُهُ جَائِعٌ اِلٰی جَنْبِهِ ، وَهُوَ يَعْلَمُ))

''وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا جو سیر ہو کر (پیٹ بھر کے) سوئے اور اس کے بغل میں اس کا پڑوسی بھوکا ہو' اور اسے معلوم بھی ہو۔'' ②

نیز فرمایا:

((لَيْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِیْ يَشْبَعُ ، وَ جَارُهُ جَائِعٌ))

''وہ شخص مؤمن نہیں جو خود تو سیر ہو مگر اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔'' ③

انسانیت کی بدبختی' مسلمان کے اخلاق کے مفقود ہو جانے کے سبب ہے

اس بنا پر ہم سمجھ سکتے ہیں کہ آج انسانیت چہار جانب سے جس شقاوت اور بدبختی میں گھری ہوئی ہے' اس کا سبب یہ ہے کہ سچا مسلمان زندگی کے میدان سے غائب ہے' اسلام کے انسانی اور عدل پرور اصول و مبادی خود ساختہ اور پسماندہ اصولوں

① مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۱۴۳/ ۲۶۲۵)

② طبرانی فی الکبیر (۲۵۹ ح ۷۵۱)

③ بخاری فی الادب المفرد (ح ۱۱۲) بیہقی فی شعب الایمان (ح ۳۳۸۹)

کے ڈھیر کے پس پشت چھپ گئے ہیں' جس سے کہ انسانیت کو اس فضائی دور اور راکٹوں اور مصنوعی سیارات کے عہد میں سوائے فقر و فاقہ' تنگ دستی و بدحالی' استحصال' بھوک اور ننگے پن کے سوا کچھ نہ مل سکا' جب کہ انسان نے چاند پر بھی اپنی کمندیں ڈال دی ہیں۔ اس کی تصدیق اقوام متحدہ کے ماتحت بین الاقوامی تنظیم غذا و زراعت کے اس اعلان سے ہوتی ہے جو اس نے ۱۹۷۵ء میں کیا تھا کہ ''افریقہ اور ایشیا میں گزشتہ چند سالوں میں ایسے لوگوں کی تعداد دو کروڑ سے لے کر دس کروڑ تک رہی ہے' جو بھوک کی وجہ سے موت اور زیست کی کشمکش سے دوچار تھے' اور اگر صورت حال یہی رہی تو اندیشہ ہے کہ ہر ہفتے تیس لاکھ انسان بھوک کی وجہ سے موت کا شکار ہوتے رہیں گے۔ اسی طرح اس وقت تقریباً ایک ارب چھیالیس کروڑ انسان ایسے ہیں جن کی اقتصادی حالت پراگندہ ہے اور وہ بدحالی کا شکار ہیں۔

اسی سال خبر رساں ایجنسیوں نے ایک قصہ نقل کیا تھا جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک یورپین دوشیزہ نے افریقہ کے کسی علاقہ میں' جہاں کے لوگ تنگدستی و بدحالی کا شکار تھے' اپنے آپ کو نرس کی خدمات کے لیے رضا کارانہ طور پر پیش کیا۔ وہاں کی حالت دیکھ کر وہ زبردست اعصابی گراوٹ میں مبتلا ہوگئی اور تقریباً مکمل جنون کی حد تک پہنچ گئی۔ اس نے ایک مرتبہ دیکھا کہ افریقہ کے بچے بھوک کو دور کرنے کے لیے ''مانجو'' پھل کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے آپس میں حیوانی اور وحشیانہ لڑائی لڑ رہے ہیں۔ آخر کار یہ لڑائی اس وقت رکی جب ایک بچے نے اپنے ساتھی کی ایک آنکھ پھوڑ دی۔ جب کہ جو بچے آپس میں لڑ رہے ہیں' ان میں سب سے بڑے بچے کی عمر آٹھ سال سے زیادہ نہ تھی۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ بھوک کی بنا پر جسم میں وٹامن نہ ہونے کی وجہ سے نہ جانے کتنے لوگ مکمل طور پر نابینا ہو جاتے ہیں' ان کے جسم کمزور اور نحیف ہو جاتے ہیں اور بڑے بڑے ڈھانچوں کی شکل میں بدل جاتے ہیں' جو امراض کا دفاع نہیں کر سکتے اور موت کے دونوں جبڑوں کے درمیان پھنسے رہتے ہیں۔

ٹھیک اسی زمانے میں، جب کہ ایشیا اور افریقہ پر بھوک مری چھائی ہوئی ہے، ہم دوسری دنیا یعنی مغربی دنیا اور مال داروں کی دنیا کے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ جن کی تعداد پوری دنیا کے باشندوں کے مقابلہ میں صرف بیس فی صد ہے اور وہ عالمی دولت کے اسّی فیصد حصے پر قابض ہیں کہ وہ دولت کی حفاظت جنون کی حد تک کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ۱۹۷۵ء میں برازیل نے ہزاروں ٹن ''کافی'' محض اس وجہ سے نذر آتش کر دی تاکہ عالمی بھاؤ کا معیار برقرار رکھا جا سکے، اور یورپی منڈی میں شریک مالک نے اپنی ضرورت سے زائد غذائی اشیا اور زراعتی پیداوار کو برباد کرنے کے لیے پانچ کروڑ ڈالر خرچ کیے، تاکہ اپنے بھاؤ میں کمی نہ آنے دیں۔ اسی طرح امریکا ہر سال پیداوار کو روکنے کے بدلے میں تین ارب ڈالر خرچ کرتا ہے، تاکہ اپنے بڑھے ہوئے بھاؤ کو باقی رکھے! اسی طرح امریکی کسان ہزاروں گایوں اور بیلوں کو مار کر زمین میں دفن کر دیتے ہیں، تاکہ گوشت کے بھاؤ کا معیار برقرار رکھ سکیں...... اور یہ سب اس زمانے میں ہو رہا ہے جب کہ افریقہ، ایشیا اور جنوبی امریکا میں لاکھوں انسان بھوکوں مر رہے ہیں۔

غور کرنے کا مقام ہے! کتنا زبردست فرق ہے اسلامی تہذیب میں (جس نے انسان کے لیے یہ تک پسند نہیں کیا کہ اس کی ہانڈی کی خوشبو سے اس کے پڑوسی میں لذیذ کھانے کی خواہش بھڑکے اور اسے تکلیف ہو) اور مغرب کی مادی تہذیب میں جس کی بدولت لاکھوں کروڑوں انسان بھوکوں مر رہے ہیں۔

مادی نظاموں کے پیچھے چل کر پریشان حال انسانیت کتنی بدبختی میں مبتلا ہو گئی ہے۔ مشرق ومغرب میں ہر طرف انسانیت کس بے بسی کے عالم میں دم توڑ رہی ہے اور گھٹا ٹوپ اور تاریک جاہلیت میں بھٹک رہی ہے۔

مسلمان پر کتنی عظیم ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس نور کی مشعل کا حامل ہو جو ایک مبارک درخت سے نکلتا ہے، جو نہ شرقی ہے نہ غربی۔ کیونکہ اس سے جاہلیت کی تاریکیاں چھٹ سکتی ہیں اور صرف اسی کی روشنی سے عقول وقلوب منور ہو سکتے ہیں اور انسانیت رشد و ہدایت اور امن وسلامتی سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔

مسلمان حتی الامکان اپنے پڑوسی کے ساتھ نیک سلوک کرتا ہے

دین حنیف کی تعلیمات کو سمجھنے والا مسلمان حتی الامکان اپنے پڑوسی کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی طرف سبقت کرتا ہے اور اپنے پڑوسی کو کوئی قلیل چیز ہدیہ کرنے کو حقیر نہیں سمجھتا' جیسا کہ بعض جاہل سمجھتے ہیں اور اسے حقیر سمجھ کر اپنے پڑوسی کو دینے سے گریز کرتے ہیں۔ چنانچہ خود بھی اجر سے محروم ہوتے ہیں اور اپنے پڑوسی کو بھی خیر سے محروم کرتے ہیں۔ اسی چیز کی طرف رسول اللہ ﷺ نے خاص طور پر عورتوں کو متنبہ کیا ہے۔ کیونکہ بیشتر اوقات وہی اپنی پڑوسنوں کو کوئی قلیل چیز ہدیہ کرنے سے شرماتی ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

((یَانِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ، لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ))

"اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو کوئی قلیل شے دینے میں حقارت نہ محسوس کرے' خواہ بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔"[1]

کھر قلت سے کنایہ ہے' یعنی کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو کوئی چیز ہدیہ کرے تو اسے حقیر نہ سمجھے' خواہ وہ چیز تھوڑی اور معمولی ہی کیوں نہ ہو' جیسے بکری کا کھر۔ کیونکہ یہ نہ دینے سے تو اچھا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ﴾ (زلزال: ۹۹/ ۷)

"جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔"

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ))

"جہنم کی آگ سے بچو' خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے ہی کے ذریعے سے۔"[2]

---

[1] بخاري۔ كتاب الادب: باب لا تحقرن جارة لجارتها (ح ۶۰۱۷)
مسلم۔ كتاب الزكاة: باب الحث على الصدقة ولو بالقليل (ح ۱۰۳۰)

[2] بخاري۔ كتاب الزكاة: باب اتقوا النار ولو بشق تمرة (ح ۱۴۱۷)
مسلم۔ كتاب الزكاة: باب الحث على الصدقة ولو بشق تمرة (ح ۱۰۱۶)

مذکورہ بالا حدیث کا سیاق عام ہونے کی وجہ سے اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قلیل چیز کو حقیر سمجھنے سے اس پڑوسن کو روکا جا رہا ہے جس کو وہ چیز دی جائے۔ اس وقت اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ کوئی پڑوسن اس چیز کو حقیر نہ سمجھے جو اس کی پڑوسن نے اسے ہدیہ میں دی ہو' خواہ وہ چیز قلیل اور معمولی ہی کیوں نہ ہو' جیسے بکری کا کھر۔ بلکہ اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ اس کا شکریہ ادا کرے۔ کیونکہ ہدیہ پر شکریہ ادا کرنے سے پڑوسیوں کے درمیان الفت بڑھتی ہے' محبت ومودت پروان چڑھتی ہے' اور ان کی زندگی میں باہمی تعاون اور آپس کی ہمدردی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ہدیہ پر شکریہ ادا کرنا اسلامی اخلاق میں سے ہے۔ رسول ﷺ نے اس کی تاکید فرمائی ہے اور اس کی ترغیب دلائی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

((لَا یَشْكُرِ اللّٰهَ مَنْ لَا یَشْكُرِ النَّاسَ))

''جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا' وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی نہیں کرتا۔'' [1]

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک میں مسلم اور غیر مسلم کی تفریق نہیں کرتا

باشعور مسلمان حسن سلوک کو صرف قریبی یا مسلمان پڑوسیوں تک محدود نہیں رکھتا' بلکہ اس سے تجاوز کر کے وہ غیر مسلم پڑوسیوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کا معاملہ کرتا ہے۔ اس لیے کہ اسلام کی سماحت • فیاضی ادیان اور فرقوں کے اختلاف سے بالاتر ہو کر تمام انسانوں کے لیے عام ہے اور ان سب تک وسیع ہے۔ چنانچہ صحابی جلیل سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے یہاں جب بکری ذبح ہوتی ہے تو وہ اپنے غلام سے پوچھتے ہیں: ''کیا تم نے ہمارے یہودی پڑوسی کو ہدیہ کر دیا ہے؟ کیا تم نے ہمارے یہودی پڑوسی کو ہدیہ کر دیا ہے؟ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((مَا زَالَ جِبْرِیْلُ یُوْصِیْنِیْ بِالْجَارِ حَتّٰی ظَنَنْتُ اَنَّهُ سَیُوَرِّثُهُ))

---

[1] - ابوداود۔ کتاب الادب: باب فی شکر المعروف (ح ۴۸۱۱)
ترمذی۔ کتاب البر والصلة: باب ماجاء فی الشکر لمن احسن الیك (ح ۱۹۵۴' ۱۹۵۵)

''جبرئیل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی برابر وصیت کرتے رہے' یہاں تک کہ میں گمان کرنے لگا کہ وہ اسے وراثت کا حق دار قرار دے دیں گے۔''①

اسی لیے مسلمانوں کے پڑوس میں اہل کتاب امن وسکون اور اطمینان کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ انہیں اپنی جان و مال' عزت و آبرو اور اعتقادات کے بارے میں کسی طرح کا خوف نہیں ہوتا تھا اور وہ حسن جوار' خوش معاملگی اور آزادیٔ عقیدہ سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ اس کی شہادت ان گرجوں سے ہوتی ہے جو قدیم زمانے سے مسلم بستیوں میں (جو پہاڑ کی چوٹیوں پر آباد ہیں) قائم ہیں۔ ان کے اردگرد ہزاروں مسلمان آباد ہیں جو اپنے اہل کتاب پڑوسیوں کی حفاظت و حمایت کرتے تھے اور ان کے ساتھ حسن سلوک اور عدل و انصاف کے ساتھ پیش آتے تھے اور قرآن کی ان تعلیمات پر عمل کرتے تھے:

﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (الممتحنہ: ۶۰/ ۸)

''اللہ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

اپنے حسنِ سلوک میں قریب ترین پڑوسی کو مقدم رکھتا ہے

باشعور مسلمان کے ذہن میں یہ چیز ملحوظ رہتی ہے کہ اسلام نے پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ ان کے درمیان دقیق ترتیب و تنظیم کا لحاظ

① ابوداؤد۔ کتاب الادب: باب فی حق الجوار (ح ۵۱۵۲)
ترمذی۔ کتاب البروالصلۃ: باب ماجاء فی حق الجوار (ح ۱۹۴۳)

رکھا ہے۔ چنانچہ اس نے پڑوسیوں کے درمیان الفت ومحبت اور اتحاد و اتفاق برقرار رکھنے کے لیے دو قریبی اور ملے ہوئے پڑوسیوں سے تعلق کی نوعیت کی رعایت کرتے ہوئے اور ان کے درمیان عام طور پر پائی جانے والی رنجشوں کا لحاظ کرتے ہوئے قریب ترین پڑوسی کو حسنِ سلوک میں مقدم رکھنے کا حکم دیا ہے:

چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

((یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِیْ جَارَیْنِ ، فَاِلٰی اَیِّهِمَا اُهْدِیْ ؟ قَالَ: ((اِلٰی اَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَابًا))

''اے اللہ کے رسول! میرے دو پڑوسی ہیں، میں ان میں سے کس کو ہدیہ کروں؟'' فرمایا: ''دونوں میں جس کا دروازہ قریب ہو۔'' [1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پڑوسیوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں اس بلند نبوی ارشاد کو ذہن میں رکھا۔ چنانچہ وہ اپنے حسنِ سلوک اور احسان و اکرام میں دور کے پڑوسی کو قریب کے پڑوسی پر مقدم نہیں کرتے تھے۔ اسی سلسلہ میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((وَلَا یَبْدَاُ بِجَارِهِ الْاَقْصَی قَبْلَ الْاَدْنَی ، وَلٰكِنْ یَبْدَاُ بِالْاَدْنَی قَبْلَ الْاَقْصَی))

''آدمی حسنِ سلوک میں دور کے پڑوسی کو قریب کے پڑوسی پر مقدم نہ کرے، بلکہ قریب کے پڑوسی کو دور کے پڑوسی پر مقدم رکھے۔'' [2]

پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کرنے کے سلسلے میں اس ترتیب کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو پڑوسی مسلمان کے گھر سے دور رہتے ہیں ان سے گردن موڑ لے اور صرف نظر کر لے۔ کیونکہ جو بھی اس کے گھر کے حلقہ میں رہتا ہے وہ پڑوس کے رشتے میں داخل ہے اور حق جوار رکھتا ہے۔ قریبی پڑوسی کو مقدم کرنے کی ترتیب محض

---

[1] بخاری۔ کتاب الهبة: باب بمن یبدأ بالهدیة (ح ۲۵۹۵)

[2] بخاری فی الادب المفرد (ح ۱۱۰)

تنظیمی ترتیب ہے، جس میں رسول کریم ﷺ نے قریبی پڑوسی کی نفسیات کی رعایت کی ہے۔ کیوں کہ ان کے درمیان عام طور پر روابط، معاملات اور مستقل تعلقات رہتے ہیں۔ ورنہ پڑوس کا دائرہ اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔

سچا مسلمان بہترین پڑوسی ہوتا ہے

پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک سچے مسلمان کی وجدان کی گہرائیوں میں پایا جانے والا ایک احساس ہے اور ایسا وصف ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی فائق کرتا ہے اور لوگوں کے درمیان بھی امتیازی شان عطا کرتا ہے۔ کیونکہ سچا اور باشعور مسلمان، جس نے اسلام کے شفاف سرچشمے سے سیرابی اور آسودگی حاصل کی ہو اور اس کی روشن تعلیمات اس کے دل میں جاگزیں ہوگئی ہوں، وہ ساتھیوں میں بہترین ساتھی اور پڑوسیوں میں بہترین پڑوسی ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا مصداق ہوتا ہے:

((خَيْرُ الْأَصْحَابِ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرُهُمْ لِصَاحِبِهِ، وَ خَيْرُ الْجِيرَانِ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرُهُمْ لِجَارِهِ))

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے ساتھی کے لیے بہتر ہو، اور پڑوسیوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لیے بہتر ہو۔'' (۱)

اسلام نے نیک پڑوسی کو مسلمان کی سعادت قرار دیا ہے۔ اس کا پڑوس پڑوسی کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتا ہے اور سعادت وخوش بختی، راحت، امن وسکون اور اطمینان کا باعث ہوتا ہے۔ نیک پڑوسی کی عزت وتکریم اور عظمت و رفعت کے لیے یہی کافی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے مسلمان کی زندگی میں سعادت کا ایک رکن قرار دیا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

---

(۱) ترمذی۔ کتاب البر والصلة: باب ماجاء فی حق الجوار (ح ۱۹۴۴)

((مِنْ سَعَادَةِ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِي الدُّنْيَا اَلْجَارُ الصَّالِحُ ' وَالْمَنْزِلُ الْوَاسِعُ ' وَالْمَرْكَبُ الْهَنِيُّ))

''مسلمان کی خوش بختی اور سعادت ان چیزوں میں ہے کہ اس کے پاس وسیع مکان ہو' نیک پڑوسی ہو اور آرام دہ سواری ہو۔''[1]

نیک پڑوسی کا اسلاف کے نزدیک اس قدر عظیم مقام تھا کہ اس کے جوار کو وہ عظیم نعمت سمجھتے تھے جس کی قیمت نہیں لگائی جا سکتی' اور اسے ایسی دولت سمجھتے تھے جس کے برابر دنیا کا کوئی ساز و سامان نہیں ہو سکتا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے پڑوسی نے ایک لاکھ درہم میں اپنے گھر کا بھاؤ تاؤ کیا' پھر خریدار سے کہا کہ یہ تو گھر کی قیمت ہے اور سعید کا پڑوس کتنے میں خریدو گے؟ جب سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم ہوا تو انہوں نے اسے قیمت بھیج دی اور اسے وہیں باقی رکھا۔

یہ ہے اسلام میں پڑوسی کا مقام! اور یہ ہے نیک اور مسلمان پڑوسی کا کردار!

یہ تو نیک پڑوسی کا تابناک اور روشن کردار تھا۔ اب بد اخلاق اور بدکردار پڑوسی سے متعلق بھی احادیث ملاحظہ کرتے چلیے۔

بد اخلاق پڑوسی اور اس کے بارے میں وعیدیں

بد اخلاق پڑوسی کے بارے میں زبردست وعیدیں آئی ہیں جن کا ایک ذکی الحس مسلمان تصور بھی نہیں کر سکتا' بلکہ وہ ان کو سن کر خوف سے کانپنے لگے گا' اس پر رعب و دہشت طاری ہو جائے گی اور وہ بد اخلاق پڑوسی سے نفرت کرنے لگے گا۔

برا پڑوسی ایمان کی نعمت سے بے بہرہ ہے

برا پڑوسی ایمان کی نعمت سے عاری اور محروم ہوتا ہے۔ ایمان مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے اور اس زندگی میں تمام فضائل کی اصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری تاکید سے فرمایا ہے جس میں کوئی لوچ' رعایت یا نرمی نہیں کہ برا

[1] مسند احمد (۳/ ۴۰۷) مستدرك حاكم (۴/ ۱۶۶' ۱۶۷)

پڑوسی اس نعمت سے محروم رہتا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

((وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ ، وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ ، وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ، قِيلَ: مَنْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ؟ قَالَ: اَلَّذِيْ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ))

''اللہ ذوالجلال کی قسم! وہ شخص مؤمن نہیں' اللہ ذوالجلال کی قسم! وہ شخص مؤمن نہیں' اللہ ذوالجلال کی قسم! وہ شخص مؤمن نہیں۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! کون؟'' فرمایا: ''جس کا پڑوسی اس کے شرور ① سے محفوظ نہ ہو۔'' ②

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ

''وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کا پڑوسی اس کے شرور سے محفوظ نہ ہو۔'' ③

کتنا سنگین جرم ہے جس کا ارتکاب برا پڑوسی اپنے پڑوسی کے حق میں کرتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ بدی (برے اخلاق) سے پیش آتا ہے۔ چنانچہ یہ جرم اسے ایمان کی نعمت سے عاری کر دیتا ہے اور دخول جنت سے محروم کر دیتا ہے۔

سچا' باشعور اور ہوش مند مسلمان ان نصوص کو کھلے دل اور بیدار ذہن کے ساتھ سنتا ہے۔ چنانچہ اس کے دل میں یہ خیال تک نہیں کھٹکتا کہ وہ کبھی اپنے کسی پڑوسی کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرے' بغض و عداوت رکھے اور مکر و فریب سے کام لے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے ایمان ضائع ہو جاتا ہے اور آخرت میں ہلاکت مقدر ہو جاتی ہے۔ پھر کیا ایمان و آخرت کے خسارے سے بڑھ کر بھی کوئی خسارہ ہو سکتا ہے؟ یہ خیال آتے ہی

① حدیث میں ''بوائق'' کا لفظ ہے' جس کے معنی ہیں: دھوکے بازیاں اور شرارتیں۔

② بخاري۔ كتاب الادب: باب اثم من لا يومن جاره بوائقه (ح ٦٠١٦)

مسلم۔ كتاب الايمان: باب بيان تحريم ايذاء الجار (ح ٤٦)

③ مسلم۔ كتاب الايمان: باب بيان تحريم ايذاء الجار (ح ٤٦)

متقی مسلمان کا دل لرزنے لگتا ہے' اس کے وجود پر رعشہ طاری ہو جاتا ہے اور اس کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔

برے پڑوسی کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں

پھر کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اس کے بعد نصوص میں صراحت ہو کہ برے پڑوسی کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں' اپنے پڑوسی کو اذیت و تکلیف پہنچانے کی صورت میں اس کی کوئی طاعت اسے فائدہ نہیں پہنچاتی' اس کے نیک اعمال شرف قبولیت سے نہیں نوازے جاتے۔ کیونکہ اسلام میں اعمال صالح ہمیشہ ایمان کی بنیاد پر معتبر اور قابل قبول ہوتے ہیں اور گزشتہ حدیث سے معلوم ہوا کہ برے پڑوسی کا ایمان معتبر نہیں۔ چنانچہ یہ چیز بھی بدیہی ہوئی کہ خواہ وہ کتنے ہی اعمال کر ڈالے مگر وہ قابل قبول نہیں ہوں گے' بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں ضائع کر دے گا' خواہ وہ ان میں رات دن لگا رہا ہو۔

نبی اکرم ﷺ کو لوگوں نے بتلایا کہ: ''اے اللہ کے رسول! فلاں عورت رات میں نمازیں (یعنی تہجد) پڑھتی ہے اور دن میں روزہ رکھتی ہے' نیک اعمال کرتی ہے اور خوب صدقہ کرتی ہے' مگر اپنی زبان درازی سے اپنے پڑوسیوں کو اذیت پہنچاتی ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا خَيْرَ فِيهَا ' هِيَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ))

''اس میں کوئی خیر نہیں۔ وہ اہل جہنم میں سے ہے۔''

پھر لوگوں نے بتلایا کہ: ''فلاں عورت صرف فرائض پڑھتی ہے' پنیر کا صدقہ کرتی ہے' لیکن کسی کو اذیت نہیں پہنچاتی۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((هِيَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ))

''وہ جنتیوں میں سے ہے۔''[1]

اس طرح متقی اور باشعور مسلمان کے خیال میں برے پڑوسی کی گھناؤنی تصویر

[1] مسند احمد ۲/ ۴۴۰)

نقش ہو جاتی ہے۔ چنانچہ وہ اس سے بہت دور رہتا ہے۔

سچا مسلمان اپنے پڑوسی کے ساتھ کسی گناہ میں مبتلا ہونے سے بچتا ہے

سچا مسلمان خاص طور پر اپنے پڑوسی کے ساتھ کسی گناہ یا خطا کا ارتکاب کرنے سے بچتا ہے۔ کیونکہ پڑوسی کے ساتھ کسی گناہ میں ملوث ہونا دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ بھیانک اور سنگین جرم ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ آپ نے صحابہ سے زنا کے بارے میں سوال کیا۔ صحابہ نے عرض کیا: ''حرام ہے۔ اللہ اور اس کے رسول نے اسے حرام قرار دیا ہے۔'' پھر آپ نے ان سے چوری کے بارے میں دریافت فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا: حرام ہے۔ اللہ عزوجل اور اس کے رسول (ﷺ) نے حرام قرار دیا ہے۔ فرمایا:

((لَاَنْ يَّسْرِقَ مِنْ عَشَرَةِ اَهْلِ اَبْيَاتٍ اَيْسَرُ عَلَيْهِ مِنْ اَنْ يَّسْرِقَ مِنْ بَيْتِ جَارِهِ))

''آدمی دس گھروں سے چوری کرے' یہ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ اپنے پڑوسی کے گھر سے چوری کرے۔'' [1]

اسلام میں پڑوسی کی عزت و آبرو محفوظ ہوتی ہے' جب کہ دیگر قوانین اخلاق اور انسانی شریعتوں میں اس کا کوئی تصور ہی نہیں۔ بلکہ وہ خودساختہ قوانین وشرائع پڑوسی کی عزت و آبرو سے کھیل کرنے کو آراستہ اور خوشنما بنا کر پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ عموماً پڑوسی کی آبرو اور عزت کے ساتھ کھیل کرنا آسان اور سہل الحصول ہوتا ہے' اس میں زیادہ دقت اور دشواری نہیں ہوتی اور دوسروں کی آبرو سے کھیلنے کے مقابلے میں اس کے مواقع زیادہ ملتے ہیں۔ ہمارے درمیان ان سطحی نغموں اور غزلوں کو جن میں ''کھڑکی کے پڑوسی'' کے اوصاف بیان کیے جاتے ہیں' اسی وقت رواج حاصل ہوا ہے جب ہم مردانگی اور ایمان واخلاق سے عاری ہو گئے' اندھی تقلید کے گھٹاٹوپ بادل ہم

[1] مسند احمد (٦/ ٨)

پر چھا گئے اور فکری اور تہذیبی تسلط کی موجوں نے ہمیں ڈھانپ لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بے وقوف اور کم مایہ نوجوان اپنے پڑوسی کی بیوی سے تغزل اور عشق بازی کرنے لگا۔ جب کہ اس کا تصور جاہلیت کے زمانے میں بھی نہیں تھا' چہ جائیکہ اسلام میں۔ جاہلیت کا ایک عظیم اور غیرت مند [1] شاعر کہتا ہے:

وَاَغُضُّ طَرفِی مَا بَدَتْ لِی جَارَتِی
حَتّٰی یُوَارِیَ جَارَتِی مَاْوَاھَا

''جب مجھے میرے پڑوسی کی بیوی دکھائی دیتی ہے تو میں اپنی نگاہیں جھکا لیتا ہوں اور اس وقت تک جھکائے رہتا ہوں جب تک کہ وہ اپنے گھر میں نہ پہنچ جائے۔''

اسلام نے اس پاکیزہ انسانی خصلت کو ہم میں پروان چڑھایا ہے۔ اس نے پڑوسی کا خیال رکھنے' اس کی آبرو کی حفاظت کرنے' اس کے شرف کو محفوظ رکھنے' اس کے عیوب کو چھپانے' اس کی ضرورتوں کو پوری کرنے' اس کے محارم سے نگاہیں نیچی رکھنے اور اسے شک میں مبتلا کرنے والی اور ناگوار گزرنے والی چیزوں سے دور رہنے کے سلسلہ میں بے شمار نصوص پیش کی ہیں اور ان پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا ہے۔ اس لیے اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ برحق اور سچا مسلمان ہر جگہ اور ہر زمانے میں انسانی معاشروں میں بہترین پڑوسی کی حیثیت سے زندگی گزارتا ہے۔

بیدار ذہن اور روشن بصیرت رکھنے والے ذکی الحس اور پڑوسیوں کے سلسلہ میں دین کے اخلاق اور اس کی بلند معاشرتی تعلیمات وارشادات کو یاد رکھنے والے مسلمان اور اس کے پڑوسیوں کے درمیان اگر کبھی لڑائی جھگڑے کی نوبت آجاتی ہے تو وہ اس کا ہزار بار حساب لگاتا ہے۔ کیوں کہ پڑوسیوں کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرنے سے رسول اللہ ﷺ کی تنبیہ برابر اس کے کانوں میں گونجتی رہتی ہے:

((اَوَّلُ خَصْمَینِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ جَارَانِ))

---

[1] یہ شعر جاہلی شاعر عنترہ کا ہے۔ دیوان عشرہ بتحقیق المولوی ص۔ ۳۰۸۔

''قیامت کے روز سب سے پہلے جو دو جھگڑا کرنے والے پیش کیے جائیں گے وہ دونوں پڑوسی ہوں گے۔''①

پڑوسی کے ساتھ خیر کا معاملہ کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا

بلکہ راسخ الایمان مسلمان اپنے پڑوسی کے ساتھ احسان اور خیر کا معاملہ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتا۔ وہ اس کے لیے حفاظت و رعایت' محبت و مودت اور اکرام و عزت افزائی کے دروازے دونوں پٹ کھلے رکھتا ہے۔ اس کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داریاں سرانجام دینے میں کوتاہی نہیں کرتا۔

اسلام کی نظر میں امت اسلامیہ ایک بلند و بالا' پرشکوہ اور مضبوط عمارت کی طرح ہے اور اس امت کے افراد اس کی اینٹیں ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس کی ہر اینٹ مضبوط اور پیوستہ ہو اور دوسری اینٹوں سے مضبوطی کے ساتھ جڑی ہوئی ہو' تاکہ عمارت مستحکم' راسخ اور مضبوط ہو۔ ورنہ عمارت میں دراڑیں پڑ جائیں گی' وہ کمزور ہو جائے گی اور جلد ہی منہدم ہو جائے گی۔

اسلام نے اپنی اینٹوں کو روحانی زاد کے مضبوط اور مستحکم تعلق سے پیوستہ رکھا ہے' جس سے اینٹوں میں استحکام' مضبوطی اور پائیداری باقی رہتی ہے' اور مسلمانوں کی عمارت انتہائی مستحکم اور مضبوط رہتی ہے۔ نہ وقتاً فوقتاً پیش آنے والے واقعات اسے متزلزل کر سکتے ہیں اور نہ ہی زبردست آندھیاں اور بگولے اس کی بنیادوں کو ہلا سکتے ہیں۔

رسول کریم ﷺ کے اس ارشاد میں مسلمانوں کے باہم اتحاد و اتفاق' تکافل و تعاون اور نصح و مواسات کی کتنی دلکش اور حسین تمثیل ہے:

((اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ الْمَرْصُوْصِ' يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا))

''ایک مؤمن دوسرے کے لیے مضبوط عمارت کی طرح ہے' کہ اس کے

---

① مسند احمد (۴/ ۱۵۱)

بعض کو بعض سے مضبوطی اور استحکام حاصل ہوتا ہے۔'' (۱)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

((مَثَلُ الْمُؤمِنِينَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَ تَرَاحُمِهِمْ وَ تَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ الْوَاحِدِ، إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى))

''باہمی محبت و مودت، لطف و کرم اور رحم و ہمدردی میں مسلمانوں کی مثال ایک جسم کی سی ہے کہ جب اس کے کسی عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو پورا بدن بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے اور نیند اچاٹ ہو جاتی ہے۔'' (۲)

جو دین امت کے افراد کو اس حیرت انگیز حد تک باہم دگر متحد اور ایک دوسرے سے پیوستہ رکھتا ہے اس کے لیے بدیہی ہے کہ وہ پڑوسیوں کے مابین بھی تعلقات کو مستحکم رکھے اور انہیں مودت و محبت، برو احسان، تکافل و تعاون اور خوش معاملگی کی مضبوط اور راسخ بنیادوں پر قائم کرے۔

اپنے پڑوسی کی لغزشوں اور اذیتوں پر صبر کرتا ہے

ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے دین کی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کرنے والا مسلمان اپنے پڑوسی کی نازیبا حرکتوں اور تکلیفوں پر صبر سے کام لیتا ہے اور اگر اس سے کوئی کمزوری سرزد ہوتی ہے تو بھڑک نہیں اٹھتا۔ اسی طرح اگر اس سے کوئی لغزش ہو جاتی ہے یا وہ کسی تقصیر میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس پر اس کی گرفت نہیں کرتا بلکہ عفو و درگزر سے کام لیتا ہے اور معاف کر دیتا ہے۔ اس طرح وہ اللہ کی بارگاہ میں ثواب کی امید رکھتا ہے۔ اسے یقین ہوتا ہے کہ اس کا عفو اور معافی اللہ کے یہاں

(۱) بخاری۔ کتاب الادب: باب تعاون المومنین بعضهم بعضا (ح ۶۰۲۶)
مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب تراحم المومنین و تعاطفهم و تعاضدهم (ح ۲۵۸۵)

(۲) بخاری۔ کتاب الادب: باب رحمة الناس والبهائم (ح ۶۰۱۱)
مسلم۔ حواله سابق (ح ۲۵۸۶)

ضائع نہیں ہوں گے۔ بلکہ ان کے ذریعے سے اللہ کی محبت اور خوشنودی حاصل ہو گی۔ اس کی تصدیق سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے کہ جب ان سے سیدنا مطرف بن عبداللہ رحمہ اللہ کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا: ''اے ابو ذر! مجھے آپ کی یہ حدیث معلوم ہوئی تھی اور میں آپ سے ملنا چاہتا تھا۔''

فرمایا: ''لو ملاقات تو ہو گئی۔''

انہوں نے عرض کیا: ''مجھے معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے یہ فرمایا ہے: ''اللہ تین لوگوں سے محبت کرتا ہے اور تین لوگوں سے نفرت کرتا ہے۔''

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں نہیں سمجھتا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھ رہا ہوں۔''

سیدنا مطرف فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: ''وہ تین لوگ کون ہیں جن سے اللہ عزوجل محبت کرتا ہے؟'' فرمایا:

((رَجُلٌ غَزَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ صَابِرًا مُحْتَسِبًا، فَقَاتَلَ حَتّٰی قُتِلَ))

''ایک وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں صبر کرتے ہوئے اور ثواب کی امید رکھتے ہوئے جہاد کرے اور لڑتے لڑتے شہید ہو جائے۔''

یہ چیز تو کتاب اللہ سے بھی معلوم ہوتی ہے۔ (پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:)

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ﴾ (الصف: ۶۱/ ۴)

''اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔''

میں نے عرض کیا: ''اور کون؟'' فرمایا:

((رَجُلٌ كَانَ لَهُ جَارُ سُوْءٍ يُؤْذِيْهِ، فَصَبَرَ عَلٰى اَذَاهُ حَتّٰى يَكْفِيَهُ اللّٰهُ اِيَّاهُ بِحَيَاةٍ اَوْ مَوْتٍ))

''دوسرا وہ شخص جس کا پڑوسی بداخلاق ہو اور اسے اذیتیں پہنچاتا رہتا ہو، مگر

وہ اس کی اذیتوں پر صبر کرے یہاں تک کہ اسے موت آ جائے۔'' الخ [1]

اپنے پڑوسی کی برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتا

اس دین کی تعلیمات میں سے (جو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو دی ہیں) یہ بھی ہے کہ کوئی شخص پڑوسی کی برائی کا جواب برائی سے نہ دے' بلکہ اس کی اذیتوں پر جس حد تک صبر کر سکتا ہو کرے' یہاں تک کہ وہ اس سے باز آ جائے اور تکلیفیں پہنچانا بند کر دے۔ وہ جب اپنے پڑوسی کو دیکھے تو اس کی برائی کا جواب اس کے مثل برائی سے نہ دے' بلکہ صبر کرے' حلم و بردباری سے کام لے اور خوش معاملگی سے پیش آئے۔ اور اللہ ذوالجلال کی قسم! یہ بلند ترین اخلاق اور پاکیزہ سیرت ہے اور نفوس سے برائی کی جڑوں کی بیخ کنی کرنے کے سلسلہ میں تربیت کا بہترین نفسیاتی اسلوب ہے۔

سیدنا محمد بن عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

''مجھے میرے پڑوسی نے تکلیف پہنچائی ہے۔''

فرمایا: ''صبر کرو۔''

وہ دوبارہ حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''مجھے میرے پڑوسی نے تکلیف پہنچائی ہے۔''

آپ نے فرمایا: ''صبر کرو۔''

پھر وہ تیسری مرتبہ حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''مجھے میرے پڑوسی نے تکلیف پہنچائی ہے''

تو آپ نے فرمایا:

((اِعْمِدْ اِلٰی مَتَاعِكَ فَاقْذِفْهُ فِی السِّكَّةِ ' فَاِذَا اَتٰی عَلَیْكَ آتٍ ' فَقُلْ: آذَانِی جَارِی ' فَتَحِقُّ عَلَیْهِ اللَّعْنَةُ ' مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ فَلْیُكْرِمْ جَارَهُ))

''اپنا سامان لے جا کر راستے میں ڈال دو اور جب کوئی شخص وہاں سے

---

[1] مسند احمد (۵/ ۱۷٦)

گزرے تو اس سے کہو کہ میرے پڑوسی نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے۔ اس طرح تمہارے پڑوسی پر لوگوں کی لعنت پڑے گی۔ جو شخص بھی اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کا اکرام کرے۔''[1]

اپنے پڑوسی کے حقوق پہچانتا ہے

سچا مسلمان ہر لحہ اپنے پڑوسی کے حقوق پہچانتا ہے' مصائب و مشکلات میں اس کی مدد کرتا ہے' اس کی خوش حالی میں خوشی و مسرت کا اظہار کرتا ہے' اس کے رنج وغم اور خوشی و سرور میں شریک ہوتا ہے۔ اگر اس کا پڑوسی ضرورت مند اور محتاج ہوتا ہے تو اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرتا ہے اور اس کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ اگر اسے کوئی بیماری لاحق ہوتی ہے تو اس کی عیادت کرتا ہے' اس کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کا اظہار کرتا ہے اور بوقت ضرورت اس کے کام آتا ہے۔ اگر اس کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کے جنازے میں شریک ہوتا ہے' اس کے گھر والوں کو دلاسا دیتا ہے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتا ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے پڑوسی اور اپنے خاندان کے احساسات کا لحاظ رکھتا ہے اور ان چیزوں سے احتراز کرتا ہے جن سے یہ احساس مجروح ہو یا کسی بھی حیثیت سے اسے ٹھیس لگے۔

یہ ہے پڑوسی کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر! اور یہ ہیں اس کے بارے میں اسلام کی روشن اور عظیم تعلیمات! جن پر عمل کرنے کا اسلام ہر اس مسلمان سے مطالبہ کرتا ہے جو اسلام کی حقیقت کو سمجھتا ہو' اس سے پوری رہنمائی حاصل کرتا ہو اور اس کے احکام و تعلیمات کو اپنے اوپر اور اپنے خاندان پر منطبق کرنا چاہتا ہو۔

پھر کیا اس کے بعد بھی اس میں تعجب ہو سکتا ہے کہ سچا مسلمان بہترین پڑوسی ہوتا ہے؟ ایسا پڑوسی جس کا کردار انسانی معاشروں میں سب سے افضل' سب سے اعلیٰ اور سب سے نمایاں ہوتا ہے۔

---

[1] ابو داؤد۔ کتاب الادب : باب فی حق الجوار (ح ۵۱۵۳) لیکن اس میں شکایت کرنے والے کا تعین نہیں ہے۔ واللہ اعلم!

مثالی مسلمان مرد کا تعلق

اپنے بھائیوں اور دوستوں کے ساتھ

انسان جب معاشرے میں رہتا ہے تو زندگی گزارنے کے لیے اس کو باہمی طور پر دوستی اور اخوت کے رشتے قائم کرنے پڑتے ہیں' جو کہ حقیقت میں اس میں ودیعت کیے گئے فطری جذبے کے تحت ہوتے ہیں۔ اسلام نے اس دوستی کے کچھ اصول وضوابط' قاعدے اور قوانین مقرر کیے ہیں' کہ جن پر چل کر دوستی کے اس پاکیزہ رشتہ کو لازوال بنایا جا سکتا ہے۔ ایک مسلمان کا تعلق اپنے دوستوں اور بھائیوں کے ساتھ کس طرح کا ہونا چاہیے اس کے متعلق اللہ احکم الحاکمین اور رحمۃ للعالمینؐ کے دلنشین فرامین ہماری بہترین رہنمائی کرتے ہیں۔ عورتوں کو اپنی سہیلیوں اور مردوں کو اپنے دوستوں سے کن مقاصد کے تحت اور کس طرح کا تعلق قائم کرنا چاہیے؟ کہ جو اللہ اور اس کے رسول کو مطلوب ومقصود ہے' اس سے آگاہی ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ آیئے اس کو جانیں!
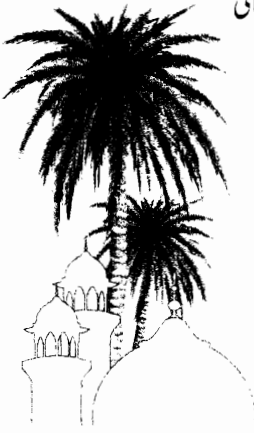
مسلمان اپنے بھائیوں اور دوستوں سے صرف اللہ کے لیے محبت کرتا ہے

سچے مسلمان کا ایک نمایاں وصف یہ ہے کہ وہ اپنے بھائیوں اور دوستوں سے اعلیٰ محبت کرتا ہے۔ اس کی محبت ہر منفعت سے بلند' ہر غرض سے بری اور ہر شائبہ سے پاک ہوتی ہے اور بھائی چارہ اور سچائی کی بنیادوں پر مبنی ہوتی ہے۔ اس کی پاکیزگی اور صفائی ستھرائی مشکوٰۃ وحی اور نبوی تعلیمات سے مستفاد ہوتی ہے۔ اسی بنا پر انسانی تعلقات میں اس کی حیثیت منفرد اور یکتا ہوتی ہے' اور معاملات کی تاریخ میں مسلمان کے کردار پر اس کے اثرات ہمہ گیر اور بے مثل ہوتے ہیں۔

مسلمان اپنے بھائی سے جس تعلق سے مربوط ہوتا ہے (خواہ وہ کسی بھی قوم کا ہو' کیسی بھی رنگت رکھتا ہو اور وہ کوئی بھی زبان بولتا ہو) وہ ایمان باللہ کا تعلق ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ (الحجرات: ۴۹/ ۱۰)

''مؤمن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔''

اور ایمانی اخوت' نفوس کے روابط میں سب سے مضبوط رابطہ' دلوں کے تعلقات میں سب سے مستحکم تعلق اور عقول وارواح کے رشتوں میں سب سے قوی رشتہ ہے۔

اس لیے اس میں کوئی تعجب نہیں کہ یہ بے مثل اخوت محبت کا ایک ایسا طریقہ وجود میں لاتی ہے' جو اپنی بلندی' عظمت' گہرائی و گیرائی اور دوام میں منفرد نوعیت کا حامل ہوتا ہے۔ جسے اسلام ''اللہ کے لیے محبت'' کا نام دیتا ہے اور ایسی ہی محبت میں سچا مسلمان ایمان کی حلاوت محسوس کرتا ہے۔ جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ: اَنْ يَكُونَ اللّٰهُ وَ رَسُولُهُ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا ' وَاَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ اِلَّا لِلّٰهِ ' وَاَنْ يَكْرَهَ اَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ اَنْ اَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ))

''تین باتیں جس شخص کے اندر پائی جائیں وہ ایمان کی حلاوت محسوس کرے

گا:

(۱) یہ کہ اللہ اور اس کا رسول ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں۔

(۲) اور یہ کہ آدمی کسی سے محبت کرے تو صرف اللہ کے لیے کرے۔

(۳) اور یہ کہ ہدایت پانے کے بعد کفر میں لوٹ جانا اتنا ہی ناپسندیدہ ہو جتنا کہ آگ میں ڈال دیا جانا۔'' ①

اللہ کے لیے محبت کرنے والوں کا مقام

اس سلسلہ میں بے شمار احادیث مروی ہیں جو محض اللہ کے لیے آپس میں محبت کرنے والوں کا بلند مقام ظاہر کرتی ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جنت میں جو عالی شان جگہ تیار کر رکھی ہے اس کی تصویر کشی کرتی ہیں اور قیامت کے دن جب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں جو عظیم شرف و مرتبہ مرحمت فرمائے گا' اس کو بیان کرتی ہیں۔

ان احادیث میں ایک وہ حدیث بھی ہے جس میں ان سات خوش نصیب افراد کا تذکرہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے سایہ میں جگہ دے گا' جب کہ اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔ وہ یہ لوگ ہوں گے:

((اِمَامٌ عَادِلٌ، وَ شَابٌّ نَشَاَ فِیْ عِبَادَةِ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ، وَ رَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ، وَ رَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَیْهِ وَ تَفَرَّقَا عَلَیْهِ، وَ رَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَاَةٌ ذَاتُ حُسْنٍ وَ جَمَالٍ فَقَالَ: اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ، وَ رَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰی لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ یَمِیْنُهُ وَ رَجُلٌ ذَکَرَ اللّٰهَ خَالِیًا فَفَاضَتْ عَیْنَاهُ))

---

① بخاری۔ کتاب الایمان: باب حلاوۃ الایمان (ح ۱۶)

مسلم۔ کتاب الایمان: باب بیان خصال من انتصف بھن وجد حلاوۃ الایمان (ح ۴۳)

”① انصاف پرور امام‘ ② اور وہ نوجوان جس نے اللہ عزوجل کی عبادت میں پرورش پائی ہو‘ ③ اور وہ شخص جس کا دل مسجدوں میں اٹکا رہے‘ ④ اور وہ دو اشخاص جو صرف اللہ کے لیے باہم محبت کریں‘ صرف اسی کی رضا کے لیے جمع ہوں اور اسی کی رضا کے لیے جدا ہوں‘ ⑤ اور وہ شخص جس کو کوئی حسین وجمیل عورت معصیت کی طرف بلائے تو وہ کہہ دے: میں اللہ سے ڈرتا ہوں‘ ⑥ اور وہ شخص جو صدقہ کرے تو اس حد تک اخفا کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو کہ اس نے داہنے ہاتھ سے کیا خرچ کیا ہے‘ ⑦ اور وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کا ذکر کرے تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں۔“ [1]

یہ صریح نص اللہ کے لیے محبت کرنے والوں کو ان سات منتخب اور برگزیدہ لوگوں کے زمرہ میں شامل کرتی ہے جن کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں رکھے گا اور ان پر اپنے رحم وکرم‘ احسانات اور نعمتوں کی بارش کرے گا۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ اس میں ان لوگوں کے لیے کتنی تکریم اور کیسی عزت افزائی ہے!!

اللہ کے لیے محبت کرنے والوں کے شرف واکرام کے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن میدان حشر میں ان کی طرف توجہ کرے گا اور فرمائے گا:

((اَیْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِیْ ؟ اَلْیَوْمَ اُظِلُّھُمْ فِیْ ظِلِّیْ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّیْ))

”کہاں ہیں میری عظمت کی وجہ سے باہم محبت کرنے والے! آج میں ان کو اپنے سایہ میں پناہ دوں گا‘ جب کہ آج میرے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہیں۔“ [2]

---

[1] بخاری۔ کتاب الاذان: باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلاۃ و فضل المساجد (ح ٦٦٠)
مسلم۔ کتاب الزکاۃ: باب فضل اخفاء الصدقۃ (ح ١٠٣١)

[2] مسلم۔ کتاب البر والصلۃ: باب فضل الحب فی اللہ تعالیٰ (ح ٢٥٦٦)

کتنا عظیم شرف ہے اور کتنا اچھا بدلہ ہے جو اللہ کریم کی خوشنودی کے لیے سچے دل سے باہم محبت کرنے والوں کو ملے گا۔ جس دن کی شدت' ہول اور کرب سے لوگوں کا برا حال ہو گا۔

ایسا اس لیے ہو گا کیونکہ مصالح' مفادات' منافع اور شہوتوں سے بھری دنیا میں کسی دوسری چیز کے بجائے صرف اور صرف اللہ کے لیے محبت کرنا بہت دشوار اور مشکل مرحلہ ہے۔ جہاں تک رسائی حاصل کرنا صرف انھی لوگوں کے بس کی بات ہے جن کے نفوس پاکیزہ ہوں' جن کی ارواح بلند ہوں' جن کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور خوشنودی کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی حیثیت اور قدر و قیمت نہ ہو۔ اس لیے کوئی تعجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو آخرت میں ایسے عظیم مرتبہ اور ایسی نعمتوں سے نوازے جو دنیا میں ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق اور دنیا کے عیش و آرام اور چند روزہ لذتوں سے اعراض کی جزا میں ہوں۔ اس کی توثیق سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِي جَلَالِي لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُوْرٍ ' يَغْبِطُهُمُ النَّبِيُّوْنَ وَالشُّهَدَاءُ))

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میری خوشنودی کی وجہ سے باہم محبت کرنے والوں کے لیے نور کے ایسے منبر ہوں گے کہ انبیا اور شہدا بھی ان کے حالات کو اچھا جانیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہتر مقام عطا کیا ہے''۔ (1)

---

(1) ترمذي۔ كتاب الزهد: باب ماجاء في الحب في الله (ح ۲۳۹۰)

غِبْطَةٌ کسی نعمت کی تمنا کرنا جو صاحب نعمت سے زائل نہ ہو۔ جبکہ حسد کا معنی کسی شخص سے زوال نعمت کی تمنا کا نام ہے۔ ''غبطہ'' حقیقت میں حسن حال سے عبارت ہے۔ امام احمد بن فارس لغوی متوفی ۳۹۵ھ رقم طراز ہیں: "الغبطة" حسن الحال ودوام المسرة والخير (معجم مقاييس اللغة' ص ۷۸۱) غبطہ سے مراد حسن حال اور مسرت و خیر کا ہمیشہ رہنا ہے۔ اسی لیے جانور کی دبلا اور ←

یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ باہم محبت کرنے والوں کو اس مرتبہ سے بھی بلند مرتبہ اور اس نعمت سے بھی بڑی نعمت عطا فرماتا ہے۔ وہ انہیں اپنی محبت سے سرفراز کرتا ہے۔ ایسی بیش بہا محبت جس کے حصول کے لیے جانوں کی سوغات پیش کرنی پڑتی ہے تو حسین تمناؤں کا خون بھی کرنا پڑتا ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایک شخص اپنے کسی بھائی سے ملاقات کرنے کے لیے دوسرے گاؤں جا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتے کو مقرر کر دیا۔ جب وہ شخص فرشتے کے پاس پہنچا تو فرشتے نے اس سے کہا: ''کہاں کا ارادہ ہے؟'' اس نے جواب دیا: ''اس بستی میں میرا ایک بھائی ہے' اس سے ملنے جا رہا ہوں۔'' فرشتے نے کہا: ''کیا تم پر اس کا کوئی احسان ہے جسے نبھا رہے ہو؟'' اس نے کہا: ''نہیں! مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ مجھے اس سے صرف اللہ کے لیے محبت ہے۔'' فرشتے نے کہا:

((فَإِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَیْكَ بِأَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَبَّكَ كَمَا أَحْبَبْتَهُ فِیْهِ))

''میں اللہ کا قاصد ہوں اور یہ بتلانے آیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے محبت

← موٹا ہونے کی حالت معلوم کرنے کے لیے کہتے ہیں: غَبَطتُّ الشاةَ یعنی میں نے بکری کو ہاتھ سے ٹٹولا' تاکہ اس کا دبلا پتلا ہونا معلوم ہو جائے۔ یہی مفہوم امام عبدالرحمٰن الخلیل بن احمد الفراہیدی المتوفی ۱۷۵ھ نے کتاب العین ص ۷۰۵ جدید' علامہ فیروز آبادی نے القاموس المحیط ص ۸۷۷ وغیرہا میں موجود ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے "یغبطهم النبیون والشهداء" کا مفہوم یہ ہوگا: "یَسْتَحْسِنُ أَحْوَالَهُمُ الْأَنْبِیَاءُ وَالشُّهَدَاءُ" "انبیا علیہم السلام اور شہدا رحمہم اللہ ان کے حالات کو اچھا جانیں گے۔'' عام طور پر اہل علم نے اس کا ترجمہ رشک لیا ہے جس کی وجہ سے یہ اشکال پیدا ہوتا تھا کہ ''انبیاء علیہم السلام اس نعمت سے محروم ہوں گے اور وہ ایسے لوگوں کو دیکھ کر رشک کریں گے۔'' حالانکہ انبیاء علیہم السلام تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے امت سے بدرجہ اولیٰ بڑھ کر آپس میں محبت کرتے تھے۔ لہٰذا اس معنی کے اعتبار سے یہ اشکال زائل ہو جاتا ہے۔ (ابوالحسن)

کی، جس طرح کہ تم نے صرف اللہ کے لیے اپنے اس بھائی سے محبت کی۔'' ①

اللہ کی خاطر دوستی کا کتنا عظیم مقام ہے کہ انسان اس کی بدولت ایسے مرتبہ سے سرفراز ہوتا ہے کہ اللہ بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہے اور اس سے راضی ہو جاتا ہے۔

اللہ کی خاطر دوسروں سے بڑھ کر دوستی کرنے والے مسلمان کو نبی اکرم ﷺ مزید فضیلت کی بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

((مَا تَحَابَّ الرَّجُلَانِ اِلَّا كَانَ اَفْضَلُهُمَا اَشَدُّهُمَا حُبًّا لِصَاحِبِهِ))

''باہم محبت کرنے والے دو اشخاص میں سے افضل وہ ہے جو اپنے بھائی سے زیادہ محبت کرے۔'' ②

اسلامی معاشرہ میں محبت و الفت کو عام کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ حکم دیتے ہیں کہ جب مسلمان اپنے کسی بھائی سے محبت کرے تو اسے بتلا دے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

((اِذَا اَحَبَّ الرَّجُلُ اَخَاهُ فَلْيُخْبِرْهُ اَنَّهُ يُحِبُّهُ))

''جب آدمی اپنے کسی بھائی سے محبت کرے تو اسے بتلا دینا چاہیے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔'' ③

رسول کریم ﷺ کو پوری طرح احساس تھا کہ معاشروں اور قوموں کی تعمیر میں ان پاکیزہ اور زبردست محبت کے کتنے گہرے اثرات ہوتے ہیں۔ اسی لیے آپ ہر موقع پر مسلمانوں کو باہم محبت کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور انہیں حکم دیتے ہیں کہ اپنی

---

① مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب فضل الحب فی اللہ تعالیٰ (ح ۲۵۶۸)

② بخاری فی الادب المفرد (ح ۵۴۴)

③ ابوداود۔ کتاب الادب: باب الرجل یحب الرجل علی خیر یراہ (ح ۵۱۲۴)
ترمذی۔ کتاب الزھد: باب ماجاء فی اعلام الحب، قبل حدیث ۲۳۹۲ بدون الرقم

محبت کا اعلان کریں اور جن سے محبت کرتے ہوں ان کو اپنی محبت کے بارے میں بتلا دیں۔ تاکہ دلوں کے بند دروازے کھل جائیں اور لوگوں کے درمیان محبت ومودت اور اخلاص عام ہو۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھے۔ وہاں سے ایک دوسرے صاحب گزرے۔ (جو صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھے) انہوں نے آپ سے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں اس سے محبت کرتا ہوں۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا اس کو بتلا دیا ہے؟''

عرض کیا: ''نہیں۔''

فرمایا: ''اسے بتلا دو۔''

چنانچہ وہ ان کے پاس گئے اور ان کو بتلایا:

((اِنِّی لَاحِبُّکَ فِی اللّٰهِ))

''میں آپ سے صرف اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں۔''

انہوں نے کہا:

((اَحَبَّکَ اللّٰهُ الَّذِیْ اَحْبَبْتَنِیْ لَهُ))

''اللہ بھی آپ سے محبت کرے' جس کی رضا کے لیے آپ نے مجھ سے محبت کی ہے۔'' [۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا خود بھی کرتے تھے اور اس طرح مسلمانوں کے سامنے عملی نمونہ پیش کرتے تھے اور انہیں تعلیم دیتے تھے کہ محبت والفت اور مواخات و بھائی چارگی کا معاشرہ کس طرح قائم کیا جا سکتا ہے؟ حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ''اے معاذ! اللہ ذوالجلال کی قسم! مجھے تم سے محبت ہے۔ میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ ضرور کہہ لیا کرو:

---

[۱] ابوداود۔ حوالہ سابق (ح ۵۱۲۵)

((اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِكَ وَ شُکْرِكَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِكَ))①

''اے اللہ! میری مدد کر اپنے ذکر پر' اپنے شکر پر اور اپنی اچھی عبادت پر۔''

سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے درمیان اس پاکیزہ محبت کی خوشبو کو پھیلانے اور دنیا کو اس سے معطر کرنے کے لیے مختلف اسلامی ملکوں میں گئے۔ آپ لوگوں کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی وہ احادیث بیان کرتے جن میں باہم محبت کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے اجر وثواب کا تذکرہ ہے (اور اس کا سب سے بڑا بدلہ تو یہ ہے کہ اس سے اللہ کی محبت حاصل ہوتی ہے۔) امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی ''موطا'' میں صحیح سند سے سیدنا ابوادریس خولانی سے روایت کیا ہے' فرماتے ہیں:

''میں دمشق کی مسجد میں داخل ہوا تو وہاں ایک چمک دار دانتوں والے نوجوان کو دیکھا کہ اس کے ارد گرد لوگ جمع تھے۔ جب کسی بات پر ان میں اختلاف ہوتا تو اس کی طرف رجوع کرتے اور اسی کی رائے پر فیصلہ کرتے۔ میں نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔ دوسرے دن دوپہر کو میں بہت سویرے پہنچا تو دیکھا کہ وہ مجھ سے پہلے موجود تھے۔ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے انتظار کیا' یہاں تک کہ جب انہوں نے نماز پوری کر لی تو میں نے انہیں سلام کیا پھر عرض کیا: ''اللہ کی قسم! میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔'' انہوں نے کہا: ''سچ؟'' میں نے عرض کیا ''سچ۔'' انہوں نے پھر کہا: ''سچ؟'' میں نے عرض کیا: ''سچ۔'' تو انہوں نے میری چادر کا کونا پکڑ کر مجھے اپنی طرف کھینچا اور فرمایا: ''بشارت قبول کرو' کیوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((وَجَبَتْ مَحَبَّتِیْ لِلْمُتَحَابِّیْنَ فِیَّ' وَالْمُجَالِسِیْنَ فِیَّ' وَالْمُتَزَاوِرِیْنَ فِیَّ' وَالْمُتَبَاذِلِیْنَ فِیَّ))

''میری محبت ان لوگوں کے لیے واجب ہوگئی جو میری رضا وخوشنودی کے

---

① ابوداود۔ کتاب الوتر: باب فی الاستغفار (ح ۱۵۲۲)
نسائی۔ کتاب السهو: باب نوع آخر من الدعاء (ح ۱۳۰۴)

حصول کے لیے آپس میں محبت کرتے ہیں۔ میرے ہی لیے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں' میرے ہی لیے ایک دوسرے سے ملاقات کے لیے جاتے ہیں اور میری ہی رضا کی خاطر ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔''①

مسلمان کی زندگی میں للّٰہی محبت کے اثرات

ایک دوسری حدیث میں رسول کریم ﷺ بہت زور دے کر فرماتے ہیں کہ مؤمنوں کے درمیان باہم محبت ایمان کی شرائط میں سے ایک اہم شرط ہے' جس کی بنا پر جنت میں داخلہ نصیب ہوتا ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا ' وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا ' اَوَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰی شَیْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ ؟ اَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ))

''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے' تم لوگ اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ ایمان نہ لے آؤ' اور اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرنے لگو۔ کیا میں تم کو ایسی بات نہ بتلا دوں کہ اگر اس پر عمل کرو تو تم لوگوں کے درمیان آپس میں محبت پیدا ہو جائے گی؟ اپنے درمیان سلام پھیلاؤ۔''②

نبی کریم ﷺ نے اپنی ظرفِ نگاہ سے (جسے آپ نے تربیت الٰہی کے سرچشمے سے سیراب کیا تھا) یہ اندازہ کر لیا تھا کہ سینوں سے حقد و کینہ کی کدورتوں اور دلوں سے بغض و حسد اور تنافس کی گندگیوں کا ازالہ اس وقت تک نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ مسلمانوں کی زندگیوں میں سچی اور بلند اخوت و بھائی چارگی عام نہ ہو۔ ایسی اخوت جو

① موطا امام مالك۔ ۲/ ۵۵۳' ۵۵۴ کتاب الشعر: باب ماجاء فی المتحابین فی الله (ح ۱۶)

② مسلم۔ کتاب الایمان: باب بیان انه لایدخل الجنة الا المومنون (ح ۵۴)

محبت و الفت' باہمی دوستی و خیر خواہی اور خوشی و مسرت پر مبنی ہو اور جس میں مکر و فریب' خیانت' حسد' ترش روئی' بد مزاجی اور باہمی بغض و نفرت نہ ہو۔ اسی لیے آپ نے بھائیوں کے مابین سلام پھیلانے کی دعوت دی' تاکہ اس سے محبت اور باہمی میل جول کے لیے دلوں کے دروازے وا ہوں۔

رسول کریم ﷺ اس مضمون کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے بار بار دہراتے تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ دلوں میں محبت کا بیج بو دیں اور مسلسل اس کی دیکھ بھال اور نگرانی کرتے رہیں۔ یہاں تک کہ دلوں میں وہ عظیم اور تابناک محبت پیدا ہو جائے جسے اسلام مسلمانوں کے دلوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔

اس روشن محبت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی پہلی نسل کی تعمیر کی تھی' جس نے کہ سماوی پیغام کی زمین میں تبلیغ کی اور اسلام کے عظیم الشان قلعے کی حفاظت کی۔

اگر یہ صاف شفاف اور پاکیزہ محبت نہ ہوتی' جسے صرف اسلام ہی نے لوگوں کے دلوں میں پروان چڑھایا ہے' تو صدر اسلام کے مسلمان جہاد کے بار گراں کو اٹھانے میں استقامت' ثابت قدمی اور پامردی کا مظاہرہ کرنے پر قادر نہ ہوتے اور اسلامی حکومت کی تعمیر اور دنیا میں پرچم اسلام کو لہرانے میں عظیم الشان قربانیاں پیش کرنے کی استطاعت نہ رکھتے۔

اس سچی اور عجیب و غریب محبت کی بدولت رسول اللہ ﷺ نے ایمان لانے والوں کا ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جو انسانیت کی تاریخ میں ایک مثالی اور امتیازی حیثیت رکھتا ہے' جس کے عجیب و غریب اتحاد و اتفاق کی بہترین تصویر کشی رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمائی ہے:

((اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا))

''مؤمن' مؤمن کے لیے عمارت کی طرح ہے کہ جس کی ایک اینٹ دوسری

اینٹ کو مضبوط بناتی ہے۔"①

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

((مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَ تَرَاحُمِهِمْ وَ تَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ ، إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى))

"اہل ایمان کی مثال باہم محبت' رحمد لی اور مہربانی میں ایک جسم کی طرح ہے کہ جب اس کے کسی عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو پورا جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے اور نیند اچاٹ ہو جاتی ہے۔"②

ایک حدیث میں ہے:

((اَلْمُسْلِمُوْنَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ ، اِنِ اشْتَكَتْ عَيْنُهُ اشْتَكَى كُلُّهُ ، وَاِنِ اشْتَكَى رَاْسُهُ اشْتَكَى كُلُّهُ))

"تمام مسلمان ایک آدمی کی طرح ہیں کہ اگر اس کی آنکھ میں تکلیف ہوتی ہے تو پورا بدن تکلیف میں مبتلا رہتا ہے' یا سر میں تکلیف ہوتی ہے تب بھی پورا بدن تکلیف محسوس کرتا ہے۔"③

ان بلند نبوی ارشادات کو دیکھتے ہوئے باشعور اور سچا مسلمان اپنے بھائیوں اور دوستوں سے محبت کرتا ہے اور دل و جان سے ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس طرح دنیا میں بھی وہ خیر و برکت اور اتحاد و تعمیر کا اہم عنصر ثابت ہوتا ہے اور آخرت میں بھی

---

① بخاری۔ کتاب الادب: باب تعاون المومنین بعضهم بعضا (ح ۶۰۲۶)
مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب تراحم المومنین و تعاطفهم و تعاضدهم (ح ۲۵۸۵)

② بخاری۔ کتاب الادب: باب رحمة الناس والبهائم (ح ۶۰۱۱)
مسلم۔ حواله سابق (ح ۲۵۸۶)

③ مسلم۔ حواله سابق

اپنے ربّ کی رضا جوئی سے سرفراز ہوتا ہے۔

مسلمان اپنے بھائیوں سے مقاطعہ اور ترک تعلق نہیں کرتا

سچا اور دین کے احکام و تعلیمات سے واقفیت رکھنے والا مسلمان اچھی طرح جانتا ہے کہ اسلام نے جہاں مسلمانوں کے درمیان آپس میں محبت و تعلق، صلہ رحمی اور رحم دلی و ہمدردی کا حکم دیا ہے، وہیں بغض و نفرت، آپس میں دشمنی، مقاطعہ اور ترک تعلق کو حرام اور ناپسندیدہ قرار دیا ہے، اور پوری وضاحت سے بتلایا ہے کہ صدق دل سے محبت کرنے والوں کے درمیان محض معمولی معمولی باتوں اور ادنیٰ سی غلطیوں کی بناء پر تفریق اور جدائی نہیں ہوتی۔ کیوں کہ صرف اللہ کے لیے محبت کا رشتہ اس سے کہیں زیادہ مستحکم اور پائدار ہے کہ کسی ایک جانب سے ادنیٰ سی تقصیر سرزد ہوتے ہی قطع تعلق کر لیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَا تَوَادَّ اثْنَانِ فِي اللّٰهِ جَلَّ وَ عَزَّ، اَوْ فِي الْاِسْلَامِ، فَيُفَرِّقُ بَيْنَهُمَا اَوَّلُ ذَنْبٍ يُحْدِثُهُ اَحَدُهُمَا))

"جب دو آدمی محض اللہ عزوجل کے لیے (یا فرمایا کہ اسلام کی خاطر) آپس میں محبت کریں تو کسی ایک کی طرف سے کوئی خطا سرزد ہونے پر انہیں ترک تعلق نہیں کر لینا چاہیے۔"[1]

اسلام نے فطرتِ انسانی سے تغافل نہیں برتا ہے اور یہ ملحوظ رکھا ہے کہ بسا اوقات انسان غیظ و غضب کے جذبات کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کے جذبات میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے۔ اس لیے اس نے ایک حد مقرر کر دی ہے کہ اس مدت میں غیظ و غضب کی آگ سرد ہو جانی چاہیے۔ اس نے باہم تنازعہ کرنے والے مسلمانوں کے لیے کسی صورت میں یہ جائز نہیں قرار دیا ہے کہ اس مدت کے گزرنے کے بعد بھی ان میں سے کوئی ایک یا دونوں مصالحت اور تصفیہ کی طرف سبقت نہ کریں اور محبت،

---

[1] الادب المفرد

دوستی اور اتحاد و اتفاق کا ہاتھ نہ بڑھائیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ یَّھْجُرَ اَخَاہُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ اَیَّامٍ ' یَلْتَقِیَانِ فَیُعْرِضُ ھٰذَا وَ یُعْرِضُ ھٰذَا ' وَ خَیْرُھُمَا الَّذِیْ یَبْدَأُ بِالسَّلَامِ))

''کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ بولنا چھوڑ دے کہ دونوں کی ملاقات ہو تو یہ اِدھر منہ پھیر لے اور وہ اُدھر منہ پھیر لے۔ ان میں بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔'' ①

سچا اور ذکی الحس مسلمان وہ ہے جو اس صریح نص میں غور و فکر کرتا ہے۔ وہ اپنے بھائی سے تعلق منقطع کرنے اور لڑائی جھگڑا برقرار رکھنے کو برداشت نہیں کر سکتا' بلکہ وہ اس سے تعلقات استوار کرنے کی جدوجہد کرتا ہے اور اس سے دوستی کرنے اور سلام کرنے میں سبقت کرتا ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں میں بہتر اور صاحب فضیلت وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔ اگر دوسرے نے اس کے سلام کا جواب دیا تو دونوں مصالحت کے اجر میں شریک ہوں گے۔ لیکن اگر وہ جواب نہ دے تو سلام کرنے والا مقاطعہ اور ترک تعلق کے گناہ سے بری ہو جائے گا اور اس کا گناہ صرف سلام کا جواب نہ دینے والے پر پڑے گا۔ اس کی توضیح و تشریح سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

((لَا یَحِلُّ لِرَجُلٍ اَنْ یَھْجُرَ مُؤْمِنًا فَوْقَ ثَلَاثَةِ اَیَّامٍ ' فَاِذَا مَرَّتْ ثَلَاثَةُ اَیَّامٍ فَلْیَلْقَهُ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْهِ ' فَاِنْ رَدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ فَقَدِ اشْتَرَکَا فِی الْاَجْرِ' وَ اِنْ لَمْ یَرُدَّ عَلَیْهِ فَقَدْ بَرِیءَ الْمُسَلِّمُ مِنَ

① بخاری۔ کتاب الادب: باب الھجرۃ (ح ۶۰۷۷)
مسلم۔ کتاب البر والصلۃ: باب تحریم الھجر فوق ثلاثه ایام بلا عذر شرعی (ح ۲۵۶۰)

الْهِجُرَةِ))

''کسی آدمی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ کسی مؤمن سے تین دن سے زیادہ بولنا چھوڑ دے۔ جب تین دن گزر جائیں اور اس سے ملاقات ہو تو اسے سلام کرے۔ اگر وہ سلام کا جواب دے تو دونوں ثواب میں شریک ہوں گے۔ لیکن اگر وہ سلام کا جواب نہ دے تو سلام کرنے والا ترک تعلق کے گناہ سے بری ہو جائے گا۔''^(۱)

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جس قدر باہم لڑائی جھگڑا کرنے والوں میں مقاطعہ اور ترک تعلق کی مدت بڑھتی جائے گی اسی قدر گناہ میں بھی اضافہ ہوگا اور اتنی ہی سخت وعید ہوگی۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ هَجَرَ اَخَاهُ سَنَةً فَهُوَ كَسَفُكِ دَمِهِ))

''جو اپنے بھائی سے ایک سال تک تعلق منقطع رکھے تو گویا اس نے اس کا خون کیا۔'' (۲)

ایک حدیث میں قطع رحمی کرنے والے کو یوں وعید سنائی گئی ہے:

''کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن تک قطع تعلقی اختیار کرے۔ جس نے تین دن سے زائد قطع تعلقی اختیار کی پھر وہ مر گیا تو آگ میں داخل ہو گیا۔'' (۳)

اسلام نفوس کی تربیت کا جو طریقہ کار اختیار کرتا ہے وہ باہمی محبت' میل ملاپ' تعلق اور الفت پر مبنی ہے۔ اسی وجہ سے سچے مسلمان کی زندگی میں بغض و نفرت' حسد

---

(۱) ابوداود۔ کتاب الادب: باب فی هجرة الرجل اخاه (ح ۴۹۱۳) حدیث حسن' صحیح ابی داود لالبانی (ص ۳/ ۲۰۴)

(۲) ابو داود۔ کتاب الادب: باب فی هجرة الرجل اخاه (ح ۴۹۱۵) صحیح ابی داود للالبانی۔

(۳) صحیح سنن ابی داود للالبانی (ح ۴۹۱۴)

اور ترک تعلق کا دُور دُور تک شائبہ نہیں ہوتا۔ آخر اس کی زندگی میں یہ پست اخلاق کیسے جگہ پا سکتے ہیں؟ جب کہ وہ اپنے کانوں سے رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد عالی سنتا ہے جو ایسے بے مثل اور بہترین اخلاقی نظام پر دلالت کرتا ہے جیسا نظام انسانیت نے روز اول سے اب تک نہیں دیکھا:

((لَا تَقَاطَعُوا ، وَلَا تَدَابَرُوا وَلَا تَبَاغَضُوا ، وَلَا تَحَاسَدُوا وَكُونُوا اِخْوَانًا كَمَا اَمَرَكُمُ اللّٰهُ))

''آپس میں ایک دوسرے سے مقاطعہ نہ کرو' آپس میں ترک تعلق نہ کرو' آپس میں بغض و عداوت نہ رکھو' آپس میں حسد نہ کرو' اور بھائی بھائی بن کر رہو' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔'' ①

ایک اور روایت میں ہے:

((اِيَّاكُم وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيثِ ، وَلَا تَحَسَّسُوا ، وَلَا تَجَسَّسُوا ، وَلَا تَنَافَسُوا ، وَلَا تَحَاسَدُوا ، وَلَا تَبَاغَضُوا ، وَلَا تَدَابَرُوا ، وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا))

''بدگمانی سے بچو' کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔ لوگوں کے عیوب کی جستجو نہ کرو۔ لوگوں کی باتوں کی ٹوہ میں نہ رہو' حرص نہ کرو' آپس میں حسد نہ کرو' آپس میں بغض و عداوت نہ رکھو' آپس میں قطع رحمی نہ کرو اور اللہ کے بندوں کی طرح بھائی بھائی بن کر رہو۔'' ②

ایک روایت میں ہے:

((لَا تَحَاسَدُوا ، وَلَا تَنَاجَشُوا ، وَلَا تَبَاغَضُوا ، وَلَا تَدَابَرُوا ،

---

① مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب تحریم الظن والتجسس (ح ۲۵۶۳)

② بخاری۔ کتاب الادب: باب (یا ایها الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن) (ح ۶۰۶۶)

مسلم۔ حوالہ سابق۔

وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ، وَ كُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا، اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ، وَلَا يَخْذُلُهُ، وَلَا يَحْقِرُهُ، اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا۔ وَ يُشِيْرُ اِلٰى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ يَّحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ وَ مَالُهُ وَ عِرْضُهُ))

''آپس میں حسد نہ کرو، دوسرے کی بولی پر بولی نہ بولو[1] آپس میں بغض و عداوت نہ رکھو، آپس میں قطع رحمی نہ کرو، کسی دوسرے کے سودے پر اپنا سودا نہ پیش کرو اور اللہ کے بندوں کی طرح بھائی بھائی بن کر رہو۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرے، نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑے، نہ اس کو حقیر سمجھے۔ تقویٰ یہاں ہے۔ (یہ کہتے ہوئے آپ نے تین مرتبہ اپنے سینے کی طرف اشارہ فرمایا۔) آدمی کے لیے اتنی ہی برائی کافی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ ہر مسلمان پر مسلمان کا خون، اس کا مال اور اس کی آبرو حرام ہے۔''[2]

وہ مسلمان جو اس عالی ارشاد نبوی میں، جو محبت، ہمدردی، بھائی چارگی اور دیگر مکارم اخلاق پر مبنی ہے، غور و فکر کرتا ہے، وہ اپنے دل میں کسی سے بغض و عداوت نہیں رکھتا۔ بغض و عداوت تو وہ شخص رکھتا ہے جس کے دل میں مرض ہو، جس کے مزاج میں سختی اور سنگدلی ہو اور جس کی فطرت میں ٹیڑھ اور کجی ہو۔

اسی لیے ان سنگدلوں اور بے رحموں کے بارے میں سخت وعید آئی ہے جو اسلام کی اخلاقی شاہراہ سے انحراف کرتے ہیں، اسلام کی بشاشت و سماحت سے محروم ہیں اور مسلسل اپنے بھائیوں سے ترک تعلق کیے ہوئے ہیں۔ آخرت کے بارے میں ان کو

---

[1] یعنی بڑھا کر بولی بولے، لیکن خریدنے کی خواہش نہ ہو بلکہ دوسرے کو دھوکا دینا مقصود ہو۔

[2] مسلم۔ کتاب البروالصلة: باب تحریم ظلم المسلم و خذله واحتقاره (ح ۲۵۶۴)

زبردست تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ اللہ کی رحمت اور مغفرت سے محروم ہوں گے اور جنت کے دروازے ان کے لیے بند ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((تُفُتَحُ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَ يَوْمَ الْخَمِيْسِ ، فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا ، اِلَّا رَجُلًا كَانَتْ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ اَخِيْهِ شَحْنَاءُ ، فَيُقَالُ: اَنْظِرُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا ، اَنْظِرُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا ، اَنْظِرُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا))

''جنت کے دروازے ہر دوشنبہ اور جمعرات کے دن کھولے جاتے ہیں اور ہر اس بندے کی مغفرت کر دی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتا ہے، مگر اس شخص کی مغفرت نہیں ہوتی جس کے درمیان اور اس کے بھائی کے درمیان بغض و عداوت ہو اور کہا جاتا ہے: ان دونوں کو مہلت دو یہاں تک کہ دونوں صلح کر لیں، ان دونوں کو مہلت دو یہاں تک کہ دونوں صلح کر لیں، ان دونوں کو مہلت دو یہاں تک کہ دونوں صلح کر لیں۔'' [1]

جلیل القدر صحابی سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

((اَلَا اُحَدِّثُكُمْ بِمَا هُوَ خَيْرٌ لَكُمْ مِنَ الصَّدَقَةِ وَ الصِّيَامِ ؟ صَلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ ، اَلَا وَاِنَّ الْبِغْضَةَ هِيَ الْحَالِقَةُ))

''کیا میں تم کو اس چیز کے بارے میں نہ بتلاؤں جو تمہارے لیے صدقہ اور روزہ سے بہتر ہے؟ وہ ہے باہمی مصالحت۔ خبردار! بغض و عداوت (ثواب کو) ختم کرنے والی (خصلتیں) ہیں۔'' [2]

یہ ہے محبت واخوت پر مبنی اس دین کی روح کے بارے میں صحابی جلیل کی گہری اور عمیق نظر! (جن کے حسن تفکر اور بصیرت پر رسول کریم ﷺ کو پورا اعتماد تھا۔)

---

[1] مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب النهي عن الشحناء (ح ۲۵۶۵)

[2] ابوداود۔ کتاب الادب: باب في اصلاح ذات البين (ح ۴۹۱۹) ترمذی۔ کتاب صفة القيامة: باب (۵۶) في فضل صلاح ذات البين (ح ۲۵۰۹)

انہوں نے آپس میں بغض و عداوت کو عمل بیکار ہونے' اجر ضائع ہونے اور نیکیاں مٹ جانے کا سبب قرار دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ اپنے بھائی سے قطع تعلق کرنے والے مسلمان کے لیے باہمی مصالحت صدقہ اور روزہ سے بہتر ہے۔ کیونکہ مقاطعہ کرنے' ترک تعلق کرنے اور بغض و عداوت رکھنے سے عبادات کے ذریعہ سے حاصل کردہ نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔

ان کے ساتھ فراخ دلی اور عفو و درگزر سے کام لیتا ہے

حقیقی مسلمان کو جب اپنے بھائی پر کسی بات پر غصہ آتا ہے تو وہ غصہ کو دبا لیتا ہے۔ اسے معاف کرنے اور اس کی خطاؤں اور لغزشوں سے درگزر کرنے میں اپنی ہیٹی اور سبکی نہیں سمجھتا اور نہ اسے بخشنے میں اپنی ذلت اور عار محسوس کرتا ہے۔ بلکہ ایسا کرنے کو وہ حسنِ سلوک سمجھتا ہے جس سے اسے اللہ کا تقرب حاصل ہوتا ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نیکوکار بندوں کے لیے خاص کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ، وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾

(آل عمران : ۳/ ۱۳۴)

''جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں' ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں۔''

انسان بسا اوقات غصہ پر قابو پا لیتا ہے لیکن حقد و کینہ اور حسد کی آگ اس کے سینے میں بھڑکتی رہتی ہے۔ اس کا زبردست غصہ مشتعل اور بھڑکتے ہوئے بغض و کینہ میں بدل جاتا ہے اور ظاہری غیظ و غضب اندرونی حقد و کینہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ جب کہ غیظ و غضب اور ظاہری غصہ حقد و کینہ سے بہتر اور پاکیزہ ہے۔

سچا مسلمان' جس کی رگ رگ میں اس دین کی تعلیمات سرایت کر جاتی ہیں' کسی سے حقد و کینہ نہیں رکھتا نہ کسی سے حسد رکھتا ہے۔ بلکہ غصہ پر قابو پانے کے بعد دل میں کینہ رکھنے کے بجائے عفو و درگزر سے کام لیتا ہے اور معاف کر دیتا ہے۔ اس

طرح اس کا شمار نیکو کار لوگوں میں رہتا ہے۔

سچا مسلمان اپنے بھائی کے سلسلہ میں عفو و درگزر اور معافی کا رویہ اختیار کرتا ہے۔ وہ اپنے بھائی کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اور اسے محض اللہ کریم کے لیے معاف کر دیتا ہے' اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عزت اور بلندی کا خواہاں اور متمنی رہتا ہے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ کیا ہے:

((مَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا ' وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ))

''جس بندے نے عفو و درگزر سے کام لیا اللہ تعالیٰ نے اس کی عزت میں اضافہ کیا' اور جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کی اللہ تعالیٰ نے اسے رفعت و بلندی عطا کی۔'' [1]

فراخ دل اور عفو و درگزر سے کام لینے والے بندے کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے عزت اور سر بلندی حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ ''احسان'' کی صفت سے بھی متصف قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کا شمار ان ''نیکو کار لوگوں'' میں ہوتا ہے جو اللہ کو محبوب ہیں' اور وہ ان باعزت اور ممتاز لوگوں کے زمرہ میں شامل ہوتا ہے جن سے لوگ محبت کرتے ہیں۔ ذکی الحس' باشعور اور دینی تعلیمات و ارشادات کو سمجھنے والے مسلمان کے دل میں حسد و کینہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ کیونکہ وہ مغفرت الٰہی کے سلسلہ میں عفو و درگذر' اخلاص اور صاف دلی کی قدر و قیمت کا ادراک کرتا ہے۔

ان سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملتا ہے

ان سب چیزوں کے بعد مسلمان کے شایان شان یہ ہے کہ وہ خوش باطن' نیک نیت' صاف دل' ہنس مکھ اور ہشاش بشاش ہو اور اپنے بھائیوں سے شگفتہ روئی اور خندہ پیشانی سے ملاقات کرے' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں فرمایا ہے:

[1] مسلم۔ کتاب البر والصلۃ: باب استحباب العفو والتواضع (ح ۲۵۸۸)

((لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَلَوْ اَنْ تَلْقَى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ))

''کسی نیک کام کو حقیر نہ سمجھو' خواہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات ہی کیوں نہ ہو۔'' ①

معلوم ہوا کہ خندہ پیشانی اور چہرے کی بشاشت ایک اچھی خصلت ہے جس پر اسلام نے اکسایا ہے' اور اس کا شمار ان اعمال صالحہ میں کیا ہے جن پر ان کے کرنے والے کو اجر و ثواب ملتا ہے۔ اس لیے کہ صاف شفاف اور ہنس مکھ چہرہ پاکیزہ اور نظیف دل کا آئینہ دار ہوتا ہے' اور یہ ظاہر اور باطن کی پاکیزگی ان پسندیدہ اور نمایاں اخلاق میں سے ہے جنہیں اسلام سچے مسلمانوں میں دیکھنا چاہتا ہے۔

اسی لیے رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات میں سے یہ بھی ہے:

((تَبَسُّمُكَ فِيْ وَجْهِ اَخِيْكَ صَدَقَةٌ))

''تمہارا اپنے بھائی سے مسکرا کر ملنا صدقہ ہے۔'' ②

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جب دو مسلمان ملاقات کرتے اور آپس میں گفتگو کرتے ہیں تو ان میں سے جو خندہ پیشانی سے بات چیت کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کر دیتا ہے۔''

اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عادت تھی کہ وہ جب آپس میں ملتے تو مصافحہ کرتے اور جب کسی سفر سے واپس آتے تو معانقہ کرتے۔ ایسا کرنے میں ملنے والے بھائیوں کے درمیان محبت و الفت میں اضافہ ہوتا ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں شعبی سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ خیبر سے واپس لوٹے تو آپ ﷺ

---

① مسلم۔ کتاب البر و الصلة: باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء (ح ٢٦٢٦)

② ترمذی۔ کتاب البر والصلة: باب ماجاء فی طلاقة الوجه و حسن البشر (ح ١٩٧٠)

سے سیدنا جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ ملے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں چمٹا لیا' ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا ''مجھے نہیں معلوم کہ کس وجہ سے مجھے خوشی کا احساس ہو رہا ہے۔ جعفر کے (حبشہ سے واپس) آنے سے یا خیبر کے فتح ہونے سے۔'' دوسری روایت میں اضافہ ہے کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں چمٹا لیا اور گلے لگا لیا۔''[1]

اسلام نے ملاقات کے وقت سلام کرنے مصافحہ کرنے' اور معانقہ کرنے کو پسندیدہ قرار دیا ہے' تاکہ دلوں میں باہم محبت کے اسباب برقرار رہیں اور ان کا رشتہ قوی اور مستحکم ہو' اور اہل ایمان کے درمیان بھائی چارگی اور اخوت کے رشتے مزید مضبوط اور پائدار ہوں۔ انھی تعلیمات وارشادات پر عمل پیرا ہو کر اسلامی معاشرہ اسلام کو زندہ رکھ سکتا ہے اور زندگی میں اس کے پیغام کی ذمہ داریوں کو سرانجام دے سکتا ہے۔

ان کی خیر خواہی کرتا ہے

سچا مسلمان خیر خواہ ہوتا ہے اللہ کا' اس کی کتاب کا' اس کے رسول کا' مسلمانوں کے ائمہ کا اور عام مسلمانوں کا۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ قُلْنَا: لِمَنْ ؟ قَالَ: لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَ عَامَّتِھِمْ))

''دین خیر خواہی کا نام ہے۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''کس کے لیے؟'' فرمایا: ''اللہ کے لیے' اس کی کتاب کے لیے' اس کے رسول کے لیے' مسلمانوں کے ائمہ کے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے۔''[2]

اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ مسلمان اپنے بھائیوں کا خیر خواہ ہوتا ہے۔ نہ انہیں دھوکا دیتا ہے اور نہ ان کے ساتھ مکر و فریب کرتا ہے۔

---

[1] طبقات ابن سعد: ۴/۳۴۔

[2] [illegible] کتاب الایمان: باب بیان ان الدین النصیحۃ (ح ۵۵)

ذکی الحس مسلمان کی دانست میں خیر خواہی اسلام کے ان بنیادی اصولوں میں سے ہے جن پر عہد اول کے مسلمان رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرتے تھے۔ اس کی تائید وتوثیق سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے:

((بَایَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلٰی اِقَامِ الصَّلَاةِ ' وَ اِیْتَاءِ الزَّکَاةِ ' وَالنُّصْحِ لِکُلِّ مُسْلِمٍ))

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز قائم کرنے' زکوۃ دینے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت کی۔'' ①

اس سے پہلے کی حدیث میں ہم نے دیکھا کہ رسول کریم ﷺ نے دین کی تعبیر صرف ایک کلمہ سے فرمائی اور وہ ہے: ''خیر خواہی'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خیر خواہی دین کا اصل محور اور اس کی مستحکم اور راسخ بنیاد ہے۔ اس کے بغیر آدمی کا ایمان صحیح ہوتا ہے نہ اسلام میں درستی آتی ہے۔ رسول کریم ﷺ کے اس فرمان سے اس کی تصدیق ہوتی ہے:

((لَا یُوْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ))

''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔'' ②

اور کوئی شخص جو اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی اپنے بھائی کے لیے اسی وقت پسند کرسکتا ہے جب اس سے محبت کرتا ہو اور اس کا خیر خواہ ہو۔

اس میں شک نہیں کہ یہ کام انتہائی مشکل اور دشوار ہے کہ آدمی اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے' لیکن اگر انسان کے دل میں یہ بات بیٹھ

---

① بخاری۔ کتاب الایمان: باب قول النبی ﷺ ''الدین النصیحة'' (ح ۵۷)
مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۵۶)

② بخاری۔ کتاب الایمان: باب من الایمان ان یحب لاخیه مایحب لنفسه (ح ۱۳)
مسلم۔ کتاب الایمان: باب الدلیل علی ان من خصال الایمان ان یحب لاخیه (ح ۴۵)

جائے کہ جو چیز اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی اپنے بھائی کے لیے پسند کرنا ایمان کی شرائط میں سے ایک شرط ہے اور یہ کہ دین خیر خواہی کا نام ہے تو ایسا کرنا کوئی محال نہیں' بلکہ یہ چیز فطری ہو جائے گی' اور حقیقی اور سچا مسلمان' جس کے دل میں اسلام کی بشاشت رچ بس گئی ہو' بے کھٹکے اسے انجام دے گا۔

ہماری تاریخ ماضی میں بھی اور حال میں بھی ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے کہ مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے وہی پسند کرتے ہیں جو اپنے لیے پسند کرتے ہیں۔ اس موقع پر مجھے ایک مثال یاد آ رہی ہے جسے بڑے بوڑھے شام کے تاجروں کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔ شام میں تاجروں کا الگ الگ بازار ہوتا تھا' جیسے عطر فروشوں کا بازار' رنگ ریزوں کا بازار' درزیوں کا بازار' اسی طرح کے اور دیگر قدیم پختہ بازار تھے۔ ان میں جب ایک تاجر کے پاس کوئی گاہک آتا اور کوئی سامان خرید لیتا' پھر دوسرا گاہک آتا اور اس کے پڑوسی تاجر کی اب تک بوہنی نہ ہوئی ہوتی تو وہ تاجر اپنے گاہک سے نرمی سے کہتا کہ جاؤ' تمہیں جو کچھ لینا ہو میرے پڑوسی سے لے لو۔ اس لیے کہ میں بوہنی کر چکا ہوں اور اس نے اب تک بوہنی نہیں کی ہے۔

اللہ اکبر! اس اخوت اور اس ہمدردی کے زیر سایہ زندگی کتنی خوش گوار' کتنی پر لطف اور کتنی فرحت بخش اور روح پرور معلوم ہوتی ہے۔ اس کے تحت زندگی گزارنے والے کتنے خوش نصیب اور نیک بخت لگتے ہیں۔ جب ان میں اسلامی روح موجزن ہوتی ہے اور ان کے معاملات پر اسلامی قدروں کی حکمرانی رہتی ہے اس وقت وہ لوگ ایسی بلندی اور رفعت کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں جس تک انسان صرف اسی صورت میں پہنچ سکتا ہے کہ اس دین کے سایہ میں آ جائے جس نے یہ تعلیم دی ہے کہ دین خیر خواہی کا نام ہے اور آدمی اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے دراصل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استفادہ کیا تھا:

((اَلْمُؤمِنُ مِرْاَۃُ اَخِیْہِ ، وَالْمُؤمِنُ اَخُوالْمُؤمِنِ ، یَکُفُّ عَلَیْہِ ضَیْعَتَہُ وَ یَحُوطُہُ مِنْ وَرَائِہِ))

''مومن اپنے بھائی کے لیے آئینہ ہے۔ مومن مومن کا بھائی ہے۔ وہ اس کی جائداد کی حفاظت کرتا ہے [۱] اور اس کے پیچھے اس کی نگرانی کرتا ہے۔'' [۲]

جس طرح اشیا کی متعین خاصیتیں ہوتی ہیں اور ان سے انھی کا ظہور ہوتا ہے' اسی طرح سچے اور حقیقی مسلمان سے بھی اپنے بھائی کے سلسلے میں اسی بلند اور پاکیزہ کردار کا اظہار ہوتا ہے۔

وہ اگر چاہے بھی کہ اس کے علاوہ دوسرا موقف اپنائے تو ویسا نہیں کرسکتا۔ اس لیے کہ جو شخص اس بلند اور درخشاں افق میں زندگی گزارتا ہے وہ اپنے رویہ میں شخصی مفاد' انانیت اور ذاتی منفعت کے پست درجے تک نہیں گر سکتا۔ پیالہ سے وہی چھلکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے۔ پھول سے خوشبو ہی پھوٹتی ہے۔ اچھی زمین سے اچھا پودا ہی اگتا ہے۔ شاعر [۳] نے کیا خوب کہا ہے:

وَ هَلْ یُنْبِتُ الْخَطِّیَّ اِلَّا وَشِیْجُهُ
وَ تُغْرَسُ اِلَّا فِیْ مَنَابِتِهَا النَّخْلُ

''خطی کے درخت سے نیزے بنانے والی لکڑی ہی حاصل ہوتی ہے اور نخلستان میں کھجور کے درخت ہی اگتے ہیں۔''

حسنِ سلوک اور وفاداری کو اپنا شعار بناتا ہے

اسلام اپنے فرزندوں کو وفاداری اور دوستوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور نیک برتاؤ کا عادی بنا دیتا ہے اور اسے ان کی فطرت میں پیوست کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ

---

[۱] یعنی اس کی جائداد کو ضائع اور ہلاک ہونے سے بچاتا ہے اور اس کی نگرانی کرتا ہے۔

[۲] ابوداود۔ کتاب الادب: باب فی النصیحة والحیاطة (ح ۴۹۱۸)

[۳] یہ جاہلی شاعر زہیر بن ابی سلمٰی ہے۔

ان کا حسنِ سلوک باپ کے دوستوں تک وسیع ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے ''مسلمان کا تعلق اپنے والدین کے ساتھ'' کے باب میں ذکر کر چکے ہیں۔ اس سے وفاداری کی فضیلت اور اخوت ومحبت اور دوستی کے رشتے کی عظمت کا احساس ہوتا ہے۔ سلف کی کتابوں میں حسنِ سلوک اور وفاداری کی ایسی بہترین مثالیں ہیں جنہیں سلف نے اپنی زندگیوں میں نافذ کر کے دکھایا' اور انہوں نے اپنے اخلاق سے ثابت کر دکھایا کہ وہ واقعی بہترین امت ہیں جنہیں لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے۔

امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں سیدنا ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اَبَرَّ الْبِرِّ اَنْ یَصِلَ الرَّجُلُ وُدَّ اَبِیْهِ))

''بڑی نیکی تو یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔'' ①

سیدنا عبداللہ بن دینارؒ سے روایت ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو راستے میں ایک بدو ملا۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے اسے سلام کیا اور جس گدھے پر سوار تھے اس پر اسے بھی سوار کیا اور جو عمامہ اپنے سر پر باندھے ہوئے تھے اسے دے دیا۔'' ابن دینارؒ کہتے ہیں کہ ہم نے ان سے عرض کیا: ''اللہ آپ کا بھلا کرے' یہ تو بدو ہیں' ذرا سی چیز پا کر خوش ہو جاتے ہیں۔'' جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''اس کے والد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دوست تھے اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

((اِنَّ اَبَرَّ الْبِرِّ صِلَةُ الرَّجُلِ اَهْلَ وُدِّ اَبِیْهِ))

''نیکیوں میں سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔'' ②

خود رسول کریم ﷺ دوستی کا لحاظ کرنے کی کوشش کرتے تھے' جس سے ام

① مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب فضل صلة اصدقاء الاب والام (ح ۲۵۵۲)

② مسلم۔ حوالہ سابق

المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اندر رشک کے جذبات ابھرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے تھے' جس سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو رشک اور غیرت آتی تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خود بیان کرتی ہیں:

''مجھے جتنا رشک خدیجہ (رضی اللہ عنہا) پر آتا تھا اتنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی پر نہیں آیا۔ میں نے انہیں کبھی نہیں دیکھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا بکثرت ذکر فرماتے تھے۔ جب کبھی کوئی بکری ذبح کرتے تو اس کے بہت سے ٹکڑے کرتے' پھر انہیں خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کی سہیلیوں میں بھیج دیتے۔ بعض مرتبہ میں آپ سے کہتی: ''ایسا لگتا ہے کہ دنیا میں خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے علاوہ کوئی عورت ہی نہیں۔'' تو آپ فرماتے: ''وہ ایسی تھی اور ایسی تھی (یعنی ان کے محاسن بیان کرتے) اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی سے اولاد عطا کی۔'' [۱]

ایک روایت میں ہے کہ:

((اِنْ كَانَ لَيَذْبَحُ الشَّاةَ' فَيُهْدِي فِي خَلَائِلِهَا مِنْهَا مَا يَسَعُهُنَّ))

''اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بکری ذبح کرتے تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں میں اتنا بھیجتے جو ان کے لیے کافی ہوتا۔'' [۲]

یہ وفا کا سب سے بلند درجہ ہے۔ اس کا دائرہ باپ کے دور کے دوستوں اور متوفیہ بیوی کے دور کے عزیزوں اور سہیلیوں تک وسیع ہے۔ پھر آخر قریب کے دوستوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور کرم و سخاوت کی کتنی تاکید ہوگی؟

اسلامی شریعت میں محبت' خیر خواہی' حسنِ سلوک اور وفاداری کے تقاضوں میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے بھائی کی ہر حال میں مدد کرے۔ اس کی مدد کرے اگر وہ

---

[۱] ابوداود۔ کتاب الادب: باب فی برالوالدین (ح ۵۱۴۲)

[۲] بخاری۔ کتاب مناقب الانصار: باب تزویج النبی صلی اللہ علیہ وسلم خدیجة و فضلها رضی اللہ عنہا (ح ۳۸۱۸)

مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة: باب من فضائل خدیجة رضی اللہ عنہا (ح ۲۴۳۵)

حق پر ہو۔ اس کے شانہ بشانہ چل کر اس کا تعاون کرے، اس کا ہاتھ بٹائے اور اس کا دفاع کرے۔ اسی طرح اس کی مدد کرے۔ اگر وہ حق پر نہ ہو تو اسے روکے، اس کو نصیحت کرے اور باطل کی دلدل میں پھنسنے اور ظلم کے گڑھے میں گرنے سے باز رکھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اسی کی طرف دعوت دی ہے:

((لِيَنْصُرَ الرَّجُلُ أَخَاهُ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا، إِنْ كَانَ ظَالِمًا فَلْيَنْهَهُ فَإِنَّهُ لَهُ نَصْرٌ، وَإِنْ كَانَ مَظْلُومًا فَلْيَنْصُرْهُ))

''آدمی کو چاہیے کہ اپنے بھائی کی مدد کرے، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ اگر ظالم ہو تو اس کو ظلم سے باز رکھے یہی اس کی مدد ہے، اور اگر مظلوم ہو تو اس کی مدد کرے۔'' [1]

سچا مسلمان اپنے بھائی سے دست بردار نہیں ہوتا، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ اس لیے کہ اسلام نے اسے یہ تعلیم دی ہے کہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور چونکہ مسلمان اپنے لیے ظالم یا مظلوم ہونا کبھی پسند نہیں کرے گا اس لیے وہ اپنے بھائی کے لیے بھی اسے کبھی نہیں پسند کرے گا۔ چنانچہ وہ اپنے بھائی کے پہلو میں کھڑا ہوتا ہے۔ اگر وہ مظلوم ہو تو اس کی مدد کرتا ہے اور اس کا دفاع کرتا ہے اور اگر وہ ظالم ہو تو اس کے پہلو میں کھڑے ہو کر اس کو ظلم سے باز رکھتا ہے۔ اور رب، ذوالجلال کی قسم! یہی سچی خیر خواہی ہے اور یہی بے لوث حسنِ سلوک ہے۔ یہ دونوں خصلتیں ایسی ہیں کہ جن سے سچا، حسنِ سلوک کرنے والا، وفا دار اور اپنی زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے والا مسلمان ہر زمانہ میں اور ہر جگہ آراستہ رہتا ہے۔

اپنے بھائیوں کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے

حقیقی مسلمان، جو دین کے احکام اور دینی قدروں پر عمل پیرا ہوتا ہے، اپنے بھائیوں کے ساتھ لطف و مہربانی اور خوش مزاجی کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے، ان کے

[1] مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب نصر الاخ ظالما او مظلوما (ح ۲۵۸۴)

ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے' ان سے محبت کرتا ہے' اور وہ لوگ بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ ان سب کاموں میں وہ اسلامی تعلیمات سے استفادہ کرتا رہتا ہے جو کہ مکارمِ اخلاق پر ابھارتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ (المائدہ ۵/ ۵۴)

''وہ مؤمنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے۔''

مندرجہ بالا آیت میں اہل ایمان کے اپنے بھائیوں کے ساتھ مہربانی' تواضع' معاملات میں اچھا برتاؤ اور لطف و کرم کے انتہائی درجہ کا معاملہ کرنے کو ''نرمی'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے بھی اپنے ارشادات عالیہ میں نرمی کو مسلمان کے سامنے اس قدر پسندیدہ اور محبوب بنا کر پیش کیا ہے کہ اسے زندگی میں ہر چیز کی زینت قرار دیا ہے۔ فرمایا:

((اِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُوْنُ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا زَانَهُ ' وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا شَانَهُ))

''جس چیز میں نرمی ہوتی ہے وہ اسے زینت بخشتی ہے اور جس چیز سے نرمی نکل جاتی ہے اسے عیب دار اور بدنما کر دیتی ہے۔'' [1]

مسلمان کی نگاہوں میں رسول کریم ﷺ کی شخصیت نمایاں ہوتی ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ آپ کی پاک سیرت پوری کی پوری نرمی' خوش اخلاقی اور عالی ظرفی کی آئینہ دار ہے۔ آپ نے کبھی ایک دن بھی کوئی فحش کلمہ زبان سے نہیں نکالا' نہ کسی مسلمان پر لعن طعن کیا اور نہ کسی کو گالی دی اور نہ برا بھلا کہا۔ آپ کے خادم اور ہر وقت آپ کے ساتھ رہنے والے صحابی سیدنا انس رضی اللہ عنہ آپ کے عظیم اخلاق بیان کرتے ہوئے کہتے

---

[1] مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب فضل الرفق (ح ۲۵۹۴)

ہیں:

((لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاحِشًا وَلَا لَعَّانًا وَلَا سَبَّابًا ، كَانَ يَقُوْلُ عِنْدَ الْمَعْتَبَةِ: مَالَهُ تَرِبَ جَبِيْنُهُ))

''رسول اللہ ﷺ نہ فحش گوئی کرتے تھے' نہ لعن طعن کرتے تھے' نہ برا بھلا کہتے تھے۔ اگر کسی کو عتاب کرنا ہوتا تو فرماتے: ''اسے کیا ہو گیا ہے؟ اس کی پیشانی غبار آلود ① ہو۔'' ②

ان کی غیبت نہیں کرتا

سچا اور حقیقی مسلمان اپنے بھائیوں اور دوستوں کے عیوب کو راز میں رکھتا ہے اور ان کی غیبت نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ غیبت نص قرآنی سے حرام ہے:

﴿وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ﴾ (الحجرات: ۴۹/ ۱۲)

''اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے؟ دیکھو! تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔''

قرآن کریم نے غیبت کرنے والے کی جو بھیانک تصویر کھینچی ہے (کہ وہ اپنے بھائی کی غیر موجودگی میں اپنے منہ سے جو کلمات کہتا ہے تو گویا اپنے مردار بھائی کا گوشت کھاتا ہے) اسے سن کر اسلامی آداب اختیار کرنے والے اور اسلامی اخلاق کے سرچشمہ سے سیرابی و آسودگی حاصل کرنے والے ذکی الحس مسلمان پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ چنانچہ وہ تقویٰ کی طرف سبقت کرتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے آیت کے

---

① اس عبارت کی شرح میں کہا گیا ہے کہ اس سے نبی کریم ﷺ کی مراد کثرت سجود کی دعا ہے۔ کیونکہ اس میں اس کی ہدایت اور اصلاح ہے۔ یعنی آپ مخاطب کو فرماتے کہ اللہ کرے تو کثرت سے اپنے رب کے حضور سجدے کرنے والا بن جائے!

② بخاري۔ كتاب الادب: باب ماينهى من السباب واللعن (ح ۶۰۴۶)

آخر میں حکم دیا ہے' اور اگر کبھی غیبت میں ملوث ہو جاتا ہے تو فوراً اخلاص کے ساتھ سچی توبہ کرتا ہے اور اپنی زبان روک لیتا ہے' اور اپنے بھائیوں کے بارے میں صرف خیر ہی کے کلمات زبان سے نکالتا ہے۔ وہ ہمیشہ رسول کریم ﷺ کا یہ فرمان یاد رکھتا ہے:

((اِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ ' وَ اِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ فَقَدْ بَهَتَّهُ))

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جانتے ہو غیبت کسے کہتے ہیں؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''اللہ اور اس کا رسول زیادہ (بہتر) جانتے ہیں۔'' فرمایا: ''غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کے بارے میں اس کی پیٹھ پیچھے ایسی بات کہو جو اسے ناپسند ہو۔'' کسی نے عرض کیا: ''اگر میرے بھائی میں وہی بات موجود ہو جو میں کہہ رہا ہوں تو کیا یہ بھی غیبت ہو گی؟'' فرمایا: ''جو کچھ تم اس کے بارے میں کہہ رہے ہو اگر وہ اس میں موجود ہے تو یہی تو غیبت ہے' اور اگر اس میں (تمہاری بیان کردہ خصلت و بات) موجود نہیں ہے تو یہ بہتان ہو گا۔'' ①

متقی مسلمان کھلی غیبت اور خفیہ دونوں سے اجتناب کرتا ہے اور پوری کوشش کرتا ہے کہ وہ کسی حال میں ''اپنے بھائی کا گوشت کھانے والا'' نہ ہو۔ اسی طرح وہ اپنی زبان پر قابو رکھتا ہے تاکہ وہ اسے جہنم میں لے جانے کا سبب نہ بنے' جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو تنبیہ فرمائی۔ آپ نے اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر (سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے) فرمایا: ''اس کو روکو۔'' سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے نبی! کیا ہماری گفتگو کا بھی ہم سے مواخذہ ہو گا؟'' نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ ' وَهَلْ يُكَبُّ النَّاسُ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوهِهِمْ ' اَوْ قَالَ: عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ ' اِلَّا حَصَائِدَ اَلْسِنَتِهِمْ))

''تمہاری ماں تم پر روئے' لوگ جہنم کی آگ میں اپنے چہرے کے بل (یا فرمایا کہ اپنے نتھنوں کے بل) اسی زبان کی بدولت گرائے جائیں گے۔'' ②

---

① مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب تحريم الغيبة (ح ۲۵۸۹)

② ترمذی۔ کتاب الایمان: باب ماجاء فی حرمة الصلاة (ح ۲۶۱۶)
ابن ماجه۔ کتاب الفتن: باب كف اللسان فی الفتنة (ح ۳۹۷۳)

کسی کے پیٹھ پیچھے اس کی برائی بری عادت ہے۔ یہ مردوں میں نہیں پائی جاتی' بلکہ مردوں سے مشابہ دو چہرے رکھنے والے ان بزدل لوگوں میں پائی جاتی ہے جو لوگوں کے سامنے آتے ہیں تو اپنے بھائیوں اور دوستوں کی غیبت کرتے ہیں' مگر جب ان کے سامنے آتے ہیں تو ہنس ہنس کر اور خندہ پیشانی سے ملتے ہیں اور دوستی اور محبت ومودت کا اظہار کرتے ہیں۔ حقیقی مسلمان غیبت اور گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے سے کوسوں دور رہتا ہے۔ کیونکہ اسلام نے اسے مردانگی سکھائی ہے' استقامت کی تلقین کی ہے' قول وعمل میں تقویٰ کو پسندیدہ قرار دیا ہے اور نفاق' رنگ بدلنے اور تذبذب میں رہنے کو ناپسند قرار دیا ہے۔ اسلام نے مسلمان کو ان خصلتوں سے شدید نفرت دلائی ہے۔ چنانچہ دو چہرے والے شخص کو اللہ کے نزدیک بہت برے لوگوں میں سے قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((تَجِدُ مِنْ شِرَارِ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ اللّٰهِ ذَا الْوَجْهَيْنِ ' الَّذِیْ يَأْتِی هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ ' وَ هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ))

''قیامت کے دن اللہ کے نزدیک لوگوں میں سب سے برا شخص وہ ہو گا جو دو چہرے رکھتا ہو۔ کچھ لوگوں کے پاس ایک چہرے سے جاتا ہو اور کچھ لوگوں کے پاس دوسرے چہرے سے۔''[1]

حقیقی مسلمان صرف ایک چہرہ رکھتا ہے' نہ کہ دو چہرے۔ اس کا چہرہ نیر وتاباں' درخشاں' روشن اور واضح ہوتا ہے۔ وہ اپنے چہرے کے ساتھ صرف خاص لوگوں سے نہیں ملتا' بلکہ تمام لوگوں سے ملتا ہے۔ کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ دو چہرے رکھنا بعینہٖ نفاق ہے اور اسلام اور نفاق کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے' اور دو چہرے رکھنے والا شخص منافق ہے اور منافق جہنم میں سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔

---

[1] بخاری۔ کتاب الادب: باب ماقیل فی ذی الوجھین (ح ۶۰۵۸)
مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب ذم ذی الوجھین (ح ۹۸/ ۲۵۲۶)

تنازعہ' بے جا ہنسی مذاق اور وعدہ خلافی کرنے سے اجتناب کرتا ہے

حقیقی مسلمان اپنے بھائیوں اور دوستوں سے بے مقصد اور فضول لڑائی جھگڑا اور تنازعہ کر کے انہیں پریشانی میں مبتلا نہیں کرتا' نہ ان سے بے جا ہنسی مذاق کر کے انہیں دق کرتا ہے اور نہ ہی ان سے کوئی وعدہ کر کے خلاف ورزی کرتا ہے۔

اس لیے کہ لڑائی جھگڑے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور بے جا ہنسی مذاق بیشتر اوقات نفرت اور کراہیت تک پہنچا دیتا ہے اور اس سے وقار مجروح ہوتا ہے اور وعدہ خلافی سے نفوس میں کدورت آ جاتی ہے اور دلوں سے محبت نکل جاتی ہے۔ اس لیے سچا مسلمان ان سب چیزوں سے بہت دور رہتا ہے۔

فیاضی اور ایثار سے کام لیتا ہے

حقیقی مسلمان سخی اور فیاض ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ کشادہ اور کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے بھائیوں اور دوستوں پر پوری سخاوت سے خرچ کرتا ہے۔ اور یہ چیز بدیہی اور عیاں ہے کہ اس کے تمام دوست اہل ایمان اور متقی ہوتے ہیں' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا ' وَلَا يَاْكُلْ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِيٌّ))

''صرف مؤمن کو اپنا رفیق اور ساتھی بناؤ اور تمہارا کھانا صرف متقی ہی کھانے پائے۔''[1]

اس ارشاد نبوی سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے باشعور مسلمان سخاوت و فیاضی کے موقعوں' مناسبتوں اور اسباب و محرکات سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ صرف اہل ایمان اور متقی بھائیوں اور دوستوں کا اعزاز و اکرام کرتا ہے اور ان پر پوری سخاوت سے مال خرچ کرتا ہے' اور سرکش ملحدین اور معاشرہ کے کمینہ اور ذلیل لوگوں

---

[1] ابو داود۔ کتاب الادب: باب من یومران یجالس (ح ۴۸۳۲)
ترمذی۔ کتاب الزھد: باب ماجاء فی صحبة المومن (ح ۲۳۹۵)

کے شر سے بچنے کے لیے یا اگر وہ صاحب اقتدار ہوں تو ان کا تقرب حاصل کرنے کی خاطر ان کے لیے ''دودھ دینے والی گائے'' بننے پر تیار نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ لوگ دین دار' سادہ لوح اور فیاض لوگوں کا استحصال کرنے اور ان سے بے جا فائدہ اٹھانے سے نہیں چوکتے' اور وہ ان کے پر تکلف دستر خوانوں پر جٹے رہتے ہیں اور اس سخاوت پر اپنے جی ہی جی میں ہنستے رہتے ہیں جس کا سادہ لوح لوگ بے محل اہتمام کرتے ہیں۔

باشعور مسلمان فیاض اور سخی ہوتا ہے' لیکن اس کی سخاوت موقع و محل کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ سخاوت کا شمار اسلام کے بنیادی اخلاق میں ہوتا ہے جس سے سخاوت کرنے والے کو جمال' زینت اور سر بلندی حاصل ہوتی ہے اور وہ لوگوں کے درمیان محبوب ہو جاتا ہے اور لوگ اس سے قریب ہو جاتے ہیں۔ یہ بلند خصلت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں پوری طرح راسخ تھی اور ان کے نزدیک اس سے آراستہ ہونا سب سے محبوب اور پسندیدہ نیک عمل تھا۔

اس لیے کہ کھانے پر ایسی دوستانہ ملاقاتیں بھائیوں اور دوستوں کے درمیان محبت کے تعلقات کو مستحکم کرتی ہیں' ان میں ہمدردی و مہربانی کی روح کو تقویت پہنچاتی ہے اور ان کی زندگی میں انسانی جذبہ کو پروان چڑھاتی ہیں۔ جب کہ جدید مادی تہذیب کے زیر سایہ زندگی گزارنے والا انسان ان سے یکسر محروم رہتا ہے۔ وہ صرف اپنی ذات سے دلچسپی رکھتا ہے اور صرف اپنا مفاد پیش نظر رکھتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ وہ روحانیت سے بے بہرہ اور جذبات سے عاری ہوتا ہے' جس کی وجہ سے دوستی اور مخلص دوستوں سے محرومی کا شدت سے احساس کرتا ہے۔ آج مغرب میں کتے پالنے' ان کے ساتھ گھل مل کر رہنے اور ان سے دلچسپی رکھنے کا جو رواج ہم دیکھتے ہیں دراصل وہ بدل ہے انسانی جذبہ کی سیرابی سے محرومی اور فقدان کا' جس کے سوتوں کو اس مادی فلسفہ نے خشک کر دیا ہے' جسے اس نے اپنا دین اور اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے۔

ایک فرانسیسی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرانس میں تقریباً ستر لاکھ کتے ہیں' جب کہ وہاں کے باشندوں کی تعداد پانچ کروڑ بیس لاکھ ہے۔ یہ کتے اپنے مالکوں کے

ساتھ اس طرح رہتے ہیں گویا ان کے رشتہ دار ہوں۔ پیرس کے ہوٹلوں میں یہ بات کوئی عجیب وغریب نہیں کہ کتے اور اس کے مالک دونوں کو ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے ہوئے دیکھا جائے۔ پیرس میں انجمن تحفظ حیوانات کے ایک ذمہ دار سے جب سوال کیا گیا کہ فرانس کے لوگ کتوں کے ساتھ انسانوں جیسا معاملہ کیوں کرتے ہیں تو اس نے جواب دیا:

''کیونکہ وہ لوگ محبت کرنا چاہتے ہیں' لیکن انسانوں کے درمیان انہیں کوئی ایسا نہیں ملتا جس سے محبت کریں۔''

مادی انسان...... خواہ مغرب کا رہنے والا ہو یا مشرق کا...... اپنے معاشرہ میں کوئی وفادار اور محبت کرنے والا دوست نہیں پاتا کہ اس پر اپنی محبت اور جذبات قربان کر دے۔ چنانچہ اپنے اس جذبہ کی تسکین کے لیے اس نے حیوانات کی طرف رخ کیا' جن میں کہ اس نے اپنے اردگرد کے لوگوں سے زیادہ محبت اور وفاداری محسوس کی۔ کیا اس کے بعد بھی انسان کی کوئی پستی ہوسکتی ہے کہ وہ جانوروں سے انسیت اور دوستی رکھے اور ان کے ساتھ اس کا اٹھنا بیٹھنا ہو؟ نور ہدایت سے محروم ہونے اور نعمت ایمان سے بے بہرہ ہونے کے بعد اس سے بڑھ کر گراوٹ و پستی اور کیا ہوسکتی ہے؟؟!

اس جذباتی پستی نے' جس میں مغرب کا انسان مبتلا ہو گیا ہے اور جس نے اس کے نفس میں انسانی شعور کے سرچشموں کو خشک کر دیا ہے' مجلّہ ''المہاجر'' کے ادیبوں کو متوجہ کیا (خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم) انہوں نے مغرب کی مادی زندگی کا مشاہدہ کیا جس نے مغربی معاشروں میں ''انسان'' کو نابود کر دیا ہے اور اسے ایک مشین بنا دیا ہے۔ وہ زندگی میں محنت' پیداوار اور کسبِ معاش کی زبردست دوڑ کے علاوہ کچھ نہیں جانتا۔ نہ اس کا دل کسی دوست سے ملاقات ہونے پر ہشاش بشاش ہوتا ہے' نہ ہی کسی ساتھی کی ملاقات سے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آتی ہے' بلکہ وہ ہر چیز سے غافل اور بے پروا عجلت' مشین اور کاموں کے انبار میں کھویا رہتا ہے۔ جب ان ادیبوں نے یہ دیکھا تو وہ ششدر رہ گئے۔ ان لوگوں نے تو اسلام کے دیار میں پرورش پائی تھی' اس کی

روحانیت کی کھلی فضاؤں میں سانس لی تھی اور ان کے دل برادرانہ محبت و الفت سے معمور تھے۔ چنانچہ انہوں نے مغرب کے باشندوں کو پوری حرارت اور گرم جوشی کے ساتھ محبت' بھائی چارگی اور میل ملاپ کی طرف دعوت دی۔ مندرجہ ذیل اشعار میں شاعر نے اسی دعوت انسانی کا پیغام دیا ہے۔ وہ مغربی انسان کو آواز دیتا ہے جس کے دل پر مادیت کا تسلط ہو گیا' جس کی نگاہوں کو تہذیب جدید کی روشنی نے خیرہ کر دیا ہے' اور جس کے کانوں کو مشینوں کی گڑگڑاہٹ نے بہرہ کر دیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

یَا ابنَ وُدِّیْ! یَا صَاحِبِیْ! یَا رَفِیْقِیْ!
لَیسَ حُبِّیْ تَطَفُّلًا اَوْ ثِقَالَةً
فَاَجِبْنِیْ "بِیَا اَخِیْ" یَا صَدِیْقِیْ
وَ اَعِدْ اِنَّهَا اَلَذُّ مَقَالَهْ
وَ اِذَا شِئْتَ اَنْ تَسِیْرَ وَحِیْدًا
وَ اِذَا مَا اعْتَرَتْكَ مِنِّیْ مَلَالَةٌ
فَامْضِ لٰکِنَّمَا سَتَسْمَعُ صَوْتِیْ
صَارِخًا "یَا اَخِیْ" یُؤَدِّیْ الرِّسَالَةْ
وَ سَیَاْتِیْكَ اَیْنَ کُنْتَ صَدیٰ حُبِّیْ
فَتَدْرِیْ جَمَالَهٗ وَ جَلَالَهْ

① ''اے میرے دوست! اے میرے ساتھی! اے میرے رفیق! میری محبت کوئی بچکانہ حرکت یا بھاری بوجھ نہیں ہے۔

② تم مجھے بھی کہو: ''اے میرے بھائی'' ''اے میرے دوست'' اور بار بار کہو۔ یہ کتنا فرحت آگیں اور لذت بخش کلمہ ہے۔

③ اور اگر تم تنہا ہی رہنا چاہتے ہو اور تمہیں میری طرف سے کوئی ملال ہے۔

④ تو جاؤ' مگر عنقریب میری آواز ''اے میرے بھائی'' تمہارا تعاقب کرے گی اور تم تک پیغام پہنچا کر رہے گی۔

⑤ تم جہاں بھی رہو گے میری محبت کی بازگشت تمہیں سنائی دے گی اور تم اس کے جمال اور جلال کا احساس کر لو گے۔''

اس دیار مغرب میں مادی زندگی کی تکالیف جب ''یوسف اسعد غانم'' پر حد سے زیادہ بڑھ جاتی ہیں تو وہ اس زندگی سے مایوس ہو جاتا ہے جو ذمہ داریوں سے بوجھل اور خشک مادی دھارے کے بھنور میں پھنسی ہوئی ہے اور اس پر روحانیت' بھائی چارگی اور لطف و ہمدردی سے بھرپور تر و تازہ اور خوش گوار جھونکا نہیں بھیجتی۔ اس کے دل میں دیار اسلام کی عربی سرزمین کی طرف رغبت و اشتیاق کے سرچشمے موجزن ہو جاتے ہیں۔ وہ سرزمین جو مہبط نبوت ہے' روحانیات کا سرچشمہ ہے اور محبت و اخوت اور صدق و صفا کا مرکز ہے۔ چنانچہ وہ تمنا کرتا ہے کہ وہ کسی عربی خیمہ میں زندگی گزارے اور تہذیب و تمدن کی دنیا کو اور اس کے شور و شغب' چیخ و پکار اور اس کی خیرہ کر دینے والی روشنیوں کو خیر باد کہہ دے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے:

''اگر میری پوری زندگی مختصر ہو جائے اور کسی عربی سرزمین پر گزرے تو ایسی مختصر زندگی پر اللہ کا شکر ادا کروں گا جو ایسی دنیا میں گزرے جہاں کے باشندوں کے دل اللہ نے درست کر دیے ہوں...... میں مغرب میں رہتے رہتے تھک گیا ہوں۔ یہاں تک کہ اس سے اکتا گیا ہوں۔ کار اور ہوائی جہاز لے لو اور مجھے اونٹ اور گھوڑا دے دو۔ مغربی دنیا' اس کی سرزمین' اس کے سمندر اور اس کے آسمان لے لو اور مجھے ایک عربی خیمہ دے دو' جسے میں اپنے وطن لبنان کے کسی ٹیلے پر دریائے بردی کے کنارے' دجلہ و فرات کے ساحل پر' عمان کے نواح میں' سعودیہ کے صحرا میں' یمن کے بیابانوں میں' اہرام کے دامن میں' لیبیا کے نخلستانوں میں نصب کروں۔ مجھے ایک عربی خیمہ دے دو۔ میں اسے ایک پلڑے میں رکھوں اور پوری دنیا کو دوسرے پلڑے میں' پھر بھی میں فائدہ میں رہوں گا۔''

''ادب المہاجر'' میں بہت سی نصوص میں اس طرح کے نغمے بیان کیے گئے

ہیں۔ یہاں میں صرف دو نصوص پر اکتفا کرتا ہوں۔ یہ سب نصوص مہاجرین کی جذباتی آسودگی اور سیرابی کی خواہش کی تصویر کشی کرتی ہیں' جس سے وہ عالم مغرب میں محروم ہیں۔ اس محرومی نے ان کے نفوس میں مشرق کی طرف شوق و رغبت کے سوتے جاری کر دیے ہیں' جہاں اسلام کی بدولت محبت واخوت' رحم و ہمدردی اور تکافل و تعاون عام ہے۔

اسلام نے جہاں بھائیوں سے روابط رکھنا اور ملاقاتیں کرنا پسندیدہ قرار دیا ہے اور کرم' سخاوت' فیاضی اور داد و دہش میں منافست و مسابقت کو مستحسن بتلایا ہے جس سے کہ باہم اخوت کا رشتہ مستحکم ہوتا ہے' وہیں مسلمان بھائی کی دعوت کو قبول کرنا بھی واجب قرار دیا ہے جس میں کوتاہی کسی طرح مناسب اور پسندیدہ نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے بھائیوں کی دعوت پر لبیک کہتے تھے' بلکہ دعوت قبول کرنا اپنے بھائی کا حق سمجھتے تھے اور اپنے اوپر واجب گمان کرتے تھے کہ اگر اس کی ادائیگی میں تقصیر کی تو گناہ گار ہوں گے۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں سیدنا زیاد بن انعم افریقیؒ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''ہم سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک جنگ میں سمندر کا سفر کر رہے تھے۔ ہمارا بیڑا سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے بیڑے سے جا ملا۔ جب دوپہر کے کھانے کا وقت ہوا تو ہم نے آپ کو بلا بھیجا۔ وہ حاضر ہوئے تو فرمایا: ''تم لوگوں نے مجھے دعوت دی اس لیے مجھے آنا پڑا' حالانکہ میں روزہ سے تھا۔ اس لیے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((اِنَّ لِلْمُسْلِمِ عَلٰی اَخِیْهِ سِتَّ خِصَالٍ وَاجِبَةٍ ' اِنْ تَرَكَ مِنْهَا شَیْئًا فَقَدْ تَرَكَ حَقًّا وَاجِبًا لِاَخِیْهِ عَلَیْهِ: یُسَلِّمُ عَلَیْهِ اِذَا لَقِیَهُ ' وَ یُجِیْبُهُ اِذَا دَعَاهُ ' وَیُشَمِّتُهُ اِذَا عَطَسَ ' وَ یَعُوْدُهُ اِذَا مَرِضَ ' وَ یَحْضُرُهُ اِذَا مَاتَ ' وَ یَنْصَحُهُ اِذَا اسْتَنْصَحَهُ))

''مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق واجب ہیں۔ اگر کوئی ان میں سے ایک

حق بھی چھوڑ دے تو گویا اس نے اپنے اوپر اپنے بھائی کا واجب حق ترک کر دیا۔ جب اس سے ملاقات ہو تو سلام کرے۔ جب وہ اسے دعوت دے تو قبول کرے۔ جب اسے چھینک آئے تو یَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہے۔ جب وہ بیمار ہو تو عیادت کرے۔ جب وہ انتقال کر جائے تو اس کے جنازہ کے ساتھ جائے۔ اور جب وہ نصیحت چاہے تو اس کی خیر خواہی کرے۔'' ①

صحابہ کرام اپنے بھائی کی دعوت کو بغیر کسی عذر کے نہ قبول کرنے کو معصیت گردانتے تھے اور اس میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی سمجھتے تھے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

((شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ ، يُمْنَعُهَا مَنْ يَأْتِيهَا ، وَ يُدْعَى إِلَيْهَا مَنْ يَأْبَاهَا ، وَ مَنْ لَّمْ يُجِبِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُولَهُ))

''سب سے برا کھانا ایسے ولیمہ کا ہے جس میں ان لوگوں کو نہ بلایا جائے جو آنا چاہیں اور ان لوگوں کو دعوت دی جائے جو آنے سے معذرت کر دیں۔ جس نے دعوت قبول نہیں کی اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔'' ②

اخوت ایمانی محض نعرہ نہیں ہے جسے بلند کیا جائے، نہ ہی کوئی ڈینگ ہے جس سے اعلان اور پروپیگنڈا مقصود ہو، بلکہ یہ ایک پاکیزہ رابطہ ہے جس کے کچھ فرائض، کچھ ذمہ داریاں اور کچھ حقوق ہیں۔ ان حقوق و فرائض کو وہ شخص اچھی طرح جانتا ہے جو اللہ

---

① یہ روایت عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم الافریقی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ لیکن اس حدیث میں جو مسلمان کی چھ خصلتیں بیان کی گئی ہیں وہ سیدنا ابو ہریرہؓ کی حدیث سے ثابت ہیں، جنہیں امام بخاریؒ نے الادب المفرد رقم ۹۹۱، ۹۲۵ میں درج کیا ہے۔ اسی طرح صحیح بخاری، کتاب الجنائز: باب الامر باتباع الجنائز اور صحیح مسلم کتاب السلام (ح ۴، ۵) میں یہ خصائل حمیدہ موجود ہیں۔ (از ابوالحسن مبشر احمد ربانی عفی عنہ)

② مسلم۔ کتاب النکاح: باب الامر باجابة الداعی الی دعوة (ح ۱۴۳۲)
رواہ البخاری۔ کتاب النکاح: باب من ترك الدعوة فقد عصى الله ورسوله (ح ۵۱۷۷) موقوفًا۔

اور یوم آخر پر ایمان لایا ہو' جیسا کہ ایمان لانے کا حق ہے' اور اسلام کے حقائق کے بارے میں راسخ عقیدہ رکھتا ہو۔ اس ایمان کا اثر اور اس عقیدہ کا ثمرہ ہم انصار کے کردار میں دیکھتے ہیں جنہوں نے اپنے مہاجرین بھائیوں کے ساتھ محبت اور ایثار کی اعلیٰ مثال قائم کر دی۔ جب مہاجرین اپنے دین ایمان کے ساتھ ہجرت کر کے تہی دست ان کے پاس آئے تو انصاری نے ان کے سامنے اپنی ہر چیز پیش کر دی۔ یہاں تک کہ ان میں سے ایک انصار اپنے مہاجر بھائی سے یہاں تک کہہ دیتا ہے کہ "یہ میرا مال ہے' آدھا حصہ تم لے لو۔ یہ میری دو بیویاں ہیں' ان میں سے جو تمہیں پسند آئے اس کا نام بتاؤ' میں اسے طلاق دے دوں' تاکہ عدت پوری کرنے کے بعد وہ تمہاری بیوی بن سکے۔" اور مہاجر بھی اپنے انصاری بھائی کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے اس کو اچھا جواب دیتا ہے۔ کہتا ہے:

"اللہ آپ کے مال اور اہل میں برکت عطا کرے! مجھے ان میں سے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ مجھے بازار کا راستہ بتا دیجیے تاکہ میں کام کروں۔"[1]

ایک انصاری اپنے مہاجر بھائی کی ضیافت کرتا ہے۔ گھر میں کھانے کو کچھ نہیں' صرف بچوں کا کھانا ہے۔ وہ مہمان کو اپنے اوپر اور اپنے بچوں پر ترجیح دیتا ہے اور بیوی سے کہتا ہے کہ بچوں کو سلا دو' چراغ گل کر دو اور جو کچھ ہے اسے مہمان کے سامنے پیش کر دو۔ ہم لوگ بھی ان کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھ جائیں گے اور ان پر ظاہر کریں گے کہ ہم لوگ بھی کھا رہے ہیں۔ وہ دستر خوان پر بیٹھ جاتے ہیں۔ (چراغ بجھا دینے کی بنا پر اندھیرے میں) صرف مہمان کھاتا رہتا ہے اور دونوں میاں بیوی بھوکے سو رہتے ہیں۔ صبح انصاری نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو آپ فرماتے ہیں:

((لَقَدْ عَجِبَ اللّٰهُ مِنْ صَنِيعِكُمَا بِضَيْفِكُمَا اللَّيْلَةَ))

---

[1] بخاری۔ کتاب مناقب الانصار: باب اخاء النبی ﷺ بین المهاجرین والانصار (ح ۳۷۸۲)

"تم نے رات اپنے مہمان کے ساتھ جو کچھ کیا اللہ کو وہ بہت پسند آیا۔" ①

انصار نے مہاجرین کے ساتھ اس حد تک ایثار کیا اور اپنے مال کے ذریعے سے ان کی مدد کی کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے کہہ دیا کہ "ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے درمیان کھجور کے باغات تقسیم کر دیجیے۔" آپؐ نے تقسیم کرنے سے انکار کیا تو انصار نے مہاجرین سے کہا "آپ لوگ ہمارے ساتھ کام میں تعاون کریں، ہم آپ کو پھل میں شریک کرلیں گے۔" انصار نے کہا: "بسر وچشم قبول ہے۔" ②

مہاجرین نے اپنے انصار بھائیوں کے اس عمل کو عظمت کی نگاہ سے دیکھا۔ چنانچہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: "یا رسول اللہ! ہم نے (انصار کی طرح) کسی کو نہیں پایا کہ ہم ان کے یہاں آئے تو انہوں نے کم چیز میں بھی اچھی طرح مواسات اور مدد کی، اور زیادہ چیز میں بھی خوب سخاوت سے خرچ کیا۔ انہوں نے (اپنے ہی باغات میں) ہمیں کام بھی نہیں کرنے دیا اور پھر بھی پیداوار میں ہمیں برابر کا شریک کیا۔ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں پورا کا پورا اجر وہی نہ لے جائیں۔" اس پر آپ نے فرمایا:

((لَا، مَا اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِمْ، وَدَعَوْتُمُ اللّٰهَ لَهُمْ))

"نہیں! جب تک تم ان کے اس عمل پر ان کی تعریف کرتے رہو گے اور اللہ سے ان کے لیے دعاء کرتے رہو گے، تم بھی اجر سے محروم نہیں ہو گے۔" ③

انصار کے فخر کے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کی

---

① بخاری۔ کتاب البیوع: باب ماجاء فی قول اللہ عز و جل و اذا قضیت الصلٰوۃ فانتشروا (ح ۲۰۴۹)

② بخاری۔ کتاب مناقب الانصار: باب قول اللہ عزوجل (ویوثرون علی انفسھم و لوکان بھم خصاصۃ) (ح ۳۷۹۸) مسلم۔ کتاب الاشربۃ: باب اکرام الضیف و فضل ایثارہ (ح ۲۰۵۴)

③ ابوداود۔ کتاب الادب: باب فی شکرا لمعروف (ح ۴۸۱۲)

ترمذی۔ کتاب صفۃ القیامۃ: ۴۴) ثناء المھاجرین علی صنیع الانصار معھم (ح ۲۴۸۷)

تعریف کی ہے اور ان کے اچھے عمل کو سراہا ہے۔ اس نے قرآن کریم میں ان کے بے مثل ایثار کا قصہ بیان کیا ہے اور نفس کے حرص وطمع سے آزادی کے حقیقی، زندہ جاوید اور بلند نمونے ہمیشہ کے لیے ثبت کر دیئے:

﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (الحشر: ۵۹/ ۹)

''جو ان مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دار الہجرت میں مقیم تھے، یہ ان لوگوں سے محبت کرتے جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں، اور جو کچھ بھی انہیں (مہاجرین کو) دے دیا جائے اس کی کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے، اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔''

قرآن کریم میں انصار کی یہ درخشاں و تابندہ تصویر زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ خود غرضیوں، ذاتی مفاد، حرص و ہوس اور بخل کی تاریکیوں میں مشعل ہدایت اور مینارۂ نور کا کام دے گی، اور جب بھی لوگوں کو انفاق، سخاوت و فیاضی اور ایثار کی طرف دعوت دی جائے گی تو انصار کا نام بطور مثال لیا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے جب انصار اور مہاجرین کے درمیان مواخات کرائی تھی، تبھی انصار نے سمجھ لیا تھا کہ ''اخوت ایمان'' کا کیا مطلب ہے۔ چنانچہ انہوں نے سچے ایمان کا مظاہرہ کیا۔ جو کچھ اپنے لیے پسند کیا وہی اپنے بھائیوں کے لیے پسند کیا۔ جیسا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا۔ انہوں نے دنیا کی کوئی چیز اپنے لیے خاص نہیں کی، بلکہ وہ جن چیزوں کے مالک تھے ان میں سے نصف سے برضا و رغبت اور خوش دلی کے ساتھ اپنے بھائیوں کے حق میں دست بردار ہو گئے۔ ہجرت

کے بعد ابتدا میں انصار کے رشتہ داروں کے بجائے مہاجرین ان کے وارث ہوتے تھے' اور یہ اس اخوت کی بنیاد پر ہوا' جس کا علم نبی کریم ﷺ نے بلند کیا تھا۔ اس کی شہادت اس حدیث سے ہوتی ہے جسے امام بخاریؒ نے سیدنا ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

((كَانَ الْمُهَاجِرُوْنَ لَمَّا قَدِمُوْا الْمَدِيْنَةَ يَرِثُ الْمُهَاجِرِيُّ الْاَنْصَارِيَّ دُوْنَ رَحِمِهِ لِلاُخُوَّةِ الَّتِيْ آخَى النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَهُمْ، فَلَمَّا نَزَلَتْ: وَاُولُوْ الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلَى بِبَعْضٍ، نُسِخَ الْمِيْرَاثُ وَ بَقِيَ النَّصْرُ وَالْاِرْفَادُ وَالْاِيْثَارُ وَالْمُوَاسَاةُ))

''مہاجرین جب مدینہ آئے تو نبی کریم ﷺ نے انصار و مہاجرین میں مواخات کرا دی' تو اس اخوت کی بنا پر انصاری کے رشتہ دار کے بجائے مہاجر' انصاری کی میراث کا حق دار ہوتا تھا۔ لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ﴾ (الاحزاب: ۳۳/۶)

''رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔''

تو مہاجرین کے لیے میراث کا حق منسوخ ہو گیا۔ ہاں! باہمی تعاون و مدد' داد و دہش اور ایثار و مواسات کا سلسلہ اب بھی باقی رہا۔'' ①

اپنے بھائیوں کی عدم موجودگی میں دعا کرتا ہے

حقیقی اور سچا مسلمان جو اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرتا ہے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے' خلوص کی گھڑیوں میں اپنے بھائی کے لیے اس کی عدم موجودگی میں دعا کرنا نہیں بھولتا' جس میں دعا کرنے والے کے دل کی دھڑکن اور شفاف اور مہربان روح

① بخاری۔ کتاب الکفالة باب قول الله عز و جل والذين عاقدت ايمانكم......) (ح ۲۲۹۲)

مسلم۔ کتاب الذکر والدعاء: باب فضل الدعاء للمسلمين بظهر الغيب (ح ۲۷۳۲' ۲۷۳۳)

کی بالیدگی نمایاں ہوتی ہے۔ اس کے لیے خیر کی دعا کرنے سے اس سے مزید محبت پیدا ہوتی ہے اور اس کے دل میں بے لوث اخوت کا رشتہ مستحکم ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ایسی دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے۔ کیوں کہ وہ اخلاص' صدق اور صاف دلی پر مبنی ہوتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نفوس میں یہ مفہوم جاگزیں اور پیوست ہو گیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بھائیوں سے ہر اس جگہ دعا کی درخواست کی جہاں قبولیت کی امید ہو۔ مرد اور عورت دونوں یہ درخواست کرتے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری تاریخ کے اس تابناک دور میں معاشرہ کا معیار کس قدر بلند تھا۔ امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں سیدنا صفوان بن عبداللہ بن صفوانؓ سے روایت کیا ہے (دردا بنت ابودرداؓ ان کی بیوی تھیں) کہ میں شام گیا تو ان کے گھر گیا۔ گھر میں ان کی ساس سیدہ ام درداؓ تھیں۔ سسر سیدنا ابودرداؓ نہیں تھے۔ ام درداؓ نے مجھ سے کہا: ''کیا حج کے لیے جانا چاہتے ہو؟'' میں نے کہا: ''ہاں!'' انہوں نے کہا: ''ہمارے لیے خیر کی دعا کرنا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ:

((اِنَّ دَعْوَةَ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ مُسْتَجَابَةٌ لِاَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ عِنْدَ رَاْسِهِ مَلَكٌ مُوَكَّلٌ، كُلَّمَا دَعَا لِاَخِيْهِ بِخَيْرٍ قَالَ: آمِيْنَ، وَلَكَ بِمِثْلٍ))

''مسلمان کی وہ دعا قبول ہوتی ہے جو وہ اپنے بھائی کے لیے اس کے پیٹھ پیچھے کرتا ہے۔ ایک فرشتہ اس پر مامور رہتا ہے۔ جب بھی وہ اپنے بھائی کے لیے خیر کی دعا کرتا ہے تو وہ فرشتہ آمین کہتا ہے اور کہتا ہے کہ ''یہی بھلائی تجھ کو بھی عطا ہو۔''

صفوان بن عبداللہؒ فرماتے ہیں: ''بازار میں سیدنا ابودرداؓ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی حدیث کا حوالہ دیا۔''[1]

---

[1] مسلم۔ کتاب الکفالۃ: باب قول اللہ عزوجل ﴿وَالَّذِيْنَ عَاقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ (ح ۲۲۹۲)

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کے اندر اجتماعی روح کو پروان چڑھاتے تھے اور دوسروں کا خیال رکھنے کا احساس عام کرتے تھے۔ چنانچہ آپ انہیں ہر موقع پر عام بھائی چارگی کا احساس دلاتے تھے' تا کہ اس طرح کسی مسلمان کے دل میں تنگ شخصی اور انانیت نہ باقی رہ جائے جس سے نگاہوں کی بینائی سلب ہو جاتی ہے' دلوں پر مہر لگ جاتی ہے اور نفوس زنگ آلود ہو جاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی بہترین تنبیہ میں سے (جس سے نفس میں اجتماعی اخوت کی روح پیدا ہوتی ہے اور شخصی انانیت کے جراثیم نکل جاتے ہیں) ایک وہ واقعہ ہے جب ایک شخص نے بلند آواز سے یہ دعا مانگی:

((اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَلِمُحَمَّدٍ وَحْدَنَا ' قَالَ لَہُ: لَقَدْ حَجَبْتَھَا عَنْ نَاسٍ کَثِیْرِیْنَ))

''اے اللہ! صرف میری اور محمد کی مغفرت فرما دے۔'' تو نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا: ''تم نے بہت سے لوگوں کو محروم کر دیا ہے۔'' ①

اس طرح آپ نے اسے یہ تعلیم دی کہ اسلامی روح یہ نہیں کہ آدمی کسی خیر کو صرف اپنے ہی تک محدود رکھے' خواہ اپنے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو بھی شریک کر لے' بلکہ مؤمن کے شایانِ شان یہ ہے کہ ہمیشہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

مذکورۂ بالا تفصیلات سے ایک سچے مسلمان کی جو تصویر ہمارے سامنے ابھر کر آتی ہے' وہ یہ ہے کہ:

وہ اپنے بھائیوں اور دوستوں سے محبت کرنے والا ہوتا ہے۔ ان کے لیے مخلص اور ان کا خیر خواہ ہوتا ہے۔ ان کی شہرت' عزت و آبرو اور مال کی حفاظت کرتا ہے' خواہ وہ حاضر ہوں یا غیر موجود ہوں۔ انہیں اپنے اوپر ترجیح دیتا ہے۔ ان پر ایثار کرتا ہے اور

---

① بخاری فی الادب المفرد (٦٢٦) بسند احمد (٢/ ١٧٠' ١٧١) و رواہ البخاری فی صحیحہ ٦٠١٠ فی الادب عندابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ۔

ان کی لغزشوں پر عفو و درگزر سے کام لیتا ہے۔ ان کے ساتھ رہن سہن میں اچھی طرح پیش آتا ہے۔ ان کے ساتھ نرم اخلاق کا برتاؤ کرتا ہے۔ ان سے خندہ روی سے ملاقات کرتا ہے۔ اس کا کردار انتہائی پاکیزہ ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ' زبان یا دیگر اعضا ناجائز چیزوں میں ملوث نہیں ہوتے۔ وہ سخی ہوتا ہے' بخل نہیں کرتا۔ وہ سچا ہوتا ہے' جھوٹ نہیں بولتا۔ وہ محبت کرنے والا ہوتا ہے' کسی پر زیادتی نہیں کرتا۔ وہ وفادار ہوتا ہے' خیانت نہیں کرتا۔ وہ روشن ضمیر اور شریف ہوتا ہے' غداری نہیں کرتا۔ وہ ایک حالت پر رہتا ہے رنگ نہیں بدلتا۔

ایک مسلمان میں مذکورہ تمام صفات کا جمع ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یہ اسلام ہی کا معجزہ ہے کہ اس نے ایک انسان میں یہ چیزیں جمع کر دی ہیں۔ یہ ہے ایک مسلمان کی حقیقی تصویر جیسا کہ اسلام اس کو دیکھنا چاہتا ہے۔

مثالی مسلمان مرد کا تعلق
اپنے معاشرہ کے ساتھ

دینی احکام سے واقفیت رکھنے والا مسلمان مدنی الطبع اور معاشرت پسند (Social) ہوتا ہے۔ اس لیے کہ وہ زندگی میں ایک پیغام کا حامل ہے' اور جو لوگ کسی پیغام کے حامل ہوتے ہیں ان کے لیے ضروری ہے کہ ان کے لوگوں سے روابط ہوں' وہ لوگوں سے ملیں جلیں اور ان سے معاملہ اور لین دین کریں۔

مسلمان کی معاشرت بلند طرز پر ظاہر ہوتی ہے۔ کیوں کہ وہ دین حق کے احکام سیکھتا ہے اور اس کے بلند اور پاکیزہ انسانی اخلاق کو اپنی زندگی میں جاری وساری کرتا ہے' جس کی طرف اسلام نے دعوت دی ہے اور معاشرتی معاملات میں ان کے اختیار کرنے پر اکسایا ہے۔

مسلمان کی شخصیت...... جو قرآن کریم کی تعلیمات سے روشنی حاصل کرتی ہے اور سنت نبویہ مطہرہ کے سرچشمہ سے سیراب ہوتی ہے...... ایک بے مثل اور عدیم النظیر شخصیت ہے' جسے کسی ایسی مدنی الطبع شخصیت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا جس نے عصر حاضر کے خود ساختہ

نظاموں یا ان قدیم قوانین کے تحت پرورش پائی ہو جن کے وضع کرنے میں فلاسفہ و مفکرین نے سال ہا سال کی محنتیں صرف کی ہیں۔

مسلمان کی شخصیت ایک ترقی یافتہ معاشرت پسند شخصیت ہے جس کی تربیت و پرداخت مکارم اخلاق کے اس بڑے مجموعے سے ہوئی ہے جن کا اس دین حنیف کی نصوص (قرآن کریم اور حدیث شریف) میں تذکرہ آیا ہے اور ان کے اختیار کرنے کو باعث ثواب قرار دیا گیا ہے اور ان کے ترک پر گرفت کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اس طرح ایک سچے مسلمان کی شخصیت ایک معاشرتی ترقی یافتہ' مہذب و متمدن' متقی' صاحب خیر اور پاکیزہ انسان کا بہترین نمونہ ہوگئی ہے۔

جو شخص بھی ان نصوص کا مطالعہ اور ان کی تحقیق و جستجو کرے گا وہ ان کی کثرت' استیعاب' جامعیت اور دقت و باریکی کو دیکھ کر دہشت زدہ ہو جائے گا۔ ان نصوص نے اجتماعی زندگی کے کسی گوشہ کو نہیں چھوڑا' بلکہ ہر گوشے کے بارے میں روشن تعلیمات دی ہیں اور اس بلند' درخشاں اور پاکیزہ مقام کی طرف اشارہ کیا ہے جس تک اسلام ایک مسلمان کو لے جانا چاہتا ہے' اور بے شک یہ ایک انتہائی بلند مقام ہے' بشرطیکہ دل میں اسلام کی حقیقت جاگزیں ہو جائے' نفس کے پہلوؤں میں اس کی روشن تعلیمات سرایت کر جائیں' اس کی بشاشت روح میں گھل مل جائے اور اس کے اقدار اس کے وجود کو آباد رکھیں۔

جن چیزوں سے مسلمان کی شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے ان کی بنیاد یہ ہے کہ وہ اپنے اجتماعی کردار میں اور لوگوں سے معاملہ کرنے میں اللہ کی بتائی ہوئی حدود سے تجاوز نہیں کرتا۔ اسلامی عقیدہ کے اس بنیادی اور اہم اصول سے اجتماعی اخلاق کی تفصیلات اور جزئیات نکلتی ہیں' جن سے ایک باشعور اور ذکی الحس مسلمان اپنے کردار کو آراستہ کرتا ہے اور اسی راسخ و متین بنیاد پر سچا مسلمان لوگوں کے ساتھ اپنے معاشرتی تعلقات کو استوار کرتا ہے۔

مسلمان سچ بولتا ہے

چنانچہ وہ تمام لوگوں کے ساتھ سچائی کا معاملہ کرتا ہے۔ اس لیے کہ اسلامی تعلیمات (جو اس کے اندرون میں موجزن ہیں) اس کو یہ تعلیم دیتی ہیں کہ سچائی تمام فضائل کی اصل اور مکارم اخلاق کی بنیاد ہے۔ ساتھ ہی سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کہ جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ جہنم کا راستہ دکھاتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد مبارک میں خبر دی ہے:

((اِنَّ الصِّدُقَ یَهْدِیُ اِلَی الْبِرِّ ' وَ اِنَّ الْبِرَّ یَهْدِیُ اِلَی الْجَنَّةِ ' وَاِنَّ الرَّجُلَ لَیَصُدُقُ حَتّٰی یُکْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّیْقًا ' وَاِنَّ الْکَذِبَ یَهْدِیُ اِلَی الْفُجُوْرِ ' وَ اِنَّ الْفُجُوْرَ یَهْدِیُ اِلَی النَّارِ ' وَ اِنَّ الرَّجُلَ لَیَکْذِبُ حَتّٰی یُکْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ کَذَّابًا))

''سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور نیکی جنت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ آدمی سچ بولتا ہے' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سچے لوگوں میں لکھ لیا جاتا ہے۔ اور جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔ آدمی جھوٹ بولتا ہے' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جھوٹے لوگوں میں لکھ لیا جاتا ہے۔'' ①

اسی وجہ سے سچا مسلمان ہمیشہ سچ بولتا ہے۔ وہ اپنے اقوال و افعال میں سچائی کی روش اختیار کرتا ہے' اور یقیناً یہ ایک بلند اور معزز مقام ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچا لکھ لیا جائے۔

---

① بخاري۔ کتاب الادب: باب قول الله تعالیٰ (یا ایها الذین امنوا اتقوا الله وکونوا مع الصادقین) (ح ۶۰۹۴)
مسلم۔ کتاب البروالصلة: باب قبح الکذب و حسن الصدق و فضله (ح ۶۲۰۷)

دغا بازی' دھوکا دہی اور غداری سے احتراز کرتا ہے

سچا مسلمان جو اس بلند مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے' دغا بازی سے کام نہیں لیتا۔ نہ کسی کو دھوکا دیتا ہے اور نہ ہی غداری کرتا ہے۔ اس لیے کہ سچائی کا تقاضا ہے کہ آدمی خیر خواہی کرے' صاف دلی سے پیش آئے' انصاف کرے اور وفاداری کا معاملہ برتے' نہ کہ دغا بازی کرے' دھوکا دے' فریب کاری کرے' یا بے جا حمایت وطرف داری کرے اور غداری کا ارتکاب کرے۔

سچے اور ذکی الحس مسلمان کا وجدان دغا بازی کو برداشت نہیں کر سکتا اور اس کا متحمل نہیں ہو سکتا' بلکہ اس سے وہ لرزہ براندام ہو جاتا ہے اور اس پر ارتعاش کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ وہ اس کے ارتکاب میں اسلام کی طرف نسبت سے محرومی دیکھتا ہے۔ صحیح مسلم کی روایت کردہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

((مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السَّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا ، وَمَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا))

''جو ہم پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں اور جو ہم سے دغا بازی کرے وہ ہم میں سے نہیں۔''[1]

صحیح مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ غلہ کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے۔ اس میں اپنا دست مبارک ڈالا تو انگلیوں کو کچھ تری محسوس ہوئی۔ آپ نے غلہ کے مالک سے فرمایا:

((مَا هٰذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ؟ قَالَ اَصَابَتْهُ السَّمَاءُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ، قَالَ: اَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ حَتّٰى يَرَاهُ النَّاسُ ! مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا))

''یہ کیا؟'' اس نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! بارش کی وجہ سے ایسا ہو

---

[1] مسلم۔ کتاب الایمان: باب قول النبی ﷺ ((من غش فلیس منا)) (ح ۱۰۱)

گیا ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''تو پھر اس بھیگے ہوئے غلہ کو اوپر کیوں نہ کر دیا کہ لوگ اسے دیکھ لیتے؟ جو ہمیں دھوکا دے وہ ہم میں سے نہیں۔''[1]

مسلمانوں کا معاشرہ ایک ایسا معاشرہ ہوتا ہے جس پر محبت اور خیر خواہی کی فضا چھائی رہتی ہے اور جس کے افراد پر نیکی، سچائی اور وفاداری کا غلبہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسے معاشرہ میں دغا باز، دھوکا باز، فریب کار، مکار و چالباز، ناشکرے اور غدار شخص کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

رسول اللہ ﷺ نے دغا بازی، دھوکا دہی اور غداری کی زبردست مذمت فرمائی ہے۔ آپ نے دھوکے باز اور غدار شخص کو علیحدہ کرنے اور دنیا میں مسلمانوں کے معاشرہ سے دور کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ آپ نے اعلان فرمایا کہ غداری کرنے والا ہر شخص قیامت میں اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ اس کے ہاتھ میں اس کی غداری کا جھنڈا ہوگا اور ایک منادی کرنے والا حشر کے بڑے میدان میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لوگوں کو اس کی غداری کی طرف متوجہ کرے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، يُقَالُ: هٰذِهِ غَدْرَةُ فُلَانٍ))

''قیامت میں ہر غدار کا ایک جھنڈا ہوگا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں کی غداری ہے۔''[2]

اس دن غداروں کو کتنی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا؟ جنہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ زمانے نے ان کی غداری پر پردہ ڈال دیا، مگر قیامت کے دن علی الاعلان لوگوں کے سامنے ان کی غداریاں ظاہر کی جائیں گی اور وہ اپنی اپنی غداری کا جھنڈا اپنے ہاتھوں میں اٹھائے ہوں گے۔

---

[1] مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۱۰۲)

[2] بخاری۔ کتاب الادب: باب ما یدعی الناس بآبائھم (ح ۶۱۷۷)
مسلم۔ کتاب الجهاد: باب تحریم غدر (ح ۱۸۳۵)

قیامت کے دن ان کی خجالت اور شرمندگی میں اس وقت مزید اضافہ ہو جائے گا جب وہ رسول اللہ ﷺ کو (جن سے اس پر ہیبت مقام پر شفاعت کی توقع اور امید ہو گی) اپنا حریف دیکھیں گے۔ اس لیے کہ انہوں نے کھلی ہوئی غداری کے جرم کا ارتکاب کیا ہو گا' اور یہ بہت بڑا جرم ہے جو اللہ کی رحمت اور رسول کی شفاعت سے محروم کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((ثَلَاثَةٌ اَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: رَجُلٌ اَعْطَى بِي ثُمَّ غَدَرَ' وَ رَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَاَكَلَ ثَمَنَهُ' وَ رَجُلٌ اِسْتَاْجَرَ اَجِيْرًا فَاسْتَوْفَى مِنْهُ وَ لَمْ يُعْطِهِ اَجْرَهُ))

''تین شخص ایسے ہیں جن کا قیامت کے دن میں حریف ہوں گا: وہ شخص جس نے میرا واسطہ دے کر عہد کیا پھر اس کو وفا نہ کیا۔ دوسرا وہ شخص جس نے کسی آزاد کو بیچ کر اس کی قیمت سے فائدہ اٹھایا۔ اور تیسرا وہ شخص جس نے کسی کو مزدور رکھا اور اس سے پورا کام لیا' مگر اس کی اجرت نہ دی۔'' [1]

سچا مسلمان' جس کے احساسات کو اسلام نے تیز کر دیا ہے اور جس کے نفس میں بصیرت کے دریچے کھول دیے ہیں' فریب' دھوکا' دغا' غدر' جھوٹ اور تمام برائیوں سے نفرت کرتا ہے خواہ ان سے کتنے ہی منافع اور آمدنی کی توقع ہو' یا کیسے ہی مفادات حاصل ہو سکتے ہوں۔ اس لیے کہ اسلامی تعلیمات نے اس قسم کی صفات رکھنے والے لوگوں کو منافقوں میں شمار کیا ہے اور منافقین جہنم میں سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور قیامت کے دن ان کا کوئی مددگار نہیں ہو گا۔ رب عرش عظیم نے فرمایا:

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَ لَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا﴾

(النساء: ۴/ ۱۴۵)

''یقین جانو کہ منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں جائیں گے اور تم ان کا کسی کو مددگار نہ پاؤ گے۔''

---

[1] بخاری۔ کتاب البیوع: باب اثم من باع حرًا (ح ۲۲۲۷)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا ، وَ مَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا: اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ ، وَ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ ، وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ))

''چار خصلتیں جس کے اندر پائی جائیں وہ خالص منافق ہے' اور جس کے اندر کوئی ایک خصلت پائی جائے اس میں نفاق کی ایک علامت ہوگی جب تک کہ وہ اسے ترک نہ کردے۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ جب گفتگو کرے تو جھوٹ بولے۔ جب کوئی وعدہ کرے تو اسے پورا نہ کرے۔ اور جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ بکے۔'' ①

حسد نہیں کرتا

ان بری اور ناپسندیدہ صفات میں سے' جن سے ایک متقی مسلمان کو اجتناب کرنا چاہیے' حسد بھی ہے۔

سچے مسلمان کی صفات یہ ہونی چاہییں کہ اس کا نفس دغا بازی' حسد' غداری اور کینہ کی کدورتوں سے پاک ہو۔ کردار کی یہ پاکیزگی ہی انسان کو جنت میں داخل کرتی ہے' خواہ اس کا شمار بہت زیادہ عبادت کرنے والوں' راتوں کو نوافل پڑھنے اور دن کو روزہ رکھنے والوں میں نہ ہوتا ہو۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے (''حسن'' سند سے) اورنسائی نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تھے۔ اچانک آپ نے فرمایا: ''تمہارے پاس ایک شخص آنے والا ہے جو اہل جنت میں سے ہے۔'' تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک انصاری نمودار ہوا جس کی داڑھی سے وضو کا پانی ٹپک رہا تھا اور جس نے

① بخاري۔ كتاب الايمان: باب علامات المنافق (ح ۳۴)
مسلم۔ كتاب الايمان: باب خصال المنافق (ح ۵۸)

اپنے بائیں ہاتھ میں اپنے جوتے اٹھا رکھے تھے۔ دوسرے دن بھی نبی کریم ﷺ نے ایسا ہی فرمایا اور وہی شخص پہلی مرتبہ کی طرح نمودار ہوا۔ تیسرے دن بھی نبی کریم ﷺ نے یہی (جنت کی بشارت والی) بات فرمائی اور وہی شخص اسی حالت میں ظاہر ہوا۔ پھر جب مجلس برخاست ہوئی تو سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے اس شخص کا پیچھا کیا اور اس کے پاس پہنچ کر کہا: ''میرا اپنے باپ سے جھگڑا ہو گیا ہے اور میں نے قسم کھا لی ہے کہ میں تین دن تک ان کے گھر میں نہیں جاؤں گا۔ اس لیے اگر آپ مجھے اپنے گھر میں پناہ دے دیں تو اچھا ہوگا۔'' انہوں نے کہا: ''ٹھیک ہے۔'' سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے کہ انہوں نے ان کے ساتھ تین راتیں گزاریں، مگر انہیں راتوں میں کچھ بھی نوافل پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ البتہ وہ صرف یہ کرتے تھے کہ رات میں جب آنکھ کھلتی اور بستر پر کروٹیں بدلتے تو اللہ کا ذکر کرتے اور اللہ اکبر کہتے، یہاں تک کہ صبح ہو جاتی اور وہ فجر کی نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''البتہ میں نے ان سے ہمیشہ خیر کے کلمات ہی سنے۔ جب تین راتیں گزر گئیں اور مجھے ان کا عمل بے وقعت لگنے لگا تو میں نے ان سے کہا: ''اے اللہ کے بندے! میرے اور میرے باپ کے درمیان لڑائی جھگڑا ہوا تھا نہ میں نے ان سے ترک تعلق کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے تین مرتبہ رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ تمہارے پاس ایک شخص آنے والا ہے جو اہل جنت میں سے ہے، اور تینوں مرتبہ آپ ہی نمودار ہوئے۔ اس لیے میں نے سوچا کہ میں آپ کے پاس رہ کر دیکھوں کہ آخر وہ کون سا عمل ہے جس کی بنا پر آپ اس بلند درجہ تک پہنچ گئے جس کی بشارت نبی کریم ﷺ نے دی ہے؟'' انہوں نے فرمایا: ''جو کچھ تم نے دیکھا اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔'' میں واپس ہونے کے لیے پلٹا تو انہوں نے مجھے بلایا اور کہا:

((مَا هُوَ اِلَّا مَا رَاَيْتَ ، غَيْرَ اَنِّیْ لَا اَجِدُ فِیْ نَفْسِیْ لِاَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ غِشًّا وَلَا اَحْسُدُ اَحَدًا عَلٰی خَيْرٍ اَعْطَاهُ اللّٰهُ اِيَّاهُ))

''جو کچھ تم نے دیکھا اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ البتہ میں اپنے دل میں کسی

مسلمان کے بارے میں کھوٹ نہیں رکھتا اور نہ ہی کسی سے حسد رکھتا ہوں کہ اللہ نے اسے فلاں چیز سے کیوں نوازا ہے۔''

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((هٰذِهِ الَّتِي بَلَغَتْ بِكَ ، وَهِيَ الَّتِي لَا نُطِيقُ))

''ہاں یہی چیز ہے جس نے آپ کو اس بلند مرتبے تک پہنچایا ہے اور ہم لوگ ایسی چیز کی طاقت نہیں رکھتے۔''①

اس حدیث شریف سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ آخرت میں انسان کے انجام کا فیصلہ کرنے اور اللہ کی بارگاہ میں اس کا درجہ بلند کرنے میں صاف دلی' حقد وکینہ سے نفس کی پاکیزگی اور حسد و غداری سے دل کی طہارت کا بہت بڑا دخل ہے۔ اس سے بندے کا عمل اللہ رب العزت کی بارگاہ میں مقبول ہو جاتا ہے' خواہ وہ کتنا ہی کم ہو۔ صاف دلی کا یہ اثر بخوبی واضح ہو جاتا ہے جب ہم اس شخص کا (جس نے معمولی عبادت ہی کی تھی' مگر پاکیزگی نفس اور لوگوں کو تکلیفیں نہ پہنچانے کی وجہ سے جنت کا مستحق ہو گیا) موازنہ اس عورت سے کرتے ہیں جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ وہ رات میں نوافل پڑھتی ہے اور دن میں روزہ رکھتی ہے' لیکن اپنے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے' تو آپ نے فرمایا: ((هِيَ فِي النَّارِ)) ''وہ جہنمی ہے۔''②

اس لیے کہ اسلام کے ترازو میں جس کا پلڑا بھاری ہوتا ہے وہ وہی شخص ہے جو سچا اور صاف دل ہوتا ہے۔ جس کا نفس دغا بازی' غداری' حسد اور کینہ سے پاک ہوتا ہے' خواہ وہ عبادت کم ہی کرتا ہو۔ معمولی عبادت کے باوجود اس کی مثال اس صاف ستھری اینٹ کی سی ہے جو اسلامی معاشرہ کی عمارت میں مضبوطی کے ساتھ لگی ہوئی ہو۔ لیکن جس شخص کے سینے میں لوگوں سے بغض' حسد' اذیت رسانی اور دغا بازی پروان

① مسند احمد۔ ۳/ ۱۶۶) نسائی۔ عمل الیوم واللیلة (ح ۸۶۳)

② مسند احمد (۲/ ۴۴۰)

چڑھ رہی ہو' اس کی عبادات خواہ کتنی ہی ہو جائیں' مگر اس کا پلڑا اسلام کے ترازو میں ہلکا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس کی مثال معاشرہ کی عمارت میں لگی ہوئی بوسیدہ اور خراب اینٹ کی سی ہے کہ بسا اوقات وہ اور اسی جیسی دوسری اینٹیں عمارت کے منہدم ہونے کا سبب بنتی ہیں۔

اسلام جیسا حقیقی اور مثالی مسلمان وجود میں لانا چاہتا ہے' وہ حسن عبادت' پاکیزگی' نفس اور حسن معاملہ کا جامع ہوتا ہے اور اس کا باطن ظاہر کے مطابق ہوتا ہے' اس کا عمل اس کے قول کی تصدیق کرتا ہے۔ ایسے ہی مسلمانوں کی بدولت اسلامی معاشرہ کے قلعے کو استحکام حاصل ہوتا ہے' اور مؤمنوں کی مثال (جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں بیان فرمائی ہے) سیسہ پلائی ہوئی عمارت کی سی ہوتی ہے جس کی اینٹیں ایک دوسرے کو پائداری بخشتی ہیں۔ انھی کی بدولت ایک ایسا پاکیزہ' مستحکم اور ترقی یافتہ معاشرہ قائم ہوتا ہے جو لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے کا اہل ہوتا ہے۔

خیر خواہ ہوتا ہے

سچا مسلمان نہ صرف ان جھوٹ' دھوکا بازی' غدر' حسد و کینہ اور منافقت جیسی بری صفات سے ہی محفوظ اور مبرا نہیں ہوتا ہے' بلکہ وہ تعمیری اور ایجابی صفات سے بھی آراستہ ہوتا ہے۔ مثلاً: وہ اپنے معاشرہ میں ہر مسلمان کے ساتھ سچی خیر خواہی کرتا ہے۔ کیوں کہ وہ یہ ایمان رکھتا ہے کہ اس کا دین بعینہٖ خیر خواہی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں فرمایا ہے:

((اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ ' قَالَ الصَّحَابَةُ الْکِرَامُ: لِمَنْ ؟ فَقَالَ: لِلّٰهِ ' وَلِکِتَابِهِ ' وَلِرَسُوْلِهِ ' وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِیْنَ وَ عَامَّتِهِمْ))

''دین خیر خواہی کا نام ہے۔'' صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: کس کے لیے؟ فرمایا: ''اللہ کے لیے' اس کی کتاب کے لیے' اس کے رسول کے لیے' مسلمانوں

کے ائمہ کے لیے اور عوام کے لیے۔‘‘ ①

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ سے نماز‘ زکوٰۃ اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی پر بیعت کرتے تھے۔ سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے اس کی تائید ہوتی ہے:

((بَایَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلٰی اِقَامِ الصَّلَاةِ وَ اِیْتَاءِ الزَّکَاةِ وَالنُّصْحِ لِکُلِّ مُسْلِمٍ))

’’میں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز قائم کرنے‘ زکوٰۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے پر بیعت کی۔‘‘ ②

اس صحابی رسول کے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے میں نماز اور زکوٰۃ کے ساتھ خیر خواہی کو ملانے سے مسلمان کے میزان اعمال میں اس کی اہمیت اور آخرت میں انجام کا فیصلہ کرنے میں اس کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خیر خواہی سچے‘ متقی اور آخرت میں حسن عاقبت کی آرزو رکھنے والے مسلمان کی ایک نمایاں اور بنیادی خصلت ہوتی ہے۔

آخرت میں مسلمان کے انجام کا فیصلہ کرنے میں خیر خواہی کی اہمیت اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب وہ مسلمانوں کے کسی معاملہ کا ذمہ دار ہو۔ اس وقت ’’خیر خواہی‘‘ جنت میں داخلہ کی کنجی ہو جاتی ہے‘ جس کے بغیر آخرت میں جنت میں داخلہ ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَا مِنْ عَبْدٍ یَسْتَرْعِیْهِ اللّٰهُ رَعِیَّتَهُ ' یَمُوْتُ یَوْمَ یَمُوْتُ وَ هُوَ غَاشٌّ لِرَعِیَّتِهِ ' اِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ))

’’کوئی بھی بندہ جسے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا ذمہ دار بناتا ہے‘ اگر وہ اس

---

① مسلم۔ کتاب الایمان: باب بیان ان الدین النصیحة (ح ۵۵)

② بخاری۔ کتاب الایمان: باب قول النبی ﷺ ’’الدین النصیحة‘‘ (ح ۵۷)
مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۵۶)

حال میں مرتا ہے کہ اس نے رعایا کے ساتھ دغا بازی کی ہو تو اس پر جنت حرام ہو گی۔''[1]

ایک روایت میں ہے کہ:

((فَلَمْ يُحِطْهَا بِنُصْحِهِ لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ))

''وہ رعایا کے ساتھ خیر خواہی نہ کرے تو جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔''[2]

جبکہ جنت کی خوشبو جنت سے چالیس سال کی مسافت یعنی دوری پر ہی پائی جائے گی۔

مسلم کی ایک روایت میں ہے:

((مَا مِنْ اَمِيرٍ يَلِي اُمُوْرَ الْمُسْلِمِينَ، ثُمَّ لَا يَجْهَدُ لَهُمْ وَ يَنْصَحُ لَهُمْ اِلَّا لَمْ يَدْخُلْ مَعَهُمُ الْجَنَّةَ))

''کوئی امیر جو مسلمانوں کے معاملات کا ذمہ دار ہو اور وہ ان کے لیے جدوجہد نہ کرے اور ان کی خیر خواہی نہ کرے، تو وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔''

اسلام میں حاکم اور اسی طرح اس شخص کی ذمہ داری کتنی عظیم ہے جو مسلمانوں کے کسی معاملہ کا ذمہ دار ہو، اور قیامت کے دن جب تمام لوگ رب العالمین کے روبرو کھڑے ہوں گے تو نگہبان کے انجام کا فیصلہ کرنے میں ''رعیت کے ساتھ خیر خواہی'' کا کتنا عظیم اثر ظاہر ہو گا؟ جب ہم معاشرتی حلقہ میں ہر شخص کی ذمہ داری کا مشاہدہ کرتے ہیں جس کی وضاحت رسول کریم ﷺ نے اپنے اس ارشاد سے کی ہے:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْؤُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ))

---

[1] بخاری۔ کتاب الاحکام: باب من استرعی رعیة فلم ینصح (ح ۷۱۵۱)
مسلم۔ کتاب الایمان: باب استحقاق الوالی الغاش لرعیة، النار (ح ۱۴۲)

[2] بخاری کتاب الجمعة: باب الجمعة فی القریٰ والمدن (ح ۸۹۳)
مسلم۔ کتاب الامارة: باب فضیلة الامیر العادل و عقوبة الجائر (ح ۱۸۲۹)

''تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر شخص اپنے متعلقین کے بارے میں جواب دہ ہے۔''

تو ہمیں مسلمانوں کے معاشرہ میں ''ذمہ داری'' کی ہمہ گیریت کا اندازہ ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کے دائرہ سے ایک انسان بھی خارج نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ سچا اسلامی معاشرہ' جو ان ربانی اصول و مبادی اور اقدار پر قائم ہوتا ہے' وہ انسانی معاشروں میں سب سے زیادہ امن و امان' نظافت و پاکیزگی اور استقامت کا حامل ہوتا ہے۔

وعدہ کا پکا ہوتا ہے

سچا مسلمان جس کا نفس اسلامی تعلیمات سے سیراب ہوتا ہے ''ایفائے عہد'' اور ''وعدہ کا پاس ولحاظ'' جیسے ایجابی اور پسندیدہ اخلاق سے بھی آراستہ رہتا ہے۔ یہ کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں کہ یہ خصلت معاشرہ میں انسان کی کامیابی کے اہم عوامل میں سے ہے اور اس سے انسان کی عظمت' اس کے مقام کی بلندی اور اس کے معاشرتی معیار کی رفعت پر دلالت ہوتی ہے۔

مسلمان کا شمار اس قسم کے عظیم انسانوں میں ہوتا ہے جو ایفائے عہد کرنے والے ہوتے ہیں' بلکہ وہ علی الاطلاق سب سے بلند مرتبہ پر ہوتا ہے' کیونکہ وہ سچا مسلمان ہوتا ہے۔ ایفائے عہد کی خصلت اسلامی اخلاق میں سب سے بنیادی خصلت ہے اور مسلمان کے ایمان اور حسن اسلام کی صحت پر سب سے زیادہ دلالت کرتی ہے۔ اسی لیے بکثرت احادیث و آیات میں اس خصلت کے اختیار کرنے پر اکسایا گیا ہے' اس کے علامت ایمان ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے' جو لوگ اس خصلت سے عاری ہوتے ہیں انہیں ڈرایا گیا ہے اور اس خصلت کے نہ اختیار کرنے کو علامت نفاق قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ (المائدہ: ۵/ ۱)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو' معاہدوں کی پوری پابندی کرو۔''

﴿وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا﴾ (الاسراء: ۱۷/ ۳۴)

''عہد کی پابندی کرو۔ بے شک عہد کے بارے میں جواب دہی کرنی ہو گی۔''

معلوم ہوا کہ ''وعدہ'' کوئی ہوائی کلمہ نہیں ہے جسے کوئی انسان محض اپنی زبان سے ادا کر دے اور اس کی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ضروری نہ ہو' جیسا کہ آج بہت سے مسلمان کرتے ہیں' بلکہ یہ ایک ذمہ داری ہے جس کا حساب لیا جائے گا:

﴿وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ﴾ (النحل: ۱۶/ ۹۱)

''اور اللہ کے عہد کو پورا کرو' جب تم نے اس سے کوئی عہد باندھا ہو۔''

یہ اللہ کا عہد ہے۔ اسکی اضافت ''اللہ'' کی طرف کی گئی ہے۔ اس لیے اسے جلالت' تقدس اور احترام حاصل ہے' اور حالات خواہ کیسے بھی ہوں اسکا پورا کرنا واجب ہے:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ (الصف ۶۱/ ۲-۳)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو خود کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے کہ تم وہ بات کہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے۔''

چنانچہ وعدہ خلافی اور عہد شکنی بہت بری اور قابل نفرت چیز ہے جسے اللہ اپنے مومن بندوں کے لیے ناپسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ اس کے قریب بھی نہ پھٹکیں۔ آیت کی ابتدا میں جو استفہام انکاری ہے وہ کسی پر پوشیدہ نہیں۔ اس سے وفادار مومن شرمندہ ہوتا ہے اور اپنے رب سے حیا کی وجہ سے اس کی پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ' وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ '

وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ))

''منافق کی تین نشانیاں ہیں: ① جب گفتگو کرے تو جھوٹ بولے۔ ② جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے۔ ③ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔'' [1]

صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ اضافہ ہے:

((وَإِنْ صَامَ وَ صَلَّى وَ زَعَمَ أَنَّهُ مُسْلِمٌ))

(''وہ منافق ہے) خواہ روزے رکھے' نماز پڑھے اور دعویٰ کرے کہ وہ مسلم ہے۔'' [2]

آدمی کے اسلام میں حسن و خوبی صرف روزہ' نماز' حج اور دیگر عبادات سے ثابت نہیں ہوتی' بلکہ اس کا اثبات انسان کی نفسیات سے بھی ہوتا ہے جو اسلامی تعلیمات سے متاثر ہوتی ہے اور اس کے سرچشمے سے سیرابی حاصل کرتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی ذات سے بلند اخلاق' اعلیٰ اقدار اور وسیع احکام کی خوشبو پھوٹنے لگتی ہے۔ وہ اللہ کے حدود کی پابندی کرتا ہے' اس کے اوامر کو اختیار کرتا ہے' اس کے نواہی سے بچتا ہے اور ہر چیز میں اس کی ہدایت کا التزام کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حقیقی اور سچے مسلمان کی زندگی میں جھوٹ' عہد شکنی' بے وفائی اور عہود و مواثیق میں خیانت کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ یہ اسلامی اخلاق کے منافی ہے اور یہ چیزیں صرف منافقین کے اخلاق میں پائی جاتی ہیں۔

اس تلخ حقیقت کو ان تاجروں' کاریگروں اور ملازموں کو جان لینا چاہیے جو لوگوں سے اپنے کام کو متعین وقت میں پورا کرنے کا وعدہ کر لیتے ہیں' مگر پھر وعدہ پورا نہیں کرتے۔ یہ حقیقت ان لوگوں کے بھی گوش گزار ہو جانی چاہیے جو کسی معاملہ پر

---

[1] بخاری۔ کتاب الایمان: باب علامات المنافق (ح ۳۳)
مسلم۔ کتاب الایمان: باب خصال المنافق (ح ۵۹)

[2] مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۱۰۹/ ۵۹)

معاہدہ کرتے ہیں' پھر نقض عہد کرتے ہیں۔ اسی طرح اس سے ان لوگوں کو بھی بخوبی واقف ہو جانا چاہیے جنہیں کسی مال' کسی راز' کسی میراث یا کسی اور شے کا امین بنایا جاتا ہے' مگر پھر وہ لوگ اس میں خیانت کرتے ہیں۔ ان تمام لوگوں کو جان لینا چاہیے کہ ان کا شمار منافقین کے زمرہ میں ہوگا' خواہ وہ لوگ کتنے ہی روزے رکھیں' کتنی ہی نمازیں پڑھیں اور کتنا ہی دعویٰ کریں کہ وہ مسلمان ہیں...... اور منافقین تو جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔

اچھے اخلاق کا حامل ہوتا ہے

سچا مسلمان خوش اخلاق' نرم خو اور نرم زبان ہوتا ہے۔ وہ اخلاق کے سلسلہ میں اسلامی تعلیمات پر عمل کرتا ہے اور نبی کریم ﷺ کا اسوہ اختیار کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے خادم سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَحْسَنَ النَّاسِ خُلُقًا))

''رسول اللہ ﷺ کے اخلاق سب سے بہتر تھے۔'' [1]

یہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی جانب سے کوئی مبالغہ آمیز بات نہ تھی' نہ ہی رسول اللہ ﷺ سے محبت کی وجہ سے انہوں نے مبالغہ آرائی کی۔ کیونکہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کے اخلاق کا ایسا مشاہدہ کیا تھا جیسا دیکھنے میں آیا نہ کبھی سننے میں۔ آیئے ہم سیدنا انس رضی اللہ عنہ ہی کی زبان سے اسلام کے عظیم پیغمبر ﷺ کے اخلاق کے ایک پہلو کے بارے میں سنیں۔ فرماتے ہیں:

((لَقَدْ خَدِمْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَشْرَ سِنِيْنَ ' فَمَا قَالَ لِيْ قَطُّ: اُفٍّ ' وَلَا قَالَ لِشَيْءٍ فَعَلْتُهُ: لِمَ فَعَلْتَهُ ؟ وَلَا لِشَيْءٍ لَمْ اَفْعَلْهُ: اَلَا فَعَلْتَ كَذَا؟))

''میں نے رسول اللہ ﷺ کی دس سال خدمت کی۔ آپ نے کبھی ''اف''

[1] بخاري۔ كتاب الادب: باب الكنية للصبي و قبل ان يولد للرجل (ح ۶۲۰۳)
مسلم۔ كتاب الآداب: باب جواز تكنية من لم يولد له (ح ۲۱۵۰)

تک نہیں فرمایا اور اگر میں نے کوئی کام کیا تو یہ نہیں فرمایا کہ ''کیوں کیا؟''
اور اگر کوئی کام نہیں کیا تو یہ باز پرس نہیں کی کہ ''کیوں نہیں کیا؟''①

اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ سہواً یا قصداً کبھی فحش بات منہ سے نہیں نکالتے تھے۔'' جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے رسول اللہ ﷺ یہ ارشادات دہرایا کرتے تھے:

((اِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ اَحْسَنُكُمْ اَخْلَاقًا))

''تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوں۔''②

((اِنَّ الْفُحْشَ وَالتَّفَحُّشَ لَيْسَا مِنَ الْاِسْلَامِ فِيْ شَيْءٍ ' وَاِنَّ اَحْسَنَ النَّاسِ اِسْلَامًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا))

''فحش اور تفحش کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ لوگوں میں سب سے بہتر مسلمان وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔''③

((اِنَّ مِنْ اَحَبِّكُمْ اِلَيَّ وَاَقْرَبِكُمْ مِنِّيْ مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَحَاسِنُكُمْ اَخْلَاقًا ' وَاِنَّ اَبْغَضِكُمْ اِلَيَّ وَ اَبْعَدِكُمْ مِنِّيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الثَّرْثَارُوْنَ وَالْمُتَشَدِّقُوْنَ وَالْمُتَفَيْهِقُوْنَ قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ' قَدْ عَلِمْنَا الثَّرْثَارُوْنَ وَالْمُتَشَدِّقُوْنَ ' فَمَا الْمُتَفَيْهِقُوْنَ؟ قَالَ: اَلْمُتَكَبِّرُوْنَ))

''قیامت کے دن مجھے تم میں سے سب سے زیادہ محبوب اور مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق اچھے ہیں' اور مجھے سب

---

① بخاري۔ كتاب الاداب: باب حسن الخلق والسخاء (ح ٦٠٣٦)
مسلم۔ حواله سابق (ح ٢٣٠٩)

② بخاري۔ كتاب المناقب: باب صفة النبي ﷺ (ح ٣٥٥٩)
مسلم۔ كتاب الفضائل: باب كثرة حياء ﷺ (ح ٢٣٢١)

③ مسند احمد (٥/ ٨٩)

سے زیادہ مبغوض اور لائق نفرت اور مجھ سے سب سے زیادہ دور وہ لوگ ہوں گے جو زیادہ باتونی‘ چرب زبان اور تصنع کرنے والے متکبر ① ہوں گے۔‘‘ ②

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول کریم ﷺ کی اس بلند اخلاقی تعلیم کو سنتے تھے اور اپنی آنکھوں سے اس عظیم اخلاق کا مشاہدہ کرتے تھے جس سے آپ لوگوں سے پیش آتے تھے۔ چنانچہ وہ آپ کے ارشادات پر عمل کرتے تھے اور آپ کا اسوہ اختیار کرتے تھے۔ اس طرح ایک ایسا مثالی معاشرہ وجود میں آیا جس کی ہمسری تاریخ انسانی میں کوئی معاشرہ نہیں کر سکا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

’’نبی کریم ﷺ بڑے رحم دل تھے۔ آپ کی خدمت میں اگر کوئی شخص کوئی ضرورت لے کر آتا تو آپ اس سے وعدہ کرتے‘ اور اگر آپ کے پاس کچھ ہوتا تو آپ ﷺ اس کی ضرورت پوری فرماتے۔‘‘ ③

رسول اللہ ﷺ ایک اخلاقی معاشرہ تعمیر کر رہے تھے اور اپنے عمل و کردار کے ذریعے سے مسلمانوں کو یہ تعلیم دے رہے تھے کہ ایک مسلمان کو اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے۔ اس طرح آپ ان کے سامنے وہ اخلاقی اصول بیان فرما رہے تھے جنہیں مسلمانوں کے معاشرہ پر چھایا ہونا چاہیے۔

اگر غیر مسلموں میں حسن اخلاق حسن تربیت‘ اچھی پرورش اور تعلیمی ترقی کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے تو مسلمانوں میں اس کا محرک سب سے پہلے دین کی وہ تعلیمات ہیں

---

① حدیث میں تین الفاظ آئے ہیں: الثرثارون‘ المتشدقون اور المتفیهقون۔ حدیث میں مزید تفصیل یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: ’’اے اللہ کے رسول! الثرثارون اور المتشدقون کا مطلب تو ہمیں معلوم ہے‘ مگر یہ المتفیهقون کیا ہے؟‘‘ آپ نے فرمایا: ’’اس کا مطلب ہے: ’’المتکبرون‘‘

② ترمذی۔ کتاب البر والصلة: باب ماجاء فی معالی الاخلاق (ح ۲۰۱۸)

③ ترمذی۔ کتاب البر و الصلة: باب ماجاء فی معالی الاخلاق (ح ۲۰۱۸)

جن کی رو سے اخلاق مسلمان کی اصلی خصلت قرار پاتی ہے، جس سے دنیا میں بھی اسے بلند مرتبہ حاصل ہوتا ہے اور آخرت میں بھی اس کے میزان عمل کا پلڑا جھک جاتا ہے۔ کیوں کہ قیامت کے دن مومن کے میزان میں حسن اخلاق سے زیادہ وزنی اور کوئی چیز نہ ہوگی۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں بتلایا ہے:

((مَا مِنْ شَيْءٍ أَثْقَلُ فِيْ مِيزَانِ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ، وَإِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيءَ))

''قیامت کے دن مومن بندہ کے میزان میں اچھے اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی چیز نہ ہوگی۔ بے شک اللہ تعالیٰ فحش بکنے والے اور بدزبان شخص سے نفرت کرتا ہے۔''[۱]

یہی نہیں بلکہ اسلام نے حسن اخلاق کو کمال ایمان میں سے شمار کیا ہے۔ اس لیے کہ اس نے سب سے اچھے اخلاق رکھنے والوں کو کامل ترین مؤمن قرار دیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

((أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا))

''مؤمنوں میں کامل ترین ایمان اس شخص کا ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔''[۲]

اسی طرح سب سے اچھے اخلاق رکھنے والے شخص کو اللہ کا سب سے زیادہ محبوب بندہ قرار دیا گیا ہے۔ سیدنا اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں:

((كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ كَأَنَّمَا عَلَى رُؤُوسِنَا الطَّيْرُ، مَا يَتَكَلَّمُ مِنَّا مُتَكَلِّمٌ، إِذْ جَاءَهُ نَاسٌ فَقَالُوا: مَنْ أَحَبُّ عِبَادِ اللّٰهِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى؟ قَالَ أَحْسَنُهُمْ أَخْلَاقًا))

---

[۱] ترمذی۔ كتاب البر والصلة: باب ماجاء في حسن الخلق (ح ۲۰۰۲)

[۲] ابوداود۔ كتاب السنة: باب الدليل على زيادة الايمان و نقصانه (ح ۴۶۸۲)

''ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں خاموش بیٹھے تھے' گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں' کہ کچھ لوگ آئے اور عرض کیا: ''اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب بندہ کون ہے؟'' آپ نے ارشاد فرمایا: ''جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔'' ①

اس میں کوئی شک نہیں کہ لوگوں میں سب سے اچھے اخلاق کا حامل شخص اللہ کے نزدیک سب سے محبوب ہوگا۔ کیوں کہ اسلامی شریعت میں حسن اخلاق کا ایک عظیم مقام ہے۔ یہ قیامت میں بندے کے میزان میں سب سے بھاری چیز ہوگی' جیسا کہ گزشتہ حدیث سے معلوم ہوا۔ حسن اخلاق کا درجہ اسلام کے دو عظیم ارکان نماز اور روزہ کے درجہ کے برابر ہے' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے:

((لَا یُوضَعُ فِی الْمِیزَانِ اَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ ، وَاِنَّ حُسْنَ الْخُلُقِ لَیَبْلُغُ بِصَاحِبِهِ دَرَجَةَ الصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ))

''میزان میں حسن اخلاق سے زیادہ وزنی چیز کوئی نہیں رکھی جائے گی۔ حسن اخلاق بندے کو روزہ و نماز کے درجے تک پہنچا دیتا ہے۔'' ②

ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

((اِنَّ الْعَبْدَ لَیُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ))

''بندہ اپنے حسن اخلاق سے مسلسل روزہ رکھنے والے اور مسلسل نمازیں پڑھنے والے کا درجہ پالیتا ہے۔'' ③

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ کے سامنے حسن اخلاق کی اہمیت بیان فرماتے رہتے تھے' اس سے آراستہ و پیراستہ ہونے پر اکساتے تھے اور اپنے اقوال

① مسند احمد۔ ۴/ ۲۷۸) ابن ماجه' کتاب الطب: باب ما انزل الله داء الا انزل له شفاء (ح ۳۴۳۶)

② ترمذی۔ کتاب البر والصلة: باب ماجاء فی حسن الخلق (ح ۲۰۰۳)

③ ابوداود۔ کتاب الادب: باب فی حسن الخلق (ح ۴۷۹۸)

وافعال سے مختلف اسالیب کے ذریعے سے اسے پسندیدہ بنا کر پیش کرتے تھے۔ کیونکہ آپ کو پوری طرح احساس تھا کہ طبیعتوں کی درستی' نفوس کے تزکیہ اور انسان کی آراستی میں حسن اخلاق کا نمایاں کردار ہے۔

رسول اللہ ﷺ ایک دعا یہ بھی کرتے رہتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اَحْسَنْتَ خَلْقِي، فَاَحْسِنْ خُلُقِي))

''اے اللہ! تو نے میری بناوٹ اچھی کی ہے تو میرے کردار میں بھی درستی فرما۔'' [1]

رسول کریم ﷺ دعا کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اخلاق اچھے بنا دے۔ اور آپ ہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ (القلم: ٦٨/ ٤)

''اور بے شک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو۔''

یہ اس بات پر زبردست دلیل ہے کہ آپ حسن اخلاق کا زبردست اہتمام فرماتے تھے اور آپ کی یہ زبردست خواہش ہوتی تھی کہ جس طرح آپ دعا کے ذریعے سے اخلاق میں مزید بہتری اور خوبی چاہتے تھے' اسی طرح تمام مسلمان بھی اپنے اخلاق کی مزید درستی کی کوشش کریں۔

حسن اخلاق ایک جامع لفظ ہے' جس کے تحت ہر وہ نیک خصلت آتی ہے جس سے انسان کے کردار میں حسن آتا ہے' اس کا تزکیہ ہوتا ہے اور اس کو رفعت و بلندی حاصل ہوتی ہے۔ جیسے حیا' بردباری' نرمی' عفو و درگزر' رواداری و فراخ دلی' خوش طبعی' سچائی' امانت داری' خیر خواہی' ثابت قدمی' پاک طینتی اور دیگر مکارم اخلاق۔

جو شخص بھی ان نصوص کا استقصا اور جستجو کرتا ہے' جن میں اسلام کی معاشرتی تعلیمات دی گئی ہیں وہ اپنے سامنے ایسے نصوص کا ایک انبار پاتا ہے جن میں ان بلند معاشرتی اخلاق و خصائل میں سے ہر خصلت کے اختیار کرنے پر اکسایا گیا ہے۔ جس

[1] مسند احمد (٦/ ٨٦)

سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام نے مسلمان کی معاشرتی زندگی کی تعمیر کا کتنا زبردست اہتمام کیا ہے! چنانچہ مسلمان اخلاق کے سلسلہ میں صرف عمومی تعلیمات پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ ان تمام اخلاقی جزئیات کو اختیار کرتا ہے جو کامل معاشرتی شخصیت کے کسی پہلو کی تعمیر کرتی ہیں۔ اخلاق کے بارے میں اس دین کے نظام تربیت میں جو استیعاب اور جامعیت پائی جاتی ہے' وہ کسی دوسرے معاشرتی نظام تربیت میں نہیں پائی جاتی۔

نصوص کا استقصا اور جستجو کرنے والے شخص کو ان تمام نصوص پر توقف کرنے اور ان میں پائی جانے والی تعلیمات و ارشادات اور احکامات سے واقف ہونے سے مفر نہیں۔ اس طرح وہ ایک ایسی بلند معاشرتی شخصیت کو نکھار کر پیش کر سکے گا جو ایک متقی اور باشعور مسلمان کا امتیاز ہے۔

ان میں سے بعض نصوص کا ہم نے پہلے تذکرہ کیا ہے جن سے مسلمان کی شخصیت کے بعض پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے اور جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حقیقی مسلمان سچا اور وفا دار ہوتا ہے۔ وہ دغا بازی نہیں کرتا' کسی کو دھوکا نہیں دیتا' غداری اور خیانت سے اجتناب کرتا ہے' حسد سے پرہیز کرتا ہے اور تمام لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آتا ہے۔

اب ہم ان بہت سی دوسری نصوص کو بیان کریں گے جن سے مسلمان کی معاشرتی زندگی کے خدوخال نمایاں ہوتے ہیں اور مختلف گوشوں میں اس کے امتیازی اوصاف کی تحدید و تعیین ہوتی ہے۔

حیا سے متصف ہوتا ہے

حقیقی مسلمان شرم و حیا سے متصف ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں نبی کریم ﷺ کا اسوہ اختیار کرتا ہے جو کہ حیا کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ جلیل القدر صحابی سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے اس قول سے اس کی شہادت ملتی ہے:

((کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَشَدَّ حَیَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِیْ خِدْرِھَا ، فَاِذَا رَاٰی شَیْئًا یَکْرَھُہٗ عَرَفْنَاہُ فِیْ وَجْھِہٖ))

''رسول اللہ ﷺ میں پردہ نشین لڑکیوں سے زیادہ حیا تھی۔ جب آپ کوئی بات ناپسند کرتے تھے تو ہمیں آپ کے چہرے سے آپ کی ناپسندیدگی کا اندازہ ہو جاتا تھا۔'' ①

حیا (جیسا کہ علما نے تعریف کی ہے) ایک اچھی اور پاکیزہ خصلت ہے، جو ہمیشہ بری چیزوں کے ترک پر اکساتی ہے اور حقداروں کا حق ادا کرنے میں کوتاہی سے باز رکھتی ہے۔ اس لیے متعدد احادیث شریفہ میں نبی کریم ﷺ نے اس کی تعریف کی ہے اور اسے حیا کرنے والے اور جس معاشرہ میں وہ رہتا ہے، دونوں کے لیے خیر گردانا ہے۔

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْحَیَاءُ لَا یَاْتِیْ اِلَّا بِخَیْرٍ))

''حیا سوائے خیر کے کچھ نہیں لاتی۔'' ②

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے:

((اَلْحَیَاءُ خَیْرٌ کُلُّہٗ))

''حیاء سراسر خیر ہے۔'' ③

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَ سَبْعُوْنَ اَوْ بِضْعٌ وَ سِتُّوْنَ شُعْبَةً ، فَاَفْضَلُھَا

---

① بخاری۔ کتاب المناقب: باب صفة النبی ﷺ (ح ۳۵۶۲)
مسلم۔ کتاب الفضائل: باب کثرة حیاء ﷺ (ح ۲۰/ ۲۳)

② بخاری۔ کتاب الادب: باب الحیاء: باب ۶۱۱۷
مسلم۔ کتاب الایمان: باب بیان عدد شعب الایمان (ح ۳۷)

③ مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۶۱/ ۳۷)

قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ' وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِيْقِ '
وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْاِيْمَانِ))

''ایمان کی ستر سے کچھ زائد (یا فرمایا: ساٹھ سے کچھ زائد) شاخیں ہیں۔ ان میں سب سے افضل درجہ لا الٰہ الا اللہ کہنے کا ہے اور ادنیٰ درجہ راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹانے کا ہے' اور حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔'' (۱)

سچا اور متقی مسلمان باحیا' مہذب' خوش خلق' نرم طبیعت اور ذکی الحس ہوتا ہے۔ اس سے کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوتا جس سے لوگوں کو اذیت ہو' اور نہ ہی وہ کسی حق دار کا حق ادا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے۔

کیونکہ حیا کی خصلت اس کو ان تمام کاموں سے روکتی ہے اور ان میں جا پڑنے سے باز رکھتی ہے۔ صرف لوگوں سے ہی حیا اور شرم کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے بھی حیاء کی وجہ سے' اور اس خوف سے کہ کہیں اس کے ایمان میں ''ظلم'' کی آمیزش نہ ہو جائے۔ کیوں کہ حیا ایمان کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے' اور حیا سے متصف ہونا وہ بلند مقام ہے جس سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں۔

اللہ اور یوم آخرت پر ایمان کے اخلاقی نتائج مسلمان کو دوسروں سے جس چیز میں ممتاز کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ مسلمان جن اخلاق سے متصف ہوتا ہے' ان میں گہرا اخلاص پایا جاتا ہے' اور خواہ زمانہ میں کتنا ہی الٹ پھیر آ جائے اور حالات کتنے ہی بدل جائیں' مگر اس کے اخلاق میں ثبات اور پائداری پائی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ ایک ایسے زندہ اور تیز وجدان سے صادر ہوتے ہیں جسے خیانت کا ارتکاب کرنے سے حیا دامن گیر ہوتی ہے اور جسے لوگوں سے (جو اس کے ظاہری حالات سے واقف ہوتے ہیں) شرم آنے سے قبل اللہ سے حیا آتی ہے' جو اس کے بھیدوں اور رازوں سے واقف ہے۔ اور اللہ سے حیا ہی وہ مقام ہے جہاں سے مسلمان کے اخلاق اور غیر مسلم

(۱) بخاری۔ کتاب الایمان: باب امور الایمان (ح ۹ مختصراً)
مسلم۔ کتاب الایمان: باب بیان عدد شعب الایمان (ح ۳۵ واللفظ لہ)

کے اخلاق دونوں کے راستے جدا ہو جاتے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے

حقیقی مسلمان لوگوں کے ساتھ لطف و ہمدردی' سنجیدگی و وقار اور نرمی کے ساتھ پیش آتا ہے۔ مگر اس کا یہ سلوک بے محل اور بے موقع نہیں ہوتا' بلکہ وہ موقع و محل کی رعایت کرتے ہوئے ایسا کرتا ہے۔ نرمی اور سنجیدگی پسندیدہ خصلتیں ہیں جنہیں اللہ اپنے مومن بندوں میں دیکھنا چاہتا ہے۔ اس لیے کہ یہ خصلتیں انسان میں خوش اخلاقی' نرم مزاجی اور حسن معاشرت پیدا کرتی ہیں۔ اسے لوگوں کے نفوس سے قریب تر کرتی ہیں اور اسے ان کے دلوں میں محبوب بناتی ہیں۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَيْنَكَ وَ بَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِيْمٌ ○ وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ﴾ (حم سجدہ : ۳۴'۳۵)

''نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔ تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی ہے وہ جگری دوست بن گیا ہے۔ یہ صفت نصیب نہیں ہوتی مگر ان لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں' اور یہ مقام حاصل نہیں ہوتا مگر ان لوگوں کو جو بڑے نصیب والے ہیں۔''

احادیث میں بھی پے در پے بکثرت نصوص مروی ہیں جو نرمی کو پسندیدہ قرار دیتی ہیں' اس کے اختیار کرنے پر اکساتی ہیں اور اس پر زور دیتی ہیں کہ یہ ایک بلند اور عظیم خصلت ہے جسے مسلمانوں کے معاشرہ پر چھا جانا چاہیے اور اس معاشرہ میں رہنے والے' احکام دین سے واقفیت رکھنے والے اور اس کی روشن تعلیمات سے رہنمائی حاصل کرنے والے ہر مسلمان کو اس سے متصف رہنا چاہیے۔ ایک مسلمان کے لیے تو یہی جاننا کافی ہے کہ نرمی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کے بندے تمام کاموں میں نرمی اختیار کریں:

((اِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْاَمْرِ كُلِّهِ))

''بے شک اللہ نرم ہے اور تمام معاملات میں نرمی چاہتا ہے۔'' ①

یہ ایسی عظیم خصلت ہے جس پر اللہ تعالیٰ اتنا ثواب دیتا ہے جتنا کسی دوسری خصلت پر نہیں دیتا۔ اسی کے متعلق نبی کریمؐ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ ، وَ يُعْطِيْ عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِيْ عَلَى الْعُنْفِ وَمَا لَا يُعْطِيْ عَلٰى مَا سِوَاهُ))

''بے شک اللہ نرم ہے اور نرمی پسند کرتا ہے۔ نرمی کرنے پر اتنا ثواب دیتا ہے جتنا سختی کرنے پر نہیں دیتا اور نہ ہی کسی دوسرے فعل پر اتنا ثواب عطا فرماتا ہے۔'' ②

نبی کریم ﷺ نے اپنے ارشادات عالیہ میں ''نرمی'' کی بہت زیادہ تعریف فرمائی ہے اور اسے ہر چیز کی زینت قرار دیا ہے۔ وہ جس چیز میں بھی پائی جاتی ہے اسے زینت بخشتی ہے اور لوگوں کے دلوں اور نگاہوں میں پسندیدہ بناتی ہے۔ اور جس چیز میں نرمی نہیں ہوتی وہ بری ہو جاتی ہے اور قلوب و ارواح اس سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ فرمایا:

((اِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُوْنُ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا زَانَهُ ، وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا شَانَهُ))

''بے شک نرمی جس چیز میں ہوتی ہے وہ اسے زینت بخشتی ہے، اور جس چیز سے نکل جاتی ہے اس کو برا کر دیتی ہے۔'' ③

---

① بخاری۔ کتاب استتابة المرتدین: باب اذا عرض الذمی اوغیرہ بسب النبی ﷺ (ح ۶۹۲۶)

مسلم۔ کتاب السلام: باب النهی عن ابتداء اهل الکتاب بالسلام (ح ۲۱۶۵)

② مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب فضل الرفق (ح ۲۵۹۳)

③ مسلم۔ حواله سابق (ح ۲۵۹۴)

رسول کریم ﷺ مسلمانوں کو لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں نرمی کی تعلیم دیتے تھے اور خوش اسلوبی کے ساتھ ایسا مثالی رویہ اختیار کرنے کی تلقین فرماتے تھے جو اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے والے مسلمان کے شایانِ شان ہو۔ خواہ صورت حال کتنی ہی بغض ونفرت کو بھڑکانے والی اور غیظ وغضب پر اکسانے والی ہو۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ لوگ دوڑے کہ اسے تنبیہ کریں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((دَعُوهُ وَاَرِيقُوا عَلٰى بَوْلِهٖ سَجْلًا مِنْ مَاءٍ اَوْ ذُنُوبًا مِنْ مَاءٍ ، فَاِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ ، وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ))

''اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی بہا دو۔ تم لوگ آسانی کے لیے بھیجے گئے ہو لوگوں پر سختی کرنے کے لیے نہیں بھیجے گئے ہو۔'' [1]

واقعہ یہ ہے کہ صرف نرمی' آسانی' مہربانی اور فراخدلی ہی سے دلوں کے بند دروازے کھولے جا سکتے ہیں اور لوگوں کو حق کی طرف بلایا جا سکتا ہے' نہ کہ تشدد' سختی' شدت' مواخذہ' باز پرس اور زجر وتوبیخ سے۔ اسی لیے اس سلسلہ میں رسول کریم ﷺ کی تعلیم یہ ہے:

((يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا ، وَ بَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا))

''آسانی پیدا کرو اور سختی نہ کرو' خوش خبری دو اور نفرت نہ دلاؤ۔'' [2]

کیوں کہ لوگ فطری طور پر درشتی' سختی اور تشدد کو ناپسند کرتے ہیں اور نرمی' خوش خلقی' آسانی اور رقت کو پسند کرتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے ارشاد فرمایا:

---

[1] بخاری۔ کتاب الوضوء: باب صب الماء علی البول فی المسجد (ح ۲۲۰)

[2] بخاری۔ کتاب الادب: باب قول النبی ﷺ ''یسروا ولا تعسروا'' (ح ۶۱۲۴' ۶۱۲۵)

مسلم۔ کتاب الجہاد: باب فی الامر بالتیسیر و ترک التنفیر (ح ۱۷۳۳' ۱۷۳۴)

﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾

(آل عمران ۳/ ۱۵۹)

''اگر تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جائے۔''

یہ ہر اس شخص کے لیے، جو لوگوں کو ہدایت کی طرف دعوت دینا چاہتا ہے، ایک زندۂ جاوید ارشاد اور ابدی اور محکم دستور ہے، اور اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں تک خوش اسلوبی سے پہنچے اور نرمی، دانائی اور آسانی کا راستہ اختیار کرے، خواہ مخاطب کتنا ہی سرکش، باغی اور ظلم کرنے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ و سیدنا ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجتے وقت اسی چیز کی ہدایت فرمائی تھی:

﴿اِذْهَبَا اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى﴾ (طٰہ: ۲۰/ ۴۳، ۴۴)

''جاؤ تم دونوں فرعون کے پاس کہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔ اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا۔ شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈر جائے۔''

اس لیے کوئی تعجب کی بات نہیں اگر اس دین کی تعلیمات میں نرمی کو سراسر خیر قرار دیا جائے، کہ جس کے دل میں نرمی ہو اس کے پاس خیر ہی خیر ہے اور جو اس سے محروم ہو وہ خیر سے محروم ہے۔ یہ تعلیم ہمیں اس حدیث میں ملتی ہے جسے سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((مَنْ يُّحْرَمِ الرِّفْقَ يُحْرَمِ الْخَيْرَ كُلَّهٗ))

''جو شخص نرمی سے محروم ہو وہ خیر سے یکسر محروم ہے۔'' ①

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نرمی افراد، خاندانوں اور قوموں کی زندگیوں پر چھا جاتی ہے اور ان کے پاکیزہ اور بلند اخلاق کا جز بن جاتی

① مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب فضل الرفق (ح ۲۵۹۳)

ہے تو ان پر خیر کی بارش ہوتی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((يَا عَائِشَةُ! ارْفِقِي فَإِنَّ اللّٰهَ إِذَا أَرَادَ بِأَهْلِ بَيْتٍ خَيْرًا دَلَّهُمْ عَلَى الرِّفْقِ))

''اے عائشہ! نرمی اختیار کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی گھر والوں کے ساتھ خیر کا معاملہ کرنا چاہتا ہے تو انہیں نرمی کی طرف ہدایت کرتا ہے۔'' [1]

ایک روایت میں ہے:

((إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِأَهْلِ بَيْتٍ خَيْرًا أَدْخَلَ عَلَيْهِمُ الرِّفْقَ))

''جب اللہ تعالیٰ کسی گھر والوں کے ساتھ خیر کا معاملہ کرنا چاہتا ہے تو ان میں نرمی پیدا کر دیتا ہے۔'' [2]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ خَيْرًا أَدْخَلَ عَلَيْهِمُ الرِّفْقَ))

''جب اللہ کسی قوم کے ساتھ خیر کا معاملہ کرنا چاہتا ہے تو ان میں نرمی پیدا کر دیتا ہے۔'' [3]

اور اس اخلاق سے بڑھ کر اور کیا خیر ہو سکتی ہے جسے اختیار کر کے آدمی کو جہنم سے خلاصی مل جائے؟ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری حدیث میں فرمایا ہے:

((أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَى النَّارِ، أَوْ بِمَنْ تَحْرُمُ عَلَيْهِ النَّارُ؟ تَحْرُمُ عَلَى كُلِّ قَرِيبٍ هَيِّنٍ لَيِّنٍ سَهْلٍ))

''کیا میں تمہیں اس شخص کے بارے میں نہ بتلاؤں جو جہنم پر حرام ہو گا؟ (یا فرمایا: جس پر جہنم حرام ہو گی؟) جہنم ہر اس شخص پر حرام ہو گی جو نرمی، آسانی

---

[1] مسند احمد (٦/ ١٠٤، ١٠٥)

[2] مسند احمد۔ ٦/ ٧١)

[3] مسند البزار (کشف الاستار (٢/ ٤٠٤، ح ١٩٦٥)

اور سہولت کا رویہ اختیار کرتا ہو۔“ ①

انسانی طبیعت میں ”نرمی“ کی خصلت پروان چڑھاتے ہوئے نبوی ارشادات اس کو مزید رفعت اور بلندی پر پہنچاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس سے ذبح کیے جانے والے جانور کے ساتھ بھی نرمی کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں اور اس کو وہ بلند مرتبہ شمار کرتے ہیں جس تک متقی اور نیک لوگ پہنچنے کی سعی کرتے ہیں:

((اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ ، فَاِذَا قَتَلْتُمْ فَاَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ ، وَاِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذِّبْحَةَ ، وَلْيُحِدَّ اَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ ، وَلْيُرِحْ ذَبِيْحَتَهُ))

”اللہ تعالیٰ نے ہر کام بہتر طریقے پر انجام دینے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ جب تم قتل کرو تو بھلائی سے کرو اور جب جانور کو ذبح کرو تو بھلائی کے ساتھ ذبح کرو۔ اپنی چھری کو تیز کر لو اور ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ۔“ ②

ذبح کیے جانے والے گونگے جانور کے ساتھ نرمی ذبح کرنے والے انسان کی رقت نفس پر دلالت کرتی ہے، اور ہر ذی روح کے ساتھ اس کے رحم و ہمدردی کو ثابت کرتی ہے۔ جس شخص کے دل میں جانوروں کے ساتھ برتاؤ کرنے کے سلسلہ میں یہ معانی جاگزیں ہو جائیں، ظاہر ہے کہ اس کا معاملہ انسانوں کے ساتھ مزید نرمی و آسانی اور لطف و کرم کا ہوگا۔ اسلامی تعلیمات ہر مسلمان کو نرمی کا کس حد تک حکم دیتی ہیں!

رحم و کرم کا برتاؤ کرتا ہے

احکام دین سے شعور و آگہی رکھنے اور اسلام کی روشن اور فراخ تعلیمات سے متاثر ہونے والا مسلمان رحم دل ہوتا ہے اور اس کے دل سے رحمت کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ زمین پر بندوں کے ساتھ رحم و مہربانی کا معاملہ کرنے سے آسمان سے رحمت نازل ہوتی ہے اور اس کے خنک اور مست جھونکے چلتے ہیں۔

① ترمذی۔ كتاب صفة القيامة: باب ۴۵ فضل كل قريب هين سهل (ح ۲۴۸۸)

② مسلم۔ كتاب الصيد والذبائح: باب الامر باحسان الذبح والقتل (ح ۱۹۵۵)

فرمایا:

((اِرْحَمْ مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكَ مَنْ فِي السَّمَاءِ))

''تم اہل زمین پر مہربانی کرو' جو آسمان میں ہے وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) تم پر مہربانی کرے گا۔'' ①

اور اس لیے کہ اس نے دینی تعلیمات سے یہ سیکھا ہے کہ:

((مَنْ لَّمْ يَرْحَمِ النَّاسَ لَمْ يَرْحَمْهُ اللّٰهُ))

''جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ اس پر رحم نہیں کرتا۔'' ②

اور یہ کہ:

((اَلرَّحْمَةَ لَا تُنْزَعُ اِلَّا مِنْ شَقِيٍّ))

''رحمت صرف بد بخت اور سنگ دل شخص کے دل سے نکالی جاتی ہے۔'' ③

حقیقی اور باشعور مسلمان کے دل میں رحمت کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے۔ وہ اپنے رحم و کرم اور مہربانی کو صرف اپنے اہل و عیال' رشتہ دار اور دوست احباب تک محدود نہیں رکھتا' بلکہ اس کا دائرہ تمام انسانوں تک وسیع رہتا ہے۔ اس لیے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے ایسے ارشادات سنتا ہے جن میں تمام لوگوں کے ساتھ مہربانی کا حکم دیا گیا ہے اور اسے ایمان کی شرائط میں سے ایک شرط قرار دیا گیا ہے۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

---

① ابوداود۔ کتاب الادب: باب فی الرحمة' ۴۹۴۱ ترمذی۔ کتاب البروالصلة: باب ماجاء فی رحمة الناس (ح ۱۹۲۴)

② بخاری۔ کتاب التوحید: باب قول الله تبارك و تعالىٰ ﴿قل ادعوالله او ادعوا الرحمن﴾ (ح ۷۳۷۶) مسلم۔ کتاب الفضائل: باب رحمته ﷺ الصبیان والعیال (ح ۲۳۱۹ واللفظ له)

③ ابوداؤد۔ کتاب الادب: باب فی الرحمة (ح ۴۹۴۲) ترمذی۔ کتاب البروالصلة: باب ماجاء فی رحمته الناس (ح ۱۹۲۳)

((لَنْ تُؤْمِنُوا حَتَّى تَرَاحَمُوا ' قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ' كُلُّنَا رَحِيمٌ ' قَالَ اِنَّهُ لَيْسَ بِرَحْمَةِ اَحَدِكُمْ صَاحِبَهُ ' وَلٰكِنَّهَا رَحْمَةُ النَّاسِ ' رَحْمَةُ الْعَامَّةِ))

''تم لوگ اس وقت تک ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ باہم رحم دلی نہ کرنے لگو۔'' صحابہ ؓ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! ہم میں سے تو ہر شخص رحمدل ہے۔'' فرمایا: ''رحم دلی یہ نہیں کہ آدمی صرف اپنے ساتھی کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کرے' بلکہ رحم دلی یہ ہے کہ تمام لوگوں کے ساتھ یہی برتاؤ کرے۔ عام لوگوں کو بھی رحم وکرم میں شامل کرے۔'' (1)

یہ ہے وہ رحم وکرم کی جامعیت و ہمہ گیریت اور تمام لوگوں کے ساتھ ہمدردی و مہربانی اور رحم و کرم' جسے اسلام ایک مسلمان کے دل میں موجزن کرتا ہے' تاکہ مسلمانوں کا معاشرہ ایک ایسا معاشرہ قرار پائے جس میں سچی محبت' خالص خیر خواہی اور گہری ہمدردی کی موجیں اٹھتی ہوں۔

رسول اللہ ﷺ رحم وکرم کا بے مثل نمونہ تھے۔ آپ کی زندگی مہربانی و ہمدردی کی عملی تفسیر تھی اور اس سے اس کی بہترین عکاسی ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ آپ نماز میں ہوتے اور کسی بچے کے رونے کی آواز سنائی دیتی تو آپ کے دل میں بچے کی ماں سے (جو اس کے رونے سے پریشان ہو گی) ہمدردی و مہربانی کا جذبہ موجزن ہو جاتا اور آپ نماز مختصر کر دیتے۔

امام بخاری اور امام مسلم ؒ نے سیدنا انس ؓ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((اِنِّي لَادْخُلُ الصَّلَاةَ ' وَاَنَا اُرِيدُ اَنْ اُطِيلَهَا ' فَاَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ ' فَاَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي مِمَّا اَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ اُمِّهِ مِنْ بُكَائِهِ))

---

(1) مستدرك حاكم ٣/ ١٦٧' ١٦٨)

''میں نماز شروع کرتا ہوں تو میری خواہش ہوتی ہے کہ اسے طول دوں۔ مگر کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اپنی نماز کو مختصر کر دیتا ہوں۔ اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ اس کی ماں اس کے رونے کی وجہ سے کس قدر پریشان ہوگی۔'' ①

ایک اعرابی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: کیا آپ لوگ اپنے بچوں کا بوسہ لیتے ہیں؟ ہم تو اپنے بچوں کا بوسہ نہیں لیتے۔'' نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَوَ اَمْلِكُ لَكَ اِنْ نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ؟))

''اگر اللہ نے تمہارے دل سے رحم نکال دیا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں؟'' ②

ایک مجلس میں رسول کریم ﷺ نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا بوسہ لیا۔ وہاں سیدنا اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے عرض کیا: ''میرے تو دس بچے ہیں، مگر میں نے کبھی کسی کا بوسہ نہیں لیا۔'' رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا:

((مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ))

''جو شخص دوسرے پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔'' ③

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو ایک علاقہ کے مسلمانوں کا گورنر بنانا چاہا، مگر انہوں نے جب اسے سیدنا اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کی طرح یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ اپنے بچوں کا بوسہ نہیں لیتا تو اپنا ارادہ بدل دیا اور فرمایا:

---

① بخاری۔ کتاب الاذان: باب من اخف الصلاۃ عند بکاء الصبی (ح ۷۰۹)
مسلم۔ کتاب الصلاۃ: باب امر الائمۃ تخفیف الصلاۃ فی تمام (ح ۴۷۰)

② بخاری۔ کتاب الادب: باب رحمۃ الولد و تقبیلہ و معانقتہ (ح ۵۹۹۸)
مسلم۔ کتاب الفضائل: باب رحمتہ ﷺ الصبیان والعیال (ح ۲۳۱۷)

③ بخاری۔ حوالہ سابق (ح ۵۹۹۷) مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۲۳۱۸)

((اِذَا كَانَتْ نَفْسُكَ لَا تَبُضُّ بِالرَّحْمَةِ لِأَوْلَادِكَ، فَكَيْفَ تَكُونُ رَحِيمًا بِالنَّاسِ؟ وَاللّٰهِ لَا أُوَلِّيكَ أَبَدًا، ثُمَّ مَزَّقَ الْكِتَابَ الَّذِي أَعَدَّهُ لِتَوْلِيَتِهِ))

''جب تمہارے دل میں اپنے بچوں کے لیے رحم و مہربانی نہیں تو تم دوسرے لوگوں کے ساتھ کیا رحم و کرم کا برتاؤ کرو گے؟ اللہ کی قسم! میں تمہیں کبھی گورنر نہیں بناؤں گا۔''

پھر وہ دستاویز پھاڑ دی جسے اس کی گورنری کے لیے تیار کیا تھا۔ [1]

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے حس و وجدان میں رحمت کا دائرہ بہت وسیع کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ اس میں حیوانات بھی شامل ہیں، چہ جائیکہ انسان۔ آپ کی پر حکمت تعلیمات سے، جو آپ لوگوں کے سامنے بیان فرماتے تھے، اس کی پوری وضاحت ہوتی ہے۔ شیخین (بخاری و مسلم) نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ایک شخص کہیں جا رہا تھا۔ راستے میں اسے پیاس لگی۔ اس نے ایک کنواں دیکھا۔ اس میں اترا اور اپنی پیاس بجھائی۔ جب باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا کھڑا ہانپ رہا ہے اور پیاس کی شدت سے کیچڑ کھا رہا ہے۔ اس شخص نے کہا: ''لگتا ہے کہ اس کتے کو بھی ویسی ہی شدید پیاس لگی ہے جیسی مجھے لگی ہے۔'' پھر وہ کنوئیں میں اترا، اپنے موزے میں پانی بھرا، پھر اسے منہ سے پکڑ کر باہر نکلا اور کتے کو پلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل پر اسے اجر دیا اور اس کی مغفرت کر دی۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! کیا ہمارے لیے جانوروں کے ساتھ بھی ہمدردی کرنے میں اجر ہے؟'' فرمایا:

((فِي كُلِّ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ))

---

[1] بخاری فی الادب المفرد (ح ۹۹) نحو المعنیٰ

''ہر ذی روح کے ساتھ ہمدردی اور رحم پر اجر ہے۔'' ①

شیخین ہی نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((عُذِّبَتِ امْرَاَةٌ فِيْ هِرَّةٍ حَبَسَتْهَا حَتّٰى مَاتَتْ جُوْعًا ' فَدَخَلَتْ فِيْهَا النَّارَ ۔ يُقَالُ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ: لَا اَنْتِ اَطْعَمْتِهَا وَلَا سَقَيْتِهَا حِيْنَ حَبَسْتِهَا ' وَلَا اَنْتِ اَرْسَلْتِهَا' فَاَكَلَتْ مِنْ خَشَاشِ الْاَرْضِ))

''ایک عورت کو ایک بلی کے سبب عذاب دیا جائے گا۔ جس نے اس کو قید کر دیا تھا' یہاں تک کہ وہ بھوک سے مر گئی۔ اس بنا پر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اس سے کہا جائے گا...... اور اللہ بخوبی جانتا ہو گا......تو نے جب اسے قید کیا تو نہ کچھ کھلایا نہ پلایا' اور نہ ہی اسے چھوڑ دیا کہ وہ زمین کے کیڑوں مکوڑوں سے اپنا پیٹ بھرتی۔'' ②

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت کے ایک بلند مرتبے پر فائز تھے۔ اس کا ثبوت ایک واقعہ سے ملتا ہے کہ آپ ایک مرتبہ سفر میں ایک جگہ اترے۔ ایک پرندہ (سرخاب) آ کر آپ کے سر مبارک کے اوپر پھر پھڑانے لگا' گویا وہ آپ کی پناہ میں آ کر شکوہ کر رہا تھا کہ ایک آدمی نے اس کے انڈے لے کر اس پر ظلم کیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

((اَيُّكُمْ فَجَعَ هٰذِهِ بِبَيْضَتِهَا؟ فَقَالَ: رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ' اَنَا اَخَذْتُ بَيْضَتَهَا ' فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم ((اُرْدُدْهَا رَحْمَةً لَهَا))

''کس نے اس کے انڈے لے کر اسے تکلیف پہنچائی ہے؟'' ایک شخص نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں نے اس کے انڈے لیے ہیں۔'' نبی

---

① بخاری۔ کتاب الادب: باب رحمة النا۵۲س والبهائم (ح ۶۰۰۹)
مسلم۔ کتاب السلام: باب فضل من سقی البهائم المحترمة واطعامها (ح ۲۲۴۴)

② بخاری۔ کتاب المساقاة: باب فضل سقی الماء (ح ۲۳۶۵)
مسلم۔ کتاب السلام: باب تحریم قتل الهرة (ح ۲۲۴۲)

کریم ﷺ نے فرمایا: ''اس پر رحم کرو۔ اس کے انڈے واپس کر دو۔'' [1]

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے مسلمان کے وجدان وشعور میں رحمت کا وسیع اور جامع مفہوم جاگزیں کرنا چاہا ہے' تاکہ وہ فطری طور پر رحم دل ہو جائے' یہاں تک کہ جانوروں کے ساتھ بھی اس کا رویہ رحم کا ہو۔ اس لیے کہ جو شخص جانوروں کے ساتھ رحم و ہمدردی سے پیش آئے گا' وہ کبھی اپنے بھائی پر ظلم و زیادتی نہیں کر سکتا۔

رسول اللہ ﷺ انسان اور حیوان دونوں کے لیے سراپا رحمت تھے' اور مسلمانوں کو بھی اسی کی تعلیم دیتے تھے۔ تاکہ مسلمانوں کی دنیا میں رحمت عام ہو جائے اور ان کے معاشرہ اور ملک پر اس کا تسلط ہو جائے۔ اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مصداق جب رحمت زمین پر جاری و ساری ہو جائے گی تو اس پر اور اس کے رہنے والوں پر آسمان سے اللہ کی رحمتوں کی بارش ہو گی:

((اِرْحَمْ مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكَ مَنْ فِي السَّمَاءِ))

''تم اہل زمین پر مہربانی کرو' جو آسمان میں ہے (یعنی اللہ تعالیٰ) وہ تم پر مہربانی کرے گا۔'' [2]

عفو و درگزر سے کام لیتا ہے

ایک متقی اور دینی تعلیمات پر لبیک کہنے والا مسلمان عفو و درگزر کرنے والا ہوتا ہے۔

عفو و درگزر ایک بلند انسانی خصلت ہے جس کی قرآنی نصوص میں بہت زیادہ تعریف کی گئی ہے اور اس سے آراستہ ہونے والوں کو تقویٰ کا بلند نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ ان کا شمار ان نیکو کار لوگوں کے زمرے میں ہوتا ہے جو اللہ کی محبت و رضا جوئی سے سرفراز ہوتے ہیں:

---

[1] بخاری فی الادب المفرد (ح ۳۸۲)

[2] ابوداود۔ کتاب الادب: باب فی الرحمة (ح ۴۹۴۱)
ترمذی۔ کتاب البر والصلة: باب ماجاء فی رحمة الناس (ح ۱۹۲۴)

﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾

(آل عمران : ۳/ ۱۳۴)

''جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں، ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں۔''

اس فضیلت کے مستحق وہ اس لیے ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنا غصہ پی لیا، کسی سے بغض ونفرت اور حقد وکینہ نہیں رکھا، بلکہ نفرت وکینہ کے بھاری بوجھ سے آزاد ہو گئے اور عفو ومغفرت، نرمی وچشم پوشی کی وسیع فضاؤں میں زندگی گزاری۔ چنانچہ صاف دلی، پاک طینتی، خوش خلقی اور راحت نفس بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر اللہ کی محبت و خوشنودی سے سرفراز ہوتے ہیں۔

معافی، درگزر اور چشم پوشی ایک بلند مقام ہے، جس کی بلندی تک صرف وہی لوگ پہنچ سکتے ہیں جن کے دلوں کے بند دروازے اسلامی تعلیمات کے لیے کھل گئے ہوں اور جن کے نفوس اسلام کے وسیع اخلاق سے اثر پذیر ہوئے ہوں۔ چنانچہ انہوں نے اللہ کی بارگاہ میں ملنے والی مغفرت، ثواب اور عزت افزائی کو انتقام اور بدلہ کی خواہش اور نفس کی دیگر خواہشات پر ترجیح دی ہو۔

قرآن کریم نے نفس انسانی کو اس بلند اور مشکل مقام تک پہنچانے میں ماہرانہ اسلوب اختیار کیا ہے۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کر دیا کہ جس شخص پر زیادتی ہوئی ہو اسے حق ہے کہ اپنے نفس کے لیے بدلہ لے اور اپنے آپ سے ظلم و زیادتی کو دور کرے۔ اس لیے کہ برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔ لیکن اس نے اسے یوں ہی چھوڑ نہیں دیا کہ وہ بدلہ اور انتقام کے جذبات کا شکار ہو جائے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ نرمی، صبر اور عفو و درگزر کے بلند مقام تک اس کی رہنمائی کی اور اسے بتلایا کہ یہ مقام اولوالعزمی کا مقام ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَ لَمَنِ

انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ○ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ وَ لَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾

(الشوریٰ: ۴۲/ ۳۹-۴۳)

''اور جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔ پھر جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو لوگ ظلم ہونے کے بعد بدلہ لیں ان کو ملامت نہیں کی جاسکتی۔ ملامت کے مستحق تو وہ ہیں جو دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق زیادتیاں کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ البتہ جو شخص صبر سے کام لے اور درگزر کرے تو یہ بڑی اولوالعزمی کے کاموں میں سے ہے۔''

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب ''افک'' کی افواہ سنی' جسے بعض نادان لوگ پھیلا رہے تھے اور آپ کی صاحبزادی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان تراشی کر رہے تھے' تو آپ کے دل کو شدید صدمہ اور حزن وغم پہنچا' اور آپ نے قسم کھائی کہ آپ کے فضل و احسان کی ناشکری کرنے والوں سے' جو اس بہتان تراشی میں ملوث ہو گئے تھے' اپنے تعاون و مدد کا سلسلہ منقطع کر لیں گے' تو یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَ السَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْا اُولِي الْقُرْبٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوْا وَ لْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (النور: ۲۴/ ۲۲)

''تم میں سے جو لوگ صاحب فضل اور صاحب مقدرت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھا بیٹھیں کہ اپنے رشتہ دار' مسکین اور مہاجر فی سبیل اللہ لوگوں کی مدد نہ کریں گے۔ انہیں معاف کر دینا چاہیے اور درگزر کرنا چاہیے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے؟ اور اللہ کی صفت یہ ہے کہ وہ غفور و رحیم

ہے۔“

اہلِ ایمان کا معاشرہ ایسا ہوتا ہے کہ اس میں افراد کے درمیان معاملات چھوٹی بڑی چیزوں میں گرفت، باز پرس اور ذاتی انتقام پر مبنی نہیں ہوتے، بلکہ اس کے برعکس معافی، چشم پوشی، عفو و درگزر اور صبر پر قائم ہوتے ہیں۔ اسی چیز کی طرف اسلامی نصوص دعوت دیتی ہیں اور اسی پر دین کی بلند اور محکم تعلیمات اکساتی ہیں:

﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَ بَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ○ وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ﴾ (حم سجدہ: ۴۱/ ۳۴، ۳۵)

”نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔ تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔ یہ صفت نصیب نہیں ہوتی مگر ان لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں، اور یہ مقام حاصل نہیں ہوتا مگر ان لوگوں کو جو بڑے نصیبے والے ہیں۔“

جب بھی برائی کا بدلہ برائی سے دیا جائے گا تو سینوں میں غیظ و غضب کے شعلے بھڑکیں گے، حقد و کینہ کے جذبات مشتعل ہوں گے اور بغض و نفرت کے احساسات پروان چڑھیں گے۔ لیکن جب برائی کا بدلہ نیکی سے دیا جائے گا تو اس سے غیظ و غضب کے شعلے سرد پڑیں گے، نفس کا اشتعال ماند پڑ جائے گا اور بغض و نفرت کی کدورتیں دل سے دھل جائیں گی۔ چنانچہ جن کے درمیان باہم دشمنی چلی آ رہی تھی، وہ کسی ایک کی طرف سے اچھی بات ظاہر ہونے یا محبت آمیز مسکراہٹ کا اظہار ہونے سے پکے دوست بن جائیں گے اور باہم شیر و شکر ہو جائیں گے، اور یقیناً یہ اس شخص کی بڑی کامیابی ہے جس نے برائی کا بدلہ نیکی سے دیا۔ یہ وہ مقام ہے جسے بڑے نصیبے والا ہی حاصل کر سکتا ہے، کہ جب اس کے ساتھ برائی کی جائے تو وہ اس پر صبر کرے اور اس کا بدلہ نیکی سے دے۔ جس کی طرف مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

یہ ہے اہلِ ایمان کے معاشرہ میں ایک مؤمن کا اخلاق۔ ایسے اہلِ ایمان کے

نفوس میں راسخ اور جاگزیں کرنے کے سلسلہ میں بکثرت آیات آئی ہیں جو مومن سے مطالبہ کرتی ہیں کہ وہ ایسے موقعوں پر غصہ پی جائے' معاف کر دے اور عفو و درگزر سے کام لے۔ جس کے بعد حقد و کینہ کا کوئی اثر' غیظ و غضب کا کوئی شائبہ اور بغض و نفرت کا کوئی احتمال نہ ہو:

﴿فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ﴾ (الحجر: ۱۵/ ۸۵)

''شریفانہ درگزر سے کام لو۔''

عفو و درگزر کے اس پاکیزہ انسانی اخلاق کا اہتمام کرنے اور اسے مسلمانوں کے نفوس میں راسخ کرنے پر اکسانے کے سلسلہ میں احادیث شریفہ بھی کسی طرح آیات کریمہ سے کم نہیں۔ یہ احادیث اس اخلاق کا وہ بلند تطبیقی کردار پیش کرتی ہیں جس سے مسلمانوں کے قائد' امام اور مربی رسول اللہ ﷺ متصف تھے' اور آپ کی اقتدا کرنے اور آپ کے بتلائے ہوئے راستے پر چلنے کی طرف دعوت دیتی ہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' فرماتی ہیں:

((مَا ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شَيْئًا قَطُّ بِيَدِهِ ' وَلَا امْرَأَةً وَلَا خَادِمًا ' اِلَّا اَنْ يُّجَاهِدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ' وَمَا نِيْلَ مِنْهُ شَيْءٌ قَطُّ ' فَيَنْتَقِمَ مِنْ صَاحِبِهِ ' اِلَّا اَنْ يُّنْتَهَكَ شَيْءٌ مِنْ مَحَارِمِ اللّٰهِ تَعَالٰى ' فَيَنْتَقِمُ لِلّٰهِ تَعَالٰى))

''رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ نہ کسی عورت (باندی) کو نہ کسی غلام کو' اِلا یہ کہ آپ اللہ کے راستے میں جہاد کر رہے ہوں۔ آپ کو کبھی کسی سے تکلیف پہنچتی تو آپ تکلیف پہنچانے والے سے بدلہ نہ لیتے۔ مگر جب اللہ کی حرمتوں میں کوئی بے حرمتی کرتا تو آپ اللہ کے لیے بدلہ لیتے۔''[1]

---

[1] مسلم۔ کتاب الفضائل: باب مبا عدته ﷺ للآثام و اختیاره من اطباع اسهله (ح ۲۳۲۸)

نبی کریم ﷺ رب العزت کے اس حکم کی عملی تصویر تھے:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ (الاعراف ۷/ ۱۹۹)

''نرمی اور درگزر کا طریقہ اختیار کرو، معروف کی تلقین کیے جاؤ اور جاہلوں سے نہ الجھو۔''

اور اس ارشاد باری کا جیتا جاگتا نمونہ تھے:

﴿اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ﴾ (حم سجدہ: ۴۱/ ۳۴)

''تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔''

نبی کریم ﷺ اخلاق ربانی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔ آپ کا عظیم اخلاق تمام لوگوں کے لیے تھا۔ آپ لوگوں کی برائی کا بدلہ برائی سے نہیں لیتے تھے بلکہ اس کے مقابلہ میں عفو و درگزر اور جاہلوں سے اعراض کا اخلاق پیش کرتے تھے اور برائی کو نیکی کے ذریعے دفع کرتے تھے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا۔ آپ موٹے کنارے کی ایک نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ راستے میں ایک اعرابی ملا۔ اس نے چادر پکڑ کر بہت زور سے کھینچا۔ میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کے کندھے پر چادر کے زور سے کھینچنے کی وجہ سے نشان پڑ گیا۔ پھر وہ کہنے لگا: ''اے محمد! مجھے اس مال میں سے دیجیے جو اللہ نے آپ کو دیا ہے۔''

((فَالْتَفَتَ اِلَیْهِ ، فَضَحِكَ ، ثُمَّ اَمَرَ لَهُ بِعَطَاءٍ))

''آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے، مسکرائے، پھر اسے کچھ دینے کا حکم دیا۔'' [1]

---

[1] بخاری۔ کتاب الادب: باب التبسم والضحك (ح ۶۰۸۸)
مسلم۔ کتاب الزکاۃ: باب اعطاء المولفة و من یکاف علی ایمانه ان لم یعط (ح ۱۰۵۷)

عفو و درگزر کا اخلاق آپ کے نفس میں اس درجہ راسخ اور گہرا تھا کہ آپ نے اس یہودی عورت کو بھی معاف کر دیا جس نے زہر آلود بکری کا گوشت آپ کی خدمت میں ہدیۃً پیش کیا تھا۔ بخاری و مسلم اور دیگر محدثین سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں زہر آلود بکری کا گوشت ہدیہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس میں سے کچھ کھایا اور آپ کے ساتھ بعض صحابہ نے بھی کھایا۔ پھر آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ''ٹھیر جاؤ! یہ زہر آلود ہے۔'' عورت کو پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ نے اس سے فرمایا:

((مَا حَمَلَكِ عَلٰی مَا صَنَعْتِ؟ قَالَتْ: اَرَدْتُ اَنْ اَعْلَمَ اِنْ كُنْتَ نَبِيًّا فَسَيُطْلِعُكَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَلَنْ تَضُرَّكَ، وَاِنْ لَمْ تَكُنْ نَبِيًّا اِسْتَرَحْنَا مِنْكَ۔ قَالُوْا: اَلَا نَقْتُلُهَا؟ قَالَ: (لَا) وَ عَفَا عَنْهَا))

''تجھے اس کام پر کس چیز نے آمادہ کیا؟'' اس نے کہا: ''میں نے یہ جاننا چاہا تھا کہ اگر آپ نبی ہوں گے تو اللہ آپ کو اس پر مطلع کر دے گا اور آپ کو کچھ نقصان نہ پہنچے گا' اور اگر آپ نبی نہیں ہیں تو ہمیں آپ سے چھٹکارا مل جائے گا۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''کیا ہم اسے قتل نہ کر دیں؟'' آپ نے فرمایا: ''نہیں'' اور اس کو معاف کر دیا۔''[۱]

جب قبیلہ دوس نے نافرمانی کی اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے سے انکار کیا تو سیدنا طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ قبیلہ دوس نے نافرمانی کی ہے اور اطاعت سے انکار کیا ہے' لہٰذا آپ ان کے لیے بددعا کر دیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے قبلہ کا رخ کیا اور ہاتھ اٹھا دیئے۔ لوگ کہنے لگے: ''دوس والے تو اب ہلاک ہو گئے۔'' لیکن رحیم و مہربان' فراخ دل اور

---

[۱] بخاری۔ کتاب الجزیة: باب اذا غدر المشرکون بالمسلمین هل یوفی عنهم (ح ۳۱۶۹) کتاب الهبة باب قبول الهدیة من المشرکین (ح ۲۶۱۷) مسلم۔ کتاب السلام: باب السم (ح ۲۱۹۰) ابوداود۔ کتاب الدیات: باب فی من سقی رجلًا سمًّا او اطعمه فمات ایقاد منه (ح ۴۵۱۰، ۴۵۱۲)

بندوں پر مشفق اللہ کا رسول دوس کے لیے یوں دعا کرنے لگا.

((اَللّٰھُمَّ اھْدِ دَوْسًا وَائْتِ بِھِمْ، اَللّٰھُمَّ اھْدِ دَوْسًا وَائْتِ بِھِمْ اَللّٰھُمَّ اھْدِ دَوْسًا وَائْتِ بِھِمْ))

''اے اللہ! دوس کو ہدایت دے اور ان کو لے آ۔ اے اللہ! دوس کو ہدایت دے اور ان کو لے آ۔ اے اللہ! دوس کو ہدایت دے اور ان کو لے آ۔'' ①

رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے دلوں میں ہمیشہ عفو و درگزر کے اخلاق کو راسخ کرتے اور انہیں یہ تعلیم دیتے تھے کہ اگرچہ لوگ ان کے ساتھ مخالفت، اعراض اور قطع تعلقی کا معاملہ برتیں، مگر وہ ان کے ساتھ تسامح، رواداری اور عفو و درگزر کا برتاؤ کریں۔ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت کردہ تربیت یافتہ تیز نگاہ سے یہ اچھی طرح ادراک کرتے تھے کہ لوگ شدت، سختی اور قطع تعلقی کے مقابلہ میں بلند اخلاقی اور بھائی چارانہ تعلق سے قریب ہوتے ہیں۔ اسی لیے جب آپ سے سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! مجھے بتلایئے کہ سب سے افضل اعمال کیا ہیں؟'' تو آپ نے انہیں مندرجہ ذیل چیزوں کی تعلیم دی:

((یَا عُقْبَةُ، صِلْ مَنْ قَطَعَكَ، وَاَعْطِ مَنْ حَرَمَكَ، وَاَعْرِضْ عَمَّنْ ظَلَمَكَ))

''اے عقبہ! جو تم سے قطع تعلق کرے تم اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔ جو تم کو محروم کرے تم اسے دو۔ جو تم پر ظلم کرے تم اس سے درگزر کرو۔''

اور ایک روایت میں ہے:

((وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ))

''جو تم پر ظلم کرے تم اسے معاف کر دو۔'' ②

---

① بخاری۔ کتاب الجهاد: باب الدعاء للمشرکین بالهدی لیتالفهم (ح ۲۹۳۷) مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة: باب من فضائل غفار واسلم (ح ۲۵۲۴)

② مسند احمد (۴/ ۱۵۸) مستدرك حاكم (۲/ ۱۶۱، ۱۶۲)

فیاض اور فراخ دل ہوتا ہے

دینی احکام کا شعور رکھنے والا مسلمان لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں فیاضی اور فراخ دلی سے کام لیتا ہے۔ اسے اچھی طرح احساس ہوتا ہے کہ فراخ دلی جیسی کوئی خصلت نہیں جس سے انسان کو دنیا و آخرت دونوں میں خیر نصیب ہو۔ وہ اپنے فیاضانہ، نرم اور پسندیدہ اخلاق سے لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیتا ہے اور لوگ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اللہ کی خوشنودی اور اس کے عفو و رحمت کا بھی مستحق ہو جاتا ہے۔ نصوص قطعیہ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ سیدنا جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا سَمْحًا اِذَا بَاعَ، وَاِذَا اشْتَرٰی، وَاِذَا اقْتَضٰی))

''اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جو خرید و فروخت کے موقع پر اور قرض کا تقاضا کرتے وقت فراخ دلی سے کام لیتا ہے۔'' ①

سیدنا ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((حُوْسِبَ رَجُلٌ مِّمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَلَمْ يُوْجَدْ لَهُ مِنَ الْخَيْرِ اِلَّا اَنَّهُ كَانَ رَجُلًا يُخَالِطُ النَّاسَ، وَكَانَ مُوْسِرًا، فَكَانَ يَاْمُرُ غِلْمَانَهُ اَنْ يَّتَجَاوَزُوْا عَنِ الْمُعْسِرِ۔ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ: فَنَحْنُ اَحَقُّ بِذٰلِكَ مِنْهُ، فَتَجَاوَزُوْا عَنْهُ))

''تم سے پہلے کے زمانے کے ایک شخص کا محاسبہ کیا گیا تو اس کے پاس کوئی نیکی نہ ملی، سوائے اس کے کہ وہ لوگوں کے ساتھ لین دین کرتا تھا۔ وہ خوش حال تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے غلاموں کو حکم دے رکھا تھا کہ تنگ دست سے درگزر کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اس کے اس سے زیادہ حق دار ہیں۔ چنانچہ فرشتوں نے اسے چھوڑ دیا۔'' ②

---

① بخاری۔ کتاب البیوع: باب السھولة والسماحة لشراء البیع (ح ۲۰۷۶)

② مسلم۔ کتاب المساقاة: باب فضل انظار المعسر (ح ۱۵۶۱)

غور کرنے کا مقام ہے انسان کی میزان میں یہ خصلت کتنا وزن رکھتی ہے! اور قیامت میں پیشی کے دن اور اس کی سخت گھڑیوں میں انسان کو اس کی کتنی سخت ضرورت ہوگی!!

خندہ روئی سے ملتا ہے

اس پسندیدہ اور نرم اخلاق کے لوازم میں سے یہ ہے کہ انسان لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی اور شگفتہ روئی کے ساتھ ملے' اس کا چہرہ کھلا ہوا ہو اور اس سے مسکراہٹ جھلکتی ہو۔ یہ سب حسن اخلاق اور نیکی کے کاموں میں سے ہے جن پر اسلام نے اکسایا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَیْئًا ' وَلَوْ اَنْ تَلْقٰی اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ))

''معمولی سی نیکی کو بھی حقیر نہ سمجھو' خواہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملنا ہو۔'' (١)

صحیح بخاری و مسلم نے جلیل القدر صحابی سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' فرماتے ہیں:

((مَا رَآنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُنْذُ اَسْلَمْتُ اِلَّا تَبَسَّمَ فِیْ وَجْهِیْ))

''میرے اسلام لانے کے بعد سے رسول اللہ ﷺ نے جب بھی مجھے دیکھا تو خندہ پیشانی سے ملے۔'' (٢)

یقیناً وہ معاشرہ' جس کے افراد کے مابین فراخ دلی و فیاضی' سماحت و رواداری

---

(١) مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء (ح ٢٦٢٦)

(٢) بخاری۔ کتاب مناقب الانصار: باب ذکر جریر بن عبداللہ البجلی (ح ٣٨٢٢)
مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة: باب من فضائل جریر بن عبداللہ (ح ٢٤٧٥)

محبت ومودت اور فرحت ومسرت عام ہو' ایک بلند انسانی معاشرہ ہے جو محبت ومودت اور متانت واستحکام پر مبنی ہے' جس میں انسان کا اکرام اور اخلاق کا احترام قائم ہے اور جس پر بلند انسانی اقدار مفاہیم کی حکمرانی ہے' اور دراصل یہی وہ اسلامی معاشرہ ہے جسے وجود میں لانے اور برپا کرنے کا بکثرت نصوص میں حکم دیا گیا ہے اور جس کی طرف اسلام کے تربیتی اصول رہنمائی کرتے ہیں' تاکہ دیگر معاشروں کے درمیان اس معاشرہ کی ایک امتیازی شان ہو۔

اس ربانی معاشرہ اور مادیت کی بنیاد پر قائم ہونے والے معاشروں کے درمیان پائے جانے والے اس نمایاں فرق کو ہم بخوبی محسوس کر سکتے ہیں۔ وہ معاشرے جن میں انسان گلا گھونٹ دینے والی جذباتی ناآسودگی اور بے مائیگی میں زندگی گزارتا ہے' وہ کسی پڑوسی کو یا کسی رشتہ دار کو دیکھ کر خوشی کا اظہار نہیں کرتا اور نہ ہی کسی دوست سے ملتے وقت اس کے چہرے پر محبت کی مسکراہٹ نمایاں ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ حیران و پریشان اپنے خیالوں میں مگن اور مادی زندگی کے تقاضوں کی تکمیل میں ہمہ تن مشغول رہتا ہے۔ مادی زندگی نے اس کے انسانی جذبے کے شعلے کو سرد کر دیا ہے' روحانی آسودگی کے سوتوں کو خشک کر دیا ہے اور اس کو ایسا پابند بنا دیا ہے کہ وہ اس کے فلک میں لٹو کی مانند گردش کر رہا ہے۔ اس کو کسی کروٹ چین نہیں اور کسی پل قرار نہیں۔

خوش طبع اور ظریف ہوتا ہے

مسلمان لوگوں کے ساتھ خوش طبعی اور ظرافت سے پیش آتا ہے۔ لوگ اس کی صحبت میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ وہ لوگوں کے ساتھ گھل مل کر رہتا ہے۔ ہنسی مذاق اور خوش طبعی کے موقعوں پر ان سے ہنسی مذاق کرتا ہے۔ وہ نہ اپنے ہنسی مذاق میں غلو کرتا ہے کہ اس سے لوگوں کو اذیت پہنچے اور نہ اپنی سنجیدگی میں حد سے تجاوز کرتا ہے کہ اس کی سنجیدگی لوگوں پر گراں گزرے۔ اس کا مذاق اسلامی اور جائز حدود میں ہوتا ہے اور وہ اپنے مذاق میں بھی حق کے دائرہ سے تجاوز نہیں کرتا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور

صحابہ کرامؓ کا ان کے ہنسی مذاق اور خوش طبعیوں میں معمول تھا۔ حدیث میں ہے کہ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

''آپ ہم سے ہنسی مذاق کرتے ہیں؟'' آپ نے فرمایا:

((اِنِّی لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا))

''میں صرف حق بات کہتا ہوں۔'' ①

رسول اللہ ﷺ بھی ہنسی مذاق کیا کرتے تھے۔ مگر آپ ہنسی مذاق میں بھی حق بات ہی کہتے تھے۔ یہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی حال تھا۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ہونے والی خوش طبعیوں اور ہنسی مذاق کے سلسلہ میں بہت سے پرلطف واقعات اور دلچسپ و پاکیزہ لطائف مروی ہیں۔ ان میں سے کچھ یہاں بیان کیے جارہے ہیں۔

کتب احادیث و سیر میں مروی ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ ایک صحابی کے بچے (جس کی کنیت ابوعمیر تھی) سے ہنسی مذاق کیا کرتے تھے۔ وہ ایک پرندہ پالے ہوئے تھا جس سے کھیلتا تھا۔ ایک دن آپ نے اس کو رنجیدہ اور غمگین دیکھا تو فرمایا: ''کیا بات ہے، ابوعمیر کچھ غمگین نظر آرہا ہے؟'' لوگوں نے بتلایا کہ: ''اے اللہ کے رسول! اس کا نغر (پرندہ) جس سے وہ کھیلتا تھا، مرگیا ہے۔'' تو رسول اللہ ﷺ اس بچے سے مذاق کرتے ہوئے کہنے لگے:

((یَا اَبَا عُمَیْرُ، مَا فَعَلَ النُّغَیْرُ))

''ابوعمیر! نغیر (چڑیا) ② کو کیا ہوا؟'' ③

ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے ایک سواری

---

① ترمذی۔ کتاب البر والصلة: باب ماجاء فی المزاح (ح ۱۹۹۰)

② نغیر، نغر کی تصغیر ہے۔ نغر ایک چڑیا کو کہتے ہیں جو گوریا کے مانند ہوتی ہے۔

③ بخاری۔ کتاب الادب: باب الکنیة للصبی و قبل ان یولد للرجل (ح ۶۲۰۳)، مسلم۔ کتاب الآداب: باب جواز تکنیة من لم یولدله (ح ۲۱۵۰)

مانگی۔ نبی کریم ﷺ نے مذاق کرتے ہوئے فرمایا:

((اِنَّا حَامِلُوكَ عَلٰى وَلَدِ نَاقَةٍ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ' مَا اَصْنَعُ بِوَلَدِ نَاقَةٍ ؟ فَقَالَ الرَّسُوْلُ ﷺ: وَهَلْ تَلِدُ الْاِبِلُ اِلَّا النُّوْقَ))

''ہم تمہیں اونٹنی کا بچہ دیں گے۔'' اس شخص نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا اونٹ اونٹنی کے علاوہ کسی اور کا بچہ ہوتا ہے؟'' [1]

امام احمدؒ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک دیہاتی تھے جن کا نام زاہر تھا۔ وہ نبی کریم ﷺ کو دیہات سے ہدیہ بھیجا کرتے تھے اور نبی کریم ﷺ بھی انہیں تحفہ تحائف سے نوازا کرتے تھے۔ انھی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''زاہر ہمارے دیہاتی ہیں اور ہم ان کے شہری ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ ان سے محبت کرتے تھے۔ وہ بہت بدشکل تھے۔ ایک مرتبہ وہ اپنا کوئی سامان فروخت کر رہے تھے' رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور پیچھے سے ان کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا نہیں' کہنے لگے: ''مجھے چھوڑو' کون ہے؟'' پھر مڑے تو دیکھا کہ نبی کریم ﷺ ہیں۔ (تو بس پھر کیا تھا؟ فوراً) انہوں نے اپنی پیٹھ نبی کریم ﷺ کے سینہ مبارک سے لگا دی اور مسلسل لگائے رہے اور رسول اللہ ﷺ اعلان کرنے لگے:

((مَنْ يَشْتَرِي الْعَبْدَ؟ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! اِذَنْ وَاللّٰهِ تَجِدُنِي كَاسِدًا ' فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لٰكِنْ عِنْدَ اللّٰهِ لَسْتَ بِكَاسِدٍ' اَوْ قَالَ: لٰكِنْ عِنْدَ اللّٰهِ اَنْتَ غَالٍ))

''اس غلام کو کون خریدے گا؟'' انہوں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! تب تو اللہ ذوالجلال کی قسم! آپ مجھے بہت ارزاں اور کم قیمت پائیں گے۔''

---

[1] ابوداود۔ کتاب الادب: باب ماجاء فی المزاح (ح ۴۹۸۸)
ترمذی۔ کتاب البر والصلة: باب ماجاء فی المزاح (ح ۱۹۹۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لیکن اللہ کے نزدیک تم ارزاں نہیں ہو۔'' یا فرمایا: ''لیکن اللہ کے نزدیک تم قیمتی ہو۔''①

ایک بڑھیا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ مجھے جنت نصیب کرے۔ آپ نے خوش طبعی کرتے ہوئے فرمایا: ''اے ام فلاں! جنت میں بڑھیا نہیں جائے گی۔'' وہ بڑھیا روتی پیٹتی واپس ہوئی۔ آپ نے فرمایا: ''اسے بتلا دو کہ وہ بڑھاپے کی حالت میں جنت میں نہیں جائے گی۔'' (یعنی جوان ہو کر جنت میں جائے گی۔) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۝ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا﴾ (الواقعة: ٥٦/ ٣٥-٣٦)

''ان کی بیویوں کو ہم خاص طور پر نئے سرے سے پیدا کریں گے اور انہیں باکرہ بنا دیں گے۔''②

رسول اللہ ﷺ کی خوش طبع نفسیات اور ہنسی مذاق پسند کرنے والی طبیعت پر اس حدیث سے بھی دلالت ہوتی ہے جسے امام احمدؒ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''میں ایک سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھی۔ ابھی میں نو عمر تھی، بدن بھاری نہیں ہوا تھا اور موٹاپا طاری نہیں ہوا تھا۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا: ''آگے بڑھ جاؤ۔'' لوگ آگے بڑھ گئے۔ پھر مجھ سے فرمایا: ''آؤ دوڑ کا مقابلہ کریں۔'' میں آپ کے ساتھ دوڑی اور آپ سے آگے نکل گئی۔ آپ خاموش ہو گئے۔ یہاں تک کہ جب میں فربہ ہو گئی، بدن بھاری ہو گیا اور میں اس واقعہ کو بھول گئی (یعنی ایک عرصہ گزر جانے کے بعد) تو ایک مرتبہ

---

① مسند احمد (٣/ ١٦١) ترمذی فی الشمائل (ح ٢٣٨)

② ترمذی فی الشمائل (ح ٢٣٩) شرح السنة (٣/ ١٨٣) یہ روایت اپنے شاہد کی وجہ سے حسن ہے۔) مختصر الشمائل المحمدیه تحقیق الالبانی (ص ١٢٨) غایة المرام فی تخریج احادیث حلال و الحرام (ص ٢١٥)

پھر آپ کے ساتھ سفر میں نکلی۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا: ''آگے بڑھ جاؤ۔'' لوگ آگے بڑھ گئے تو مجھ سے فرمایا: ''آؤ دوڑ کا مقابلہ کرتے ہیں۔'' میں نے دوڑ کا مقابلہ کیا تو آپ مجھ سے آگے بڑھ گئے۔ آپ ہنسنے لگے اور کہنے لگے: ''یہ پہلی جیت کا بدلہ ہے۔''(۱)

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ہنسی مذاق اور خوش طبعی میں کوئی حرج نہ سمجھتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو' جو ان کے امام' قائد اور معلم تھے وقتاً فوقتاً ہنسی مذاق کرتے دیکھا تھا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ہنسی مذاق کے بہت سے لطائف مروی ہیں' جن سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا اسلامی معاشرہ کس قدر فراخ دل تھا' اور بدمزاجی' ترش روی اور انقباض سے کتنا دور تھا۔

امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں بکر بن عبداللہؒ سے روایت کیا ہے' وہ فرماتے ہیں:

((كَانَ اَصْحَابُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم يَتَبَادَحُوْنَ بِالْبِطِّيْخِ ' فَاِذَا كَانَتِ الْحَقَائِقُ كَانُوْا هُمُ الرِّجَالُ))

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ایک دوسرے پر خربوزہ پھینکا کرتے تھے۔(۲) لیکن جب وہ حقائق سے دوچار ہوتے تو پوری مردانگی کا مظاہرہ کرتے تھے۔''(۳)

یہ ہے وہ معتدل و متوسط اسلامی مذاق جو اپنے ماننے والوں کو حق کے دائرے سے نہیں نکلنے دیتا اور ان میں مردانگی کا شعلہ سرد نہیں کرتا' بلکہ اس سے نفوس کو نشاط' ذہنوں کو جلا اور دلوں کو راحت حاصل ہوتی ہے۔

ایک اعرابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مسجد نبوی میں داخل ہو کر اس نے اپنی اونٹنی مسجد کے صحن میں باندھ دی۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے سیدنا نعمان بن عمرو

---

(۱) مسند احمد (۶/ ۲۶۴)

(۲) یعنی ہنسی مذاق کی محفلوں میں خربوزے کے ٹکڑے ایک دوسرے پر پھینکتے تھے۔

(۳) بخاری۔ فی الادب المفرد (ح ۲۶۶)

انصاری رضی اللہ عنہ سے کہا (لوگ انہیں نعیمان کہا کرتے تھے): ''بڑا اچھا ہوتا اگر تم اسے ذبح کرتے اور ہم لوگ اس کا گوشت کھاتے۔ گوشت کھانے کی بہت خواہش ہو رہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اس کا تاوان دے ہی دیں گے۔'' (راوی فرماتے ہیں کہ) سیدنا نعمان نے اسے ذبح کر دیا۔ اعرابی جب باہر نکلا تو اپنی سواری کو ذبح کی ہوئی حالت میں دیکھ کر چیخ پڑا: ''اے محمد! ہائے میری اونٹنی ذبح کر دی گئی۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور پوچھا: ''یہ کس نے کیا ہے؟'' لوگوں نے بتلایا: ''نعیمان نے۔'' آپ پوچھتے ہوئے ان کی تلاش میں نکلے۔ انہیں سیدہ ضباعہ بنت زبیر بن عبدالمطلب کے گھر میں پایا۔ وہاں وہ ایک گڑھے میں چھپ گئے تھے اور اپنے اوپر کھجور کی ٹہنیاں اور پتیاں ڈال لی تھیں۔ ایک شخص نے اشارے سے بتلایا' اس نے زور سے کہا: ''اے اللہ کے رسول! میں نے اسے نہیں دیکھا ہے۔'' اور یہ کہتے ہوئے جہاں وہ چھپے ہوئے تھے اس طرف اشارہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نکالا۔ کھجور کی ٹہنیاں وغیرہ گرنے سے ان کا چہرہ بدل گیا۔ آپ نے دریافت کیا: ''تم نے ایسا کیوں کیا؟'' انہوں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! جن لوگوں نے آپ کو میرے بارے میں بتلایا ہے انھی لوگوں نے مجھے اس کا حکم دیا تھا۔'' (راوی کہتے ہیں) اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے چہرے سے غبار جھاڑنے لگے اور ہنسنے لگے۔ پھر آپ نے اس اونٹنی کا تاوان دے دیا۔ [1]

الحاصل یہ کہ ان آثار و روایات اور ان جیسی دوسری روایات سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ اسلام اپنے فرزندوں میں خوش طبعی' زندہ دلی اور روح کی لطافت و شیرینی دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ صفات ایسی ہیں جو انسان کو خوش اخلاق اور لوگوں کے درمیان محبوب شخصیت عطا کرتی ہیں' جن سے لوگوں کے دل فتح کیے جا سکتے ہیں اور ان کے اندرون میں انقلاب برپا کیا جا سکتا ہے۔ ایک داعی مسلمان کو ایسی ہی شخصیت کی اور ان ہی صفات کی سخت ضرورت ہے۔

---

[1] الاصابة في تمييز الصحابة (۳/ ۵۷۰)

حلیم اور بردبار ہوتا ہے

ایک متقی مسلمان جس کا نفس اسلامی تعلیمات کے سرچشمے سے سیراب ہوتا ہے' اپنے نفس کو ہمیشہ حلم و بردباری اور عفو و درگزر پر قائم رکھتا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس ارشاد کی تعمیل کرتا ہے:

﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾

(آل عمران : ۳/ ۱۳۴)

''جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں' ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں۔'' ⟨۱⟩

کیونکہ اسلام کی نظر میں طاقتور وہ شخص نہیں جس کے عضلات ابھرے ہوئے اور گٹھے ہوئے ہوں اور جو لوگوں کو پچھاڑنے اور ان پر غلبہ پانے کی قدرت رکھتا ہو' بلکہ طاقتور دراصل وہ سنجیدہ اور بردبار شخص ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ پر قابو پالے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ' اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِيْ يَمْلِكُ نَفْسَه عِنْدَ الْغَضَبِ))

''طاقتور وہ نہیں جو کسی کو پچھاڑ دے' بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو پالے۔'' ⟨۲⟩

مردانگی کا معیار یہ نہیں کہ آدمی غیظ و غضب کی زبردست لپٹ کا شکار ہو جائے' جذبات کی رو میں بہہ جائے اور طیش سے اس پر جنون کی کیفیت طاری ہو جائے' بلکہ مردانگی کی کسوٹی یہ ہے کہ آدمی غصہ کے وقت اپنے اوپر قابو پالے۔ اپنے نفس پر قابو پا کر اور برانگیختگی اور انفعال کے وقت اعصاب کو کنٹرول کر کے بعض سنگین حالات کو

⟨۱⟩ غصہ نہ کرنے کی فضیلت کا بیان پہلے ''عفو و درگزر سے کام لیتا ہے'' کے عنوان کے تحت آ چکا ہے۔

⟨۲⟩ بخاری۔ كتاب الادب : باب الحذر من الغضب (ح ۶۱۱۴)

مسلم۔ كتاب البر و الصلة : باب فضل من يملك نفسه عند الغضب (ح ۲۶۰۹)

معتدل کیا جا سکتا ہے، فتنوں اور لڑائی جھگڑوں کو دبایا جا سکتا ہے اور معاملات کو بحسن و خوبی مقصد تک پہنچایا جا سکتا ہے، اللہ کی خوشنودی حاصل کی جا سکتی ہے اور لوگوں کو گرویدہ بنایا جا سکتا ہے۔ اسی لیے جب ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے نصیحت کی درخواست کی تو آپ نے اسے صرف ایک بات کی نصیحت کی۔

((لَا تَغْضَبْ))

''غصہ نہ کیا کرو۔''

اس شخص نے اس کے بعد بھی کئی بار نصیحت کی درخواست کی اور آپ نے ہر بار اسی بات کی نصیحت کی جو کہ دراصل تمام مکارمِ اخلاق کی جامع ہے اور آپ جواب میں فرماتے رہے:

((لَا تَغْضَبْ))

''غصہ نہ کیا کر۔'' [1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اشج عبدالقیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((اِنَّ فِيْكَ خَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ: اَلْحِلْمُ وَالْاَنَاةُ))

''تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ کے نزدیک محبوب ہیں: بردباری اور سنجیدگی۔'' [2]

بسا اوقات حقیقی مسلمان کو غصہ آتا ہے۔ مگر اس کا غصہ اپنے نفس کے لیے نہیں ہوتا، بلکہ اللہ کے لیے ہوتا ہے۔ یعنی جب اللہ کے محارم کی بے حرمتی کی جاتی ہے، دینی شعائر کو پامال کیا جاتا ہے اور اللہ کے احکام کو معطل کر دیا جاتا ہے اس وقت مسلمان ان سرکشوں، گناہ گاروں، اللہ کی حرمتوں کی بے حرمتی کرنے والوں اور اس کی شریعت، احکام اور اقدار کے ساتھ کھیل کرنے والوں کے خلاف زبردست انتقام اور بدلہ لینے کی ٹھان

---

[1] بخاری۔ حوالہ سابق (ح ۶۱۱۶)

[2] مسلم۔ کتاب الایمان: باب الامر بالایمان باللہ تعالیٰ و رسولہ ﷺ (ح ۱۷)

لیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا یہی کردار تھا' جیسا کہ امام مالک اور امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے:

((مَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِنَفْسِهِ ' اِلَّا اَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللّٰهِ ' فَيَنْتَقِمُ لِلّٰهِ بِهَا))

''رسول اللہ ﷺ نے اپنے نفس کے لیے کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا' مگر جب اللہ کی حرمتوں کی بے حرمتی کی جاتی تو آپ اللہ کے لیے اس کا بدلہ لیتے۔''①

رسول اللہ ﷺ صرف اس وقت غیظ و غضب کا اظہار کرتے اور آپ کے روئے انور کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا جب دین کی شہرت داغ دار ہوتی تھی یا دینی احکام کے نفاذ میں کوئی غلطی یا دین کی حدود قائم کرنے میں کوئی تساہلی برتی جاتی تھی۔

نبی کریم ﷺ نے اپنے غصہ کا اس دن اظہار فرمایا جب ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ''میں فلاں شخص کی وجہ سے صبح کی نماز سے پیچھے رہ جاتا ہوں۔ اس لیے کہ وہ نماز کو بہت طول دیتے ہیں۔'' صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو کسی وعظ میں اس قدر غصہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا جس قدر کہ آپ اس روز غصہ میں آئے۔ آپ نے فرمایا:

((يَا اَيُّهَا النَّاسُ ' اِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِيْنَ ' فَاَيُّكُمْ اَمَّ النَّاسَ فَلْيُوْجِزْ ' فَاِنَّ مِنْ وَرَائِهِ الْكَبِيْرَ وَالصَّغِيْرَ وَذَا الْحَاجَةِ))

''اے لوگو! تم میں کچھ لوگ نفرت دلانے والے ہیں۔ تم میں سے جو بھی امامت کرے اسے چاہیے کہ وہ نماز مختصر پڑھائے۔ اس لیے کہ اس کی

---

① بخاری۔ کتاب المناقب باب صفة النبی ﷺ (ح ۳۵۶۰)
مسلم۔ کتاب الفضائل: باب مباعدته ﷺ للآثام و اختیاره من المباح اسهله (ح ۲۳۲۷، ۲۳۲۸)

اقتدا میں بوڑھے' بچے اور ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔'' ①

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کسی سفر سے تشریف لائے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہوئے تو ایک باریک پردہ دیکھا جس میں تصویریں تھیں۔ آپ نے اسے دیکھا تو پھاڑ ڈالا اور آپ کا چہرۂ مبارک متغیر ہو گیا اور فرمایا:

((یَا عَائِشَةُ ' اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ الَّذِیْنَ یُضَاهُوْنَ بِخَلْقِ اللّٰهِ))

''اے عائشہ! قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں سب سے سخت عذاب ان لوگوں پر ہو گا جو اللہ کی صفت خلق میں مشابہت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔'' ②

آپ کا غصہ اس دن بھی ظاہر ہوا جب سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اس مخزومی عورت کے سلسلہ میں آپ سے گفتگو کی تھی جو چوری کے جرم میں پکڑی گئی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے اس پر حد جاری کرنے کا عزم کر لیا تھا۔ صحابہ نے آپس میں رائے کی کہ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کون سفارش کرے؟ بعض لوگوں نے کہا ''اسامہ کے سوا اس کی کون جرأت کر سکتا ہے؟ جو رسول اللہ ﷺ کے محبوب ہیں۔'' سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سفارش کی (کہ اس خاندان کی عورت کا چوری کے جرم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے) تو آپ نے انتہائی غضب ناک ہو کر فرمایا:

((تَشْفَعُ فِیْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ تَعَالٰی ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ ' ثُمَّ قَالَ اِنَّمَا اُهْلِكَ مَنْ قَبْلَكُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا سَرَقَ فِیْهِمُ الشَّرِیْفُ تَرَكُوْهُ' وَاِذَاسَرَقَ فِیْهِمُ الضَّعِیْفُ اَقَامُوْا عَلَیْهِ الْحَدَّ!

---

① بخاری۔ کتاب الاذان: باب من شکا امامہ اذا طول (ح ۷۰۴)
مسلم۔ کتاب الصلاۃ: باب امرالائمۃ تخفیف الصلاۃ فی تمام (ح ۴۶۶)

② بخاری۔ کتاب اللباس: باب ما وطئی من التصاویر (ح ۵۹۵۴)
مسلم۔ کتاب اللباس: باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان (ح ۲۱۰۷)

وَايْمُ اللّٰهِ لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا))

''کیا تم اللہ کی قائم کردہ حدود میں سفارش کر رہے ہو؟'' پھر آپ کھڑے ہوئے اور لوگوں میں تقریر کی۔ آپ نے فرمایا:

''تم لوگوں سے پہلے کی قومیں اسی وجہ سے ہلاک کر دی گئیں کہ جب ان کا کوئی شریف اور باعزت شخص چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور انسان چوری کرتا تو اس پر حد نافذ کر دیتے۔ اللہ ذوالجلال کی قسم! اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) بھی چوری کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ کے غضب کا یہ عالم تھا' اور اسلامی شریعت میں اس کے جواز کی یہی حدود ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غضب اللہ کے لیے ہونا چاہیے' نہ کہ نفس کے لیے۔

گالی گلوچ اور بدگوئی سے اجتناب کرتا ہے

جب مسلمان غیظ و غضب کے وقت اپنے آپ کو اس خصلت کا پابند بنا لیتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی زبان سے گالی گلوچ اور ناپسندیدہ اور فحش کلمات نہیں نکلتے۔ مسلمان کی طبیعت میں' جس چیز کی بنا پر اس خصلت کو تقویت ملتی ہے اور جس چیز کی بنا پر وہ زبان سے گالی گلوچ اور بدگوئی کرنے سے اجتناب کرتا ہے' وہ یہ ہے کہ وہ اسلام کی ان اخلاقی تعلیمات کا پورے صدق و اخلاص کے ساتھ التزام کرتا ہے' جن میں کہ گالی گلوچ' بدگوئی و فحش کلامی اور لعن طعن کرنے سے سخت نفرت دلائی گئی ہے۔ اسی بنا پر ایک مسلمان ان چیزوں کو سننا بھی گوارا نہیں کر سکتا۔

سیدنا ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] بخاری۔ کتاب الحدود: باب کراھیۃ الشفاعۃ فی الحداذا رفع الی السطان (ح ۶۷۸۸)

مسلم۔ کتاب الحدود: باب قطع السارق الشریف وغیرہ (ح ۱۶۸۸)

((سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ ' وَ قِتَالُهُ كُفْرٌ))

''مؤمن کو گالی دینا فسق ہے اور اس کو قتل کرنا کفر ہے۔'' ①

دوسری حدیث میں ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ فَاحِشٍ مُتَفَحِّشٍ))

''اللہ تعالیٰ کسی بھی بد زبان اور بے تکلف بدگوئی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔'' ②

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيَّ))

''اللہ تعالیٰ فحش بکنے والے اور بد زبانی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔'' ③

ایک اور حدیث میں ہے:

((لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا اللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ ولا الْبَذِيءِ))

''طعن کرنے والا' لعنت کرنے والا' فحش بکنے والا اور بد زبانی کرنے والا مؤمن نہیں۔'' ④

یہ صفات اس مسلمان کے شایانِ شان نہیں جو ایمان کے ٹھنڈے جھونکے سے متمتع ہوتا ہے اور جس کے دل میں اسلام کی بشاشت جاگزیں ہوتی ہے۔ اسی لیے وہ ان مذموم صفات سے کوسوں دور رہتا ہے۔ اس کے دل میں ان صفات سے مزید دوری

---

① بخاری۔ کتاب الایمان: باب خوف المومن من ان یحبط عملہ وھو لایشعر (ح ۴۸)
مسلم۔ کتاب الایمان: باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم سباب المسلم فسوق و قتالہ کفر (ح ۶۴)

② مسند احمد (۵/ ۲۰۲) ابو داود۔ کتاب الادب: باب فی التجاوز فی الامر (ح ۴۷۹۲)

③ ترمذی۔ کتاب البروالصلۃ: باب ماجاء فی حسن الخلق (ح ۲۰۰۲ نحو المعنیٰ)

④ ترمذی۔ کتاب البروالصلۃ: باب ماجاء فی اللعنۃ (ح ۱۹۷۷)

اور نفرت پیدا ہو جاتی ہے جب وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس میں ایک بہترین نمونہ دیکھتا ہے اور اسے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی پوری زندگی میں کبھی اپنی زبان سے ایک لفظ ایسا نہیں نکالا جس سے سننے والے کو ناگواری ہو' اس کے احساسات مجروح ہوں' یا اس کی عزت و کرامت پر دھبہ آئے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((لَمْ یَکُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاحِشًا ، وَلَا لَعَّانًا ، وَلَا سَبَّابًا ، کَانَ یَقُوْلُ عِنْدَ الْمَعْتَبَةِ: مَا لَهُ ؟ تَرِبَ جَبِیْنُهُ))

''رسول اللہ ﷺ نہ فحش کلامی کرتے تھے' نہ لعن طعن کرتے تھے اور نہ گالی دیتے تھے۔ اگر کسی کو عتاب و سرزنش کرنا ہوتی تو فرماتے: ''اسے کیا ہو گیا ہے؟ اس کی پیشانی خاک آلود[1] ہو۔'' [2]

یہی نہیں' بلکہ نبی کریم ﷺ نے کافروں تک پر لعنت بھیجنے سے اجتناب فرمایا کہ جنہوں نے کہ آپ کی دعوت سے اعراض کیا تھا۔ آپ نے ان کے بارے میں کبھی لعن طعن کا ایک لفظ بھی نہیں فرمایا۔ جیسا کہ صحابی جلیل سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''بعض لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! مشرکوں پر بددعا کر دیجیے۔'' آپ نے فرمایا:

((اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا ، وَلٰکِنْ بُعِثْتُ رَحْمَةً))

''میں لعنت کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا ہوں' بلکہ میں تو رحمت بنا کر مبعوث ہوا ہوں۔'' [3]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

''ایک شخص نے شراب پی۔ اسے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ

---

[1] یعنی کثرت سجود سے

[2] بخاری۔ کتاب الادب: باب ماینھی من السباب واللعن (ح ۶۰۴۶)

[3] مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب النھی عن لعن الدواب وغیرھا (ح ۲۵۹۹)

نے لوگوں کو حکم دیا: ''اسے مارو۔'' چنانچہ ہم میں سے کوئی ہاتھ سے' کوئی جوتے سے' کوئی کپڑے سے مارنے لگا۔ پھر جب وہ واپس ہوا تو کسی نے کہا: ''اللہ تجھے رسوا کرے!'' رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا تَقُوْلُوْا هٰذَا ، لَا تُعِيْنُوْا عَلَيْهِ الشَّيْطَانَ)).

''یہ مت کہو' اس کے مقابلہ میں شیطان کی مدد نہ کرو۔'' ①

غور کرنے کا مقام ہے' رسول اللہ ﷺ کتنے رحیم وشفیق تھے' یہاں تک کہ آپ کی رحمت وشفقت ان لوگوں کے لیے بھی تھی جو سرکشی' گمراہی اور نافرمانی کے بیابانوں میں بھٹک رہے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کی عزت و آبرو پر زبان کھولنے والے شخص کے بھیانک انجام کی تصویر کشی کر کے لوگوں کے دلوں سے شر' برائی اور حقد و کینہ کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکا۔ آپ نے ایسے شخص کی تصویر کشی یوں فرمائی کہ اس کی فحش گالیاں' بے بنیاد تہمتیں اور ناپسندیدہ اور گھٹیا زیادتیاں' جو اس نے کبھی کسی کے ساتھ کی ہوں گی' قیامت کے دن (جب ہر ایک کا حساب لیا جائے گا) اس کی زندگی کی تمام نیکیوں پر پانی پھیر دیں گی' اس کے پاس کوئی نیکی نہ بچے گی' اس کا کوئی ٹھکانا نہ ہو گا اور کوئی چیز اسے جہنم کی آگ سے نہ بچا سکے گی۔ جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا:

''تمہیں معلوم ہے مفلس کون ہے؟''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

''ہم تو مفلس اس کو سمجھتے ہیں جس کے پاس روپیہ پیسہ اور مال و متاع نہ ہو۔''

آپ نے فرمایا:

((اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ يَّاْتِیْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَ صِيَامٍ وَ

---

① بخاري۔ كتاب الحدود: باب مايكره من لعن شارب الخمر (ح ٦٧٨٠)

زَكَاةٍ ، يَأتِي وَ قَدْ شَتَمَ هٰذَا ، وَ قَذَفَ هٰذَا ، وَاَكَلَ مَالَ هٰذَا ، وَ سَفَكَ دَمَ هٰذَا ، وَ ضَرَبَ هٰذَا۔ فَيُعْطَى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ ، وَ هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ ، فَاِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ اَنْ يُقْضَى مَا عَلَيْهِ اُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ ، فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ، ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ))

''میری امت میں مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز' روزہ اور زکوۃ کے ساتھ آئے گا۔ مگر اس نے کسی کو گالی دی ہوگی' کسی پر بہتان لگایا ہوگا' کسی کا مال ہڑپ کیا ہوگا' کسی کا خون بہایا ہوگا' کسی کو مارا ہوگا۔ چنانچہ اس نے جن جن لوگوں کی حق تلفی کی ہوگی انہیں اس کی نیکیاں دے دی جائیں گی' اور اگر ان لوگوں کا حق پورا ہونے سے پہلے ہی اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو ان لوگوں کے گناہ لے کر اس پر لاد دیے جائیں گے اور اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔'' ①

اس لیے کوئی تعجب کی بات نہیں کہ سچے مسلمانوں کی زندگیاں ان بے بنیاد اور سطحی چیزوں سے خالی ہوتی ہیں اور حقیقی اسلامی معاشرہ میں جہاں ان اقدار کی حکمرانی رہتی ہے اور لوگوں کی زندگی پر بلند اخلاقی تعلیمات چھائی رہتی ہیں وہاں گالی گلوچ تک پہنچا دینے والے خصومات اور اختلافات شاذ و نادر یا معدوم ہوتے ہیں۔

حقیقی اسلامی معاشرہ میں ہر فرد اپنے دل کی گہرائیوں سے یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنے منہ سے جو لفظ بھی نکالتا ہے اس کا حساب لیا جائے گا' اور اگر زندگی کی سختیوں اور تکالیف کی بنا پر اس نے لڑائی جھگڑے کیے تو اس پر اس کی گرفت ہوگی۔ چنانچہ وہ اپنی ناراضی کو قابو میں رکھتا ہے اور اپنے اعصاب اور تعبیرات کو کنٹرول میں رکھتا ہے۔

اسے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہمیشہ یاد رہتا ہے:

((اَلْمُتَسَابَّانِ مَا قَالَا ، فَعَلَى الْبَادِئِ مِنْهُمَا حَتّٰى يَعْتَدِي الْمَظْلُومُ))

---

① مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب تحریم الظلم (ح ۲۵۸۱)

''دو شخص آپس میں ایک دوسرے کو گالی دیتے ہیں تو دونوں کا گناہ ابتداء کرنے والے پر ہے' یہاں تک کہ مظلوم زیادتی کرنے [۱] لگے۔'' [۲]

چنانچہ مسلمان اپنی زبان سے گالی گلوچ نہیں بکتا' خواہ اس کے اسباب پائے جائیں' اور گناہ سے بچنے کے لیے اپنے مشتعل غضب کی تیزی سے باز رہتا ہے اور ڈرتا ہے کہ کہیں اس کا شمار بھی ''زیادتی کرنے والوں'' میں نہ ہو جائے۔

مسلم اپنے اس اسلامی اخلاق کا معیار مُردوں کے سلسلہ میں بھی قائم رکھتا ہے۔ چنانچہ وہ ان کو برا بھلا نہیں کہتا' جیسا کہ جاہل و نادان اور بے وقوف لوگ کرتے ہیں کہ وہ زندہ لوگوں کو گالی گلوچ بکنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے ہیں بلکہ آگے بڑھ کر مُردوں کو بھی برا بھلا کہنے لگتے ہیں۔ بلکہ وہ رسول کریم ﷺ کے اس ارشاد پر عمل کرتا ہے:

((لَا تَسُبُّوا الْاَمْوَاتَ فَاِنَّهُمْ قَدْ اَفْضَوْا اِلٰى مَا قَدَّمُوْا))

''مُردوں کو برا بھلا نہ کہو' کیوں کہ انہوں نے جو بھی اعمال کیے ہیں ان کا بدلہ پا لیا ہے۔'' [۳]

کسی کو ناحق فسق یا کفر کی تہمت نہیں لگاتا:

مسلمان جو اپنی زبان کو گالی گلوچ' بد کلامی اور فحش گوئی سے محفوظ رکھتا ہے وہ اس سے زیادہ بری اور ہلاکت خیز چیز سے بھی اپنے آپ کو مبرا رکھتا ہے' اور وہ ہے کسی کو ناحق فسق اور کفر کی تہمت لگانا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو وعید سنائی ہے جو بے قصور اور بے گناہ لوگوں پر تہمتیں لگاتا ہے کہ وہ تہمت خود اس پر لوٹ آئے گی اور اس کا گناہ اس کے سر ہو گا:

((لَا يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفِسْقِ اَوِ الْكُفْرِ اِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ' اِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ كَذَالِكَ))

---

[۱] یعنی بدلہ کی حد سے تجاوز کر جائے۔

[۲] مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب النهی عن السباب (ح ۲۵۸۷)

[۳] کتاب الجنائز: باب ماينهى من سب الاموات (ح ۱۳۹۳)

''کوئی کسی کو فسق یا کفر کی تہمت نہ لگائے' اس لیے کہ جس شخص کو تہمت لگائی ہے اگر وہ ویسا نہیں ہے تو یہ بات تہمت لگانے والے ہی پر پلٹ آئے گی۔'' ①

شرمیلا ہوتا ہے اور عیوب کی پردہ پوشی کرتا ہے

سچے مسلمان کی ایک نمایاں خصلت یہ ہوتی ہے کہ وہ شرمیلا اور حیادار ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کے عیوب کی پردہ پوشی کرتا ہے اور نہیں چاہتا کہ اسلامی معاشرہ میں برائیاں اور فواحش عام ہوں یا ان کی تشہیر ہو۔ وہ قرآن کریم اور سنت مطہرہ کی ان تعلیمات و ارشادات پر عمل پیرا ہوتا ہے جن میں ان شر اور فساد پھیلانے والوں کو وعید سنائی گئی ہے' جو لوگوں کی عزت و آبرو سے کھیلتے ہیں اور ان کے عیوب کی تشہیر کرتے ہیں اور انہیں دنیا و آخرت دونوں میں عذاب سے ڈرایا گیا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ (النور: ۲۴/ ۱۹)

''جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کے گروہ میں فحاشی پھیلے وہ دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب کے مستحق ہیں۔''

یہی وجہ ہے کہ معاشرہ میں بری باتیں پھیلانے والا اور برے کام کرنے والا دونوں گناہ میں برابر ہیں۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((اَلْقَائِلُ الْفَاحِشَةَ وَالَّذِي يَشِيْعُ بِهَا فِي الْاِثْمِ سَوَاءٌ))

''بری بات کہنے والا اور اس کو لوگوں میں عام کرنے والا دونوں گناہ میں برابر درجے کے ہیں۔''

اسلامی معاشرہ کا ہر فرد شرمیلا اور عیوب کی پردہ پوشی کرنے والا ہوتا ہے۔ وہ صغائر اور پست اور گھٹیا باتوں سے بلند ہوتا ہے۔ اس کا پاکیزہ اخلاق' جس کی تربیت

① بخاری۔ کتاب الادب: باب ما ینھی من السباب واللعن (ح ۶۰۴۵)

بارگاہ نبوت میں ہوتی ہے' اسے لوگوں کی عزت و آبرو میں پڑنے سے باز رکھتا ہے اور وہ معصیت و بے حیائی کی باتوں کی تشہیر کرنے سے اپنی زبان روکے رکھتا ہے۔ خواہ وہ بے حیائی اور بدکاری خود اس نے کی ہو یا کسی اور سے سنی یا دیکھی ہو۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھتا ہے:

''میری امت کے تمام لوگوں کو معاف کر دیا جائے گا' سوائے ان لوگوں کے جو برائیوں کی تشہیر کرتے ہیں۔ تشہیر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی رات کو کوئی گناہ کرے' وہ ڈھکا چھپا رہے' پھر وہ صبح اٹھ کر لوگوں میں اعلان کرتا پھرے اور کہے: ''اے فلاں! میں نے گزشتہ رات فلاں فلاں کام کیا۔'' اللہ تعالیٰ نے اس کی اس برائی پر پردہ ڈال دیا تھا' مگر وہ صبح اٹھ کر خود اللہ کے پردے کو چاک کر دے۔'' ①

ایک اور حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا:

((لَا يَسْتُرُ عَبْدٌ عَبْدًا فِي الدُّنْيَا اِلَّا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

''جو بندہ دوسرے بندے کی دنیا میں پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔'' ②

انسانی کمزوری کا علاج لوگوں کے عیوب و معاصی کی تشہیر کر کے' ان کو رسوا کر کے اور برسرِعام بدنام کر کے نہیں ہوتا' بلکہ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ حق کو ان کے سامنے پیش کیا جائے' طاعت الٰہی کو خوشنما اور پسندیدہ بنا کر اور معصیت الٰہی کو ناپسندیدہ بنا کر ان کے سامنے لایا جائے اور اس کے سلسلہ میں صراحت سے یا منہ در منہ کہنے کے بجائے حکمت و مصلحت سے بات پہنچائی جائے۔ نرمی' آسانی' حکمت اور

---

① بخاری۔ کتاب الادب: باب ستر المومن علی نفسه (ح ۶۰۶۹)
مسلم۔ کتاب الزهد: باب النهی عن هتك الانسان ستر نفسه (ح ۲۹۹۰)

② بخاری۔ کتاب المظالم: باب لایظلم المسلم المسلم ولا یسلمه (ح ۲۴۴۲)
مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب تحریم الظلم (ح ۲۵۸۰)

حسن اسلوب ہی سے دلوں کے بند دروازے کھلتے ہیں' اعضا و جوارح اطاعت کرتے ہیں اور نفوس نرمی قبول کرتے ہیں۔ اسی لیے اسلام نے تجسس اور مسلمانوں کے عیوب کی ٹوہ میں لگنے سے منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَجَسَّسُوْا﴾ (الحجرات: ۴۹/ ۱۲)

''تجسس نہ کرو۔''

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا اور ان کو بتلایا گیا کہ ''اس کی داڑھی سے شراب ٹپک رہی ہے۔'' آپ نے فرمایا:

((اِنَّا قَدْ نُهِيْنَا عَنِ التَّجَسُّسِ، وَلٰكِنْ اِنْ يَّظْهَرْ لَنَا شَيْءٌ نَاْخُذْ بِهِ))

''ہمیں عیب کی جستجو اور ٹوہ میں لگنے سے منع کیا گیا ہے۔ لیکن اگر عیب خود ہمارے سامنے ظاہر ہو جائے تو اس پر گرفت کریں گے۔'' [1]

مسلمانوں کے عیوب کی جستجو کرنے' ان کی ٹوہ میں لگنے' ان کی کمزوری اور کوتاہی کے پہلوؤں کو تلاش کرنے اور لوگوں میں تشہیر کرنے سے ان کو اذیت پہنچے گی اور ساتھ ہی اس سے وہ بڑا سماج بھی متاثر ہوگا جس میں وہ لوگ رہتے بستے ہیں۔ چنانچہ جس معاشرہ میں بھی بے حیائی اور بدکاری عام ہو جاتی ہے اور اس کے افراد میں بدکلامی و فحش گوئی کی کثرت ہو جاتی ہے' وہ زوال کا شکار ہو جاتا ہے' اس میں معصیت و برائی کا ارتکاب آسان ہو جاتا ہے' بغض و نفرت عام ہو جاتی ہے' مکر و فریب کا دور دورہ ہو جاتا ہے' کینہ و حسد کا چلن ہو جاتا ہے اور فتنہ و فساد پھیل جاتا ہے۔ انھی سب چیزوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّكَ اِنِ اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ الْمُسْلِمِيْنَ اَفْسَدْتَّهُمْ، اَوْ كِدْتَّ اَنْ تُفْسِدَهُمْ))

''اگر تم مسلمانوں کے عیوب کی ٹوہ میں لگو گے' تو یا تو ان کو برا کر دو گے یا

---

[1] ابوداؤد۔ کتاب الادب: باب فی التجسس (ح ۴۸۹۰)

برائی سے قریب کر دو گے۔''①

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو لوگوں کی عزت و آبرو میں پڑنے اور ان کے عیوب کی جستجو کرنے پر سخت تنبیہ فرمائی ہے اور ان کو ڈرایا ہے کہ اگر کوئی ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کا پردہ چاک کر دے گا اور اسے اس کے گھر کے اندر ذلیل و خوار کر دے گا۔ نبی کریم (ﷺ) کا ارشاد ہے:

((لَا تُوْذُوا عِبَادَ اللّٰهِ ، وَلَا تُعَيِّرُوْهُمْ ، وَلَا تَطْلُبُوا عَوْرَاتِهِمْ ، فَاِنَّهُ مَنْ تَطَلَّبَ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ طَلَبَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ حَتّٰى يَفْضَحَهُ فِيْ بَيْتِهِ))

''اللہ کے بندوں کو تکلیف نہ پہنچاؤ، انہیں عار نہ دلاؤ اور ان کے عیوب کے پیچھے نہ پڑو۔ جو اپنے مسلمان بھائی کے عیب کی ٹوہ میں لگے گا اللہ تعالیٰ اس کے عیب کو ظاہر کر دے گا اور اسے اس کے گھر میں ذلیل و خوار کر دے گا۔''②

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث سے لوگوں کی عزت و آبرو میں پڑنے والوں پر رسول اللہ ﷺ کی ناراضی و برانگیختگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ ایسا خطبہ دیا کہ پردہ نشین خواتین نے بھی پردہ کے پیچھے سے سن لیا۔ آپ نے فرمایا:

((يَا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهِ ، وَلَمْ يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ قَلْبَهُ ، لَا تُوْذُوا الْمُوْمِنِيْنَ ، وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ ، فَاِنَّهُ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ هَتَكَ اللّٰهُ سِتْرَهُ ، وَمَنْ يَتَتَبَّعْ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ ، وَلَوْ فِيْ جَوْفِ بَيْتِهِ))

''اے لوگو! جو صرف زبان سے ایمان لے آئے ہو اور ابھی دل میں ایمان

---

① ابوداود۔ حوالہ سابق (ح ۴۸۸۸)

② مسند احمد۔ (۵/ ۲۷۹) عن ثوبان رضی اللہ عنہ، ترمذی۔ کتاب البر والصلة: باب ماجاء في تعظيم المومن (ح ۲۰۳۲) عن ابن عمر رضی اللہ عنہ

داخل نہیں ہوا ہے! اہل ایمان کو اذیت نہ پہنچاؤ اور ان کے عیوب کی ٹوہ میں نہ لگو۔ کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی عیب جوئی کرے گا' اللہ تعالیٰ اس کے عیب کو ظاہر کر دے گا' اور اللہ تعالیٰ جس کے عیب کی ٹوہ میں لگ جائے اسے ذلیل وخوار کر کے چھوڑے گا۔ خواہ وہ گھر کے اندر ہی کیوں نہ ہو۔''[1]

لوگوں کی عزت و آبرو پر حملہ کرنے اور اس احتیاط میں تساہلی برتنے والوں پر رسول اللہ ﷺ کی ناراضی اور شدت غضب کا اندازہ اسی بات سے ہوتا ہے کہ آپ نے انہیں یوں مخاطب فرمایا:

((يَا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهِ، وَلَمْ يَدْخُلِ الاِيْمَانُ قَلْبَهُ))

''اے لوگو! جو صرف زبان سے ایمان لے آئے ہو اور ابھی دل میں ایمان داخل نہیں ہوا ہے۔''

کتنا عظیم گناہ ہے جس کا یہ لوگ ارتکاب کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کے زمرہ میں شامل ہو جاتے ہیں جن کے دل ایمان کی نعمت سے خالی ہیں۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ لوگ اسے بہت معمولی اور ہلکا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا ہے۔

لایعنی چیزوں میں نہیں پڑتا

صاحب فہم' باشعور اور رب کی خوشنودی چاہنے والا مسلمان لایعنی چیزوں میں نہیں پڑتا' نہ لوگوں کے نجی معاملات میں دخل اندازی کرتا ہے اور نہ ان کے بارے میں اڑائی ہوئی لغو اور نامعقول باتوں میں پڑتا ہے۔ وہ ان چیزوں سے اجتناب کرتے ہوئے یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اسلام کے پاکیزہ اخلاق نے انسان کو ان لچر اور بے ہودہ باتوں' ان نامعقول اور غیر سنجیدہ حرکتوں اور لایعنی باتوں سے بہت بلند رکھا ہے:

((مَنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ))

---

[1] طبرانی فی الکبیر ۱۱/ ۶۸۱ (ح) ۱۱۴۴۴

''آدمی کے اسلام کی خوبی اس میں ہے کہ وہ لایعنی چیزوں میں نہ پڑے۔'' ①

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَرْضَی لَکُمْ ثَلَاثًا وَیَکْرَهُ لَکُمْ ثَلَاثًا ۔ یَرْضَی لَکُمْ: اَنْ تَعْبُدُوْهُ، وَلَا تُشْرِکُوْا بِهِ شَیْئًا، وَاَنْ تَعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا وَ یَکْرَهُ لَکُمْ: قِیْلَ وَ قَالَ، وَ کَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَ اِضَاعَةَ الْمَالِ))

''اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تین چیزیں پسند کرتا ہے اور تین چیزیں ناپسند کرتا ہے۔ وہ پسند کرتا ہے کہ تم اس کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیراؤ اور اس کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ نہ پیدا کرو، اور وہ ناپسند کرتا ہے قیل وقال، کثرت سوال اور ضیاع مال۔'' ②

اسلام کے زیر سایہ جو ربانی معاشرہ وجود میں آتا اور پروان چڑھتا ہے اس میں قیل وقال، کثرتِ سوال اور لوگوں کے نجی معاملات میں دخل اندازی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ اس معاشرہ کے افراد اس سے کہیں زیادہ اہم کام میں مشغول رہتے ہیں۔ وہ زمین پر اللہ کا کلمہ نافذ کرنے، خطہ ارض پر اس کا جھنڈا لہرانے اور لوگوں کے درمیان اس کے اقدار وقیم کی اشاعت کرنے میں ہمہ تن مشغول رہتے ہیں۔ اور جو لوگ اتنا عظیم کام انجام دے رہے ہوں انہیں بھلا ان کاموں میں پڑنے کا وقت کیونکر مل سکتا ہے؟

غیبت اور چغل خوری سے دور رہتا ہے

اسی وجہ سے مسلمان غیبت اور چغل خوری سے کوسوں دور رہتا ہے، اور چونکہ اس

① ترمذی۔ کتاب الزهد: باب۱۱) حدیث ''من حسن اسلام المرء ترکه مالایعنیه (ح ۲۳۱۷)

ابن ماجه۔ کتاب الفتن: باب کف اللسان فی الفتنة (ح ۳۹۷۶)

② مسلم۔ کتاب الاقضیة: باب النهی عن کثرة المسائل من غیر حاجة (ح ۱۷۱۵)

کی پرورش و پرداخت اسلامی اقدار و اخلاق پر ہوتی ہے اس لیے وہ ان لچر اور بے معنی باتوں سے اجتناب کرتا ہے اور زندگی کے عظیم کاموں کو اپنے پیش نظر رکھتا ہے۔ وہ ہمیشہ کتاب و سنت کی تعلیمات پر کان لگائے رہتا ہے اور ان تعلیمات میں جو حکم دیا جاتا ہے ان پر عمل کرتا ہے اور جن چیزوں سے روکا جاتا ہے ان سے باز رہتا ہے۔

وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھتا ہے:

﴿وَ لَا یَغۡتَبۡ بَّعۡضُکُمۡ بَعۡضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمۡ اَنۡ یَّاۡکُلَ لَحۡمَ اَخِیۡہِ مَیۡتًا فَکَرِہۡتُمُوۡہُ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیۡمٌ﴾ (الحجرات: ۴۹/ ۱۲)

''اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ دیکھو! تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔ اللہ سے ڈرو۔ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔''

تو اس سے اس کے دل میں غیبت سے سخت نفرت اور کراہیت پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اس آیت میں غیبت کرنے والے کو اپنے مردار بھائی کا گوشت کھانے والے کی شکل میں دیکھتا ہے۔ چنانچہ وہ فوراً توبہ و استغفار کی طرف لپکتا ہے جس کا آیت کے آخر میں ذکر کیا گیا ہے اور غیبت میں مبتلا ہونے والے کو توبہ کی طرف سبقت کرنے پر اکسایا گیا ہے۔

وہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کو غور سے سنتا ہے کہ جب ایک شخص آپ سے سوال کرتا ہے: ''اے اللہ کے رسول! سب سے افضل مسلمان کون ہے؟'' تو آپ جواب دیتے ہیں:

((مَنۡ سَلِمَ الۡمُسۡلِمُوۡنَ مِنۡ لِّسَانِہِ وَ یَدِہِ))

''جس کی زبان اور ہاتھ کے شر سے مسلمان محفوظ ہوں۔'' (۱)

---

(۱) بخاری۔ کتاب الایمان: باب ای الاسلام افضل؟ (ح ۱۱)
مسلم۔ کتاب الایمان: باب بیان تفاضل الاسلام وای اموره افضل (ح ۴۲)

اس ارشاد عالی اور پرحکمت تعلیم پر عمل کرتے ہوئے متقی مسلمان نہ کسی کے پیٹھ پیچھے اپنی زبان سے اس کی برائی کرتا ہے اور نہ معاشرہ میں کسی کو اپنے ہاتھ سے تکلیف پہنچاتا ہے۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اگر کہیں کسی کی غیبت ہو رہی ہوتی ہے تو اس سے روکتا ہے اور اپنے مسلمان بھائی کی عدم موجودگی میں اس کا دفاع کرتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان اس کے مدنظر ہوتا ہے کہ:

((مَنْ ذَبَّ عَنْ عِرْضِ اَخِيْهِ بِالْغِيْبَةِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُعْتِقَهُ مِنَ النَّارِ))

''جو شخص اپنے بھائی کی عدم موجودگی میں اس کی عزت و آبرو کا دفاع کرتا ہے' اللہ پر اس کا حق قائم ہو جاتا ہے کہ وہ اسے جہنم سے خلاصی دے دے۔'' ①

متقی مسلمان معاشرہ میں کسی کی چغل خوری بھی نہیں کرتا۔ کیونکہ دینی تعلیمات سے واقفیت کی بنا پر وہ جانتا ہے کہ چغلی سے انسان ان لوگوں کے زمرہ میں شامل ہو جاتا ہے جن کا مقصد صرف لوگوں کے درمیان فساد پھیلانا اور دوستوں کے درمیان محبت والفت کا رشتہ ختم کرنا ہوتا ہے۔

فساد پیدا کرنے والے چغل خور کی دنیا میں رسوائی اور آخرت میں برا انجام ثابت کرنے کے لیے یہی صریح حدیث کافی ہے جو اس کے لیے' اگر وہ اپنی اسی روش پر قائم رہے' امید اور آرزو کے تمام دروازے بند کر دیتی ہے:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ))

''جنت میں چغل خور نہیں جائے گا۔'' ②

چغل خوری کا جو انجام سن کر دل میں خوف و دہشت بیٹھ جاتی ہے' وہ یہ کہ چغل خور پر قبر میں رکھے جانے کے بعد ہی سے اللہ کا سخت عذاب نازل ہونے لگتا ہے۔

---

① مسند احمد ٦/ ٤٦١)

② بخاری۔ كتاب الادب: باب مایکره من النميمة (ح ٦٠٥٦)
مسلم۔ كتاب الايمان: باب بيان غلظ تحريم النميمة (ح ١٠٥)

بخاری و مسلم اور دیگر محدثین نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے' وہ فرماتے ہیں: ''ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دو قبروں کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے فرمایا:

((اَمَا اِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ ' اَمَّا اَحَدُهُمَا فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ ' وَ اَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ لَا يَسْتَبْرِئُ مِنْ بَوْلِهِ))

''ان دونوں اہل قبر پر عذاب ہو رہا ہے' اور یہ دونوں کسی ایسے بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں بھگت رہے ہیں (جن سے بچنا مشکل ہو۔) ان میں سے ایک تو چغل خوری کیا کرتا تھا اور دوسرا پیشاب کرتے وقت احتیاط نہیں برتتا تھا۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پھر آپ نے ایک تازہ ٹہنی منگائی اور اس کے دو ٹکڑے کیے' پھر دونوں کو الگ الگ گاڑ دیا اور فرمایا: ''شاید [1] ان ٹہنیوں کے سوکھنے تک ان دونوں کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے۔'' (یہ آپ کا معجزہ تھا ورنہ تو ٹہنی میں یہ خاصیت ہرگز نہیں۔)

جھوٹ بولنے سے احتراز کرتا ہے

سچے اور باشعور مسلمان کی ایک صفت یہ ہوتی ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتا' اس لیے کہ جھوٹ بولنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ﴾ (الحج: ۲۲/ ۳۰)

''جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو۔''

جھوٹی گواہی حرام ہونے کے ساتھ ساتھ مردانگی میں عیب لگاتی ہے' امانت و دیانت میں نقص پیدا کرتی ہے اور شرافت و کرامت کو داغ دار کرتی ہے۔ اس لیے یہ اہل ایمان کی صفت نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں سے

---

[1] بخاری۔ کتاب الوضوء: باب من الکبائر ان لا یستتر من بوله (ح ۲۱۶)
مسلم۔ کتاب الطهارة: باب الدلیل علی نجاسة البول و وجوب الاستبراء منه (ح ۲۹۲)

اس صفت کی نفی کی ہے۔ ان سے کبائر کی نفی کے سیاق میں ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَإِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا﴾

(الفرقان: ۲۵/ ۷۲)

''اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے اور کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہو جائے تو شریف آدمیوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔''

اس گناہ کی مضرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گناہوں کی فہرست میں اس کا شمار دو سب سے بڑے گناہوں کے بعد کیا۔ (یعنی شرک اور والدین کی نافرمانی کے بعد۔) پھر آپ نے مسلمانوں کو ڈراتے ہوئے اور اس سے خبردار کرتے ہوئے بڑے اشتعال میں اس کا بار بار اعادہ کیا۔ آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

((أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ ؟ قُلْنَا: بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ، قَالَ: اَلْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ ، وَ عُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ ، وَكَانَ مُتَّكِئًا فَجَلَسَ، فَقَالَ: أَلَا وَ قَوْلُ الزُّوْرِ ، فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتّٰى قُلْنَا: لَيْتَهُ سَكَتَ))

''کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہوں کے بارے میں نہ بتلاؤں؟'' صحابہ رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا: ''کیوں نہیں اے اللہ کے رسول!'' فرمایا: ''اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرانا' والدین کی نافرمانی کرنا (آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے' اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا) سن لو! اور جھوٹ بولنا۔ پھر آپ برابر اسی کو دہراتے رہے' یہاں تک کہ ہم تمنا کرنے لگے: ''کاش! آپ سکوت اختیار کر لیتے۔'' ①

---

① بخاری۔ کتاب الشھادات: باب ماقیل فی شھادۃ الزور (ح ۲۶۵۴)
مسلم۔ کتاب الایمان: باب الکبائر واکبرھا (ح ۸۷)

بدگمانی سے بچتا ہے

حقیقی مسلمان کی ایک خصلت یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کے بارے میں بدگمانی نہیں کرتا اور ان کے بارے میں فکر و خیال اور تصورات کے گھوڑے نہیں دوڑاتا۔ کیونکہ اس طرح ان کی جانب عیوب منسوب ہو جاتے ہیں اور تہمتیں لگتی ہیں' حالانکہ وہ فی الواقع ان سے بری ہوتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کرتا ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ ٱلظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ ٱلظَّنِّ إِثْمٌ﴾

(الحجرات : ۴۹/ ۱۲)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو' کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔''

نبی ﷺ کے ارشادات میں بدگمانی کرنے' لوگوں کے بارے میں قیاس آرائیاں کرنے اور حقیقت و یقین سے کوسوں دور بے سروپا باتیں منسوب کرنے سے شدت سے ڈرایا گیا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

((إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ ' فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ))

''بدگمانی سے بچو' بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔'' ①

نبی کریم ﷺ نے بدگمانی کو سب سے جھوٹی بات قرار دیا ہے۔ اور حقیقی اور سچے مسلمان کی خصلت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی زبان پر کوئی ایسی بات نہیں لاتا جس میں جھوٹ کی بو آتی ہو۔ پھر آخر وہ سب سے جھوٹی بات میں کیسے مبتلا ہو سکتا ہے؟

نبی کریم ﷺ نے بدگمانی سے بچنے کی تاکید کر کے اور اسے سب سے جھوٹی بات قرار دے کر مسلمانوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ لوگوں کے ظاہری اعمال پر فیصلہ کریں اور ان کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے' شک و شبہ میں مبتلا ہونے' بے سروپا کی باتیں منسوب کرنے اور اوہام و خرافات کے دام میں گرفتار ہونے سے بچے

① بخاری۔ کتاب الادب: باب ما ینهی عن التحاسد والتدابر (ح ۶۰۶۴)
مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب تحریم الظن والتجسس (ح ۲۵۶۳)

رہیں۔ مسلمان کا اخلاق یہ نہیں اور نہ ہی اس کے شایانِ شان ہے کہ وہ لوگوں کے بھید معلوم کرنے کے پیچھے پڑا رہے' ان کی نجی زندگی (Personal Life) کی ٹوہ میں رہے اور ان کی عزت و آبرو میں عیب تلاش کرتا رہے۔ کیوں کہ بھیدوں کو جاننا' ان کا افشا کرنا اور ان پر محاسبہ کرنا صرف اس معبود حقیقی کا حق ہے جو بھیدوں سے واقف ہے۔ انسان صرف ظاہری عمل پر فیصلہ کرنے کا مکلّف ہے۔ ہمارے سلف صالحین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم (جو تعلیم نبوی سے' کدورت سے پاک و صاف جھونکوں سے لطف اندوز ہوئے) کا یہی موقف تھا۔

امام بخاریؒ نے سیدنا عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' فرماتے ہیں: ''میں نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((اِنَّ نَاسًا كَانُوا يَأْخُذُونَ بِالْوَحْيِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَ اِنَّ الْوَحْيَ قَدِ انْقَطَعَ ، وَ اِنَّمَا نَأْخُذُكُمُ الْآنَ بِمَا ظَهَرَ مِنْ اَعْمَالِكُمْ ، فَمَنْ اَظْهَرَ لَنَا خَيْرًا آمَنَّاهُ وَ قَرَّبْنَاهُ ، وَلَيْسَ اِلَيْنَا مِنْ سَرِيْرَتِهِ شَيْءٌ ، اَللّٰهُ يُحَاسِبُهُ عَلٰى سَرِيْرَتِهِ ، وَ مَنْ اَظْهَرَ لَنَا شَرًّا لَمْ نَأْمَنْهُ وَ لَمْ نُصَدِّقْهُ ، وَاِنْ قَالَ: اِنَّ سَرِيْرَتَهُ حَسَنَةٌ))

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں وحی کے ذریعے سے کسی کے بارے میں کوئی حکم لگایا جاتا تھا۔ لیکن وحی کا سلسلہ اب منقطع ہو گیا ہے۔ اس لیے اب ہم تمہارے ظاہری اعمال کو دیکھ کر فیصلہ کریں گے۔ جو شخص بظاہر اچھے اعمال کرے گا اس کا ہم اعتبار کریں گے اور اسے اپنے قریب کریں گے۔ اس کے باطن کو جاننا ہمارا کام نہیں' اس کا محاسبہ تو اللہ تعالیٰ کرے گا۔ اور جو شخص ظاہراً برے اعمال کرے گا ہم اس سے مطمئن ہوں گے نہ اسے سچا سمجھیں گے۔ خواہ وہ کتنا ہی کہتا رہے کہ ''میرا باطن اچھا ہے۔''' [1]

---

[1] بخاری۔ کتاب الشهادات: باب الشهداء العدول (ح ۲۶۴۱)
حیاۃ الصحابہ جلد نمبر ۲ ص ۱۵۱

اس لیے متقی اور باشعور مسلمان سوچ سمجھ کر کوئی بات زبان سے نکالتا ہے اور پورے یقین کے ساتھ کوئی حکم لگاتا ہے۔ اس کے فکر وشعور میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد ہمہ وقت مستحضر رہتا ہے:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا﴾ (الاسراء: ۱۷/ ۳۶)

''کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔ یقیناً آنکھ' کان اور دل سب ہی کی باز پرس ہونی ہے۔''

چنانچہ وہ اس پر حکمت تنبیہ کو ہمیشہ ملحوظ رکھتا ہے۔ بغیر علم کے کوئی بات نہیں کہتا اور بغیر یقین کے کوئی حکم نہیں لگاتا۔

عیب جوئی اور بدگمانی کے گناہ میں مبتلا ہونے کا اسے اس وقت مزید خوف اور اندیشہ طاری ہو جاتا ہے جب وہ اپنے دل کی آنکھ سے' اللہ کی طرف سے اس کی نگرانی پر مقرر کردہ فرشتے کو دیکھتا ہے' جو اس کی زبان سے نکلنے والے ہر لفظ اور ہر بات کو ریکارڈ کرتا رہتا ہے:

﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾ (ق ۵۰/ ۱۸)

''کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا ہے جسے محفوظ کرنے کے لیے ایک حاضر باش نگران موجود نہ ہو۔''

ان نصوص کے معانی کا ادراک کرنے والا مسلمان اپنی زبان سے نکلنے والے الفاظ کی ذمہ داری کا احساس کر کے خوف سے کانپنے لگتا ہے۔ اسی لیے تم اسے دیکھو گے کہ وہ سوچ سمجھ کر کوئی بات کہتا ہے اور بولنے سے پہلے اپنی بات کو تولتا ہے اور جانچ پرکھ کر زبان سے نکالتا ہے۔ کیوں کہ وہ دینی تعلیمات کے مطالعہ سے جانتا ہے کہ زبان سے نکلی ہوئی ایک بات اسے اللہ کی خوشنودی کے اعلیٰ مقام پر بھی پہنچا سکتی ہے اور اس کے غیظ وغضب کے پست ترین مقام تک بھی گرا سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِنَّ الرَّجُلَ لَیَتَکَلَّمُ بِالْکَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللّٰهِ ' مَا کَانَ یَظُنُّ اَنْ تَبْلُغَ مَا بَلَغَتْ ' یَکْتُبُ اللّٰهُ لَهُ بِهَا رِضْوَانَه اِلٰی یَوْمٍ یَلْقَاهُ ' وَاِنَّ الرَّجُلَ لَیَتَکَلَّمُ بِالْکَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللّٰهِ ' مَا کَانَ یَظُنُّ اَنْ تَبْلُغَ مَا بَلَغَتْ ' یَکْتُبُ اللّٰهُ لَهُ بِهَا سَخَطَهُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ))

''آدمی اللہ کی خوشنودی کا کوئی کلمہ زبان سے نکالتا ہے' اس کے حاشیہ خیال میں بھی یہ نہیں ہوتا کہ اسے وہ درجہ حاصل ہوگا جو اس سے حاصل ہوا۔ اس کلمہ کی بدولت اللہ تعالیٰ قیامت تک کے لیے اس کی قسمت میں خوشنودی لکھ دیتا ہے۔ اسی طرح آدمی اپنی زبان سے (بے دھیانی میں) اللہ کی ناراضی کو بھڑکانے والا کوئی کلمہ نکالتا ہے۔ اسے گمان نہیں ہوتا کہ اس کا یہ نتیجہ ظاہر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کلمہ کی وجہ سے قیامت تک کے لیے اس کے نامہ اعمال میں اپنا غضب لکھ دیتا ہے۔'' [1]

غور کرنے کا مقام ہے' زبان سے نکالے ہوئے الفاظ کی کتنی بڑی ذمہ داری ہے؟ اور یاوہ گوئیوں اور مہمل باتوں کے کیسے اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

نیک نیت' خوش باطن اور متقی مسلمان لوگوں کی بے ہودہ اور مہمل باتوں کی طرف کان نہیں لگاتا اور نہ ان اوہام وخرافات' افواہوں اور بدگمانیوں کی طرف دھیان دیتا ہے جو آج کل ہمارے معاشروں میں بہت زیادہ عام ہیں اور جو کانوں میں پڑتی رہتی ہیں۔ اور نہ ہی وہ ان افواہوں اور بدگمانیوں کو بغیر توثیق اور یقین حاصل کیے کسی سے بیان کرتا ہے۔ اس لیے کہ وہ سمجھتا ہے کہ ہر سنی ہوئی بات کو اس کی صحت کی تحقیق کرنے سے پہلے نقل کرنا اور کسی سے بیان کرنا ''جھوٹ'' ہے' جس کے حرام ہونے کی رسول اللہ ﷺ نے تصریح کی ہے:

---

[1] موطا امام مالک (۲/ ۹۸۵) کتاب الکلام: باب مایومر بہ من التحفظ فی الکلام (ح ۵) ترمذی۔ کتاب الزھد: باب ۱۲) ماجاء فی قلة الکلام (ح ۲۳۱۹) ابن ماجه۔ کتاب الفتن: باب کف اللسان فی الفتنة (ح ۳۹۶۹)

((كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ))

''آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ سنی سنائی بات لوگوں سے کہتا پھرے۔''[1]

راز کا افشا نہیں کرتا

حقیقی مسلمان کا ایک وصف یہ ہوتا ہے کہ وہ راز کو پوشیدہ رکھتا ہے اور اگر کوئی شخص اسے کوئی راز کی بات بتلاتا ہے تو اس کو افشا نہیں کرتا۔ راز داری کی مردانگی اس کی شخصیت کی عظمت اور اس کے اخلاق کی متانت کی دلیل ہے۔ اسلام کے ان نابغہ روزگار مردوں اور عورتوں کا یہی کردار تھا جنہوں نے نبوت کے سرچشمے سے سیرابی حاصل کی تھی اور جن کی زندگی تعلیمات نبوی کی عملی تفسیر تھی۔ چنانچہ راز داری ان کے اخلاق میں ایک نمایاں وصف اور ان کے عادات واطوار میں ایک اچھی عادت تھی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے بیوہ ہونے کے بعد جب سیدنا ابوبکر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما سے ان کی شادی کی پیش کش کی تو انہوں نے جو رویہ اختیار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کی حفاظت کی، وہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم راز داری کی فضیلت سے آراستہ تھے اور اس فضیلت کو مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جب حفصہ بیوہ ہو گئیں تو میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ملا اور انہیں حفصہ (رضی اللہ عنہا) کی شادی کی پیش کش کرتے ہوئے کہا: ''اگر چاہیں تو حفصہ کا نکاح آپ کے ساتھ کر دوں؟'' انہوں نے کہا: ''میں غور کروں گا۔'' میں نے کئی رات انتظار کیا۔ پھر وہ مجھ سے ملے اور کہا: ''میرا خیال ہے کہ ابھی شادی نہ کروں۔'' پھر میں ابوبکر

[1] مسلم۔ المقدمۃ: باب النهی عن الحديث بكل ماسمع (ح ٥)

صدیق رضی اللہ عنہ سے ملا اور کہا: ''اگر آپ چاہیں تو حفصہ (رضی اللہ عنہا) کا نکاح آپ سے کر دوں؟'' وہ خاموش رہے اور مجھے کوئی جواب نہ دیا۔ اس بات پر مجھے عثمانؓ سے زیادہ ان پر غصہ آیا۔ کچھ دن اور گزرے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ (رضی اللہ عنہا) کا پیغام دیا۔ چنانچہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا نکاح کر دیا۔ ایک دن ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ سے ملے اور کہنے لگے: ''شاید آپ کو اس وقت مجھ پر غصہ آیا تھا جب آپ نے مجھ سے حفصہ کی شادی کی پیش کش کی تھی اور میں نے کوئی جواب نہ دیا تھا؟'' میں نے کہا: ''ہاں۔'' فرمایا:

((فَاِنَّهُ لَمْ يَمْنَعْنِى اَنْ اَرْجِعَ اِلَيْكَ فِيمَا عَرَضْتَ عَلَىَّ اِلَّا اَنِّى كُنْتُ عَلِمْتُ اَنَّ النَّبِىَّ صلی اللہ علیہ وسلم ذَكَرَهَا ' فَلَمْ اَكُنْ لِاُفْشِىَ سِرَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ' وَلَوْ تَرَكَهَا النَّبِىُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَقَبِلْتُهَا))

''میں نے آپ کی پیش کش کا جواب محض اس وجہ سے نہ دیا تھا' کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا تذکرہ کیا تھا اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس راز کو افشا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے نکاح نہ کرتے تو میں قبول کر لیتا۔'' [1]

راز داری کی فضیلت اسلاف میں صرف مردوں تک محدود نہیں ہے' بلکہ اس فضیلت میں وہ عورتیں اور بچے بھی شریک ہیں جنہوں نے اسلامی تعلیمات کے سرچشمے سے سیرابی حاصل کی اور اس کے درخشاں نور سے اپنے دلوں اور عقلوں کو منور کیا۔ امام مسلمؒ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

''میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ آپ نے ہم لوگوں کو سلام کیا' پھر ایک ضرورت سے مجھے بھیجا' جس کی وجہ سے میں ماں کے پاس دیر سے پہنچا۔ انہوں نے پوچھا: ''کہاں دیر ہو گئی؟'' میں نے کہا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ضرورت سے بھیج دیا تھا۔''

---

[1] بخاری۔ کتاب النکاح عرض الانسان ابنته او اخته علی اهل الخیر (ح ۵۱۲۲)

فرمایا: ''کس ضرورت سے؟'' میں نے کہا : ''یہ رسول اللہ ﷺ کا راز ہے۔'' انہوں نے کہا:

((لَا تُخْبِرَنَّ بِسِرِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَحَدًا))

''رسول اللہ ﷺ کا راز ہرگز کسی کو نہ بتلانا۔''

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے (سیدنا ثابتؒ سے یہ بتلاتے ہوئے) کہا: ''ثابت! اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر میں یہ راز کسی کو بتا سکتا تو تمہیں ضرور بتلاتا۔'' [۱]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی ماں نے انہیں رسول اللہ ﷺ کے راز کو پوشیدہ رکھنے کا خواہش مند دیکھا تو ان میں اس خواہش کو مزید تقویت پہنچائی اور انہیں تاکید کی کہ رسول اللہ ﷺ کا راز کسی کو نہ بتلانا۔ چنانچہ انہوں نے وہ راز کسی کو نہ بتلایا' حتیٰ کہ جلیل القدر تابعی سیدنا ثابت بن اسلم رحمہ اللہ کو بھی نہیں۔ بھید سے واقف ہونے کی خواہش سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی ماں کو اس بات پر آمادہ نہ کر سکی کہ وہ اپنے چھوٹے بچے کو بہلا پھسلا کر رسول اللہ ﷺ کا وہ راز معلوم کر لیں جسے، وہ چھپا رہے تھے۔ یہ ہے اسلام کی تربیت' اور یہ ہے وہ بلند مقام جہاں انسان اس تربیت کے نتیجے میں پہنچ جاتا ہے' خواہ مرد ہو' یا عورت' یا بچہ۔

راز کا افشا ایک بدترین اور گھناؤنی عادت ہے۔ زندگی میں ہر چیز کہنے کی نہیں ہوتی۔ بہت سے معاملات ایسے ہوتے ہیں جن کے بارے میں مردانگی' مروت و شرافت اور غیرت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ وہ صیغہ راز ہی میں رہیں۔ خاص طور پر اس وقت جب وہ راز خانگی زندگی سے تعلق رکھتے ہوں۔ ایسی باتوں کو وہی شخص لوگوں کے درمیان عام کرے گا جس کی عقل میں فتور ہو یا جس کے اندر سفلہ پن' کمینگی اور اوچھا

---

[۱] بخاری۔ کتاب الاستیذان: باب حفظ السر (ح ۶۲۸۹ مختصراً) امام بخاریؒ نے اس روایت کا بعض حصہ اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے۔ سیدنا ثابتؒ جلیل القدر صحابی ہیں جنہوں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے۔

مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة: باب من فضائل انس بن مالکؓ (ح ۲۴۸۲)

پن ہو۔ یاوہ گوئی کرنے والے ایسے لوگوں کا شمار برے لوگوں میں ہوتا ہے۔ بلکہ یہ لوگ اللہ کے نزدیک بدترین لوگ ہیں' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں وضاحت کی ہے:

((اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلُ يُفْضِيْ اِلَى الْمَرْاَةِ ' وَ تُفْضِيْ اِلَيْهِ ' ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا))

''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بدترین درجہ اس شخص کا ہوگا جو اپنی بیوی سے ہم آغوش ہو' پھر اس کے راز کی تشہیر کرتا پھرے۔'' ①

تیسرے آدمی کے ہوتے ہوئے کسی سے سرگوشی نہیں کرتا

متقی اور دینی احکام کا شعور رکھنے والا مسلمان ذکی الحس اور باریک بین ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کے احساسات کا احترام کرتا ہے اور ان کے ساتھ بدسلوکی کرنے یا بدگمانی پیدا کرنے سے اجتناب کرتا ہے۔ چنانچہ وہ بہت خوش اسلوبی کے ساتھ گفتگو کرتا ہے' اور خوش اسلوبی کا تقاضا یہ ہے کہ تیسرے کے ہوتے ہوئے کسی سے سرگوشی نہ کی جائے۔ یہ عالی ادب ہے جو اسلام نے اپنے فرزندوں کو سکھایا ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابن مسعودؓ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً ' فَلَا يَتَنَاجَ اِثْنَانِ دُوْنَ الْآخِرِ ' حَتّٰى تَخْتَلِطُوْا بِالنَّاسِ ' مِنْ اَجْلِ اَنَّ ذٰلِكَ يُحْزِنُهُ))

''جب تم لوگ تین آدمی ہو تو تیسرے کو چھوڑ کر دو آدمیوں کو سرگوشی نہ کرنا چاہیے' جب تک کہ دوسرے لوگوں سے مل جل نہ جاؤ۔ اس لیے کہ اس سے تیسرا آدمی غمگین ہوگا۔'' ②

---

① مسلم۔ کتاب النکاح: باب تحریم افشاء سر المراۃ (ح ۱۴۳۷)

② بخاری۔ کتاب الاستئذان: باب اذا کانوا اکثر من ثلاثۃ فلا باس بالمسارۃ والمناجاۃ (ح ۶۲۹۰) مسلم۔ کتاب السلام: باب تحریم مناجاۃ الاثنین دون الثالث بغیر رضاہ (ح ۲۱۸۴)

مسلمان جس کے احساسات کو اسلام نے تیز کر دیا ہے' اس میں بلند ذوق کو پروان چڑھایا ہے اور اسے دانش مندی' ذکاوت وفہم اور لیاقت وخوش اسلوبی سے نوازا ہے' وہ کانا پھوسی' سرگوشی اور کھسر پھسر سے احتراز کرتا ہے' جب کہ اس موقع پر صرف تین آدمی ہی ہوں۔ تاکہ تیسرے شخص کے احساسات مجروح نہ ہوں اور اسے وحشت و تنہائی اور تنگی کا احساس نہ ہو۔ لیکن اگر دوسرے سے علیحدگی میں گفتگو کی سخت ضرورت ہو تو اس وقت تیسرے شخص سے اجازت لینا ضروری ہے۔ نیز اس وقت مختصر گفتگو کرنی چاہیے اور تیسرے شخص سے معذرت کر لینی چاہیے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ' جن کے نفوس میں اسلام جاگزیں ہو گیا تھا اور اسلامی اخلاق و تعلیمات ان کی رگ رگ میں سرایت کر گئی تھیں' لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں ان حساس باتوں سے کبھی غافل نہ ہوتے تھے۔ بہت سی روایات میں' جن سے ان کے بلند اجتماعی کردار اور انسانی احساسات کے احترام کی وضاحت ہوتی ہے' اس کی تائید ملتی ہے۔ مثلاً امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں سیدنا عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے' فرماتے ہیں:

''میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ خالد بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے گھر کے پاس (جو بازار میں تھا) بیٹھا ہوا تھا۔ ایک شخص آیا اور ان سے چپکے سے کوئی بات کرنا چاہی۔ اس وقت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس میرے علاوہ کوئی نہ تھا۔ انہوں نے ایک اور آدمی کو بلایا۔ اب ہم چار ہو گئے' تو مجھ سے اور اس شخص سے جسے بلایا تھا' کہا: ''تم دونوں ہٹ جاؤ۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

((لَا یَتَنَاجَ اِثْنَانِ دُوْنَ وَاحِدٍ))

''ایک شخص کو الگ کر کے دو آدمی سرگوشی نہ کریں۔''

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما اس شخص سے سرگوشی کرنے پر تیار نہ ہوئے جو راستے سے اچانک ان کے پاس آیا تھا' کیونکہ اس وقت تیسرا آدمی تنہا رہ جاتا اور اسے الگ کرنے سے اسے تکلیف ہوتی۔ اس لیے انہوں نے اس شخص کی اس وقت تک بات نہ

سنی جب تک کہ چوتھے آدمی کو نہ بلا لیا۔ انہوں نے سب لوگوں کے سامنے حدیث شریف دوہرا کر یہ بھی بتلا دیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے اور زور دیا کہ انہیں ایسی صورت حال میں لوگوں کے احساسات کا احترام کرتے ہوئے اور نبی کریم ﷺ کی سنت کی اتباع کرتے ہوئے یہی رویہ اختیار کرنا چاہیے۔

تکبر نہیں کرتا

حقیقی مسلمان تکبر نہیں کرتا۔ وہ لوگوں کے سامنے تکبر سے گردن ٹیڑھی کر کے اور اکڑ کر نہیں چلتا اور نہ اجڈ پن اور بد اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور ڈینگیں ہانکتے ہوئے بڑائی جتاتا ہے۔ اس لیے کہ قرآنی تعلیمات میں (جن سے اس کے کان، دل اور روح سب آسودگی اور سیرابی حاصل کر چکے ہیں) صاف صاف یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ متکبرین اس دار فانی میں چاہے جتنا اترالیں، چاہے جتنی اکڑ دکھالیں اور چاہے جتنا پھول کر غبارہ ہو جائیں، مگر ابدی زندگی میں وہ ناکام و نامراد ہوں گے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ابدی زندگی کا چین و سکون، راحت اور آرام متکبروں پر حرام کر دیا ہے۔ فرمایا:

﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا، وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (القصص : ۲۸/ ۸۳)

''وہ آخرت کا گھر تو ہم ان لوگوں کے لیے مخصوص کر دیں گے جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں، اور انجام کی بھلائی متقین کے لیے ہے۔''

اس کے کانوں میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی گونجتا ہے کہ اللہ اس خود پسند اور مغرور شخص کو نہیں پسند کرتا جو لوگوں سے گردن ٹیڑھی کر کے بات کرتا ہے اور زمین پر اکڑ کر چلتا ہے:

﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا

---

[1] موطا امام مالك (۲/ ۹۹۸) كتاب الكلام: باب ماجاء فى مناجاة اثنين دون واحد (ح ۱۳)

يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾ (لقمان : ۳۱/ ۱۸)

''اور لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کر' نہ زمین میں اکڑ کر چل۔ اللہ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے شخص کو پسند نہیں کرتا۔''

اسی طرح ایک شخص جب سنت نبویہ کی نصوص میں غور وفکر اور جستجو کرتا ہے تو وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ انہوں نے لوگوں کے نفوس سے ''کبر'' کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا زبردست اہتمام کیا ہے اور پوری توجہ دی ہے۔ ان میں تکبر سے منع کیا گیا ہے' اس سے نفرت دلائی گئی ہے اور جو لوگ اس مرض میں مبتلا ہیں انہیں ڈرایا گیا ہے کہ ذرہ برابر تکبر سے' جو شیطان ان کے دلوں میں ڈال دیتا ہے' وہ اخروی زندگی میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ناکام و نامراد ہو جائیں گے اور جنت ان پر حرام ہو جائے گی۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اس کی خبر دی ہے:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ فَقَالَ رَجُلٌ: اِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ اَنْ يَكُوْنَ ثَوْبُه حَسَنًا وَ نَعْلُه حَسَنَةً ـ قَالَ: (اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ ـ اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ ' وَ غَمْطُ النَّاسِ))

''جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔'' ایک شخص نے عرض کیا: ''آدمی چاہتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو اور جوتا خوب صورت ہو' (کیا یہ بھی تکبر ہے؟'') فرمایا: '' (نہیں!) بے شک اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ تکبر تو یہ ہے کہ آدمی حق کا انکار کرے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔'' [1]

سیدنا حارثہ بن وہب سے روایت ہے' فرماتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ النَّارِ: كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ))

[1] مسلم۔ كتاب الايمان: باب تحريم الكبر و بيانه (ح ۹۱)

''کیا میں تم کو نہ بتلاؤں کہ جہنم میں کون لوگ جائیں گے؟ ہر سرکش، بخیل اور متکبر۔'' ①

اخروی زندگی میں متکبرین کی ذلت و رسوائی اور فضیحت و حقارت کے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی طرف نظر نہ فرمائے گا، نہ ان سے گفتگو کرے گا اور نہ ہی انہیں پاک کرے گا۔ اس لیے کہ وہ زمین پر اکڑ کر چلتے ہیں اور لوگوں پر بڑائی جتاتے ہیں۔ یہ ایک معنوی ذلت و رسوائی ہوگی جس کا تکلیف دہ اثر حساس نفوس پر اس سے کم نہ ہوگا جتنا جہنم میں جسموں پر عذاب کا اثر ظاہر ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا یَنْظُرُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِلٰی مَنْ جَرَّ اِزَارَهٗ بَطَرًا))

''اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا جو تکبر سے اپنا تہہ بند گھسیٹتا ہوا اترا کر چلتا ہو۔'' ②

رسول اللہ ﷺ کا مزید ارشاد ہے:

((ثَلَاثَةٌ لَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ، وَلَا یُزَكِّیهِمْ، وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ: شَیْخٌ زَانٍ، وَمَلِكٌ كَذَّابٌ، وَ عَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ))

''تین آدمی ایسے ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بات کرے گا نہ انہیں پاک کرے گا اور نہ ہی ان کی طرف دیکھے گا، بلکہ ان کے لیے درد ناک عذاب ہوگا: بوڑھا زانی، جھوٹا بادشاہ اور متکبر فقیر۔'' ③

---

① بخاري۔ كتاب الادب: باب الكبر (ح ۶۰۷۱)
مسلم۔ كتاب الجنة: باب النار يد خلها الجبارون (ح ۲۸۵۳)

② بخاري۔ كتاب اللباس: باب من جرثوبه من الخيلاء (ح ۵۷۸۸)
مسلم۔ كتاب اللباس: باب تحريم جرالثوب خيلاء (ح ۲۰۸۷)

③ مسلم۔ كتاب الايمان: باب بيان غلظ تحريم اسبال الازار (ح ۱۰۷)

اس لیے کہ بڑائی اور عظمت الوہیت کی صفات میں سے ہے' یہ انسانوں کی شان نہیں۔ کیوں کہ وہ کمزور پیدا کیے گئے ہیں۔ اس لیے جو لوگ تکبر کرتے ہیں اور سرکشی کا رویہ اختیار کرتے ہیں وہ لوگ دراصل مقام الوہیت پر دست درازی کرتے ہیں اور بزرگ و برتر خالق کی ایک اعلیٰ صفت کو چھیننا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ان کا انجام یہ ہوگا کہ وہ دردناک عذاب میں مبتلا کر دیے جائیں گے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس فرمان میں خبر دی ہے:

((اَلْعِزُّ اِزَارِیْ ' وَالْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ ' فَمَنْ یُنَازِعُنِیْ فِیْ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فَقَدْ عَذَّبْتُهُ))

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: عزت میری تہبند اور عظمت میری چادر ہے۔ جو شخص ان دونوں میں سے کسی ایک کو مجھ سے چھیننے کی کوشش کرے گا اس پر میں عذاب نازل کر دوں گا۔'' [1]

اسی وجہ سے سنت مطہرہ کی نصوص میں اہل ایمان کو پے در پے آگاہ کیا گیا ہے کہ ضعف انسانی کے کسی بھی لمحے ان کے دل میں تکبر کا شائبہ تک نہ آنے پائے۔ انہیں متعدد اسالیب سے ڈرایا گیا ہے اور تنبیہ کی گئی ہے' تاکہ متقی اہل ایمان ہلاکت خیز تکبر کے مرض سے محفوظ رہیں۔

ان ڈرانے والی اور تنبیہ کرنے والی نصوص میں سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے:

((مَنْ تَعَظَّمَ فِیْ نَفْسِهِ ' اَوِ اخْتَالَ فِیْ مِشْیَتِهِ ' لَقِیَ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ ' وَهُوَ عَلَیْهِ غَضْبَانٌ))

''جو شخص اپنے جی میں بڑا بنے گا یا تکبر سے اترا کر چلے گا وہ اللہ عزوجل سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس سے ناراض اور اس پر غضب ناک ہو

---

[1] مسلم۔ کتاب البر والصلۃ: باب تحریم الکبر (ح ۲۶۲۰)

گا۔''①

تواضع اختیار کرتا ہے

ان نصوص کے بالمقابل' جو تکبر کرنے والوں کو بڑی رسوائی اور سخت عذاب سے ڈراتی دھمکاتی اور وعید سناتی ہیں' ایسی نصوص بھی ہیں جو تواضع کو پسندیدہ قرار دیتی ہیں اور اس پر اکساتی ہیں اور تواضع اختیار کرنے والوں کو باور کراتی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے جتنا تواضع کریں گے اتنا ہی اللہ کے نزدیک ان کا درجہ بلند ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ))

''جو کوئی اللہ کے لیے تواضع کرے گا اللہ اس کا درجہ بلند کرے گا۔''②

آپ نے یہ بھی فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ اَوْحٰى اِلَيَّ اَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰى لَا يَفْخَرَ اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ، وَلَا يَبْغِيَ اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ))

''اللہ نے مجھ پر یہ وحی بھیجی ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔ کوئی کسی پر فخر کرے نہ کوئی کسی پر زیادتی اور سرکشی کرے۔''③

رسول اللہ ﷺ کی عملی زندگی تواضع' فروتنی' نرمی' لطف و مہربانی اور فراخ دلی کا زندہ اور بے مثل نمونہ تھی۔ یہاں تک کہ آپ کھیلتے ہوئے بچوں کے پاس سے گزرتے تھے تو آپ کی نبوت اور قدر و منزلت' جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا تھا' ان کو سلام کرنے' ان سے خندہ روئی سے ملنے اور خوش طبعی کرنے سے مانع نہ ہوتی تھی۔

---

① مسند احمد (۲/ ۱۱۸) بخاری فی الادب المفرد (۵۴۹)

① مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب استحباب العفو والتواضع (ح ۲۵۸۸)

② مسلم۔ کتاب الجنة: باب الصفات التی یعرف بھافی الدنیا اھل الجنة واھل النار (ح ۲۸۶۵)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کچھ بچوں کے پاس سے گزرے تو انہیں سلام کیا اور فرمایا:

((كَانَ النَّبِیُّ ﷺ يَفْعَلُ ذٰلِكَ))

''نبی اکرم ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔'' (۱)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی تواضع بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

((اِنَّ الْاَمَةَ مِنْ اِمَاءِ الْمَدِيْنَةِ كَانَتْ تَاْخُذُ بِيَدِ النَّبِیِّ ﷺ فَتَنْطَلِقُ بِهِ حَيْثُ شَاءَ تْ ' يَقْضِیْ لَهَا حَاجَتَهَا))

''مدینہ کی کوئی لونڈی آتی اور نبی اکرم ﷺ کا دست مبارک پکڑ کر جہاں چاہتی لے جاتی اور آپ اس کی ضرورت پوری فرما دیتے۔'' (۲)

سیدنا تمیم بن اوس رضی اللہ عنہ اسلام کے احکام معلوم کرنے کے لیے مدینہ پہنچتے ہیں تو یہ پردیسی اور مسافر شخص رسول اللہ ﷺ کا کوئی حاجب یا دربان نہیں دیکھتے۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت منبر پر خطبہ دے رہے تھے۔ وہ آگے بڑھتے ہیں اور آپ سے کچھ سوال کرنے کا اظہار کرتے ہیں۔ آپ ان کی طرف پوری صاف دلی' تواضع اور شفقت کے ساتھ متوجہ ہوتے ہیں اور ان کے سوال کا جواب دیتے ہیں۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ روایت نقل کی ہے جس میں سیدنا تمیم رضی اللہ عنہ خود اپنا واقعہ یوں بیان فرماتے ہیں:

((اِنْتَهَيْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ يَخْطُبُ ' فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ' رَجُلٌ غَرِيْبٌ جَاءَ يَسْاَلُ عَنْ دِيْنِهِ ' لَا يَدْرِیْ مَا دِيْنُهُ ' فَاَقْبَلَ عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَ تَرَكَ خُطْبَتَهُ حَتّٰى انْتَهٰى اِلَیَّ ' فَاُتِیَ بِكُرْسِیٍّ ' فَقَعَدَ عَلَيْهِ وَ جَعَلَ يُعَلِّمُنِیْ مِمَّا عَلَّمَهُ اللّٰهُ ' ثُمَّ اَتٰى خُطْبَتَهُ فَاَتَمَّ آخِرَهَا))

[illegible] رسول اللہ ﷺ [illegible] خدمت میں حاضر ہوا' اس وقت آپ خطبہ دے

---

(۱) بخاری۔ کتاب الاستئذان: باب التسلیم علی الصبیان (ح ۶۲۴۷)

مسلم۔ کتاب السلام: باب استحباب السلام علی الصبیان (ح ۲۱۶۸)

(۲) بخاری۔ کتاب الادب: باب الکبر (ح ۶۰۷۲)

رہے تھے۔ میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں ایک مسافر آدمی ہوں' دین کے متعلق کچھ سوال کرنے آیا ہوں۔ میں دین کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ رسول اللہ ﷺ میری طرف متوجہ ہوئے اور خطبہ چھوڑ کر میرے پاس تشریف لائے۔ ایک کرسی لائی گئی جس پر آپ تشریف فرما ہوئے اور جن چیزوں کا علم آپ کو اللہ نے دیا تھا وہی مجھے سکھلانے لگے۔ پھر خطبہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے پورا کیا۔'' (۱)

رسول اللہ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں تواضع کی خصلت پیدا کرنے کے لیے (جو فراخ دلی' نرم خوئی اور خوش اخلاقی پر مبنی ہوتی ہے) فرماتے ہیں:

((لَوْ دُعِيتُ اِلٰى كُرَاعٍ اَوْ ذِرَاعٍ لَاَجَبْتُ ' وَلَوْ اُهْدِيَ اِلَيَّ ذِرَاعٌ اَوْ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ))

''اگر مجھے ایک پائے یا ایک دستی کی دعوت دی جائے تو میں قبول کرلوں اور اگر کوئی مجھے ایک دستی یا ایک پایہ ہدیہ کرے تو میں قبول کرلوں۔'' (۲)

تواضع کی یہ کتنی درخشاں اور تابناک شکل ہے؟ اور انسانی عظمت کا کتنا اعلیٰ مقام ہے؟ سبحان اللہ!!

کسی کا مذاق نہیں اڑاتا

اسلامی شخصیت کا حامل شخص جس کے دل میں تواضع کی محبت راسخ ہو جاتی ہے' وہ لوگوں کو حقیر سمجھنے' ان کا تمسخر کرنے اور مذاق اڑانے سے کوسوں دور رہتا ہے۔ اس لیے کہ قرآنی تعلیمات نے تواضع و فروتنی کی محبت راسخ کرنے اور تکبر و گھمنڈ سے دور رہنے کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ لوگوں کا مذاق اڑانے اور ان کو حقیر سمجھنے سے بھی منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا

---

(۱) مسلم۔ کتاب الجمعۃ: باب حدیث التعلیم فی الخطبۃ (ح ۸۷۶)

(۲) بخاری۔ کتاب الادب: باب من احاب الی کراع (ح ۵۱۷۸)

مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسٰى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَ لَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَ مَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (حجرات : ۴۹/ ۱۱)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔ ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بہت بری بات ہے۔ جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہ ظالم ہیں۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے صراحت فرمائی ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو حقیر سمجھنا سراسر شر ہے:

((بِحَسْبِ امْرِیءٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ يَّحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ))

''آدمی کے لیے اتنی ہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔''[1]

بڑوں اور اہل فضل کی تعظیم کرتا ہے

اسلامی تعلیمات مسلمانوں کو اس بات پر اکساتی ہیں کہ وہ لوگوں کا اکرام و احترام کریں' نہ کہ ان کو ذلیل اور پست سمجھیں اور ان کی تحقیر کریں۔ خاص طور پر اس وقت جب وہ احترام اور تعظیم کے اہل ہوں۔ بلکہ بڑوں' علما اور اصحاب فضل کا احترام ان بنیادی اخلاقی اصولوں میں سے ہے جن سے اسلامی معاشرہ میں مسلمانوں کی شناخت ہوتی ہے۔ جو اس خصلت سے عاری ہو وہ اس معاشرہ کی رکنیت سے دست بردار اور امت مسلمہ کی طرف انتساب کے شرف سے محروم ہے' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ

[1] مسلم۔ کتاب البروالصلة: باب تحریم ظلم المسلم وخذله واحتقاره (ح ۲۵۶۴)

نے ارشاد فرمایا ہے:

((لَيْسَ مِنْ أُمَّتِي مَنْ لَمْ يُجِلَّ كَبِيرَنَا ، وَ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا ، وَ يَعْرِفْ لِعَالِمِنَا حَقَّهُ))

''وہ شخص میری امت میں سے نہیں جو ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے علما کا حق نہ پہچانے۔'' ①

معاشرہ میں بڑے کا احترام کرنا اور اس کو چھوٹے پر مقدم رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ معاشرہ بلند اور ترقی یافتہ ہے اور اس معاشرہ کے افراد انسانی اخلاق کی بنیادوں سے واقف ہیں۔ یہ کردار ان کی عظمت اور تہذیب پر دلالت کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے نفوس میں اس کردار کو راسخ کرنے کی پوری کوشش کرتے تھے اور اسلامی معاشرہ کی بنیادیں استوار کرنے اور اس میں اخلاقی اصول راسخ کرنے کے وقت اس پر بہت زور دیتے تھے۔

مثال کے طور پر ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک وفد آیا۔ اس میں سب سے چھوٹے سیدنا عبدالرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہ تھے۔ جب وہ آپ سے بات کرنے لگے تو آپ نے فرمایا:

((كَبِّرْ ، كَبِّرْ))

''بڑے کو بات کرنے دو' بڑے کو بات کرنے دو۔''

چنانچہ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے اور ان سے بڑے نے رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کی۔ ②

رسول اللہ ﷺ بڑوں اور اہل فضل کے احترام و اکرام کو بہت اعلیٰ مقام عطا فرماتے ہیں۔ چنانچہ آپ ان کے احترام و اکرام کو اللہ تعالیٰ (کے احکام) کی تعظیم قرار

---

① مسند احمد (۵/ ۳۲۳)

② بخاری۔ کتاب الادب: باب اکرام الکبیر و یبداء الاکبر بالکلام والسؤال (ح: ۶۱۴۲، ۶۱۴۳)

مسلم۔ کتاب القسامۃ: باب القسامۃ (ح ۱۶۶۹)

دیتے ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے:

((اِنَّ مِنْ اِجْلَالِ اللّٰہِ تَعَالٰی اِکْرَامَ ذِی الشَّیْبَۃِ الْمُسْلِمِ ، وَ حَامِلِ الْقُرْآنِ غَیْرِ الْغَالِیْ فِیْہِ وَالْجَافِیْ عَنْہُ وَ اِکْرَامَ ذِی السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ))

''اللہ تعالیٰ (کے احکام) کی تعظیم یہ بھی ہے کہ بوڑھے مسلمان، حافظ قرآن جو حدود اللہ سے تجاوز کرے، نہ قرآن سے روگردانی کرے (۱) اور منصف بادشاہ کی عزت کی جائے۔'' (۲)

عہد اول کے مسلمانوں میں یہ اخلاقی تربیت خوب بار آور ہوئی، جس کی بدولت ایسے لوگ معرض وجود میں آئے، جن کی زندگیاں ان بلند اخلاق کی عملی تصویر تھیں۔ چنانچہ وہ لوگ بزرگوں اور اہل فضل کی عزت کے بے مثل نمونے تھے۔ مثال کے طور پر میں سیدنا ابوسعید سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کا یہ قول پیش کرتا ہوں، فرماتے ہیں:

((لَقَدْ کُنْتُ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ غُلَامًا ، فَکُنْتُ اَحْفَظُ عَنْہُ ، فَمَا یَمْنَعُنِیْ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا اَنَّ ھَاھُنَا رِجَالًا ھُمْ اَسَنُّ مِنِّیْ))

''میں عہد رسالت میں بچہ تھا۔ میں آپ کے ارشادات یاد کرلیا کرتا تھا۔ مگر مجھے ان ارشادات کے بیان کرنے سے صرف یہ چیز مانع ہے کہ یہاں کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو عمر میں مجھ سے بڑے ہیں۔'' (۳)

ان نمونوں میں سے، جن کا بڑوں اور اصحاب فضل کی تعظیم کے سلسلہ میں ہر مسلمان کو اسوہ اختیار کرنا چاہیے، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا کردار ہے۔ وہ ایک مرتبہ

---

(۱) حدود اللہ سے تجاوز کرنے اور قرآن سے روگرانی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے بالکل تعلق منقطع کرلے۔ نہ اس کی تلاوت کرے نہ اس پر عمل کرے۔

(۲) ابوداود۔ کتاب الادب: باب فی تنزیل الناس منازلھم (ح ۴۸۴۳)

(۳) اسدالغابۃ (۲/ ۳۵۴) تھذیب الکمال (۸/ ۱۳۹)

رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں تھے۔ وہاں سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک سوال کیا جس کا جواب ابن عمر رضی اللہ عنہما کو معلوم تھا' مگر وہ محض ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے احترام کی وجہ سے خاموش رہے۔ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ایک مجلس میں ارشاد فرمایا:

''بتلاؤ! وہ کون سا درخت ہے جس کی مثال مسلمان جیسی ہے جو اپنے رب کے حکم سے ہر زمانہ میں بار آور رہتا ہے اور جس کے پتے کبھی نہیں جھڑتے؟''

میرے جی میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے' مگر میں نے بولنا مناسب نہیں سمجھا۔ کیونکہ اس مجلس میں ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ جب وہ دونوں بھی خاموش رہے تو نبی ﷺ نے فرمایا:

''وہ کھجور کا درخت ہے۔''

پھر جب میں اپنے والد (سیدنا عمر رضی اللہ عنہ) کے ساتھ باہر نکلا تو میں نے ان سے عرض کیا ''ابا جان! میرے جی میں آیا تھا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔''

انہوں نے فرمایا:

''پھر آخر تو نے کیوں نہیں بتلایا؟ اگر تو بتلا دیتا تو مجھے یہ فلاں فلاں چیزوں سے زیادہ محبوب ہوتا۔''

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''میں صرف اس وجہ سے خاموش رہا کہ میں نے دیکھا کہ آپ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کچھ نہیں بول رہے ہیں' اس لیے میں نے بھی بولنا مناسب نہیں سمجھا۔''[1]

اسلام نے اسلامی معاشرہ میں لوگوں کو ان کے مناسب مقام عطا کیا ہے۔ اسلامی معاشرہ میں حفاظ قرآن کا بھی بلند مقام ہے۔ احادیث صحیحہ میں ان کی قدر

---

[1] بخاری۔ کتاب العلم: باب الحیاء فی العلم (ح ۱۳۱)
مسلم۔ کتاب صفات المنافقین: باب مثل المومن مثل النخلة (ح ۲۸۱۱)

افزائی کی گئی ہے اور ان کو نماز میں امامت کا مستحق اور مجالس میں صدر نشینی اور عزت و قدر دانی کا حق دار قرار دیا گیا ہے۔ رسول رحمتؐ نے فرمایا:

((یَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَؤُھُمْ لِکِتَابِ اللّٰہِ ' فَاِنْ کَانُوْا فِی الْقِرَاءَ ۃِ سَوَاءً ' فَاَعْلَمُھُمْ بِالسُّنَّۃِ ' فَاِنْ کَانُوْا فِی السُّنَّۃِ سَوَاءً ' فَاَقْدَمُھُمْ ھِجْرَۃً ' فَاِنْ کَانُوْا فِی الْھِجْرَۃِ سَوَاءً ' فَاَقْدَمُھُمْ سِنًّا' وَلَا یَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِیْ سُلْطَانِہٖ ' وَلَا یَقْعُدُ فِیْ بَیْتِہٖ عَلٰی تَکْرِمَتِہٖ اِلَّا بِاِذْنِہٖ))

''لوگوں کی امامت وہ شخص کرے گا جو کتاب اللہ کا سب سے زیادہ پڑھنے والا ہو۔ اگر پڑھنے میں سب برابر ہوں تو وہ امامت کرے جو سنت کا سب سے زیادہ جاننے والا ہو۔ اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو وہ امامت کرے جو ہجرت میں مقدم ہو۔ اور اگر ہجرت میں بھی سب برابر ہوں تو وہ امامت کرے جو عمر میں بڑا ہو۔ اور کوئی شخص کسی امام کے اثر کی جگہ امامت نہ کرے اور اس کے گھر میں اس کی عزت کی جگہ نہ بیٹھے[۱] جب تک کہ وہ اجازت نہ دے۔'' [۲]

ابھی رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گزر چکا ہے:

((اِنَّ مِنْ اِجْلَالِ اللّٰہِ تَعَالٰی اِکْرَامَ ذِی الشَّیْبَۃِ الْمُسْلِمِ وَ حَامِلِ الْقُرْآنِ غَیْرِ الْغَالِیْ فِیْہِ وَالْجَافِیْ عَنْہُ))

''اللہ تعالیٰ کی تعظیم یہ بھی ہے کہ بوڑھے مسلمان اور حافظ قرآن (جو حدود اللہ سے تجاوز کرے نہ قرآن سے روگردانی کرے) کی عزت کی جائے۔'' [۳]

غزوۂ احد میں شہید ہونے والے مسلمانوں کو دفن کرتے وقت جب رسول اللہ ﷺ ہر قبر میں دو دو آدمیوں کو رکھتے تو پوچھتے:

---

[۱] یعنی اس جگہ جو اس کے بیٹھنے کے لیے مخصوص ہے۔

[۲] مسلم۔ کتاب المساجد: باب من احق بالامامة (ح ۶۷۳)

[۳] ابو داود۔ کتاب الادب: باب فی تنزیل الناس منازلھم (ح ۴۸۴۳)

((اَیُّھُمَا اَکْثَرُ اَخْذًا لِلْقُرآنِ ؟ فَاِذَا اُشِیرَ لَهُ اِلٰی اَحَدٍ قَدَّمَه فِی اللَّحْدِ))

''ان میں سے کون قرآن کا زیادہ حافظ ہے؟ پھر جب کسی ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا تو آپ اسی کو قبر میں پہلے رکھتے۔'' ①

لوگوں کو ان کے مناسب مقام دینے کے سلسلہ میں نبی کریمؐ کا وہ ارشاد بھی قابل لحاظ ہے جو آپ نماز سے قبل صفیں درست کرتے ہوئے فرماتے تھے:

((لِيَلِيَنِیْ مِنْكُمْ اُولُو الْاَحْلَامِ وَالنُّهٰی))

''میرے نزدیک تم میں سے وہ لوگ رہیں جو حلم وفضل والے اور عقل مند ہیں۔'' ②

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بڑی ہی حکمت اور معنویت پر مبنی ہے اور اس سے بہت سی چیزوں پر دلالت ہوتی ہے۔ مثلاً یہ کہ لوگوں کو ان کے مقام ومرتبہ اور حیثیت کے مطابق جگہ دینی چاہیے۔ نماز میں نبی کریم ﷺ کے پیچھے اصحاب عقول کے رہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی طاقت' صلاحیت اور امکانات کی حد تک مسلمانوں کے مختلف معاملات کی ذمہ داریاں سنبھالنے کا اہل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ...... جیسا کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: ''اہل فضل کو ان کے فضل کے مطابق ایک دوسرے پر ترجیح دیتے تھے' اور ہر قوم کے باعزت شخص کا اکرام کرتے تھے اور اسے اس کی قوم کا سردار بنا دیتے تھے۔ آپ کی مجلس میں ایسے پاک باز اور انصاف پرور اہل ایمان رہتے تھے جو ہمیشہ تقویٰ میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے' بڑوں کی عزت کرتے تھے' چھوٹوں پر رحم کرتے تھے' محتاج اور غریب کو ترجیح دیتے تھے اور اجنبی

---

① بخاری۔ کتاب الجنائز: باب الصلاة علی الشهید (ح ۱۳۴۳)

② مسلم۔ کتاب الصلاة: باب تسویة الصفوف (ح ۴۳۲)

اور پردیسی کا خیال رکھتے تھے۔'' ①

سچا مسلمان وہ ہے جو ان تمام حقیقتوں کو اچھی طرح سمجھ لے اور اپنے معاشرتی کردار میں انہیں ڈھال لے اور لوگوں کے ساتھ عام طور پر اور علما' اصحاب فضل اور اہل شرف وتقویٰ کے ساتھ خاص طور پر انھی کے مطابق برتاؤ کرے۔

نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرتا ہے

سچے اور متقی مسلمان کی ایک خصلت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ نیک لوگوں سے ملاقات کرتا رہتا ہے' ان سے قریب رہتا ہے اور ان سے دعا کی درخواست کرتا رہتا ہے' اور اس میں وہ کوئی حرج نہیں سمجھتا' خواہ اسے کتنا ہی بلند مقام' کتنی ہی بڑی حیثیت اور کتنا ہی اعلیٰ درجہ حاصل ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا﴾

(الکھف : ۱۸/ ۲۸)

''اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو جو اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر صبح و شام اسے پکارتے ہیں' اور ان سے نگاہ ہرگز نہ پھیرو۔ کیا تم دنیا کی زینت پسند کرتے ہو؟ کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کر لی ہے اور جس کا طریق کار افراط وتفریط پر مبنی ہے۔''

اس لیے کہ نیک لوگوں کی صحبت میں رہنے سے خیر' تقویٰ اور قول وعمل میں درستی کی توفیق ملتی ہے' دین میں مزید تفقہ حاصل ہوتا ہے اور حق کی طرف توجہ میں

① ترمذی فی الشمائل (ح ۳۳۵)

اضافہ ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ ان کی صحبت میں رہنے والے لوگوں کا شمار بھی نیک لوگوں میں ہونے لگتا ہے۔ ع

صحبت صالح ترا صالح کند

اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام نے ''نیک بندے'' کی جستجو میں لمبا سفر طے کیا' تاکہ اس سے علم حاصل کریں۔ آپ نے ان سے بڑے ہی تواضع اور ادب سے فرمایا:

﴿هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ (الکھف : ۱۸/ ۶۶)

''کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں؟ تاکہ آپ مجھے بھی اس دانش کی تعلیم دیں جو آپ کو سکھلائی گئی ہے۔''

اور جب اس نیک بندے نے جواب دیا:

﴿اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ (الکھف : ۱۸/ ۶۸)

''آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکتے۔''

تو موسیٰ علیہ السلام نے انتہائی درجہ کی محبت اور بڑے ہی ادب سے فرمایا:

﴿سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا﴾ (الکھف : ۱۸/ ۶۹)

''ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں کسی معاملہ میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔''

سچا اور باشعور مسلمان صرف نیک لوگوں سے انسیت اور محبت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ دینی تعلیمات کی بنیاد پر اسے معلوم ہے کہ لوگ کانوں (معادن) کی طرح ہیں۔ جس طرح کانوں میں کچھ اچھی اور کچھ خراب ہوتی ہیں اسی طرح لوگوں میں بھی بعض نیک اور بعض برے ہوتے ہیں' اور یہ کہ نیک آدمی صرف نیک لوگوں سے انسیت رکھتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اَلنَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ ' خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْاِسْلَامِ اِذَا فَقُهُوْا ' وَالْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ

مُجَنَّدَةٌ، فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ، وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ))

''لوگ کانیں ہیں، جیسے کہ سونے اور چاندی کی کانیں ہوتی ہیں۔ جو لوگ تم میں سے جاہلیت میں بہتر گردانے جاتے تھے وہ اسلام میں بھی بہتر ہوں گے، بشرطیکہ وہ دین میں سمجھ رکھتے ہوں۔ روحیں چھاؤنی والی فوجیں ہیں۔ اگر عالم بالا میں ایک نے دوسرے سے ملاقات کی ہے تو یہاں بھی ان سے مانوس ہوں گی، اور اگر وہاں انجان تھیں تو یہاں بھی الگ الگ رہیں گی۔'' [1]

دینی تعلیمات کی روشنی میں وہ یہ بھی جانتا ہے کہ ہم نشیں کی دو قسمیں ہیں: اچھا ہم نشیں اور برا ہم نشیں۔ اچھے ہم نشیں کی مثال مشک رکھنے والے کی سی ہے کہ اس کے پاس بیٹھنے اور اس کی صحبت میں رہنے سے راحت وسکون، خوشبو اور سرور حاصل ہوتا ہے، اور برے ہم نشیں کی مثال دھونکنی پھونکنے والی کی سی ہے کہ اس کی صحبت میں رہنے سے آگ کی لپٹ، دھواں، گندگی اور تکلیف و پریشانی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ رسول کریم ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اس کی بہترین تمثیل بیان فرمائی ہے:

((اِنَّمَا مَثَلُ الْجَلِيسَ الصَّالِحِ وَ جَلِيسَ السُّوءِ: كَحَامِلِ الْمِسْكِ وَ نَافِخِ الْكِيرِ فَحَامِلُ الْمِسْكِ: اِمَّا اَنْ يُحْذِيَكَ، وَ اِمَّا اَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ، وَ اِمَّا اَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً ـ وَ نَافِخُ الْكِيرِ: اِمَّا اَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ، وَاِمَّا اَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا مُنْتِنَةً))

''اچھے ہم نشیں اور برے ہم نشیں کی مثال مشک رکھنے والے اور دھونکنی پھونکنے والے کی ہے۔ مشک رکھنے والا یا تو تمہیں کچھ دے گا یا تم اس سے خرید لو گے یا کم از کم اس سے خوشبو ہی پاؤ گے، اور دھونکنی پھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلا دے گا اور نہیں تو کم از کم بد بو تو تمہیں ضرور حاصل ہو

---

[1] بخاری۔ کتاب المناقب: باب المناقب (ح ۳۴۹۳، ۳۴۹۴)
مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة: باب خیار الناس (ح ۲۵۲۶)

گی۔"①

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کو ان نیک لوگوں کی زیارت پر اکساتے تھے جن کو دیکھ کر اللہ یاد آ جاتا ہے' دلوں پر رقت طاری ہو جاتی ہے اور آنکھوں سے خشیت الٰہی اور عبرت ونصیحت کے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ ایک واقعہ نقل کرتے ہیں:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک مرتبہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: "آؤ! ام ایمن ② سے ملاقات کرنے چلیں۔ جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملاقات کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ جب وہ دونوں پہنچے تو وہ رونے لگیں۔ ان دونوں نے کہا: "آپ کیوں روتی ہیں؟ کیا آپ نہیں جانتیں کہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زیادہ بہتر ہے۔" تو وہ کہنے لگیں: "میں تو اس لیے رو رہی ہوں کہ اب آسمان سے وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے۔" یہ سن کر ان دونوں کا بھی دل بھر آیا اور دونوں ان کے ساتھ رونے لگے۔" ③

ایسی ہی مجلسوں سے' جنہیں فرشتے ڈھانپے رہتے ہیں اور جن پر اللہ عزوجل اپنی رحمت کا سایہ کیے رہتا ہے' انسان کا ایمان قوی ہوتا ہے' اس کی روح کا تصفیہ ہوتا ہے' دل کو جلا ملتی ہے' نفس کا تزکیہ ہوتا ہے اور انسان اپنی ذات کے لیے' اپنے

---

① بخاري- كتاب البيوع: باب في العطار و بيع المسك (ح ٢١٠١)
مسلم- كتاب البر والصلة: باب استحباب مجالسة الصالحين و مجانبة قرناء السوء (ح ٢٦٢٨)

② سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا بچپن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ اور خادمہ تھیں۔ جب آپ بڑے ہوئے تو انہیں آزاد کر دیا اور سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سے ان کی شادی کر دی۔ آپ ان کی بہت عزت کرتے تھے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے اور فرماتے تھے: "ام ایمن میری ماں ہیں۔" مستدرک حاکم ۴/۶۳' ۶۴)

③ مسلم- كتاب فضائل الصحابة: باب من فضائل ام ايمن رضى الله عنها (ح ٢٤٥٤)

خاندان کے لیے اور اپنے معاشرہ کے لیے سرتاسر خیر ثابت ہوتا ہے۔ یہی اسلام کا مقصد ہے، جسے حاصل کرنے کے لیے وہ لوگوں سے فرداً فرداً اور ایک ساتھ خطاب کرتا ہے اور ان کی رہنمائی کرتا ہے۔

لوگوں کو نفع پہنچانے اور نقصان سے بچانے کی کوشش کرتا ہے

اسلامی نہج پر پرورش پانے اور اسلام کے پاکیزہ سرچشمے سے سیرابی حاصل کرنے والے مسلمان کی شدید خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی ذات سے معاشرہ کے لوگوں کو فائدہ پہنچائے اور ضرر پہنچانے والی چیزوں کو ان سے دور کرے۔ اس لیے کہ حق، خیر اور فضیلت کے اصولوں پر پروان چڑھنے اور نشو و نما پانے کی وجہ سے وہ ایک تعمیری، سرگرم اور نفع بخش عنصر ہوتا ہے۔ چنانچہ ممکن نہیں کہ وہ خیر کا کوئی موقع پائے اور اسے غنیمت نہ سمجھے۔ کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ خیر کامیابی اور فلاح کا ضامن ہے:

﴿وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (الحج: ۲۲/ ۷۷)

''اور نیک کام کرو۔ اسی سے توقع کی جا سکتی ہے کہ تم کو فلاح نصیب ہو۔''

وہ نیک کاموں کی طرف سبقت کرتا ہے اور اسے پورا یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک کام کے لیے اٹھائے جانے والے ہر قدم پر ثواب عطا فرمائے گا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''انسان کو اپنے جسم کے ہر جوڑ پر روزانہ صدقہ دینا واجب ہے۔ دو آدمیوں کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرا دینا صدقہ ہے۔ کسی آدمی کو اس کی سواری پر بٹھانے یا سواری پر سامان لادنے میں مدد دینا صدقہ ہے۔ اچھی بات کہنا صدقہ ہے۔ نماز کے لیے (مسجد کی طرف) اٹھنے والا ہر قدم صدقہ ہے۔ راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا صدقہ ہے۔''[1]

---

[1] بخاري۔ كتاب الجهاد: باب من اخذ بركاب و نحوه (ح ۲۹۸۹)

←

اس حدیث میں معاشرہ کی بہتری کے لیے کیے جانے والے کاموں (جنہیں مسلمان اپنی معاشرتی زندگی میں انجام دیتا ہے) اور نماز کے لیے (مسجد کی طرف جانے (کے عمل) کا کتنا حسین امتزاج ہے۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ نے یہ بتلانا چاہا ہے کہ یہ دین انسان کی دنیا اور آخرت دونوں درست کرنے کے لیے آیا ہے اور اس کے نزدیک دنیا اور آخرت اور معاشرتی زندگی اور روحانی زندگی کی کوئی تفریق نہیں۔ دینی تعلیمات کا صحیح شعور رکھنے والے مسلمان کی نگاہ میں انسان کے تمام اعمال عبادت ہیں، بشرطیکہ اس کی نیت اللہ کے لیے خالص ہو اور وہ ان کے ذریعے سے صرف اس کی رضا وخوشنودی چاہتا ہو۔

چنانچہ متقی مسلمان کے سامنے نیکی کے دروازے کھلے رہتے ہیں۔ وہ جس میں چاہتا ہے داخل ہو جاتا ہے اور اللہ کی فراخ اور کشادہ رحمت حاصل کر لیتا ہے اور اس کے عظیم ثواب اور وسیع فضل کا مستحق ہو جاتا ہے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ))

"ہر نیکی صدقہ ہے۔" ①

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ))

"اچھی بات کہنا صدقہ ہے۔" ②

← مسلم۔ كتاب الزكاة: باب بيان ان اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف (ح ١٠٠٩)

① بخاري۔ كتاب الادب: باب كل معروف صدقة (ح ٦٠٢١)

② بخاري۔ كتاب الجهاد: باب من اخذ بركاب و نحوه (ح ٢٩٨٩)
مسلم۔ كتاب الزكاة: باب بيان ان اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف (ح ١٠٠٩)

یہی نہیں، بلکہ اللہ کی رحمت اس شخص کو بھی ڈھانپ لیتی ہے جو اس کی طرف یکسو ہو جائے اور اس کے لیے اپنی نیت خالص کر لے۔ چنانچہ جو شخص نیک کام کرے اسے بھی ثواب ملتا ہے، اور جو شخص نیک کام نہ کرے لیکن برائی سے بھی باز رہے اسے بھی ثواب ملتا ہے۔

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ہر مسلمان پر صدقہ واجب ہے۔''

عرض کیا: ''اس کے پاس صدقہ کرنے کو کچھ نہ ہو تو کیا کرے؟

فرمایا: ''اپنے ہاتھوں سے کام کرے۔ خود کو بھی فائدہ پہنچائے اور صدقہ بھی کرے۔''

عرض کیا: ''اگر ایسا نہ کر سکے؟''

فرمایا: ''محتاج مصیبت زدہ کی مدد کرے۔''

عرض کیا: ''اگر ایسا بھی نہ کر سکے؟''

فرمایا: ''نیکی کا حکم دے۔''

عرض کیا: ''اگر ایسا بھی نہ کر سکے؟''

فرمایا: ''برائی سے باز رہے۔ یہ بھی صدقہ ہے۔''[1]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کا آغاز اس ارشاد سے کیا ہے:

((عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ))

''ہر مسلمان پر صدقہ واجب ہے۔''

پھر نیکی، بھلائی اور اچھائی کے مختلف طریقوں کا شمار کیا ہے جن کے ذریعے سے مسلمان ان صدقات کا اجر حاصل کر سکتا ہے۔ مسلمان پر صدقہ واجب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ معاشرہ میں تعمیری اور بہتر کام انجام دے۔ اگر ایسا کرنے سے

---

[1] بخاری۔ کتاب الزکاۃ: باب علی کل مسلم صدقة فمن لم یجد فلیعمل بالمعروف (ح ۱۴۴۵) مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۱۰۰۸)

عاجز ہو یا کسی سبب سے نہ کرے تو کم از کم اپنی زبان اور جوارح کو شر سے باز رکھے' کہ اس میں بھی صدقہ ہے۔ مسلمان کی ایجابیات و سلبیات دونوں سے اس حق کی خدمت ہوتی ہے' جو مسلمانوں کے معاشرہ پر چھایا ہوا ہے۔ حتیٰ کہ فرمایا:

((مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَ يَدِهٖ))

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کے شر سے مسلمان محفوظ رہیں۔'' ①

یہی نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اسلامی معاشرہ میں سب سے بہتر مسلمان اس شخص کو قرار دیا ہے جس سے لوگ خیر کی امید کریں اور شر سے محفوظ رہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ ایک جگہ کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''کیا میں تمہیں بتاؤں کہ تم میں اچھے لوگ کون ہیں' اور برے لوگ کون؟'' لوگ خاموش رہے۔ آپ نے تین مرتبہ یہی فرمایا' تو ایک شخص نے عرض کیا: ''کیوں نہیں! اے اللہ کے رسول بتلائیے۔'' تو آپ نے فرمایا:

((خَيْرُكُمْ مَنْ يُّرْجَى خَيْرُهٗ وَ يُؤْمَنُ شَرُّهٗ ' وَ شَرُّكُمْ مَنْ لَّا يُرْجَى خَيْرُهٗ وَلَا يُؤْمَنُ شَرُّهٗ))

''تم میں بہتر لوگ وہ ہیں جن سے لوگ خیر کی امید رکھیں اور شر سے محفوظ رہیں' اور تم میں برے لوگ وہ ہیں جن سے لوگ خیر کی امید تو رکھیں مگر شر سے محفوظ نہ ہوں۔'' ②

مسلمان اپنے معاشرہ کو صرف خیر پہنچاتا ہے' اور اگر ایسا نہ کرے تو شر سے باز

---

① بخاری۔ کتاب الایمان: باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده (ح ۱۰)

مسلم۔ کتاب الایمان: باب بیان تفاضل الاسلام (ح ۴۰'۴۱)

② مسند احمد۔ (۲/ ۳۷۸) ترمذی۔ کتاب الفتن: باب (۷۶) حدیث خیرکم من یرجی خیره (ح ۲۲۶۳)

رہتا ہے اور کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتا۔ سچا مسلمان وہ ہے جو ہمیشہ نیک کام انجام دے اور برے کاموں سے باز رہے۔ ایک مسلمان اپنا یہ فرض سمجھتا ہے کہ وہ دیگر مسلمانوں کی فلاح و بہبود کی ہر وقت فکر کرے۔

مسلمانوں کی فلاح و بہبودی کرنے اور ان کے معاملات سے دلچسپی لینے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو فائدہ پہنچانے اور ان سے مضرت کو دفع کرنے کی کوشش کرے۔ اس سے مراد ایک چیز اور بھی ہے جو اسلامی معاشرہ میں فرد کو ممتاز کرتی ہے' اور وہ ہے اپنے مسلمان بھائیوں کی خدمت میں اس کی سرگرمی اور مستعدی اور ان کی بہبودی کے لیے کام کرنے کی امنگ۔ رسول اللہ ﷺ کے یہ ارشادات سن کر اس کی دوڑ دھوپ اور سرگرمی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے:

((لَا يَزَالُ اللّٰهُ فِيْ حَاجَةِ الْعَبْدِ مَا دَامَ الْعَبْدُ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ))

''اللہ تعالیٰ بندے کی حاجت اس وقت تک پوری کرتا رہتا ہے جب تک کہ وہ اپنے بھائی کی حاجت پوری کرتا رہے۔'' [1]

آپ نے فرمایا:

((اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ ' لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ ' مَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهِ ' وَ مَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ' وَ مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرے' نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑے۔ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی ضرورتیں پوری کرے گا۔ اور جو کسی مسلمان کی کوئی تکلیف دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تکلیفوں میں سے ایک تکلیف کو دور فرمائے گا۔ اور جو کسی مسلمان کی ستر پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ستر

---

[1] بیهقی فی شعب الایمان (ح ۷۶۱۵)

پوشی کرے گا۔'' ①

مزید فرمایا:

((مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، وَ مَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ))

''جو شخص کسی مؤمن کی دنیوی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت دور فرمائے گا۔ اور جو شخص کسی تنگ دست کی مشکل آسان کرے گا اللہ دنیا اور آخرت دونوں میں اس کی مشکل آسان فرمائے گا۔'' ②

اسی طرح اسلامی تعلیمات نے یہ تنبیہ کی ہے کہ اگر کوئی شخص لوگوں کی خدمت پر قدرت رکھنے کے باوجود اس سے اعراض کرے گا اور اپنا دل تنگ کرے گا تو اس کو حاصل ہونے والی نعمتیں زائل ہو جائیں گی' جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَا مِنْ عَبْدٍ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ نِعْمَةً فَاَسْبَغَهَا عَلَيْهِ ، ثُمَّ جُعِلَ مِنْ حَوَائِجِ النَّاسِ اِلَيْهِ فَتَبَرَّمَ ، فَقَدْ عَرَّضَ تِلْكَ النِّعْمَةَ لِلزَّوَالِ))

''اگر کوئی بندہ جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کی بارش کی' لوگوں کی ضروریات پوری کرنے پر قادر ہو' مگر اس کے باوجود وہ اپنا دل تنگ کرے اور اس سے بے توجہی برتے' تو گویا اس نے ان نعمتوں کو زوال کا نشانہ بنا دیا۔'' ③

---

① بخاری۔ کتاب المظالم: باب لایظلم المسلم المسلم ولا یسلمه (ح ۲۴۴۲)
مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب تحریم الظلم (ح ۲۵۸۰)

② مسلم۔ کتاب الذکر والدعاء: باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن (ح ۲۶۹۹)

③ طبرانی فی الاوسط (۸/ ۲۶۱ ح ۷۵۲۵)

اہل جنت کی صحیح احادیث میں جو درخشاں اور تابناک تصویر کشی کی گئی ہے' اس میں سے یہ بھی ہے کہ ایک آدمی جنت میں عیش و آرام سے گھومے پھرے گا' اس لیے کہ اس نے مسلمانوں کے راستے سے ایک ایسے درخت کو کاٹ دیا تھا جس سے انہیں آنے جانے میں تکلیف پہنچتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی تصویر کشی یوں کی ہے:

((لَقَدْ رَاَیْتُ رَجُلًا یَتَقَلَّبُ فِی الْجَنَّۃِ فِیْ شَجَرَۃٍ قَطَعَھَا مِنْ ظَھْرِ الطَّرِیْقِ ' کَانَتْ تُؤْذِی الْمُسْلِمِیْنَ))

''میں نے ایک آدمی کو جنت میں گھومتے پھرتے دیکھا ہے۔ یہ مرتبہ اسے اس وجہ سے حاصل ہوا کیوں کہ اس نے راستے سے ایک ایسے درخت کو کاٹ دیا تھا جس سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچتی تھی۔'' [1]

مسلمانوں سے تکلیف دہ چیزوں کو دور کرنا خیر کا دوسرا رخ ہے' جسے مسلمانوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے کیا جاتا ہے۔ جو شخص مسلمانوں کو موذی اور تکلیف دہ چیزوں سے بچاتا ہے اس کا درجہ بھی اس شخص کے برابر ہے جو ان کی بھلائی اور نفع کے لیے کام کرتا ہے۔ دونوں مسلمانوں کے مفاد کے لیے کام کرتے ہیں اور اللہ کی طرف سے ثواب' رحمت اور خوشنودی سے سرفراز ہوتے ہیں۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو نفع پہنچانے اور ان سے مضرت دفع کرنے دونوں چیزوں کی تعلیم دی ہے۔ اس لیے کہ دونوں طرح کے اعمال سے جماعت کو خوش بختی اور خوشی حاصل ہوتی ہے' معاشرے پروان چڑھتے ہیں اور دلوں میں محبت و مودت کے تعلقات نشو و نما پاتے ہیں۔

مسلمانوں سے تکلیف دہ چیزوں کو دور کرنے کے سلسلہ میں سیدنا ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: ''اے اللہ کے نبی! مجھے کوئی ایسی چیز سکھا دیجیے جس سے مجھے فائدہ پہنچے۔'' آپ نے فرمایا:

---

[1] مسلم۔ کتاب البر والصلۃ: باب فضل ازالۃ الاذی عن الطریق (ح ۱۲۹/ ۱۹۱۴)

((اِعْزِلِ الْاَذٰی عَنْ طَرِیْقِ الْمُسْلِمِیْنَ))

''مسلمانوں کے راستے سے تکلیف دہ چیز کو الگ کر دیا کرو۔'' ①

دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجیے جس کے کرنے سے مجھے جنت میں داخلہ نصیب ہو جائے۔'' تو آپؐ نے فرمایا:

((اَمِطِ الْاَذٰی عَنْ طَرِیْقِ النَّاسِ))

''لوگوں کے راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دیا کرو۔'' ②

آخر کون سا مہذب اور ترقی یافتہ معاشرہ اسلامی معاشرہ کی ہمسری کر سکتا ہے؟ جس نے کہ اپنے ہر فرد کے شعور میں یہ بات راسخ کر دی ہے کہ لوگوں کے راستے سے تکلیف دہ چیزوں کا ہٹانا ان نیک اعمال میں سے ہے جن سے اللہ کا تقرب حاصل ہوتا ہے اور جنت میں داخلہ نصیب ہوتا ہے۔ مسلمانوں کا معاشرہ' جس کے افراد کے نفوس میں یہ اعلیٰ تربیتی ہدایات ہر وقت مستحضر اور موجزن رہتی ہیں' بلا شک وشبہ دنیا کے تمام معاشروں میں ایک ممتاز مقام کا حامل ہے۔ اس معاشرہ میں زندگی گزارنے والا مسلمان تصور بھی نہیں کر سکتا کہ لوگوں کے راستے میں ایسی چیزیں ڈال دے جس سے انہیں اذیت پہنچے (جس طرح کہ آج کل لوگ شاہراہوں پر کوڑا کرکٹ' فضلات اور گندگیاں ڈال دیتے ہیں اور عمارتوں کے ملبہ کا ڈھیر لگا دیتے ہیں' جس سے کہ میونسپلٹی ان کو سزا دیتی ہے اور بھاری جرمانہ عائد کرتی ہے۔)

کتنا نمایاں اور عظیم فرق ہے ان دو معاشروں کے درمیان جن میں سے ایک اس دین کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو اور اس کے افراد اللہ کے حکم کی اطاعت میں اور اس سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے راستے سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹانے میں سبقت کریں' اور دوسرا الٰہی تعلیمات کے مقابلہ میں سرکشی کی روش اختیار کرے اور اس کے

---

① مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۱۳۱/ ۲٦۱۸)

② مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۲۳۱/ ۲٦۱۸)

افراد کو کوئی پرواہ نہ ہو کہ وہ اپنے گھر کی بالکنیوں‘ گیلریوں‘ کھڑکیوں اور چھتوں سے جو کوڑا کرکٹ اور گندگیاں پھینکتے ہیں وہ کس پر گرتی ہیں؟

مغرب کی متمدن دنیا میں اگرچہ ان معاملات میں بڑے پیمانہ پر ڈسپلن پایا جاتا ہے‘ اس میں لوگ نظم کا احترام کرتے ہیں اور باریکی اور سختی کے ساتھ اس پر عمل کرتے ہیں‘ مگر اس کے باوجود مغرب کا یہ معاشرتی نظام اسلام کے عظیم معاشرتی معیار سے کہیں فروتر ہے؟ اس کا ایک واضح سبب یہ ہے کہ مسلمان‘ جس کی تربیت صحیح اسلامی نہج پر ہوتی ہے‘ پوری باریکی اور پورے اخلاص کے ساتھ ڈسپلن کی پابندی کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ ڈسپلن کی خلاف ورزی کرنا اللہ کے احکام کی نافرمانی کرنا ہے جس پر اسے قیامت کے دن سزا ملے گی‘ جب کہ مال واسباب اور اہل وعیال کوئی کام نہ آئے گا‘ اور صرف وہی شخص فوز وفلاح سے ہم کنار ہو گا جو قلب سلیم کے ساتھ اس کی بارگاہ میں حاضر ہو گا۔ اس کے برخلاف مغرب میں رہنے والا شخص ڈسپلن کی خلاف ورزی کو زیادہ سے زیادہ صرف جرم سمجھتا ہے۔ بسا اوقات اس کا ضمیر اسے ٹوکتا ہے‘ ورنہ اکثر وہ اپنے ضمیر کو خاموش کر لیتا ہے اور معاملہ اس سے آگے نہیں بڑھتا‘ اور خاص طور پر اس وقت تو اسے ڈسپلن شکنی سے کوئی چیز باز نہیں رکھتی جب اقتدار کی نگاہ اس سے غافل ہو۔

مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرتا ہے

مسلمانوں کے معاملات سے دلچسپی رکھنے‘ ان کو نفع پہنچانے اور ان سے مضرت دفع کرنے میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ اگر ان میں باہم مخاصمت اور لڑائی جھگڑا ہو تو ان کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کی جائے۔ مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کے وجوب پر بہت سی نصوص دلالت کرتی ہیں‘ جن کا ان صفحات میں احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

ارشاد باری ہے:

﴿وَ اِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَی الْاُخْرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰهِ

فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (الحجرات : ۴۹/ ۹)

''اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ کر آ جائے۔ پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

یہ اللہ تعالیٰ کا قطعی حکم ہے کہ باہم لڑنے والے گروہوں میں صلح کرائی جائے' خواہ اس کے لیے سرکش اور باغی گروہ سے جنگ ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کے معاشرہ میں عدل وانصاف عام ہو جائے اور دوبارہ اخوت و بھائی چارگی کے معطر اور جان فزا جھونکے چلنے لگیں۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ (الحجرات ۴۹/ ۱۰)

''مؤمن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو۔ امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔''

رسول اللہ ﷺ بذات خود باہم لڑنے والوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ بسا اوقات یہ چیز دعوت کی دیگر اہم ذمہ داریوں کی انجام دہی سے بھی مشغول کر دیتی تھی۔ اس طرح آپ نے مسلمانوں کو عمل کر کے دکھا دیا کہ باہم لڑائی جھگڑا کرنے والوں کے درمیان صلح کرانا واجب ہے۔

سیدنا ابو العباس سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک مرتبہ خبر پہنچی کہ بنی عمرو بن عوف میں جھگڑا ہو گیا ہے تو آپ چند لوگوں کو لے کر ان میں صلح کرانے کے لیے نکلے' یہاں تک کہ نماز کا وقت ہو گیا...... (یہ ایک طویل

حدیث ہے جو بالاتفاق ''صحیح'' ہے۔)[1]

رسول اللہ ﷺ کی شدید خواہش ہوتی تھی کہ اہل ایمان کے معاشرہ میں اخوت و بھائی چارگی عام ہو اور ان کی زندگیوں میں اتحاد و اتفاق، صاف دلی و اخلاص اور باہمی مفاہمت کی کارفرمائی ہو۔ چنانچہ آپ ہمیشہ انہیں اپنے اقوال و افعال سے نیکی، رواداری، چشم پوشی اور نرمی پر اکسایا کرتے تھے اور اس تربیتی پہلو کی طرف اپنی پوری توجہ مبذول کرتے تھے۔ یہاں تک کہ غضب کی شدت، جھگڑے اور ہٹ دھرمی کو رضامندی کی مسکراہٹ، صاف دلی اور فراخ دلی میں بدل دیتے تھے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ دروازے پر جھگڑا کرنے والوں کی آواز سنی۔ ان کی آوازیں تیز تھیں۔ ان میں سے ایک اپنے قرض کو کم کرانے کی درخواست کر رہا تھا اور نرمی چاہتا تھا اور دوسرا کہتا کہ: ''اللہ کی قسم! میں کم نہیں کروں گا۔'' نبی کریم ﷺ باہر نکلے اور فرمایا:

((اَیْنَ الْمُتَاَلِّی عَلَی اللّٰہِ لَا یَفْعَلُ الْمَعْرُوْفَ؟))

''کہاں ہے اللہ پر قسم کھانے والا کہ میں نیکی نہیں کروں گا؟''

رسول اللہ ﷺ کا یہ عتاب سن کر وہ شخص بہت شرمندہ ہوا اور اس نے اپنا حق معاف کر دیا۔ اور عرض کیا: ''میں ہوں اے اللہ کے رسول! وہ جو چاہے کرے۔''[2]

لوگوں کے درمیان مصالحت کرانے کی خاطر رسول اللہ ﷺ نے بہت سی ان باتوں میں بھی رخصت دی ہے جنہیں لوگ بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں کہ ہوسکتا ہے

---

[1] بخاری۔ کتاب الصلح: باب ماجاء فی اصلاح بین الناس (ح ۲۶۹۰)
مسلم۔ کتاب الصلاۃ: باب تقدیم الجماعۃ من یصلی بھم اذا تاخر الامام (ح ۴۲۱)

[2] بخاری۔ کتاب الصلح: باب ھل یشیر الامام بالصلح؟ (ح ۲۸۰۵)
مسلم۔ کتاب المساقاۃ: باب استحباب الوضع من الدین (ح ۱۵۵۷)

کہ اس طرح ایک دوسرے سے نفرت کرنے والے لوگ قریب ہو جائیں اور پتھر کی طرح سخت ہو جانے والے دل نرم پڑ جائیں۔ ایسی باتوں کا شمار جھوٹ میں نہ ہوگا اور نہ ہی یہ باتیں کہنے والے جھوٹے اور گناہگار قرار دیے جائیں گے۔ سیدہ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیطؓ بیان فرماتی ہیں:

((لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ ، فَيَنْمِي خَيْرًا ، أَوْ يَقُولُ خَيْرًا))

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''وہ جھوٹا نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولے' اس کو بھلی بات پہنچائے یا بھلی بات کہے۔''[1]

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے مزید فرمایا:

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے تین موقعوں کے علاوہ کسی بات میں جھوٹ بولنے کی رخصت کبھی نہیں سنی ہے: ① جنگ میں' ② لوگوں کے درمیان مصالحت کرانے کے ارادے سے' ③ شوہر کے بیوی سے اور بیوی کے شوہر سے باتیں کرتے ہوئے۔''

حق کی طرف دعوت دیتا ہے

سچا مسلمان ہر دم رواں' پیہم دواں رہتا ہے اور ہمیشہ اپنی دعوت کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ وہ خیر کی طرف سبقت کرنے کے لیے مواقع اور اسباب کا انتظار نہیں کرتا' بلکہ لوگوں کو حق کی طرف دعوت دینے کے لیے اپنی استطاعت بھر کوشش شروع کر دیتا ہے' اور اللہ تعالیٰ سے اس اجر کثیر کی امید رکھتا ہے جس کا اس نے مخلص داعیوں سے وعدہ کیا ہے' جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

((فَوَاللّٰهِ لَأَنْ يَّهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ حُمْرِ

---

[1] بخاری۔ کتاب الصلح: باب لیس الکاذب الذی یصلح بین الناس (ح ۲۶۹۲)
مسلم۔ کتاب البر والصلۃ: باب تحریم الکذب و بیان مایباح منہ (ح ۲۶۰۵)

النَّعَمِ))

''رب ذوالجلال کی قسم! اگر اللہ تمہارے ذریعے سے ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے۔'' ①

ایک اچھی بات جسے سچا داعی ایک گمراہ آدمی کے گوش گزار کرتا ہے' جس سے اس کے دل میں ہدایت کا بیج بو دیتا ہے' اس کا ثواب سرخ اونٹوں سے کہیں زیادہ ہوتا ہے' جب کہ سرخ اونٹ اہل عرب کے نزدیک اس وقت سب سے قیمتی سمجھے جاتے تھے۔ ساتھ ہی اسے ان لوگوں کے مجموعی اجر کے برابر بھی اجر ملتا ہے جو اس کی دعوت پر ہدایت قبول کرتے ہیں۔ جیسا کہ رسول کریم ﷺ کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے:

((مَنْ دَعَا اِلٰی هُدًی کَانَ لَهُ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهُ' لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا))

''جس نے کسی کو ہدایت کی طرف بلایا اسے ان لوگوں کے بقدر اجر ملے گا جو اس (کی دعوت) پر عمل کریں گے اور ان عمل کرنے والوں کے اجر میں سے بھی کوئی کمی نہ ہوگی۔'' ②

اس لیے کوئی تعجب کی بات نہیں اگر لوگ ان داعیوں کے صبر اور اللہ کی راہ میں ان کی جدوجہد پر رشک کریں' جو گمراہ اور راہ حق سے منحرف لوگوں کو دعوت دینے میں اپنا مال اور وقت صرف کرتے ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ بھی اس رشک کی ترغیب یوں دیتے ہیں:

((لَا حَسَدَ اِلَّا فِی اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهُ عَلٰی هَلَكَتِهِ فِی الْحَقِّ' وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِی بِهَا وَ

---

① بخاری۔ کتاب فضائل الصحابة: باب مناقب علی بن ابی طالب رضی الله عنه (ح ۳۷۰۱)
مسلم۔ کتاب فضائل الصحابه: باب من فضائل علی بن ابی طالب (۲۴۰۶)

② مسلم۔ کتاب العلم: باب من سن سنة حسنة او سيئة (ح ۲۶۷۴)

يُعَلِّمُهَا))

''قابل رشک تو صرف دو ہی آدمی ہیں : ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ مال عطا فرمائے اور وہ اسے حق کی راہ میں لٹائے' اور دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ حکمت سے نوازے اور وہ اس کے ذریعہ سے لوگوں میں فیصلہ کرے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دے۔'' ①

مسلمان اللہ کی طرف دعوت دیتے ہوئے اپنے علمی سرمایہ کو حقیر اور معمولی نہیں سمجھتا۔ چنانچہ اس تک حق کی جو بات بھی پہنچتی ہے اسے دوسروں تک پہنچاتا ہے' خواہ کتاب اللہ کی ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اسی چیز کی تعلیم دیتے تھے:

((بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً))

''میری طرف سے پہنچاؤ' خواہ ایک ہی آیت کیوں نہ ہو۔'' ②

کیونکہ بسا اوقات انسان کی ہدایت ایک کلمہ پر موقوف ہوتی ہے جو اس کے دل کو اپیل کرتا ہے' اس کے ضمیر کو جھنجھوڑ دیتا ہے اور ایمان کی پوشیدہ چنگاری کو بھڑکا دیتا ہے' جس سے اس انسان کی پوری زندگی روشن ہو جاتی ہے اور وہ ایک دوسری ہی مخلوق بن جاتا ہے۔

سچا مسلمان فطرۃً دوسروں کا خیال رکھتا ہے۔ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرتا ہے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ مسلمانوں کے معاملات سے دلچسپی رکھتا ہے اور ان کی بہبودی کے لیے کام کرتا ہے۔ وہ اللہ' رسول' مسلمانوں کے ائمہ اور عوام کا خیر خواہ ہوتا ہے' جیسا کہ پہلے حدیث میں بیان ہوا۔ ③ چنانچہ وہ اپنی اور اپنے گھر

① بخاری۔ کتاب العلم: باب الاغتباط فی العلم والحکمة (ح ۷۳)
مسلم۔ کتاب صلاة المسافرین: باب فضل من یقوم بالقرآن و یعلمه (ح ۸۱٦)

② بخاری۔ کتاب احادیث الانبیاء: باب ماذکر عن بنی اسرائیل (ح ۳۴٦۱)

③ مسلم۔ کتاب الایمان: باب بیان ان الدین النصیحة (ح ۵۵)

والوں کی ہدایت پر اکتفا نہیں کرتا‘ بلکہ تمام لوگوں کو ہدایت دینے اور ان تک حق پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ صرف اپنے لیے اور اپنے خاندان والوں کے لیے جنت نہیں چاہتا‘ بلکہ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ سارے لوگ جنت کے مستحق ہوں۔ اس لیے وہ ہمیشہ لوگوں کو اس چیز کی دعوت دیتا ہے جس سے وہ جنت میں داخل ہوں اور جہنم سے نجات پائیں۔ دراصل یہی داعی کا وہ اخلاق ہے جو اسے عام انسانوں سے ممتاز کرتا ہے‘ اور یقیناً یہ اچھا اور بلند اخلاق ہے جس کی رسول اللہ ﷺ نے تعریف و تحسین فرمائی ہے اور ایسے اخلاق کے حامل شخص کے لیے یوں دعا فرمائی ہے:

((نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرَءً سَمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَهُ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعَى مِنْ سَامِعٍ))

”اللہ اس شخص کو شاداں و فرحاں رکھے جو ہم سے کوئی بات سنے اور اسے ویسے ہی دوسروں تک پہنچا دے کہ جیسی سنی تھی۔ بسا اوقات جس شخص کو بات پہنچائی جاتی ہے وہ اس بات کا سننے والے سے زیادہ محافظ ہوتا ہے۔“ [1]

اسلامی معاشرہ تعاون و تکافل پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کے افراد کے نفوس میں ذمہ داری کا احساس پوری طرح موجود رہتا ہے۔ اگر تمام مسلمان اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی ذمہ داری کا احساس کر لیں اور ہر باشعور فرد اپنے معاشرہ میں دعوت کا فریضہ انجام دینا شروع کر دے تو مسلمان جس انحطاط اور تنزل کا شکار ہیں وہ ختم ہو جائے اور وہ دینی تعلیمات سے پیچھے نہ رہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اس شخص کے بارے میں سخت وعید آئی ہے جو دعوت کے وسائل اور مواقع پانے کے باوجود اس سے پہلو تہی کرتا ہے‘ اللہ تعالیٰ نے اسے جس علم سے نواز ہے اسے چھپاتا ہے اور اپنے علم کو محض دنیا کے مناصب حاصل کرنے اور دنیا کی چند روزہ اور فنا ہونے والی چیزوں سے متمتع ہونے کا ذریعہ بناتا ہے۔ ایسے شخص کے

---

[1] ترمذی۔ کتاب العلم: باب ماجاء فی الحث علی تبلیغ السماع (ح ۲۶۷۵)
ابن ماجه۔ المقدمة: باب من بلغ علماء (ح ۲۳۲)

متعلق رسول اللہ ﷺ کا واضح فرمان ہے:

((مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ ' لَا يَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

''جس شخص نے ایسا کوئی علم حاصل کیا جس سے اللہ عزوجل کی خوشنودی حاصل کی جاسکتی ہے' مگر اس نے اسے دنیا کی کوئی چیز حاصل کرنے کے لیے سیکھا' تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہیں پا سکے گا۔'' (۱)

نیز فرمایا:

((مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهٗ أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ))

''جس سے کسی علم کے بارے میں پوچھا جائے اور وہ اسے چھپائے تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔'' (۲)

معروف کا حکم دیتا ہے اور منکر سے روکتا ہے

دعوت الی اللہ کے لوازم میں سے امر بالعروف اور نہی عن المنکر (یعنی نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا) بھی ہے۔ اسی لیے مسلمان داعی نیکیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے۔ وہ برائی کے سامنے ڈٹ جاتا ہے۔ اور اگر اس کے بس میں ہو اور برائی کے ازالہ سے کوئی بڑا فتنہ کھڑا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو وہ اس برائی کو اپنے ہاتھ سے روک دیتا ہے۔ اگر ایسا نہیں کر سکتا تو زبان و بیان سے حق واضح کر دیتا ہے۔ اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو باطل کو دل میں برا سمجھتا ہے اور اسے جڑ سے اکھاڑ

(۱) ابو داؤد۔ کتاب العلم: باب فی طلب العلم لغیر اللہ (ح ۳۶۶۴)
ابن ماجہ۔ المقدمہ: باب انتفاع بالعلم والعمل بہ (ح ۲۵۲)

(۲) ابو داود۔ کتاب العلم: باب کراھیۃ منع العلم (ح ۳۶۵۸)
ترمذی۔ کتاب العلم: باب ماجاء فی کتمان العلم (ح ۲۶۴۹) ابن ماجۃ۔ المقدمۃ۔ باب من سئل عن علم فکتمہ (ح ۲۶۱)

پھینکنے کی تیاری کرتا رہتا ہے۔ یہی رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا مصداق ہے، فرمایا:

((مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہِ، فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہِ، فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہِ، وَ ذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ))

"تم میں سے جو شخص کوئی برائی ہوتے دیکھے تو اپنے ہاتھ سے روک دے۔ اگر ایسا نہ کر سکے تو زبان سے منع کرے اور اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو دل میں برا سمجھے، اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔" ①

مسلمان جب نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے تو دراصل وہ ان مسلمانوں کی خیر خواہی کرتا ہے جنھیں حکم دیتا ہے یا منع کرتا ہے، اور دین تو سراسر خیر خواہی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیا جائے اور برائیوں سے روکا جائے، تاکہ اس طرح وہ خیر خواہی وجود میں آئے جس کی تعریف رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمائی ہے:

((اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہِ وَ لِرَسُوْلِہِ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَ عَامَّتِھِمْ))

"دین خیر خواہی کا نام ہے۔" صحابہ نے عرض کیا: "کس کے لیے؟" فرمایا: "اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، مسلمانوں کے ائمہ کے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے۔" ②

یہ خیر خواہی اور یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سچے اور آزاد مسلمانوں کو ظالم کے سامنے حق کا اعلان کرنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ اس امت کے غلبہ اور آزادی کی بقا ایسے جوان مرد اور آزاد منش لوگوں کے وجود سے متعلق ہے جو ظالم کو ظالم کہنے سے نہ ڈریں۔ جب امت میں اس قسم کے جواں مرد مفقود ہوں گے تو اس سے کسی خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

---

① مسلم۔ کتاب الایمان: باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان (ح ۴۹)

② مسلم۔ کتاب الایمان: باب بیان ان الدین النصیحۃ (ح ۵۵)

نبوی نصوص مسلمانوں میں باطل کے مقابلہ میں شجاعت و بہادری اور جوانمردی کی روح پھونکتی ہیں اور ان کو اطمینان دلاتی ہیں کہ ظالموں کے مقابلہ میں ان کی اس بہادری و جوانمردی سے نہ تو ان کے رزق میں کمی آئے گی اور نہ وقت سے پہلے موت آئے گی۔ جیسے کہ فرمایا:

((لَا یَمْنَعَنَّ اَحَدَکُمْ رَھْبَۃُ النَّاسِ اَنْ یَقُوْلَ بِحَقٍّ اِذَا رَاٰہُ وَ یُذَکِّرَ بِعَظِیْمٍ، فَاِنَّہٗ لَا یُقَرِّبُ مِنْ اَجَلٍ، وَلَا یُبَاعِدُ مِنْ رِزْقٍ))

''لوگوں کا خوف کسی کو حق بات کہنے یا حاکم وقت کو اس کے غلط فعل پر ٹوکنے سے ہرگز مانع نہ ہو۔ کیونکہ وہ نہ تو اسے وقت سے پہلے موت دے سکتا ہے' نہ ہی اسے رزق سے محروم کر سکتا ہے۔'' (۱)

مسلمانوں کے دلوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بنیاد راسخ ہونے کی وجہ سے ان میں شجاعت' دلیری' باطل کے مقابلہ میں جرأت مندانہ اقدام اور مظلوموں کی مدد کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا مندرجہ ذیل ارشاد ان کے ان پاکیزہ اور جرأت مندانہ اوصاف کو تقویت پہنچاتا ہے اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کا دفاع کرنے والے جوانمردوں کی مدد کرتا ہے اور اس سے اعراض کرنے والے بزدلوں اور ڈرپوک لوگوں کی کوئی مدد نہیں کرتا۔

اسی لیے سچا مسلمان حق پرست اور با اصول ہوتا ہے۔ وہ باطل کو ٹھنڈے پیٹوں سے برداشت نہیں کرتا اور نہ ہی حق کی مدد سے پہلوتہی کرتا ہے۔ وہ اپنے معاشرہ میں ظلم کو عام ہوتا اور برائی کو پھلتا پھولتا نہیں دیکھنا چاہتا۔ وہ برائی کو روکنے کی ہمیشہ کوشش کرتا ہے اور اس طرح اللہ کے اس عذاب کو دفع کرتا ہے جو قریب ہے کہ ڈرپوک اور بزدل لوگوں اور برائی سے نہ روکنے والوں پر آ پڑے۔ جیسا کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہوئے بتلایا ہے' جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ

---

(۱) مسند احمد (۳/ ۵۰) واللفظ له' ابن ماجه۔ کتاب الفتن: باب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر (ح ۴۰۰۷)

خلیفہ ہوئے تو منبر پر چڑھے' اللہ کی حمد بیان کی' پھر فرمایا:

اے لوگو! تم اس آیت کو پڑھتے ہو:

﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ (المائدہ: ۵/ ۱۰۵)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' اپنی فکر کرو۔ کسی دوسرے کی گمراہی سے تمہارا کچھ نہیں بگڑتا اگر تم خود راہ راست پر ہو۔''

اور اس کا دوسرا مطلب لیتے ہو۔ حالانکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

((اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَاَوُا الْمُنكَرَ وَلَا يُغَيِّرُوْنَهُ اَوْشَكَ اَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ))

''جب لوگ ظلم ہوتے دیکھیں اور اس سے نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عذاب کو عام کر دے۔''

سچا مسلمان جس کا ایمان بیدار ہوتا ہو' سلبیت اور لاپروائی سے کوسوں دور رہتا ہے۔ وہ دینی امور میں تساہلی نہیں برتتا' نیکیوں کا حکم دینے سے پہلوتہی نہیں کرتا' برائیوں کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کرتا' ان کا عام ہونا اور پھلنا پھولنا پسند نہیں کرتا' اور نہ ان کا رد کرنے اور بقدر استطاعت ان سے روکنے میں کوتاہی کرتا ہے۔ دینی امور سنجیدگی کے متقاضی ہیں' اس میں کوئی کھیل یا ہنسی مذاق نہیں' اور عقیدہ کے معاملات سختی اور تصلّب کا تقاضا کرتے ہیں' اس میں کسی قسم کی ڈھیل اور نرمی کی گنجائش نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ہمیں ڈرایا ہے کہ کہیں ہمارا حال بھی ان یہود جیسا نہ ہو جائے جو دینی امور میں سستی' تن آسانی اور لاپروائی سے کام لیتے تھے۔ کیونکہ اگر ایسا ہو گیا تو ہم پر اللہ کا غضب اور اس کی سزا نافذ ہو گی' جیسا کہ ان لوگوں پر ہوا۔ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تم سے پہلے بنی اسرائیل میں جب کوئی شخص گناہ کا ارتکاب کرتا تو منع

کرنے والا اسے تنبیہ کرتے ہوئے منع کرتا۔ لیکن دوسرے دن بلا جھجک اس کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا اور کھاتا پیتا۔ گویا اس نے اسے کل گناہ کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھا ہی نہ تھا۔ جب وہ لوگ یہ کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ایک جیسا کر دیا اور سیدنا داؤد اور سیدنا عیسیٰ بن مریم کی زبان سے ان پر لعنت کی۔ اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔''

((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَتَاْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ' وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ ' وَلَتَاْخُذُنَّ عَلٰی اَیْدِی الْمُسِیْءِ ' وَلَتَاْطُرُنَّهٗ عَلَی الْحَقِّ اَطْرًا ' اَوْ لَیَضْرِبَنَّ اللّٰهُ بِقُلُوْبِ بَعْضِكُمْ عَلٰی بَعْضٍ ' وَ یَلْعَنُكُمْ كَمَا لَعَنَهُمْ))

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے' میں تم کو تاکید کرتا ہوں کہ تم ضرور نیکیوں کا حکم دو' برائی سے روکو' گناہ کرنے والوں کے ہاتھ کو پکڑو اور انہیں حق پر قائم رکھو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو ایک جیسا کر دے گا اور تم پر بھی لعنت کرے گا' جیسے ان لوگوں پر کی۔'' [1]

اپنی دعوت میں حکمت اور خوش اسلوبی کو ملحوظ رکھتا ہے

باشعور داعی مسلمان اپنے وعظ و نصیحت میں ہوشیاری' عقل مندی' ذکاوت اور خوش اسلوبی کا ثبوت دیتا ہے۔ لوگوں کو حق کی طرف بلانے میں حکمت سے کام لیتا ہے اور انہیں دینی احکام سکھلانے میں نرمی اور آسانی اختیار کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ ارشاد اپنے پیش نظر رکھتا ہے:

---

[1] ابوداود۔ کتاب الملاحم: باب الامروالنھی (ح ۴۳۳۸) ترمذی۔ کتاب الفتن: باب ماجاء فی نزول العذاب اذا لم یغیر المنکر (ح ۲۱۶۸) ابن ماجه۔ کتاب الفتن: باب الامر بالمعروف والنھی عن النمکر (ح ۴۰۰۵)
مجمع الزوائد (۷/ ۲۶۹) و رواه۔ اس حدیث کے رجال صحیح کے ہیں۔

﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾

(النحل : ۱۶/ ۱۲۵)

''اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو' حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ۔''

اس لیے کہ اللہ کی طرف دعوت دینے والے کی اہم صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ دلوں کو اپیل کرتا ہے' ان کے سامنے ایمان کو پسندیدہ بنا کر پیش کرتا ہے اور انہیں دین کی طرف متوجہ ہونے کی ترغیب دیتا ہے اور انتہائی احتیاط برتتا ہے کہ اس کی جانب سے کوئی ایسی حرکت صادر نہ ہونے پائے جو تنفر' ایذاء یا ناراضی کا سبب بن جائے۔ چنانچہ وہ دفعۃً ایک ہی بار اپنا سارا علم دوسروں پر انڈیل نہیں دیتا' بلکہ رفتہ رفتہ انہیں اپنے علم اور دینی معلومات سے نوازتا ہے اور وقفہ وقفہ سے ان میں وعظ کرتا ہے اور ان کے دلوں اور احساسات کو اپیل کرتا ہے۔ وہ اپنی تقریروں کو اتنا طول دینے سے اجتناب کرتا ہے کہ اس سے لوگوں کی طبیعتوں میں گرانی اور اکتاہٹ پیدا ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں میں وعظ کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھتے تھے۔ جیسا کہ جلیل القدر صحابی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ کا عمل نقل کیا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو لوگوں میں وعظ کرتے تھے۔ ایک شخص نے ان سے عرض کیا: ''اے ابو عبدالرحمٰن! میری تو خواہش ہے کہ آپ ہم میں روزانہ تذکیر اور وعظ فرمائیں۔'' آپ نے فرمایا:

((اَمَا اِنَّهُ یَمْنَعُنِیْ مِنْ ذٰلِكَ اَنِّیْ اَكْرَهُ اَنْ اُمِلَّكُمْ ' وَ اِنِّیْ اَتَخَوَّلُكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَتَخَوَّلُنَا بِهَا مَخَافَةَ السَّآمَةِ عَلَیْنَا))

''میں ایسا اس لیے نہیں کرتا کیوں کہ میں تم لوگوں کو اکتا دینا نہیں چاہتا۔ میں اسی طرح تم میں وقفہ وقفہ سے وعظ کرتا ہوں جس طرح رسول اللہ ﷺ

ہم کو وعظ کرتے تھے۔ آپ ہمارا خیال رکھتے تھے کہ ہم اکتا نہ جائیں۔"[1]

دعوت میں داعی کی حکمت اور خوش اسلوبی یہ ہونی چاہیے کہ وہ تقریر لمبی نہ کرے۔ خاص طور پر اس وقت جب مجمع عام اور جم غفیر کو خطاب کر رہا ہو۔ اس لیے کہ اس میں بوڑھے' کمزور اور بیمار سبھی ہوتے ہیں۔ مختصر تقریر اس بات کی دلیل ہے کہ خطیب اپنی دعوت کو اچھی طرح سمجھتا ہے اور جو لوگ اس کی تقریر کو سن رہے ہیں ان کی نفسیات سے پوری طرح آگاہ ہے۔ عالی مقام بارگاہ نبوت سے یہی تعلیم دی گئی ہے۔ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((اِنَّ طُوْلَ صَلَاةِ الرَّجُلِ وَ قِصَرَ خُطْبَتِهِ مَئِنَّةٌ مِنْ فِقْهِهِ فَاَطِيْلُوا الصَّلَاةَ وَاَقْصِرُوا الْخُطْبَةَ))

"آدمی کا نماز کو طویل کرنا اور خطبہ کا مختصر کرنا اس کی دینی سمجھ کی دلیل ہے۔ اس لیے نماز لمبی کرو اور خطبہ مختصر دو۔"[2]

حکمت و دانائی کو ملحوظ رکھنے والے ہوشیار' سمجھ دار اور دانا داعی کا اسلوب یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ جن لوگوں کو دعوت دیتا ہے ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے' ان کی نادانیوں' غلطیوں اور بہت سے اکتا دینے والے سوالات کو برداشت کرتا ہے اور اگر اس کی گفتگو کو سمجھنے اور اس کا استیعاب کرنے میں انہیں دیر لگتی ہے تو اس پر وہ جھنجھلاتا نہیں' بلکہ داعیوں کے سردار خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ اختیار کرتا ہے' جو لوگوں کو سوالات کرنے کی شرح صدر کے ساتھ اجازت دیتے تھے' ان کے سوالات کا جواب دینے اور انہیں دین سکھلانے میں لطف و مہربانی کا برتاؤ کرتے تھے' اور ان سے اس طرح گفتگو کرتے تھے جیسے ایک محبت کرنے والا' مرشد و مونس اور ہادی و معلم گفتگو کرتا ہے' اور برابر ان کے سوال کا جواب دیتے رہتے تھے' یہاں تک کہ بات ان کی سمجھ میں آ جاتی

---

[1] بخاری۔ کتاب العلم: باب من جعل لاهل العلم ایاما معلومة (ح ۷۰)
مسلم۔ کتاب صفات المنافقین: باب الاقتصاد فی الموعظة (ح ۲۸۲۱)

[2] مسلم۔ کتاب الجمعة: باب تخفیف الصلٰوة و الخطبة (ح ۸۶۹)

تھی اور وہ خوش خوش واپس ہو جاتے تھے۔

جیسے کہ صحابی رسول سیدنا معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: ''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا' کہ نمازیوں میں سے کسی کو چھینک آئی۔ میں نے یرحمك اللہ کہا۔ لوگوں نے مجھے گھورنا شروع کر دیا۔ میں نے کہا: ''آخر کیا بات ہے؟ مجھے کیوں گھور رہے ہو؟'' تو وہ اپنے زانوؤں پر ہاتھ مارنے لگے۔ میں نے جب دیکھا کہ وہ مجھے خاموش کرنا چاہتے ہیں تو مجھے غصہ تو بہت آیا' مگر میں خاموش ہو گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں! میں نے آپ سے بہتر تعلیم دینے والا نہ کبھی پہلے دیکھا تھا نہ بعد میں دیکھا۔ رب ذوالجلال کی قسم! نہ آپ نے مجھے ڈانٹا' نہ مارا' نہ برا بھلا کہا۔ بس اتنا فرمایا:

((اِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ ' اِنَّمَا هِيَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ ' وَ قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ اَوْ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ اِنِّيْ حَدِيثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ' وَ قَدْ جَاءَ اللّٰهُ بِالْاِسْلَامِ ' وَاِنَّ مِنَّا رِجَالًا يَاْتُونَ الْكُهَّانَ ! قَالَ: فَلَا تَاْتِهِمْ ' قُلْتُ: وَ مِنَّا رِجَالٌ يَتَطَيَّرُونَ ! قَالَ: ذَاكَ شَيْءٌ يَجِدُونَهُ فِيْ صُدُورِهِمْ فَلَا يَصُدَّنَّهُمْ))

''یہ نماز ہے' اس میں بات چیت کرنا مناسب نہیں۔ یہ تو تسبیح' تکبیر اور تلاوت قرآن کا نام ہے۔'' (یا ایسا ہی کچھ آپ نے فرمایا۔) میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! اسلام آ گیا ہے' لیکن ابھی عہد جاہلیت کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہے۔ ہم میں سے بعض لوگ اب بھی نجومیوں اور کاہنوں کے پاس جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''ان کے پاس نہ جاؤ۔'' میں نے عرض کیا: ''ہم میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو بدشگونی لیتے ہیں۔'' فرمایا: ''یہ چیز ان کے دلوں میں موجود تو ہے لیکن یہ ان کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے

سے ہرگز باز نہ رکھے۔''①

نبی کریم ﷺ لوگوں کے ساتھ اس حد تک نرمی فرماتے تھے کہ اگر کسی غلطی کرنے والے کو ٹوکنا ہوتا تو منہ در منہ نہیں کہتے تھے' کہ اس طرح اس کے احساسات مجروح ہوں گے اور اس کی عزت پر دھبہ آئے گا' بلکہ آپ اس کی برائی کی مذمت کرنے اور اسے ٹوکنے کے لیے توریہ اور کنایہ کا طریقہ اختیار فرماتے تھے۔ یہ اسلوب نفوس کو زیادہ متاثر کرتا ہے' دلوں میں زیادہ اثر کرتا ہے اور بیماروں اور خطاؤں کے علاج میں زیادہ کارگر ہے:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا بَلَغَهُ عَنِ رَجُلٍ شَيْءٌ لَمْ يَقُلْ: مَا بَالُ فُـلَانٍ يَقُوْلُ ؟ وَلٰكِنْ يَقُوْلُ: مَا بَالُ اَقْوَامٍ يَقُوْلُوْنَ كَذَا وَ كَذَا))

''نبی کریم ﷺ کو جب کسی شخص کے بارے میں کوئی ناپسندیدہ بات معلوم ہوتی تو آپ یہ نہیں فرماتے تھے کہ ''فلاں شخص کو کیا ہو گیا ہے؟'' بلکہ آپ فرماتے: ''ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو فلاں فلاں باتیں کہتے ہیں؟''②

کامیاب داعی کی ایک صفت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ اپنی بات کو مخاطب کے سامنے پوری صفائی اور وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے اور اسے اتنی بار دہراتا ہے کہ وہ اچھی طرح سن لیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہی معمول تھا' جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ اَعَادَهَا ثَلَاثًا حَتّٰى تُفْهَمَ عَنْهُ، وَاِذَا اَتٰى عَلٰى قَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ ثَلَاثًا))

---

① مسلم۔ كتاب المساجد: باب تحريم الكلام فى الصلاة و نسخ ماكان من اباحته (ح ۵۳۸) یعنی اس کی بنا پر وہ کوئی کام کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ نہ کریں۔ کیوں کہ یہ ان کو نفع پہنچاتی ہے نہ نقصان۔

② ابوداود۔ كتاب الادب: باب حسن المعاشرة (ح ۴۷۸۸)

''رسول اللہ ﷺ جب کوئی بات فرماتے تو تین مرتبہ دہراتے تھے' یہاں تک کہ لوگ آپ کی بات سمجھ لیتے تھے' اور آپ لوگوں کے پاس جاتے تو انہیں تین بار سلام کرتے۔'' ①

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((كَانَ كَلَامُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ كَلَامًا فَصْلًا ' يَفْهَمُهُ كُلُّ مَنْ يَسْمَعُهُ))

''رسول اللہ ﷺ کی بات ٹھیر ٹھیر کر اور واضح الفاظ میں ہوا کرتی تھی کہ جو سنتا تھا سمجھ لیتا تھا۔'' ②

منافقت کا رویہ نہیں اختیار کرتا

سچا مسلمان نفاق' مداہنت' چاپلوسی' بے جا اور جھوٹی تعریف سے بہت دور رہتا ہے۔ دینی تعلیمات اسے اس ہولناک کھائی میں گرنے سے بچا لیتی ہیں۔ جب کہ بہت سے لوگ اس گھناؤنے مرض میں مبتلا ہو کر نفاق کے مہلک اور قابل نفرت گڑھے میں جا گرتے ہیں اور انہیں اس کا احساس بھی نہیں ہونے پاتا۔

رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے نفاق اور مداہنت کی اس دلدل سے محفوظ رہنے کے لیے کچھ راہیں بتلائی ہیں اور کچھ نقوشِ راہ متعین کیے ہیں۔ ایک بار جب بنو عامر نے آپ کی مدح و تعریف کرتے ہوئے کہا:

''آپ تو ہمارے سردار ہیں''

تو آپ نے ارشاد فرمایا:

((اَلسَّيِّدُ اللّٰهُ، وَ قَالُوا: وَ اَفْضَلُنَا فَضْلًا ' وَ اَعْظَمُنَا طَوْلًا '

---

① بخاری۔ کتاب العلم: باب من اعاد الحديث ثلاثا ليفهم عنه (ح ۹۵)

② بخاری۔ کتاب المناقب: باب صفة النبی ﷺ (ح ۳۵٦۷' ۳۵٦۸)

مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة: باب من فضائل ابی هريره (ح ۲۴۹۳) و فی کتاب الزهد (ح ۱۷/ ۲۴۹۳)

فَقَالَ: قُوْلُوا بِقَوْلِكُمْ اَوْ بَعْضِ قَوْلِكُمْ ' وَلَا يَسْتَجْرِيَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ اِنِّي لَا اُرِيْدُ اَنْ تَرْفَعُوْنِي فَوْقَ مَنْزِلَتِي الَّتِي اَنْزَلَنِيْهَا اللّٰهُ تَعَالٰى ' اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ ' عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ))

''سردار تو اللہ ہے۔''

ان لوگوں نے عرض کیا: ''آپ ہم میں سب سے افضل اور سب سے زیادہ داد و دہش کرنے والے ہیں۔'' آپ نے فرمایا:

''جو چاہو کہو' مگر خیال رکھو کہ شیطان تمہیں اپنا ایجنٹ نہ بنانے پائے اور تمہیں بہکا نہ سکے۔ میں بالکل نہیں چاہتا کہ تم مجھے اس مقام سے بلند کر دو جو مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے۔ میں محمد ہوں' عبداللہ کا بیٹا' اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔'' (۱)

جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی تعریف کر رہے تھے اور آپ کو سرداری' فضل اور عطا و بخشش کی اعلیٰ صفات سے متصف قرار دے رہے تھے' آپ نے ان کو مدح سے منع فرما دیا۔ حالانکہ آپ بلا شک و شبہ مسلمانوں کے سردار اور ان میں سب سے عظیم اور صاحب فضل تھے۔ اس طرح آپ نے لوگوں کی تعریف و مدح میں مبالغہ وغلو کرنے' قصیدے پڑھنے اور تعریف کے پل باندھنے کا راستہ ہی بند کر دیا۔ اس لیے کہ آپ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ تعریف و مدح کے دروازے کو اگر دونوں پٹ کھول دیا گیا تو اس سے نفاق کا خطرناک دروازہ کھل جاتا ہے' جو اسلام کی صاف شفاف اور پاکیزہ روح کے منافی ہے اور نہ ہی اسے وہ حق قبول کرتا ہے جس پر اس دین کی بنیاد ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ کو کسی کے منہ پر تعریف کرنے سے منع کرتے تھے' تاکہ ایک طرف تعریف کرنے والا نفاق کی گندگی میں نہ مبتلا ہو اور دوسری طرف ممدوح پر غرور' گھمنڈ' تکبر' بڑائی اور خود پسندی کا نشہ نہ سوار ہو۔

امام بخاری' امام مسلم اور امام ابوداؤد رحمہم اللہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا

---

(۱) مسند احمد ۳/ ۲۴۹)

ہے' فرماتے ہیں: ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے سامنے کسی کے روبرو اس کی تعریف کی۔ آپ نے فرمایا:

((وَيْلَكَ ! قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ ' قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ ثَلَاثًا۔ ثُمَّ قَالَ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَادِحًا اَخَاهُ لَا مُحَالَةَ فَلْيَقُلْ: اَحْسِبُ فُلَانًا' وَاللّٰهُ حَسِيْبُهُ ' وَلَا يُزَكِّي عَلَى اللّٰهِ اَحَدًا' اَحْسِبُ كَذَا وَ كَذَا' اِنْ كَانَ يَعْلَمُ ذٰلِكَ مِنْهُ))

''تم نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی۔ (ایسا آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔ پھر فرمایا: اگر کسی کو اپنے بھائی کی تعریف کرنا ضروری ہی ہو تو یوں کہے: ''میں اسے ایسا سمجھتا ہوں (اگر واقعی ان میں وہ خوبیاں پاتا ہو) اس کا حساب کرنے والا اور اجر دینے والا تو اللہ ہے۔ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں شخص اللہ کے نزدیک اچھا ہے۔'' [1]

اگر کسی کو کسی کی تعریف کرنا ضروری ہی ہو تو اسے مبنی برحقیقت اور واقعہ کے عین مطابق ہونا چاہیے۔ تعریف کرنے والے کو اعتدال اور احتیاط سے کام لینا چاہیے اور غلو' مبالغہ اور بے جا تعریف سے بچنا چاہیے۔ صرف اسی طریقے سے معاشرہ نفاق' جھوٹ' دھوکا دہی' چاپلوسی' تملق اور ریا کاری جیسی برائیوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا رجا بن مجحن اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ اور مجحن دونوں مسجد میں تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نماز میں مصروف رکوع و سجود کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ''یہ کون ہے؟'' سیدنا مجحن رضی اللہ عنہ اس شخص کی خوب تعریف کرنے لگے اور کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! یہ فلاں ہے' یہ فلاں ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] بخاری۔ کتاب الشهادات: باب اذا زكى رجل رجلا كفاه (ح ۲٦٦۲)
مسلم۔ کتاب الزهد: باب النهى عن المدح اذا كان فيه افراط (ح ۳۰۰)

((اَمْسِكْ ' لَا تُسْمِعْهُ ' فَتُهْلِكَهُ))

''خاموش ہو جاؤ! اس طرح نہ کہو کہ وہ سن لے' ورنہ تم اسے ہلاک کر دو گے۔''①

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ: ''سیدنا محجن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے نبی! یہ اہل مدینہ میں سب سے اچھا آدمی ہے (یا کہا کہ) یہ اہل مدینہ میں سب سے زیادہ نمازیں پڑھنے والا ہے۔'' آپ نے فرمایا:

((لَا تُسْمِعْهُ' فَتُهْلِكَهُ ۔ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا۔ اِنَّكُمْ اُمَّةٌ اُرِيْدَ بِكُمُ الْيُسْرُ))

''اس طرح نہ کہو کہ وہ سن لے' ورنہ تم اسے ہلاک کر دو گے۔ (ایسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یا تین مرتبہ فرمایا۔ تم لوگ ایسی امت ہو جس کے ساتھ نرمی کا معاملہ برتا گیا ہے۔''②

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی اس کے منہ پر تعریف کرنے کو ہلاکت سے تعبیر فرمایا۔ اس لیے کہ اس سے نفس انسانی پر گہرے نفسیاتی اثرات مرتب ہوتے ہیں' ممدوح اپنی تعریف سن کر اپنے کو لوگوں سے بڑا سمجھنے لگتا ہے' اپنی ناک اونچی کر لیتا ہے اور تکبر سے گردن ٹیڑھی کر کے بات کرتا ہے۔ اور جب منافق' جھوٹے' مکار اور دھوکے باز مداحوں کی طرف سے بار بار اس کا اظہار ہوتا ہے' خاص طور پر ان لوگوں کی طرف سے جو اہل مناصب' با اقتدار اور اثر و رسوخ والے لوگوں کے ارد گرد رہتے ہیں' تو اپنی تعریفیں سننا ممدوح کی عادت بن جاتی ہے' جس سے اس کے نفس میں موجزن شدید خواہش پوری ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد اسے کسی کی نصیحت یا تنقید سننا ناگوار گزرتا ہے اور وہ صرف مدح و ثنا اور تعریف کا خواہاں ہوتا ہے۔ اس حد تک پہنچ جانے کے بعد اگر حق کا ضیاع ہو' عدل و انصاف کا خون ہو' فضائل و محاسن کی پامالی ہو اور

① مسند احمد (۴/ ۳۳۸)

② مسند احمد (۵/ ۳۲)

معاشرہ میں بگاڑ عام ہو جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کو حکم دیا تھا کہ اگر کسی کو کسی کے منہ پر تعریف کرتے ہوئے دیکھیں تو اس کے منہ میں مٹی جھونک دیں' تاکہ معاشرہ میں ایسے لوگوں کی تعداد میں اضافہ نہ ہو۔ کیوں کہ اگر یہ لوگ بڑھ گئے تو نفاق عام ہو جائے گا' چاپلوسی و تملق کا دور دورہ ہو جائے گا اور مصیبت گمبھیر ہو جائے گی۔

امام بخاری' مسلم' احمد اور ترمذی رحمہم اللہ نے متعدد طرق سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص کسی خلیفہ کے سامنے تعریف کرنے لگا تو سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ اس کے منہ میں مٹی جھونکنے لگے اور کہنے لگے: ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((اِذَا رَاَیْتُمُ الْمَدَّاحِیْنَ فَاحْثُوْا فِیْ وُجُوْهِهِمُ التُّرَابَ))

''جب تم تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ میں مٹی جھونک دو۔''[۱]

اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لوگوں سے اپنی تعریفیں سننا ناپسند کرتے تھے۔ حالانکہ وہ اس کے مستحق اور اہل ہوتے تھے۔ کیوں کہ انہیں معلوم تھا کہ اس سے ہلاکت اور گمراہی کا اندیشہ رہتا ہے' اس لیے وہ اس سے بچتے تھے۔ وہ دراصل پاکیزہ اسلامی اخلاق سے آراستہ ہوتے تھے اور ان سستے اور کھوکھلے مظاہر سے دور رہتے تھے۔ جیسے کہ سیدنا نافعؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یوں مخاطب کیا:

((خَیْرَ النَّاسِ ! اَوْ یَا بْنَ خَیْرِ النَّاسِ ! فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: مَا اَنَا بِخَیْرِ النَّاسِ وَلَا ابْنِ خَیْرِ النَّاسِ ' وَلٰکِنِّیْ عَبْدٌ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ ' اَرْجُوْ اللّٰهَ تَعَالٰی وَ اَخَافُهُ ' وَاللّٰهِ لَنْ تَزَالُوْا بِالرَّجُلِ حَتّٰی تُهْلِکُوْهُ))

''اے لوگوں میں سب سے بہتر شخص! (یا اے لوگوں میں سب سے بہتر شخص کے بیٹے!'') سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''میں نہ تو لوگوں میں سب سے بہتر ہوں اور نہ سب سے بہتر شخص کا بیٹا ہوں۔ میں تو اللہ کے بندوں میں

---

[۱] مسلم۔ کتاب الزھد: باب النھی عن المدح اذا کان فیہ افراط (ح ۳۰۰۲)

سے ایک بندہ ہوں۔ اس کے رحم وکرم کی امید رکھتا ہوں اور اس کے عذاب سے ڈرتا ہوں' اللہ کی قسم! تم آدمی کی اتنی تعریف کرتے ہو کہ اسے ہلاک کر کے چھوڑتے ہو۔''①

یہ ایک ایسے جلیل القدر صحابی کا حکمت سے معمور ارشاد ہے جس کی اسلامی حس بیدار تھی اور جو نبی کریم ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنے والا اور انہیں اپنی زندگی میں کھلے چھپے ہر حال میں نافذ کرنے والا تھا۔

صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کی اس اہم تعلیم کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا جسے آپ نے اعمال اور اقوال میں اختیار کرنے کی ہدایت دی تھی' اور ان پر اچھی طرح واضح ہو گیا تھا کہ محض اللہ کی خوشنودی پر مبنی حق اور نفاق و مداہنت میں کتنا نمایاں فرق ہے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے ان سے عرض کیا: ''ہم جب بادشاہوں کے پاس جاتے ہیں تو کچھ اور باتیں کرتے ہیں اور جب باہر نکلتے ہیں تو کچھ اور کہتے ہیں۔'' سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

((كُنَّا نَعُدُّ هٰذَا نِفَاقًا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ))

''ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اسے نفاق شمار کرتے تھے۔''②

ریا اور مباہات سے دُور رہتا ہے

حقیقی اور سچا مسلمان ریا سے کوسوں دور رہتا ہے۔ اس لیے کہ ریا کاری سے اجر ضائع ہو جاتا ہے' عمل باطل ہو جاتا ہے اور ریا کرنے والے کو قیامت کے دن' جب کہ لوگ رب العالمین کے روبرو کھڑے ہوں گے' ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہ حاصل ہو گا۔ اس دین کا لب لباب یہ ہے کہ قول و عمل اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہو۔ دنیا میں

① حلية الاولياء (۱/ ۳۰۷)

② بخاري۔ كتاب الاحكام: باب مايكره من ثناء السلطان واذا خرج قال غير ذلك (ح ۷۱۷۸)

جن وانس کے پیدا کیے جانے کا مقصد عبادت الٰہی ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (الزاریات: ۵۱/ ۵۶)

''میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے نہیں پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی (عبادت) کریں۔''

اور یہ عبادت اسی وقت شرف قبولیت حاصل کر سکتی ہے جب اخلاص کے ساتھ کی جائے اور اس سے صرف اللہ کی خوشنودی مقصود ہو:

﴿وَمَا أُمِرُوْا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ﴾

(البینة: ۹۸/ ۵)

''ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں' اپنے دین کو اس کے لیے خالص کریں' بالکل یکسو ہو کر۔''

لیکن اس عبادت میں ریا' خودنمائی کی خواہش اور شہرت کی آرزو کا شائبہ بھی پایا جائے گا تو وہ باطل اور بے کار ہو جائے گی اور اس کا کچھ ثواب نہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ڈرایا ہے جو غریبوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور پھر ان پر احسان جتاتے ہیں کہ انہوں نے ان کو مال دیا' ان کی مفلسی و محتاجی میں مدد کی اور ان کی ضروریات پوری کیں۔ اس طرح احسان جتلا کر غریبوں کی عزت و شرافت کو داغ دار کرتے ہیں:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَالَه رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا' لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا' وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (البقرہ: ۲/ ۲۶۴)

''اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے' اور وہ نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے نہ آخرت پر۔ اس کے خرچ کی مثال ایسی ہے

جیسے ایک چٹان تھی جس پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ اس پر جب زور کا مینہ برسا تو ساری مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان کی چٹان رہ گئی۔ ایسے لوگ اپنے نزدیک خیرات کر کے جو نیکی کماتے ہیں اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا اور کافروں کو سیدھی راہ دکھانا اللہ کا دستور نہیں ہے۔''

مندرجہ بالا آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ فقرا پر احسان جتانے کا ایک فقرہ صدقات کے ثواب کو اس طرح ضائع اور ختم کر دیتا ہے جس طرح چکنے پتھر پر پانی ڈالنے سے اس پر کوئی غبار نہیں بچتا۔ آیت کے اخیر میں بہت ہی خوفناک اور ہولناک خبر دی گئی ہے' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ریاکاری کرنے والے لوگ اللہ کی ہدایت کے مستحق نہیں اور ان کا شمار کافروں کے زمرہ میں ہوگا:

﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (البقرہ: ۲/ ۲۶۴)

''کافروں کو سیدھی راہ دکھانا اللہ کا دستور نہیں۔''

اس لیے کہ ان ریاکاروں کا مقصد لوگوں کے سامنے اپنے نیک عمل کا دکھاوا کرنا ہے۔ اللہ عزوجل کی رضا جوئی حاصل کرنا ان کے پیش نظر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس حالت کو یوں بیان فرمایا ہے:

﴿يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ (النساء: ۴/ ۱۴۲)

''محض لوگوں کو دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔''

اسی لیے ان کا عمل ناقابل قبول اور مردود ہے۔ کیوں کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کر لیا۔ اور اللہ تعالیٰ صرف وہ عمل قبول کرتا ہے جو اس کے لیے خالص ہو اور صرف اسی کی خوشنودی کے حصول کے لیے کیا گیا ہو۔ جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

((اَنَا اَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ، مَنْ عَمِلَ عَمَلًا اَشْرَكَ فِيْهِ مَعِيَ غَيْرِيْ، تَرَكْتُهٗ وَ شِرْكَهٗ))

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میں تمام شرکا سے زیادہ شرک سے بے نیاز اور بے

پروا ہوں۔ جو کوئی شخص ایسا عمل کرے جسے صرف میرے لیے نہ کرے' بلکہ میرے ساتھ کسی اور کو بھی شریک کرے' میں اسے اور اس کے شرکیہ کام کو چھوڑ دیتا ہوں۔'' ①

رسول اللہ ﷺ نے اس چیز کو پوری شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور بتلایا ہے کہ حشر کے دن جب مال و دولت اور اہل و عیال کوئی کام نہ آئیں گے اور صرف وہی شخص کامیاب ہوگا جو قلب سلیم کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا' اس وقت ریاکاروں کو کیسی شرم ناک ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((اِنَّ اَوَّلَ النَّاسِ یُقْضٰی یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلَیْهِ رَجُلٌ اُسْتُشْهِدَ فَاُتِیَ بِهٖ ' فَعَرَّفَهُ نِعْمَتَهُ فعرفها ' قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِیْهَا ؟ قَالَ: قَاتَلْتُ فِیْكَ حَتَّی اسْتُشْهِدْتُ ' قَالَ: كَذَبْتَ ' وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِاَنْ یُقَالَ: جَرِیْءٌ ! فَقَدْ قِیْلَ ' ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰی وَجْهِهٖ حَتّٰی اُلْقِیَ فِی النَّارِ' وَ رَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَ عَلَّمَهُ ' وَ قَرَاَ الْقُرْآنَ ' فَاُتِیَ بِهٖ ' فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا' قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِیْهَا ؟ قَالَ: تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَ عَلَّمْتُهُ ' وَ قَرَاْتُ فِیْكَ الْقُرْآنَ ' قَالَ: كَذَبْتَ ' وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ لِیُقَالَ: عَالِمٌ ' وَ قَرَاْتَ الْقُرْآنَ لِیُقَالَ: قَارِیءٌ ! فَقَدْ قِیْلَ ' ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰی وَجْهِهٖ حَتّٰی اُلْقِیَ فِی النَّارِ۔ وَ رَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَیْهِ ' وَ اَعْطَاهُ مِنْ اَصْنَافِ الْمَالِ ' فَاُتِیَ بِهٖ' فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ' فَعَرَفَهَا' قَالَ: فَمَا عَمِلْتَ فِیْهَا ؟ قَالَ: مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِیْلٍ تُحِبُّ اَنْ یُنْفَقَ فِیْهَا اِلَّا اَنْفَقْتُ فِیْهَا لَكَ قَالَ: كَذَبْتَ ' وَلٰكِنَّكَ فَعَلْتَ لِیُقَالَ: جَوَّادٌ ! فَقَدْ قِیْلَ ' ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰی وَجْهِهٖ حَتّٰی اُلْقِیَ فِی النَّارِ))

---

① مسلم۔ کتاب الزھد: باب تحریم الریاء (ح ۲۹۸۵)

''قیامت کے دن سب سے پہلے ایک ایسے شخص کا فیصلہ کیا جائے گا جو دنیا میں شہید ہوا ہو گا۔ اسے بلایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ایک ایک نعمت گنائے گا اور وہ ان سب کا اقرار کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تو نے ان نعمتوں کے شکر میں کیا کیا؟'' وہ عرض کرے گا: ''میں نے تیری راہ میں جہاد کیا' یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تو جھوٹا ہے۔ تو نے تو صرف اس لیے جہاد کیا تھا کہ تجھے بہادر کہا جائے۔ وہ تجھے کہا جا چکا۔'' پھر اسے لے جانے کا حکم دیا جائے گا۔ اسے منہ کے بل گھسیٹ کر لے جایا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

پھر ایک شخص کو بلایا جائے گا جس نے دنیا میں خود بھی علم حاصل کیا ہو گا اور دوسروں کو بھی علم سکھایا ہو گا اور قرآن پڑھایا ہو گا۔ اس کے سامنے اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں گنائے (شمار کرے) گا اور وہ ان کا اعتراف کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تو نے ان نعمتوں کے شکر میں کیا کیا؟'' وہ عرض کرے گا: ''میں نے علم حاصل کیا اور دوسروں کو علم سکھایا اور تیرے لیے قرآن پڑھا۔'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تو نے جھوٹ کہا۔ تو نے تو اس لیے علم حاصل کیا تھا کہ تجھے عالم کہا جائے' اور قرآن کی تلاوت اس لیے کرتا تھا تا کہ قاری کہلایا جائے۔ وہ (تو دنیا میں تجھے) کہا جا چکا۔'' پھر اسے لے جانے کا حکم دیا جائے گا۔ اسے گھسیٹ کر لے جایا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

پھر ایک ایسا شخص بلایا جائے گا جسے اللہ تعالیٰ نے فراخی وکشادگی عطا فرمائی تھی اور ہر قسم کے مال و دولت سے نوازا تھا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا اور وہ ان کا اعتراف کرتا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تو نے ان نعمتوں کے شکر میں کیا کیا؟'' وہ عرض کرے گا: ''میں نے تیری خوشنودی کے ہر راستے میں صرف تیرے ہی لیے مال خرچ کیا۔'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تو جھوٹ بولتا ہے۔ تو نے تو اس لیے مال خرچ کیا کہ تجھے سخی

کہا جائے۔ (تو دنیا میں تجھے) وہ کہا جا چکا۔'' پھر اسے لے جانے کا حکم دیا جائے گا۔ اسے منہ کے بل گھسیٹ کر لے جایا جائے گا اور جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔'' ①

اس حدیث میں ان کاموں کی نشاندہی کی گئی ہے جن میں عام طور سے لوگ فخر ومباہات کرتے ہیں اور ڈینگیں ہانکتے ہیں، یعنی شجاعت، علم اور سخاوت۔ اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایسا کرنے والوں کو قیامت کے دن کیسی رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا جب وہ برسر عام اس عزت وشرف سے عاری قرار دیے جائیں گے جس کی وہ ان اعمال کے ذریعے سے آرزو کرتے ہوں گے۔ اسی طرح حدیث میں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ وہ قیامت کے دن کتنے زبردست خسارے کا سامنا کریں گے، جب انہیں اس تمام ثواب سے محروم کر دیا جائے گا جس کا اللہ تعالیٰ نے ان عظیم اعمال کے بدلے میں وعدہ کیا ہے اور انہیں ابدی جنت میں لے جانے کے بجائے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

حقیقی مسلمان جو دینی احکام کا شعور رکھتا ہے اور دینی تعلیمات کے سلسلہ میں ذکی الحس ہوتا ہے، اپنے تمام اعمال میں ریاکاری سے بہت دور رہتا ہے۔ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے تمام اعمال محض رضائے الٰہی کے لیے ہوں۔ وہ ہمیشہ اپنے پیش نظر رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد رکھتا ہے:

((مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهِ وَ مَنْ يُرَائِي يُرَائِي اللّٰهُ بِهِ))

''جو سنوائے اللہ اس کو سنوا دے گا، اور جو دکھلاوا کرے اللہ اس کا دکھلاوا کر دے گا۔''

یعنی جو شخص کوئی نیکی اس غرض سے کرے گا کہ لوگ سنیں اور اس کی شہرت ہو، اللہ تعالیٰ قیامت میں اسے رسوا کر دے گا اور اس کی برائی کو مشہور کر دے گا۔ اور جو کوئی لوگوں کو دکھا کر کوئی عمل کرے گا تاکہ لوگ اسے بڑا کہیں، اللہ تعالیٰ اس کے عیوب

① مسلم۔ کتاب الامارۃ: باب من قاتل للرياء والسمعة استحق النار (ح ۱۹۰۵)

لوگوں پر ظاہر کر دے گا۔ (۱)

استقامت اور ثابت قدمی کو اپنا شعار بناتا ہے

حقیقی اور سچا مسلمان استقامت اور ثابت قدمی اختیار کرتا ہے۔ اس کی ہر بات واضح اور بین ہوتی ہے۔ اس میں غموض و التوا' پیچیدگی' ابہام اور فریب نہیں ہوتا۔ حالانکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ استقامت میں کسی قدر صعوبت' پریشانی اور مشقت ہوتی ہے' جس سے انسان کو اپنی معاشرتی زندگی میں دوچار ہونا پڑتا ہے۔

مسلم کی زندگی اور اس کے کردار میں استقامت کی حیثیت محض اخلاقی زیور کی نہیں ہوتی کہ اسے اس سے آراستہ ہونے نہ ہونے کا اختیار ہو' بلکہ یہ ایسا کردار ہے جسے اپنانے اور اختیار کرنے کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے اور قرآن کی بہت سی آیتوں میں اس کا درجہ ایمان باللہ کے بعد دیا گیا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَٰئِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ○ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ○ نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ﴾

(حم السجدہ : ۴۱/ ۳۰-۳۲)

''جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے' یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں: ''نہ ڈرو نہ غم کرو' اور خوش ہو جاؤ' اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی۔ وہاں جو کچھ تم چاہو گے تمہیں ملے گا اور ہر چیز جس کی تم تمنا کرو گے وہ تمہاری ہو گی۔ یہ ہے سامانِ ضیافت اس ہستی کی طرف سے جو غفور و رحیم ہے۔''

---

(۱) بخاری۔ کتاب الرقاق: باب الریاء والسمعة (ح ٦٤٩٩)
مسلم۔ کتاب الزهد: باب تحریم الریاء (ح ٢٩٨٧)

استقامت اختیار کرنے والے اہل ایمان کتنے زیادہ ثواب کے مستحق ہیں! قیامت کے دن ان کا کتنا اکرام و اعزاز ہو گا! اور کتنی اچھی اور خوش کن بشارت ہے جسے لے کر فرشتے ان پر نازل ہوتے ہیں!

ایسا اس لیے ہے کیوں کہ استقامت کا ایک بلند اور پر مشقت مقام ہے جس تک صرف وہی متقی اہل ایمان پہنچ سکتے ہیں جو صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے عمل کرتے ہوں اور جنہوں نے اپنی گردنوں سے غیر اللہ کی بندگی کا قلادہ اتار پھینکا ہو اور مال و جاہ، اقتدار، عیش و آرام، لذتوں اور دیگر تمام ان چیزوں سے منہ موڑ لیا ہو اور بے تعلق ہو گئے ہوں جن سے اس دنیا میں لوگوں کے دل اٹکے رہتے ہیں۔ ایسا کرنے پر اگر اللہ تعالیٰ انہیں اجر عظیم سے نوازے اور اپنے جوار رحمت میں بلند درجات عطا فرمائے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

استقامت کے بلند مرتبہ اور پر مشقت مقام پر سب سے زیادہ جس چیز سے دلالت ہوتی ہے وہ یہ کہ رسول اللہ پر بھی (جو استقامت کی وسعتوں، اس کے مدلول کی عظمت اور انسان کے انجام کا فیصلہ کرنے میں اس کی اہمیت سے بخوبی واقف تھے) اس کا گہرا اثر پڑا تھا۔ آیت کریمہ:

﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ﴾ (هود: ۱۱/ ۱۱۲)

''پس اے نبی! تم ٹھیک ٹھیک راہ راست پر قائم ہو جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے۔''

کی تفسیر میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((مَا نَزَلَتْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ جَمِيْعِ الْقُرْآنِ آيَةٌ كَانَتْ أَشَدَّ وَلَا أَشَقَّ عَلَيْهِ مِنْ هٰذِهِ الْآيَةِ))

''پورے قرآن میں رسول اللہ ﷺ پر کوئی اور ایسی آیت نازل نہیں ہوئی جو اس آیت کریمہ سے زیادہ سخت اور بھاری ہو۔'' (۱)

---

(۱) تفسیر قرطبی (۹/ ۱۰۷)

اسی لیے ایک مرتبہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! آپ پر بڑھاپا بہت جلد طاری ہو گیا؟''

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت ﴿ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ﴾ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا:

((شَيَّبَتْنِي هُودٌ وَ أَخَوَاتُهَا))

''مجھے ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا۔'' ①

ایک موقع پر جب سیدنا سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! مجھے اسلام کے بارے میں ایسی بات بتلا دیجیے کہ میں پھر کسی سے نہ پوچھوں۔'' تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''﴿ قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ ﴾

''کہو! میں اللہ پر ایمان لایا' پھر اس پر ثابت قدم رہو۔'' ②

دین میں استقامت کی اہمیت کے پیش نظر امام مسلم رحمہ اللہ نے ''باب الاستقامہ'' کو باب جامع اوصاف الاسلام (اسلام کے مجموعہ اوصاف کا بیان) سے موسوم کیا ہے۔ اس لیے کہ ایمان باللہ سے صادر ہونے والی استقامت تمام فضائل کا مجموعہ اور تمام مکارم اخلاق کا مرکز ومحور ہوتی ہے' اور استقامت ہی سے خیر کے کام اور نیک اعمال صادر ہوتے ہیں۔

استقامت کے سلسلہ میں بڑی اہم بنیادی چیزوں میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے بھائی سے ایک چہرے سے ملے اور بھیس بدل بدل کر سامنے نہ آئے۔ جیسا کہ مکروفریب اور چال بازی کرنے والے کرتے ہیں' جن کے بارے میں اللہ کے رسول نے وعید سناتے ہوئے فرمایا ہے:

((إِنَّ شَرَّ النَّاسِ ذُوا الْوَجْهَيْنِ ' الَّذِي يَأْتِي هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَ

---

① تفسیر قرطبی (۹/ ۱۰۷) صحیح مسلم باب جامع اوصاف الاسلام

② مسلم۔ کتاب الایمان: باب جامع اوصاف الاسلام (ح ۳۸)

هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ))

''سب سے برا آدمی وہ ہے جس کے دو چہرے ہوں۔ کچھ لوگوں کے پاس ایک چہرے کے ساتھ جائے اور کچھ لوگوں کے پاس دوسرے چہرے کے ساتھ۔'' ①

بیمار کی عیادت اور مزاج پرسی کرتا ہے

حقیقی مسلمان بیمار کی عیادت کرتا ہے اور اسے ایک اسلامی فریضہ سمجھتا ہے' جس پر دین حنیف نے اکسایا ہے۔ وہ مریض کی عیادت' مزاج پرسی اور زیارت کو غیر واجب شدہ کام یا مریض پر اپنی مہربانی نہیں سمجھتا' بلکہ اسے پوری طرح احساس ہوتا ہے کہ اس طرح وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کر رہا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

((عُوْدُوا الْمَرِيْضَ ' وَ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ ' وَ فُكُّوا الْعَانِيَ))

''بیمار کی عیادت کرو' بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور قیدی کو آزاد کراؤ۔'' ②

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

((اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِعِيَادَةِ الْمَرِيْضِ ' وَ اِتِّبَاعِ الْجَنَازَةِ ! وَ تَشْمِيْتِ الْعَاطِسِ ' وَ اِبْرَارِ الْمُقْسِمِ' وَ نَصْرِ الْمَظْلُوْمِ' وَ اِجَابَةِ الدَّاعِيْ ' وَاِفْشَاءِ السَّلَامِ))

''ہمیں رسول اللہ ﷺ نے مریض کی عیادت کرنے' جنازہ کے ساتھ جانے' چھینکنے والے کا جواب دینے' قسم کھانے والے کی قسم پوری کرنے' مظلوم کی مدد کرنے' دعوت کرنے والے کی دعوت قبول کرنے اور سلام عام کرنے کا حکم دیا ہے۔'' ③

---

① بخاری۔ کتاب المناقب: باب المناقب (ح ۳۴۹۴)
مسلم۔ فضائل الصحابة: باب خیار الناس (ح ۲۵۲۶)

② بخاری۔ کتاب المرضی: باب وجوب عیادة المریض (ح ۵۶۴۹)

③ بخاری۔ کتاب النکاح: باب حق اجابة الولیمة والدعوة (ح ۵۱۷۵)
مسلم۔ کتاب اللباس: باب تحریم استعمال اناء الذهب والفضة (ح ۲۰۶۶)

یہ معاشرتی روایت‘ جس کی بنیادیں رسول کریم ﷺ نے مسلمانوں کی زندگی میں راسخ کر دی تھیں‘ اس حد تک عام اور مستحکم ہوگئی کہ ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا حق قرار پا گئی کہ اگر وہ اس سے غفلت برتے یا اس میں کوتاہی کرے تو دوسرا مسلمان اس کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ عرف شریعت میں اپنے بھائی کے حق سے غفلت برتنے یا کوتاہی کرنے والا گناہ گار‘ حد سے تجاوز کرنے والا اور اپنے آپ پر ظلم کرنے والا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

((حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ: رَدُّ السَّلَامِ‘ وَ عِيَادَةُ الْمَرِيْضِ ‘ وَ اِتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ ‘ وَ اِجَابَةُ الدَّعْوَةِ ‘ وَ تَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ))

”ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں : ① سلام کا جواب دینا‘ ② بیمار کی عیادت کرنا‘ ③ جنازے کے ساتھ جانا‘ ④ دعوت قبول کرنا ⑤ اور چھینکنے والے کا جواب دینا۔“ [1]

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِذَا لَقِيْتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ ‘ وَاِذَا دَعَاكَ فَاَجِبْهُ ‘ وَاِذَا اسْتَنْصَحَاكَ فَانْصَحْ لَهُ ‘ وَاِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتْهُ‘ وَاِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ‘ وَاِذَا مَاتَ فَاصْحَبْهُ))

”ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں۔ صحابہؓ نے پوچھا: ”وہ کیا ہیں؟“ فرمایا: ”جب اس سے ملو تو سلام کرو۔ جب دعوت دے تو قبول کرو۔ جب نصیحت کرے تو اسے مانو۔ جب چھینکے اور الحمد للہ کہے تو اس کا جواب دو۔ جب بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو۔ اور جب اس کا انتقال ہو جائے تو جنازہ کے ساتھ جاوَ۔“ [2]

---

[1] بخاری۔ کتاب الجنائز: باب الامر باتباع الجنائز (ح ۱۲۴۰)
مسلم۔ کتاب السلام: باب من حق المسلم للمسلم رد السلام (ح ۲۱۶۲)

[2] مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۵/ ۲۱۶۲)

مسلمان جب اپنے بیمار بھائی کی عیادت کو جاتا ہے تو اس کے اندرون میں صرف یہی احساس نہیں ہوتا کہ وہ ایک فرض کی ادائیگی اور حکم کی تعمیل کر رہا ہے' بلکہ ساتھ ہی اسے روحانی خوشی اور نفسیاتی مدہوشی کا احساس ہوتا ہے۔ اس خوشی اور مدہوشی کا احساس وہی شخص کر سکتا ہے جو اس دلکش حدیث شریف میں غور و فکر کرے جو عیادت کی عظمت اور اس پر مشتمل خیر و برکات کی تصویر کشی کرتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا: ''اے ابن آدم! میں بیمار ہوا' تو نے میری عیادت نہیں کی'' وہ عرض کرے گا: ''اے میرے رب! تو تو سارے جہاں کا رب ہے' تیری عیادت کیسے کرتا؟'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''کیا تجھے نہیں معلوم کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا' مگر تو نے اس کی عیادت نہیں کی۔ کیا تجھے نہیں معلوم کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا؟'' (پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا:) ''اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا' مگر تو نے مجھے نہیں کھلایا۔'' وہ عرض کرے گا: ''اے میرے رب! میں تجھے کیسے کھلاتا جب کہ تو تو سارے جہاں کا رب ہے؟'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''کیا تو نہیں جانتا کہ تجھ سے میرے فلاں بندے نے کھانا مانگا تھا' مگر تو نے اسے نہیں کھلایا؟ کیا تجھے نہیں معلوم کہ اگر تو اسے کھلا دیتا تو اس کا ثواب میرے یہاں پاتا۔'' (پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا:) ''اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا' تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔'' وہ عرض کرے گا: ''اے میرے رب! میں تجھے کیسے پانی پلاتا' تو تو سارے جہاں کا رب ہے؟'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تجھ سے میرے فلاں بندے نے پانی مانگا تھا' مگر تو نے اسے نہیں پلایا۔ اگر تو اسے پلا دیتا تو اس کا ثواب میرے یہاں پاتا۔'' [1]

کتنی بابرکت ہے یہ عبادت! کتنی قابل احترام و ستائش ہے یہ ملاقات اور

---

[1] مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب فضل عیادة المریض (ح ۲۵۶۹)

مزاج پرسی! اور کتنا عظیم ہے یہ عمل! جسے ایک مسلمان اپنے کمزور اور بیمار بھائی کے سلسلہ میں انجام دیتا ہے۔ اس عمل کی بدولت وہ بارگاہ رب العزت میں ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے اس عظیم عمل کو دیکھتا ہے اور اس پر بے پایاں ثواب عطا فرماتا ہے۔ اس سے زیادہ قابل احترام' پر عظمت اور بابرکت زیارت کون سی ہوگی؟ جسے آسمانوں اور زمینوں کا پروردگار شرف قبولیت سے نوازے' اس میں برکت دے اور اس پر اکسائے۔

دوسری طرف اس سے بڑھ کر کون سی شقاوت و بدبختی اور کون سا خسارہ ہوگا جو اس عیادت سے پیچھے رہ جانے والے شخص کو لاحق ہوگا؟ اور قیامت کے دن اسے کتنی شرمناک رسوائی حاصل ہوگی جب اللہ رب العزت تمام لوگوں کے سامنے علی الاعلان اس سے دریافت فرمائے گا:

((یَا بْنَ آدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِی ! اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِیْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْہُ؟ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ عُدْتَہٗ لَوَجَدْتَنِیْ عِنْدَہُ؟))!

''اے ابن آدم! میں بیمار تھا' تو نے میری عیادت نہیں کی..... کیا تجھے نہیں معلوم کہ میرا فلاں (بندہ) بیمار تھا' مگر تو نے اس کی عیادت نہیں کی۔ کیا تجھے نہیں معلوم کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا''!!

اب یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ اس وقت اپنے بھائی کی عیادت سے اعراض کرنے' کوتاہی کرنے اور پیچھے رہ جانے والے شخص کو کتنی شدید ندامت' ناکامی اور شرمندگی ہوگی۔ لیکن اس وقت ندامت و شرمندگی کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

اسلامی معاشرہ میں جب کوئی شخص بیمار پڑتا ہے تو کرب و تکلیف کے لمحات میں اسے تنہائی کا احساس نہیں ہوتا۔ اس کے اردگرد عیادت کو آنے والوں کے جذبات اور ان کی دعائیں اسے ڈھانپے رہتی ہیں اور اس کی تکلیف میں تخفیف کرتی رہتی ہیں۔ یہ انسانی ترقی کی معراج اور انسانی احساسات کی بلندی کی انتہا ہے۔ یہ جذباتی آسودگی و سیرابی اور یہ معاشرتی ہم آہنگی جو امت مسلمہ میں پائی جاتی ہے' تاریخ میں کسی اور قوم

کو نصیب نہیں۔

مغرب میں زندگی گزارنے والا انسان جب بیمار پڑتا ہے تو بسا اوقات اسے کسی ہسپتال میں داخل کر دیا جاتا ہے اور ڈاکٹر اس کی دیکھ بھال اور علاج معالجہ کرتا ہے' مگر وہ محبت آمیز لمس، تسلی بخش گفتگو' فرحت آگیں مسکراہٹ' پر خلوص دعاء اور سچی جذباتی ہم آہنگی سے تقریباً محروم رہتا ہے۔

اس لیے کہ مادی فلسفہ نے (جو اہل مغرب کی زندگیوں پر چھایا ہوا ہے) انسانی جذبہ کی شمع کو بے نور کر دیا ہے' بھائی چارانہ احساس کی پاکیزگی کو گدلا کر دیا ہے اور انسان کو نیک کام کے روحانی محرکات سے محروم کر دیا ہے۔

مغربی انسان کوئی ایسا محرک نہیں پاتا جو اسے بیمار کی عیادت پر اکسائے۔ کیونکہ اس سے اس کا کوئی مفاد وابستہ نہیں جس سے اس کو دیر سویر مادی منفعت حاصل ہو۔ اس کے برخلاف ایک مسلمان بیمار کی عیادت کے لیے سبقت کرتا ہے۔ کیونکہ اسے اس ثواب کی امید رہتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے لیے تیار کر رکھا ہے جس کے قدم اس راہ میں گرد آلود ہوں گے۔

اس سلسلہ میں بکثرت نصوص مروی ہیں جو نفس انسانی میں بھائی چارانہ احساس کے چشمے موجزن کر دیتی ہیں اور وجدان کی گہرائیوں سے مریض کی عیادت پر آمادہ کرتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِنَّ الْمُسْلِمَ اِذَا عَادَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ يَزَلْ فِيْ خُرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَ))

''مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کو جاتا ہے تو واپس ہونے تک برابر جنت کے پھلوں کو چننے میں مصروف رہتا ہے۔'' (1)

دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

---

(1) مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب فضل عیادة المریض (ح ۲۵۶۸)

((مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَعُوْدُ مُسْلِمًا غُدْوَةً اِلَّا صَلّٰی عَلَیْهِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰی یُمْسِیَ ، وَ اِنْ عَادَهٗ عَشِیَّةً اِلَّا صَلّٰی عَلَیْهِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰی یُصْبِحَ ، وَ كَانَ لَهٗ خَرِیْفٌ مِنَ الْجَنَّةِ))

''کوئی مسلمان جب کسی مسلمان کی صبح عیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے شام ہونے تک اس پر رحمت بھیجتے ہیں اور جب شام کے وقت عیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے صبح ہونے تک اس پر رحمت بھیجتے ہیں اور جنت میں اس کے لیے میوے ہوں گے۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ نے نفس انسانی سے واقف گہری بصیرت سے اندازہ لگا لیا تھا کہ مریض کی عیادت سے اس پر اور اس کے گھر والوں پر کتنا گہرا نفسیاتی اثر پڑتا تھا۔ اسی لیے آپ مریضوں کی عیادت میں سستی اور کوتاہی نہیں کرتے تھے اور ان کی مزاج پرسی کرتے ہوئے دعا کرتے اور غم خواری کے وقت آپ خیر خواہانہ اور دعائیہ کلمات کا اظہار کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے ایک مرتبہ اس یہودی لڑکے کی بھی عیادت کی جو آپ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ایک یہودی لڑکا نبی کریم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ بیمار ہوا تو نبی ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس کے سرہانے بیٹھ کر آپ نے فرمایا: ''اسلام قبول کر لو۔'' اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا: ''ابو القاسم کی بات مان لے۔'' وہ اسلام لے آیا۔ نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے تو فرمانے لگے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْقَذَهٗ مِنَ النَّارِ))

---

[1] ابوداود۔ کتاب الجنائز: باب فی فضل عیادة المریض (ح ۳۰۹۸)
ترمذی۔ کتاب الجنائز: باب ماجاء فی عیادة المریض (ح ۹۶۹)
ابن ماجه۔ کتاب الجنائز: باب ماجاء فی ثواب من عاد مریضًا (ح ۱۴۴۲)

''اللہ کا شکر ہے جس نے اسے جہنم سے بچالیا۔'' ①

اس بیمار یہودی لڑکے کی عیادت کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دینا فراموش نہیں کیا۔ کیوں کہ آپ کو احساس تھا کہ آپ نے اس لڑکے کی عیادت سے جس لطف و کرم، فضل و مہربانی اور حسن سلوک کا مظاہرہ کیا تھا، اس کا لڑکے اور اس کے باپ دونوں پر اچھا اثر پڑا ہے۔ چنانچہ دونوں رسول کریم ﷺ کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں اور اسے عیادت کی برکت سے ہدایت نصیب ہو جاتی ہے اور رسول کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے باہر تشریف لے آتے ہیں۔ کتنے عظیم انسان اور حکیم و دانا داعی تھے اللہ کے رسول (صلوٰۃ وسلام ہو آپ پر!)

بیمار کی عیادت کے سلسلہ میں آپ کے اہتمام کرنے اور اہمیت دینے کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ آپ نے اس کے کچھ اصول و آداب بیان فرمائے جنہیں صحابہ کرامؓ نے بھی اختیار کیا اور وہ سنت مطہرہ میں بھی محفوظ ہیں۔

مثلاً: یہ کہ بیمار کے سرہانے بیٹھا جائے، جیسا کہ ہم نے یہودی لڑکے کی عیادت کے وقت رسول اللہ ﷺ کا طریقہ دیکھا اور جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کا معمول بیان کیا ہے:

''نبی ﷺ جب کسی مریض کی عیادت فرماتے تو اس کے سرہانے بیٹھ کر سات مرتبہ یہ دعا پڑھتے:

((اَسْئَالُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَنْ يَّشْفِيَكَ)) ②

''میں اللہ بزرگ و برتر سے جو عرش عظیم کا رب ہے، دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہیں شفا عطا فرمائے۔''

اسی طرح عیادت کے آداب میں یہ بھی داخل ہے کہ داہنے ہاتھ سے مریض کے جسم کو چھوا جائے اور اس کے لیے دعا کی جائے، جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت

① بخاری۔ کتاب الجنائز: باب اذا اسلم الصبی فمات هل یصلی علیه (ح ۱۳۵۶)

② ابو داود۔ کتاب الجنائز: باب الدعاء للمریض عندالعیادة (ح ۳۱۰۶) ←

فرماتی ہیں: ''نبی کریم ﷺ اپنے بعض گھر والوں کی عیادت کرتے تو اپنا داہنا ہاتھ پھیرتے تھے اور فرماتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ اَذْهِبِ الْبَاسَ' اِشْفِ' اَنْتَ الشَّافِیُ لَاشِفَاءَ اِلَّاشِفَاءُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا)) ①

''اے اللہ! اے لوگوں کے رب! سختی دور کر' شفا عطا فرما' تو ہی شفا دینے والا ہے' تیرے علاوہ کوئی شفا عطا کرنے والا نہیں۔ ایسی شفا عطا فرما کہ بیماری باقی نہ رہے۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ.

''نبی کریم ﷺ جب کسی کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو فرماتے:

((لَابَاسَ' طَهُورٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ))

''گھبراؤ نہیں' بیماری ان شاء اللہ (گناہوں سے) پاک کرنے والی ہے۔'' ②

مسلمانوں نے ہر زمانہ میں عیادت مریض کی اس قابل تعریف سنت کو اپنایا اور یہ مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں ان کے میل جول' الفت ومحبت' رحم وکرم' لطف و ہمدردی اور تکافل وتعاون کا عنوان بن گئی' جس سے شکستہ دل جڑ جاتے ہیں' غمگین کی اشک شوئی ہوتی ہے' کرب و اذیت دور ہو جاتی ہے' مایوسی کے گھرے بادل چھٹ جاتے ہیں' محبت ومودت کا تعلق قائم رہتا ہے' وفا کا چشمہ موجزن ہوتا ہے اور امید کی مسکراہٹ نمودار ہوتی ہے۔

← ترمذی۔ کتاب الطب باب (۳۲) ما یقول عند عیادة المریض (ح ۲۰۸۳) من قول النبی ﷺ

① بخاری۔ کتاب الطب: باب رقیة النبی ﷺ (ح ۵۷۴۳)

مسلم۔ کتاب السلام: باب استحباب رقیة المریض (ح ۲۱۹۱)

② بخاری۔ کتاب المرضیٰ: باب عیادة اعراب (ح ۵۶۵۶)

جنازہ میں شریک ہوتا ہے

متقی اور باشعور مسلمان جنازہ اور کفن دفن میں شریک رہتا ہے اور اس طرح رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

((حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ: رَدُّ السَّلَامِ ' وَ عِيَادَةُ الْمَرِيضِ ' وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ ' وَ إِجَابَةُ الدَّعْوَةِ ' وَ تَشْمِيتُ الْعَاطِسِ))

''ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں: سلام کا جواب دینا' مریض کی عیادت کرنا' جنازہ کے پیچھے چلنا' دعوت کو قبول کرنا' چھینکنے والے کا جواب دینا۔'' ①

اس موقع پر' جب کہ بہت سی بدعتوں اور گمراہیوں کا ارتکاب ہو جاتا ہے' مثلاً یہ کہ نمازیں نہیں پڑھی جاتیں' نوحہ' بین اور واویلا کی آوازیں بلند ہوتی ہیں اور دیگر خرافات کا ارتکاب کیا جاتا ہے اور لوگ میت کی تجہیز و تکفین میں مصروف ہونے اور میت کے گھر والوں کی مصیبت کم کرنے کی وجہ سے ان بدعتوں اور خرافات کی اصلاح اور صحیح بات کی وضاحت نہیں کر سکتے' ایسے موقع پر ایک سچا مسلمان لوگوں میں صحیح اسلامی شعور عام کرتا ہے۔

چنانچہ جب وہ مریض کے پاس نزع کے وقت پہنچتا ہے اور اسے جانکنی کے عالم میں دیکھتا ہے تو رسول اللہ ﷺ کے ارشاد پر عمل کرتے ہوئے لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

((لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ))

''اپنے قریب المرگ لوگوں کو لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرو۔'' ②

---

① بخاری۔ کتاب الجنائز: باب الامر باتباع الجنائز (ح ۱۲۴۰)
مسلم۔ کتاب السلام: باب من حق المسلم للمسلم ردالسلام (ح ۲۱۶۲)

② مسلم۔ کتاب الجنائز: باب تلقین الموتی لا الہ الا اللہ (ح ۹۱۶)

اور جب مریض اپنی جان' جانِ آفریں کے سپرد کر دیتا ہے تو اس کے لیے دعا کرتا ہے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت ان کے لیے دعا کی تھی:

((اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَبِیْ سَلَمَةَ' وَ ارْفَعْ دَرَجَتَهٗ فِی الْمَهْدِیِّیْنَ' وَ اخْلُفْهُ فِیْ عَقِبِهٖ فِی الْغَابِرِیْنَ وَ اغْفِرْلَنَا وَلَهٗ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ' وَ افْسَحْ لَهٗ فِیْ قَبْرِهٖ وَ نَوِّرْ لَهٗ فِیْهِ)) ①

''اے اللہ! ابوسلمہ کی مغفرت فرما' اس کے درجات ہدایت یافتہ لوگوں میں بلند فرما' اور اس کے بعد اس کے پیچھے رہ جانے والوں میں اس کا قائم مقام بنا' اور ہمیں اور اسے بخش دے۔ اے رب العالمین! اس کی قبر کو روشن اور کشادہ فرما۔''

پھر میت کے گھر والوں کو احادیث شریفہ سناتا ہے' جس سے ان کی مصیبت میں تخفیف ہوتی ہے۔ وہ انہیں اللہ کے یہاں ثواب کی امید اور اس کی موت پر صبر کی فضیلت بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں اور ثواب کی امید رکھنے والوں کے لیے جو عظیم ثواب تیار کر رکھا ہے اس کی وضاحت کرتا ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا لِعَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ عِنْدِیْ جَزَاءٌ اِذَا قَبَضْتُ صَفِیَّهٗ مِنْ اَهْلِ الدُّنْیَا ثُمَّ احْتَسَبَهٗ اِلَّا الْجَنَّةُ))

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میرے اس مومن بندے کے لیے میرے پاس جنت کے سوا کوئی بدلہ نہیں جس کی کوئی پسندیدہ اور محبوب چیز میں چھین لوں' اور وہ ثواب کی امید رکھتے ہوئے اس پر صبر کرے۔'' ②

وہ انہیں اس موقف کی یاد دلاتا ہے جسے اہل ایمان کو کسی کی موت کے وقت نبی

① مسلم۔ کتاب الجنائز: باب فی اغماض المیت والدعاء له اذا حضر (ح ۹۲۰)

② بخاری۔ کتاب الرقاق: باب العمل الذی یبتغی به وجه الله تعالیٰ (ح ۶۴۲۴)

ﷺ کی اتباع و اقتدا میں اختیار کرنا چاہیے۔ جیسا کہ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ کی ایک صاحب زادی نے آپ کو کہلا بھیجا کہ ان کا ایک بچہ حالت نزع میں ہے اس لیے تشریف لے آئیے۔ آپ نے قاصد سے فرمایا: ''اس کے پاس واپس جاؤ اور کہہ دو کہ:

((اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالَى مَا اَخَذَ وَلَهُ مَا اَعْطٰى ' وَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِاَجَلٍ مُسَمًّى ' فَمُرْهَا فَلْتَصْبِرْ ' وَ لْتَحْتَسِبْ))

''اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ اس نے لیا اور اسی کے لیے ہے جو کچھ اس نے دیا اور ہر چیز کے لیے اس کے یہاں ایک وقت مقرر ہے۔ تم اس سے کہو کہ صبر کرے اور اجر و ثواب کی امید رکھے۔'' [۱]

ان تکلیف دہ اور اندوہ ناک مواقع پر باشعور مسلمان کا کام یہ ہے کہ نوحہ و بین کرنے' کپڑے پھاڑنے' منہ پیٹنے اور گریہ و زاری میں اضافہ کرنے والی اور جذبات بھڑکانے والی باتوں کو بآواز بلند کہنے کی حرمت پر لوگوں کو متنبہ کرے۔ انہیں اور خاص طور پر جاہلوں کو بتلائے کہ ان تمام افعال سے میت کو اس کی قبر میں تکلیف پہنچتی ہے اور اس کے کرنے والے بھی سخت گناہ گار ہوتے ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اس کی خبر دی ہے:

((اَلْمَيِّتُ يُعَذَّبُ فِيْ قَبْرِهِ بِمَا نِيحَ عَلَيْهِ))

''مردہ کو قبر میں اس کے گھر والوں کے نوحہ کرنے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔'' [۲]

ایک روایت میں ہے کہ:

---

[۱] بخاری۔ کتاب المرضیٰ: باب عیادۃ الصبیان (ح ۵۶۵۵' ۱۲۸۴)

[۲] بخاری۔ کتاب الجنائز: باب قول النبی ﷺ ''یعذب المیت ببعض بکاء اھلہ علیہ'' (ح ۱۲۸۷)

مسلم۔ کتاب الجنائز: باب المیت یعذب ببکاء اھلہ علیہ (ح ۹۲۷)

((مَا نِيحَ عَلَيْهِ))

''جب تک اس پر نوحہ کیا جاتا رہتا ہے اس پر عذاب ہوتا رہتا ہے۔'' ①

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ ' وَ شَقَّ الْجُيُوْبَ ' وَ دَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ))

''وہ ہم میں سے نہیں جو منہ پیٹے' گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی صدا لگائے۔'' ②

سیدہ ام عطیہ نسیبہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

((اَخَذَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عِنْدَ الْبَيْعَةِ اَلَّا نَنُوْحَ))

''رسول اللہ ﷺ نے بیعت کرتے وقت ہم سے عہد لیا کہ ہم نوحہ نہیں کریں گے۔'' ③

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَلنَّائِحَةُ اِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا تُقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ' وَ عَلَيْهَا سِرْبَالٌ))

''نوحہ کرنے والی عورت اگر مرنے سے قبل توبہ نہ کرے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں کھڑی کی جائے گی کہ اس پر تارکول کا لباس اور کھجلی کا کرتا ہوگا۔'' ④

---

① بخاری۔ کتاب الجنائز: باب مایکرہ من النیاحۃ علی المیت (ح ۱۲۹۱)
مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۹۳۳)

② بخاری۔ کتاب الجنائز: باب لیس منا من ضرب الخدود (ح ۱۲۹۷)
مسلم۔ کتاب الایمان: باب تحریم ضرب الخدود و شق الجیوب (ح ۱۰۳)

③ بخاری۔ کتاب الجنائز: باب ماینھی من النوح والبکاء والزجر عن ذلک (ح ۱۳۰۶)
مسلم۔ کتاب الجنائز: باب التشدید فی النیاحۃ (ح ۹۳۶)

④ مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۹۳۴)

البتہ کسی کی وفات پر آنکھوں سے جو اشک رواں ہو جاتے ہیں درحقیقت وہ دل میں موجزن رنج والم اور سوزش کی غمازی کرتے ہیں۔ اس لیے اگر نوحہ، بین، واویلا اور دوسرے حرام کاموں سے احتراز کیا جائے تو صرف رونے میں کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ آپ کے پاس سیدنا سعد بن ابی وقاص اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ وہاں پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی رونے لگے تو آپ نے فرمایا:

((اَلا تَسْمَعُوْنَ ؟ اِنَّ اللّٰهَ لَا تُعَذِّبُ بِدَمْعِ الْعَيْنِ ' وَلَا بِحُزْنِ الْقَلْبِ ' وَلٰكِنْ يُعَذِّبُ بِهٰذَا اَوْ يَرْحَمُ وَ اَشَارَ اِلٰى لِسَانِهِ))

''سنو! اللہ تعالیٰ آنکھوں سے اشک جاری ہونے اور دلوں کے غمگین ہونے پر (میت کو) عذاب نہیں دیتا۔ (پھر آپ نے زبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) لیکن اس کی وجہ سے عذاب دیتا ہے یا رحم کر دیتا ہے۔''[1]

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کا نواسا لایا گیا، وہ جانکنی کے عالم میں تھا۔ آپ کے اشک جاری ہو گئے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! یہ کیا؟'' (یعنی آپ بھی رو رہے ہیں)!! تو آپؐ نے فرمایا:

((هٰذِهِ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللّٰهُ تَعَالَى فِيْ قُلُوْبِ عِبَادِهِ ' وَ اِنَّمَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ))

''یہ رحمت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دیا ہے۔

---

[1] بخاری۔ کتاب الجنائز : باب البکاء عندالمریض (ح ۱۳۰۴)
مسلم۔ کتاب الجنائز : باب البکاء علی المیت (ح ۹۲۴)

اللہ صرف اپنے رحم دل بندوں پر رحم کرتا ہے۔'' ①

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صاحب زادے ابراہیم کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت وہ عالم نزع میں تھے۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! کیا آپ بھی (روتے ہیں؟)'' آپ نے فرمایا:

((إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ، وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ، وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَا يُرْضِي رَبَّنَا، وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيمُ لَمَحْزُونُونَ))

''آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، دل غمگین ہے، لیکن ہم صرف وہی کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو۔ البتہ اے ابراہیم! ہم تیری جدائی سے غمگین ہیں۔'' ②

متقی مسلمان تدفین تک جنازہ کے ساتھ رہتا ہے۔ اس لیے کہ جنازہ کے ساتھ رہنے میں بہت زیادہ ثواب ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں خبر دی ہے:

((مَنْ شَهِدَ الْجَنَازَةَ حَتَّى يُصَلَّى عَلَيْهَا فَلَهُ قِيرَاطٌ، وَمَنْ شَهِدَهَا حَتَّى تُدْفَنَ فَلَهُ قِيرَاطَانِ، قِيلَ: وَمَا الْقِيرَاطَانِ قَالَ: مِثْلُ الْجَبَلَيْنِ الْعَظِيمَيْنِ))

''جو نماز جنازہ تک جنازہ کے ساتھ رہے اس کو ایک قیراط ثواب ملے گا اور جو تدفین تک موجود رہے اسے دو قیراط ثواب ملے گا۔'' لوگوں نے عرض کیا:

---

① بخاری۔ کتاب الجنائز: باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ''یعذب المیت ببعض بکاء اھلہ علیہ'' (ح ۱۲۸۴)

مسلم۔ کتاب الجنائز: باب البکاء علی المیت (ح ۹۲۳)

② بخاری۔ کتاب الجنائز: باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ''انا بك لمحزونون'' (ح ۱۳۰۳)

مسلم۔ کتاب الفضائل: باب رحمتہ صلی اللہ علیہ وسلم الصبیان والعیال (ح ۲۳۱۵)

''دو قیراط کتنے ہوتے ہیں؟'' فرمایا: ''دو بڑے پہاڑوں کے مثل۔'' [1]

اسلام نے دفن تک جنازہ کے ساتھ رہنے کی جو ترغیب دی ہے اس سے مسلمانوں کے مابین اخوت کے رشتوں کو تقویت ملتی ہے اور وفا کے احساسات کو استحکام نصیب ہوتا ہے۔ اس سے پسماندگان کو صبر جمیل حاصل ہوتا ہے اور وہ تعزیت و غم خواہی کی ٹھنڈک محسوس کرتے ہیں' اور خاص طور پر اس وقت جب انہیں معلوم ہوتا ہے کہ میت پر نماز پڑھنے والے لوگوں کی سفارش اس کے حق میں قبول کی جائے گی' جیسا کہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَمُوتُ فَيَقُومُ عَلَى جَنَازَتِهِ اَرْبَعُونَ رَجُلًا لَا يُشْرِكُونَ بِاللَّهِ شَيْئًا اِلَّا شَفَّعَهُمُ اللَّهُ فِيهِ))

''جو مسلمان مر جائے اور اس کے جنازے میں چالیس آدمی ایسے شریک ہوں جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے ہوں' ان کی سفارش اللہ تعالیٰ اس کے حق میں قبول کرلے گا۔'' [2]

اس طرح ایک مسلمان کے شایانِ شان یہ ہے کہ وہ نماز جنازہ کے احکام کا علم رکھتا ہو اور اس میں نبی کریم ﷺ سے ماثور جو دعائیں پڑھی جاتی ہیں اسے وہ یاد ہوں۔ چنانچہ جب میت رکھ دی جائے اور لوگ نماز جنازہ کے لیے صف بنا لیں تو:

۱. امام تکبیر اولیٰ کہے' پھر تعوذ اور سورۂ فاتحہ پڑھے۔
۲. پھر دوسری تکبیر کہے۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ پر ابراہیمی صلاۃ و سلام پڑھے۔
۳. پھر تیسری تکبیر کہے اور میت اور مسلمانوں کے لیے دعا کرے۔ نبی کریم ﷺ سے اس موقع کی جو دعائیں مروی ہیں ان میں سے ایک دعا یہ ہے جسے سیدنا

---

[1] بخاري۔ كتاب الجنائز: باب انتظر حتى تدفن (ح ۱۳۲۵)
مسلم۔ كتاب الجنائز: باب فضل الصلاة على الجنازة واتباعها (ح ۹۴۵)

[2] مسلم۔ كتاب الجنائز: باب من صلى عليه اربعون شفعوا فيه (ح ۹۴۸)

عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ نماز جنازہ پڑھائی۔ اس وقت آپ نے جو دعا پڑھی وہ میں نے یاد کر لی۔ وہ یہ تھی:

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَ ارْحَمْهُ وَ عَافِهٖ وَ اعْفُ عَنْهُ وَ اَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَ وَسِّعْ مَدْخَلَهٗ وَ اغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَ الثَّلْجِ وَ الْبَرَدِ وَ نَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْاَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَ اَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهٖ وَ اَهْلًا خَيْرًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ زَوْجًا خَيْرًا مِّنْ زَوْجِهٖ وَ اَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَ اَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ))

''اے اللہ! اس کی مغفرت فرما' اس پر رحم کر' اس کو عافیت عطا کر' اس کو (جنت میں) عزت کی جگہ دے' اس کی قبر کشادہ فرما' اسے پانی' برف اور اولوں کے پانی سے غسل دے' اسے گناہوں سے اس طرح پاک وصاف کر دے جس طرح سفید کپڑے کو میل کچیل سے صاف کیا جاتا ہے' اس کو دنیا کے گھر سے بہتر گھر' اس کے اہل سے بہتر اہل' اس کے جوڑے سے بہتر جوڑا عطا فرما' اسے جنت میں داخل کر اور قبر اور جہنم کے عذاب سے نجات دے۔''

راوی کہتے ہیں کہ یہ دعا سن کر مجھے تمنا ہونے لگی کہ کاش! اس میت کی جگہ میں ہوتا۔ [1]

④ پھر چوتھی تکبیر کہے اور یہ دعا پڑھے:

((اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَ لَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ وَ اغْفِرْلَنَا وَ لَهٗ))

''اے اللہ! اس کے اجر سے ہمیں محروم نہ کر' اس کے بعد ہمیں فتنہ میں نہ ڈال اور ہم کو اور اس کو بخش دے۔''

⑤ پھر سلام پھیر دے۔

---

[1] مسلم۔ کتاب الجنائز: باب الدعاء للمیت فی الصلاۃ (ح ۹۶۳)

پھر جنازے کے ساتھ جائے' یہاں تک کہ نعش قبر میں رکھ دی جائے۔ پھر تدفین سے فارغ ہو جانے کے بعد میت کے لیے مغفرت چاہے اور اس کے ثابت قدم رہنے کی دعا کرے۔ رسول کریم ﷺ کا یہی معمول تھا اور آپ دوسروں کو بھی اسی کا حکم دیتے رہتے۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ جب میت کی تدفین سے فارغ ہوتے تو قبر کے پاس کھڑے ہوتے اور فرماتے:

((اِسْتَغْفِرُوْا لِاَخِيْكُمْ، وَ سَلُوْا لَهُ بِالتَّثْبِيْتِ، فَاِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ))

''اپنے بھائی کے لیے مغفرت کی دعا کرو' اس کے لیے ثابت قدم رہنے کا سوال کرو' اس لیے کہ اس وقت اس سے سوال ہو رہا ہے۔'' ①

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: ''جب تم مجھے دفن کرنا تو میری قبر کے پاس اتنی دیر کھڑے رہنا جتنی دیر ایک اونٹ ذبح کر کے تقسیم کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ تمہارے سبب میں مانوس ہو جاؤں اور مجھے معلوم ہو کہ میں اپنے رب کے قاصدوں کو کیا جواب دیتا ہوں۔'' ②

ان موقعوں پر مسلمان کی شرکت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ معاشرتی زندگی کے تمام پہلوؤں سے اچھی طرح واقف ہے۔ زندگی صرف خوشیوں اور مبارک بادیوں اور پر مسرت موقعوں کا نام نہیں' بلکہ خوشی و غم' سرور و حزن' طرب و کرب' عیش و تنگی اور مسکراہٹ و اشک جیسے ملے جلے مواقع کا نام ہے۔ سچا اور باشعور مسلمان ہر موقع پر شریک ہوتا ہے اور کسی وقت بھی غیر حاضر نہیں ہوتا۔ کیونکہ زندگی کے ہر گوشہ میں وہ ایک پیغام کا حامل ہے جسے دوسروں تک پہنچاتا ہے' ایک دعوت کا علمبردار ہے جس کی تبلیغ کرتا ہے اور اس پر ایک ذمہ داری عائد ہوتی ہے جسے سرانجام دیتا ہے۔

① ابو داؤد۔ کتاب الجنائز: باب الاستغفار عندالقبر للمیت (ح ۳۲۲۱)

② مسلم۔ کتاب الایمان: باب کون الاسلام یھدم ما قبلہ (ح ۱۲۱)

احسان کا بدلہ دیتا ہے اور اس پر شکریہ ادا کرتا ہے

مسلمان کے پسندیدہ اخلاق اور بلند اوصاف میں سے یہ بھی ہے کہ وہ احسان اور بھلائی کا بدلہ دیتا ہے۔ وہ احسان ناشناسی نہیں کرتا بلکہ احسان مانتا ہے۔ ممنون اور شکر گزار ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد پر عمل کرتا ہے:

((مَنْ صُنِعَ اِلَیْهِ مَعْرُوْفٌ فَلْیُكَافِئْهُ))

''جس کے ساتھ کوئی احسان اور بھلائی کی جائے اسے اس کا بدلہ دینا چاہیے۔''[1]

دوسری حدیث میں ہے:

((مَنِ اسْتَعَاذَ بِاللّٰهِ فَاَعِیْذُوْهُ وَمَنْ اَتٰی اِلَیْكُمْ مَعْرُوْفًا فَكَافِئُوْهُ))

''جو اللہ کے نام پر پناہ مانگے اسے پناہ دو' اور جو تمہارے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے تم بھی اسے اس کا بدلہ دو۔''[2]

احسان پر شکر گزاری اور ممنونیت مسلمان کے کردار میں دین کی حیثیت رکھتی ہے' جس پر نبوی تعلیمات میں اکسایا گیا ہے۔ یہ معاشرتی چاپلوسی اور خوشامد نہیں جس میں مزاجوں اور خواہشات کی حکمرانی ہوتی ہے اور جسے لوگ اپنے مصالح اور مفادات کو پیش نظر رکھ کر انجام دیتے ہیں۔ جس قدر مصالح اور مفادات حاصل ہوتے ہیں اسی قدر ان کی زبانیں بھی شکر سے تر ہوتی ہیں۔

احسان کرنے والا شکر کا مستحق ہے' خواہ اس کے ہاتھ پر مصالح و منافع کا ظہور ہو یا نہ ہو۔ اس کے لیے یہی کافی ہے کہ اس نے احسان اور بھلائی کرنا چاہی۔ اس

---

[1] ابوداؤد۔ کتاب الادب: باب فی شکر المعروف (ح ۴۸۱۲)
ترمذی۔ کتاب البر والصلة: باب ماجاء فی المتشبع بما لم یعطه (ح ۲۰۳۴)

[2] ابوداود۔ کتاب الادب: باب فی الرجل یستعیذ من الرجل (ح ۵۱۰۹)
نسائی۔ کتاب الزکاة: باب من سال بالله عزوجل (ح ۲۵۶۸)

لیے وہ دل کی گہرائیوں سے شکر کا مستحق ہے۔ دراصل اسلام مسلمانوں سے اسی چیز کا مطالبہ کرتا ہے۔

اسلام نے مسلمانوں کے دلوں میں اس کردار کو راسخ کرنے پر اس قدر زور دیا ہے کہ اس نے لوگوں کے احسان پر اس کا شکریہ ادا کرنے کو اللہ کے شکر کے ساتھ جوڑ دیا ہے اور اللہ کے بندوں میں سب سے زیادہ اللہ کا شکر گزار اس بندے کو قرار دیا ہے جو لوگوں کے احسان پر اس کا شکر گزار ہوتا ہے:

((اِنَّ اَشْکَرَ النَّاسِ لِلّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی اَشْکَرُهُمْ لِلنَّاسِ))

''لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ کا شکر کرنے والا شخص وہ ہے جو لوگوں کا سب سے زیادہ شکر گزار ہو۔'' ①

یہی نہیں بلکہ اسلام نے بتلایا ہے کہ جب تک لوگوں کے احسانات اور ان کی بھلائیوں کا شکریہ نہ ادا کیا جائے' اللہ کا شکر مکمل ہی نہیں ہو سکتا۔ جو شخص لوگوں کے احسانات پر ان کا شکر ادا نہ کرتا ہو اللہ تعالیٰ بھی اس کا شکریہ قبول نہیں کرے گا۔ جو شخص اپنی زبان سے شکرانے کے طور پر ایک لفظ بھی ایسا نہ نکالتا ہو جس سے احسان کرنے والے کا دل ٹھنڈا ہو' اس کی مروت و شرافت کو تحریک ملے اور خوش خلقی میں اضافہ ہو' وہ خواہ اپنی زبان سے کتنا ہی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے' مگر وہ حقیقی طور پر اللہ کا شکر گزار نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ اس نے بندوں کے احسان کا انکار کیا' احسان فراموشی کی اور نفوس میں خیر کے سرچشموں کو خشک کرنے کی کوشش کی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا یَشْکُرُ اللّٰهَ مَنْ لَا یَشْکُرُ النَّاسَ))

''جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا' وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر گزار نہیں ہو سکتا۔'' ②

---

① مسند احمد (۵/ ۲۱۲)

② ابوداود۔ کتاب الادب: باب فی شکر المعروف (ح ۴۸۱۱)

اس لیے کہ احسان کرنے والے کا شکریہ ادا کرنے سے نیک کام کی اشاعت و ترغیب اور نیکی کرنے والے کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ ساتھ ہی بندہ انسانی نعمت کی حفاظت کرنے' حسن سلوک کی قدر کرنے اور احسان شناسی کا عادی ہو جاتا ہے۔ اس طرح معاشرہ کے افراد میں الفت و محبت کے رشتے مستحکم ہوتے ہیں اور ان کے دل نیک کام کرنے پر آمادہ اور چاق چوبند رہتے ہیں۔ دراصل اسلام اسلامی معاشرہ میں اسی چیز کو راسخ کرنا چاہتا ہے۔

لوگوں کے درمیان گھل مل کر رہتا ہے اور ان کی اذیتیں برداشت کرتا ہے

سچا اور اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے والا مسلمان لوگوں کے مابین گھل مل کر رہتا ہے اور ان کی اذیتیں برداشت کرتا ہے۔ اس لیے کہ وہ ایک بلند مشن اور کاز کا حامل' ایک پیغام کا علمبردار اور ایک دعوت کا مبلغ ہے' اور جو شخص اس اہم ذمہ داری کا بار اپنے کندھوں پر اٹھا لے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس مشن کے راستے میں اپنی جان قربان کر دے اور اس پیغام کی تبلیغ میں پہنچنے والی تکالیف اور اذیتوں پر صبر کرنے اور دعوت کے بار کا تحمل کرنے پر ہمہ وقت تیار رہے۔ مثلاً لوگوں کی تلخ و تند باتوں' برے اعمال' بدگمانیوں' یاوہ گوئیوں' تندخوئی' قبولیت حق میں سستی' باطل کی طرف میلان' مفاد کے گرد گردش اور ان کی طرف سے ظاہر ہونے والی ان مہمل باتوں پر صبر کرے جن پر کہ عام طور پر دعوت کے میدان میں کام کرنے والے دل تنگ ہو جاتے ہیں اور مایوس' رنجیدہ' کبیدہ خاطر اور عاجز ہو کر لوگوں سے الگ تھلگ گوشہ نشین ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے نبوی تعلیمات میں اہل ایمان کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے' ان کے دل مضبوط کیے گئے ہیں اور انہیں ثابت قدم رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔

چنانچہ حدیث میں صراحت ہے کہ دعوت کے پرخار اور طویل راستے میں صبر و تحمل سے کام لینے والے لوگ ان لوگوں سے بہتر ہیں جو صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ

➔ ترمذی۔ کتاب البر والصلة: باب ماجاء فی الشکر لمن احسن الیك (ح ۱۹۵۴' ۱۹۵۵)

دیتے ہیں۔ رسول اللہؐ نے فرمایا:

((اَلْمُوْمِنُ الَّذِیْ یُخَالِطُ النَّاسَ وَ یَصْبِرُ عَلَی اَذَاھُمْ خَیْرٌ مِنَ الَّذِیْ لَا یُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا یَصْبِرُ عَلَی اَذَاھُمْ))

''وہ مومن جو لوگوں کے درمیان گھل مل کر رہتا ہے اور ان کی اذیتوں پر صبر کرتا ہے اس شخص سے بہتر ہے جو لوگوں سے الگ تھلگ رہے اور ان کی اذیتوں پر صبر نہ کر سکے۔'' ①

رسول اللہ ﷺ اور آپ سے پیشتر انبیا لوگوں کے اوچھے پن' یاوہ گوئی اور افترا پردازی کو برداشت کرتے تھے۔ آج دعوت کے میدان میں کام کرنے والوں کو کتنی سخت ضرورت ہے کہ جب ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو' ان کے دل رنجیدہ اور ملول ہوں' اور اذیتیں اور پریشانیاں انہیں تھکا کر چور چور کر دیں' تو اس وقت وہ ان کا اسوہ اختیار کریں اور ان کے نقش قدم پر چلیں۔

اس عظیم صبر کے نمونوں میں سے ایک وہ روایت ہے جسے امام بخاری و امام مسلم ؒ نے روایت کیا ہے کہ: ''نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ مال غنیمت تقسیم کیا اور حسب سابق آپ نے بعض لوگوں کو تقسیم میں ترجیح دی۔ انصار میں سے ایک شخص نے کہا: ''اللہ کی قسم! اس تقسیم سے اللہ کی خوشنودی نہیں چاہی گئی ہے۔'' یہ ناشائستہ بات رسول کریم ﷺ تک پہنچی تو آپ پر بڑی شاق گزری۔ آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور آپ نے غصے کا اظہار کیا' پھر فرمایا:

((قَدْ اُوْذِیَ مُوْسَی بِاَکْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَصَبَرَ))

''اللہ تعالیٰ موسیٰ (علیہ السلام) پر رحم کرے' ان کو اس سے بھی زیادہ تکلیف دی گئی' مگر انہوں نے صبر کیا۔'' ②

---

① ترمذی۔ صفة القیامة: باب (۵۵) فی فضل مخالطة مع الصبر علی اذی الناس (ح ۲۵۰۷) ابن ماجه۔ کتاب الفتن: باب الصبر علی البلاء (ح ۴۰۳۲)

② بخاری۔ کتاب الادب: باب من اخبر صاحبه بما یقال فیه (ح ۶۰۵۹)
مسلم۔ کتاب الزکاة: باب اعطاء المولفة قلوبهم علی الاسلام (ح ۱۰۶۲)

انھی مختصر کلمات پر رسول کریم ﷺ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا' غیظ وغضب دور ہو گیا اور نیک' بردبار اور عفو و درگزر کرنے والا نفس خاموش اور پر سکون ہو گیا۔

یہی ہر زمانے میں اور ہر جگہ انبیاؑ اور سچے داعیوں کا کردار رہا ہے کہ وہ لوگوں کی اذیتوں' ان کی الزام تراشیوں اور خرافات پر صبر وتحمل سے کام لیتے رہے۔ اس کے بغیر نہ دعوت جاری رہ سکتی ہے اور نہ داعی ثابت قدم رہ سکتے ہیں۔

باشعور اور دینی تعلیمات سے آگہی رکھنے والا مسلمان لوگوں سے انسیت پیدا کرنے' ان کی خاطر داری اور دل جوئی کرنے اور اگر وہ بدزبان ہوں تو ان کے شر اور فحش گوئی سے بچنے میں مہارت سے کام لیتا ہے' مومن لوگوں کے ساتھ میل جول میں ہوشیاری اور عقل مندی سے کام لیتا ہے اور انہیں ذکاوت اور خوش اسلوبی سے مخاطب کرتا ہے کہ انہیں اس کی طرف سے نہ سختی و ترش روئی کا احساس ہوتا ہے' نہ درشتی و بدخلقی کا۔ مندرجہ ذیل حدیث سے رسول کریم ﷺ کے اسی کردار پر روشنی پڑتی ہے:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا:

''اسے آنے دو' یہ اپنی قوم میں بہت برا آدمی ہے۔'' پھر جب وہ آپ کے پاس آیا تو آپ نے اس سے بہت نرم انداز میں گفتگو فرمائی۔ (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ) میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! آپ نے پہلے تو اس شخص کے بارے میں یہ فرمایا کہ وہ اپنی قوم میں بہت برا آدمی ہے' پھر آپ نے اس سے بہت ہی نرم انداز میں گفتگو فرمائی؟'' آپ نے فرمایا:

((اَیْ عَائِشَۃُ: اِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْزِلَۃً عِنْدَ اللّٰہِ مَنْ تَرَکَہُ ' اَوْ وَدَعَہُ النَّاسُ اِتِّقَاءَ فُحْشِہِ))

''اے عائشہ! اللہ کے نزدیک سب سے برا آدمی وہ ہے جس کی فحش گوئی کی

وجہ سے لوگ اس سے نہ الجھیں۔'' ①

سیدنا ابودردا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((اِنَّا لَنَکْشِرُ فِیْ وُجُوْہِ اَقْوَامٍ، وَ اِنَّ قُلُوْبَنَا لَتَلْعَنُھُمْ))

''کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے سامنے تو ہم ہنس ہنس کر باتیں کرتے ہیں، مگر ہمارے دل ان پر لعنت کرتے ہیں۔'' ②

ضروری نہیں کہ تمام لوگ ہمیشہ داعی کے مزاج، اس کے رجحانات اور خواہشات پر پورے اتریں۔ بلکہ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کا کردار داعی کی خواہش و رغبت کے برخلاف ہوتا ہے۔ ایسے موقعوں پر داعی کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں کے رویہ پر صبر سے کام لے اور ان کے ساتھ معاملہ کرنے اور انہیں حق کی طرف مائل کرنے میں پوری دانائی اور مہارت سے کام لے۔

لوگوں کو خوش رکھتا ہے

باشعور اور دینی تعلیمات سے روشنی حاصل کرنے والا مسلمان جہاں بھی جاتا ہے خوشی و مسرت عام کرنے کی کوشش کرتا ہے اور وہاں موجود لوگوں میں انس و محبت اور خوشی و سرور پیدا کرنے کی سعی کرتا ہے۔ جواز کی حدود میں رہتے ہوئے لوگوں کو خوش کرنا اور ان کے دلوں میں خوشی و مسرت پیدا کرنا اسلام میں مطلوب و مستحسن ہے، شریعت نے اس پر اکسایا ہے اور ایسا کرنے کی ترغیب دی ہے۔ تاکہ مسلمانوں کے معاشرے میں محبت و مودت عام ہو، خوشی و مسرت کی ٹھنڈی اور جان فزا ہوائیں چلیں اور انبساط و شادمانی کی فضا پیدا ہو۔ اسی لیے حدیث میں صراحت ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے دلوں میں خوشی و مسرت پیدا کرے گا وہ قیامت میں اللہ جل جلالہ کی طرف سے اس سے بڑھ کر خوشی و مسرت سے سرفراز ہوگا۔ فرمایا:

① بخاری۔ کتاب الادب: باب مایجوز من اغتیاب اھل الفساد والریب (ح ۶۰۵۴)
مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب مداراة من یتقی فحشه (ح ۲۵۹۱)

② بخاری۔ کتاب الادب: باب المداراة مع الناس تعلیقا فی ترجمة الباب۔

((مَنْ لَقِیَ اَخَاہُ الْمُسْلِمَ بِمَا یُحِبُّ اللّٰہُ لِیَسُرَّہُ بِذٰلِكَ ' سَرَّہُ اللّٰہُ عَزَّ وَ جَلَّ یَوْمَ الْقِیَامَةِ))

''جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے ملے اور اس سے اللہ کی خوشنودی کی ایسی باتیں کرے کہ وہ خوش ہو جائے' قیامت میں اللہ عزوجل بھی اسے خوش کر دے گا۔'' ①

مسلمان بہت سے جائز کاموں سے اپنے بھائیوں کو خوش کر سکتا ہے۔ مثلاً اچھی بات' محبت آمیز مسکراہٹ' خوش کن و دلفریب ہنسی' تسلی بخش غم خواری' پر خلوص ملاقات' بے لوث عطیہ اور دیگر بہت سے کاموں سے دلوں میں محبت پیدا کی جا سکتی ہے اور حقد و کینہ اور نفرت کی کدورتوں کو دور کیا جا سکتا ہے۔

اس لیے مسلمان کی تربیت اور نشو ونما ہی اس نہج پر ہوتی ہے کہ وہ نیک اعمال کے دائرے میں گردش کرتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتا ہے اور لوگوں کا بھی محبوب اور منظور نظر ہو جاتا ہے۔

خیر کی طرف رہنمائی کرتا ہے

ان نیک اعمال میں سے جن سے سچا اور متقی مسلمان پہچانا جاتا ہے ''خیر کی طرف رہنمائی'' بھی ہے۔ چنانچہ وہ کسی سے خیر کو روک کر نہیں رکھتا اور نہ کوئی ایسی بات پوشیدہ رکھتا ہے جس میں لوگوں کی منفعت ہو۔ اس لیے کہ اس نے دینی تعلیمات سے یہ سیکھا ہے کہ جو شخص خیر کی طرف رہنمائی کرتا ہے اسے اس پر عمل کرنے والے کے بقدر اجر ملتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ دَلَّ عَلَی خَیْرٍ فَلَہُ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِہِ))

''جس نے خیر کی طرف رہنمائی کی اسے اس پر عمل کرنے والے کے مثل اجر ملے گا۔'' ②

---

① طبرانی فی الصغیر (۲/ ۱۴۷)

② مسلم۔ کتاب الامارۃ: باب فضل اعانة الغازی فی سبیل اللہ بمرکوب ←

یہی وجہ ہے کہ مسلمان خیر کو محض اپنے نفس تک محدود نہیں رکھتا۔ اس کے نزدیک خیر پر خود عمل کرنا اور دوسرے کی اس طرف رہنمائی کرنا دونوں برابر ہیں۔ اس لیے کہ دونوں حالتوں میں وہ اجر پاتا ہے۔ اس طرح معاشرہ میں خیر و بھلائی کا دور دورہ ہو جاتا ہے اور ہر شخص بغیر ایک دوسرے پر فخر و مباہات اور نمایاں ہونے کی خواہش کے بھلائی کے کام انجام دیتا ہے۔

مگر ان ہلاکت خیز نفسیاتی بیماریوں نے معاشروں کو بارہا خیر سے محروم رکھا ہے۔ اس لیے کہ جو لوگ ان نفسیاتی امراض میں مبتلا ہوتے ہیں ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ان بھلائی کے کاموں کو صرف وہی انجام دیں۔ لیکن ان کے حالات ان کی انجام دہی کی اجازت نہیں دیتے۔ چنانچہ وہ خیر پردۂ عدم میں رہتا ہے' لوگوں کے منافع معطل رہتے ہیں اور معاشرے اس خیر سے محروم رہتے ہیں۔ محض اس وجہ سے کہ بعض لوگوں نے اسے چھپائے رکھا اور اس انتظار میں رہے کہ موقع ملنے پر خود کر گزریں گے۔ لیکن بسا اوقات انہیں موقع نصیب نہیں ہوتا اور پوری عمر گزر جاتی ہے۔ اس طرح وہ خیر تنگ و تاریک ذہنوں میں مقید ہو کر رہ جاتی ہے۔

سچا مسلمان' جو ہر وقت اپنے رب کی خوشنودی اور اجر و ثواب کا خواہش مند ہوتا ہے' ان بیماریوں سے کوسوں دور رہتا ہے۔ اسے جیسے ہی کسی خیر کا علم ہوتا ہے وہ دوسروں کی اس طرف رہنمائی کرتا ہے اور اپنے رب کی بارگاہ میں اس خیر کے کرنے والے کے مثل اجر سے سرفراز ہوتا ہے۔

نرمی سے پیش آتا ہے اور سختی سے اجتناب کرتا ہے

متقی اور باشعور مسلمان نرمی سے پیش آتا ہے اور سختی و درشتی سے اجتناب کرتا ہے۔ اس لیے کہ اہل ایمان کا کردار یہ ہے کہ وہ تمام معاملات میں نرمی اور آسانی کو اختیار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے یہی پسند کیا ہے۔ ارشاد ہے:

← وغیرہ (ح ۱۸۹۳)

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرہ ۲/ ۱۸۵)

''اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے' سختی کرنا نہیں چاہتا۔''

تعلیمات نبوی میں بھی آسانی پیدا کرنے پر اکسایا گیا ہے اور سختی کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

((عَلِّمُوْا وَ يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا ، وَاِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ))

''لوگوں کو تعلیم دو' آسانی پیدا کرو' سختی نہ کرو' اور جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے چاہیے کہ خاموش ہو جائے۔''[1]

سختی کرنے اور معاملات کو پیچیدہ بنانے کا وہی شخص سہارا لیتا ہے جس کے اخلاق میں کجی' طبیعت میں تنگی اور تربیت میں نقص و خلل ہو۔ رہا وہ انسان جو باسلیقہ اور اسلامی آداب سے آراستہ ہو' وہ نہ سختی کرتا ہے نہ پیچیدگی چاہتا ہے اور نہ ہی معاملات میں رخنہ ڈالنے اور مفادات معطل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ رسول کریم ﷺ کی اس سیرت سے رہنمائی حاصل کرتا ہے جس کے بارے میں سیدہ عائشہ‬ؓ نے فرمایا ہے:

((مَا خُيِّرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ اَمْرَيْنِ قَطُّ اِلَّا اخْتَارَ اَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ اِثْمًا ، فَاِنْ كَانَ اِثْمًا كَانَ اَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ، وَ مَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِنَفْسِهِ فِيْ شَيْءٍ قَطُّ اِلَّا اَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللّٰهِ، فَيَنْتَقِمُ لِلّٰهِ تَعَالٰى))

''رسول اللہ ﷺ کو جب دو کاموں میں اختیار دیا جاتا تو جو کام ان میں سے آسان ہوتا اور اس میں کوئی گناہ بھی نہ ہوتا' اسے آپ اختیار فرماتے۔ لیکن اگر اس میں گناہ ہوتا تو اس سے دور رہتے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے نفس کے لیے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا' لیکن جب اللہ کی حرمتوں کی پامالی

[1] مسند احمد (۱/ ۲۸۳)

ہوتی تو آپ اللہ تعالیٰ کے لیے انتقام لیتے تھے۔“ ①

رسول اللہ ﷺ نے اپنی عمیق نگاہ سے اندازہ لگا لیا تھا کہ لوگوں میں ضعف پایا جاتا ہے، عزیمت، بلندی اور صبر کے اختیار کرنے میں ان کی صلاحیتیں متفاوت ہیں، اس لیے نرمی اور آسانی سے زیادہ کوئی شے ان کی طبیعتوں کے مناسب نہیں اور سختی و درشتی سے زیادہ کوئی شے انہیں اذیت پہنچانے اور نفرت دلانے والی نہیں۔ اسی لیے آپ نے حلال اور جائز کاموں کے دائرہ میں ہمیشہ نرمی اور آسانی اختیار فرمائی اور اسے مسلمانوں میں مسنون قرار دیا، تاکہ ان کی زندگیاں سختی کی خشکی، شدت اور بوجھ سے محفوظ رہیں۔

فیصلہ کرنے میں انصاف سے کام لیتا ہے

باشعور اور راست گو مسلمان جب فیصلہ کرتا ہے تو عدل و انصاف کو ملحوظ رکھتا ہے اور جادہ حق سے انحراف نہیں کرتا، خواہ کیسا ہی موقع و محل ہو اور کیسے ہی حالات ہوں۔ کیونکہ ظلم سے اجتناب اور انصاف اس کے دین اور عقیدے کے بنیادی اجزا میں سے ہے۔ قرآن کریم اور حدیث شریف کی قطعی نصوص میں اس کی صراحت آئی ہے اور اس کا صاف صاف حکم دیا گیا ہے جس میں کوئی رخصت یا اجتہاد کی گنجائش نہیں۔ رب العالمین فرماتا ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا، وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾ (النساء: ۴/ ۵۸)

”اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔“

مسلم فرد اور اسلامی معاشرہ جس عدل سے واقف ہیں وہ خالص و بے لوث اور

---

① بخاری۔ کتاب المناقب: باب صفة النبی ﷺ (ح ۳۵۶۰)
مسلم۔ کتاب الفضائل: باب مباعدته ﷺ للآثام واختیاره من المباح اسهله (ح ۲۳۲۷)

مفاد و منفعت سے پاک ہوتا ہے۔ دوستی یا دشمنی سے اس میں کوئی فرق نہیں آتا اور نہ ہی قرابت و نسب کے رشتے اس پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ فرمایا:

﴿يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ (المائدہ: ۵/ ۸)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو یہ تقویٰ (اللہ تعالیٰ سے ڈرنے) کے بہت قریب ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَى﴾ (الانعام خ ۶/ ۱۵۲)

''اور جو بات کہو انصاف کی کہو خواہ معاملہ اپنے رشتہ دار ہی کا کیوں نہ ہو۔''

رسول اللہ ﷺ نے اس وقت عدل کی ایک اعلیٰ مثال قائم کر دی جب آپ کی خدمت میں سیدنا اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہ) ایک مخزومی عورت کی (جس نے چوری کی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا عزم کر لیا تھا) سفارش لے کر آئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر آپ نے فرمایا:

((أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ يَا أُسَامَةُ؟ وَاللَّهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا))

''اے اسامہ! کیا تم اللہ کی حد میں سفارش کر رہے ہو؟ اللہ ذوالجلال کی قسم! اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی چوری کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔'' ①

① بخاری۔ کتاب الحدود: باب کراهیة الشفاعة فی الحد اذا رفع الی ←

یہ ہے وہ عام اور مطلق عدل جو بڑے چھوٹے، امیر فقیر، مسلم غیر مسلم ہر ایک پر نافذ ہوتا ہے، اس کی گرفت سے کوئی شخص آزاد نہیں۔ عدل کا یہی وہ مقام ہے جس سے اسلامی معاشرہ اور دیگر معاشروں کے راستے مختلف ہو جاتے ہیں۔

تاریخ نے عدل کے جن زریں واقعات کو محفوظ رکھا ہے اور زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ دنیا کی عدالتوں نے بڑے احترام کے ساتھ ان کی طرف کان لگایا ہے، ان میں سے ایک امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے:

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ قاضی شریح رحمہ اللہ کے سامنے اپنے حریف یہودی کے پہلو میں، جس نے ان کی زرہ چوری کی تھی، کھڑے ہوتے ہیں۔ امیر المومنین کا احترام و اکرام قاضی شریح رحمہ اللہ کو یہودی کے زرہ چوری کرنے پر گواہ طلب کرنے سے باز نہیں رکھتا۔ اور جب امیر المومنین کوئی گواہ نہیں پاتے تو قاضی یہودی کے حق میں اور امیر المومنین کے خلاف فیصلہ صادر کر دیتا ہے۔'' [1]

تاریخ اسلامی ایسی بے شمار مثالوں سے پر ہے جو اسلامی معاشرہ میں حق و عدل کی حکمرانی پر دلالت کرتی ہیں۔

اور ایسے ہی ایک سچا مسلمان اپنے اقوال و افعال میں عدل و انصاف سے کام لیتا ہے۔ کیوں کہ حق اس کی میراث ہے، عدل اس کے معاشرے میں جاگزیں اور پیوست ہے اور انصاف کو اس کے عقیدہ میں تقدس حاصل ہے۔

کسی پر ظلم نہیں کرتا

سچا مسلمان جس طرح عدل و انصاف پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہتا ہے اسی طرح ظلم سے بہت دور رہتا ہے۔ اس لیے کہ ظلم کا نتیجہ گھٹا ٹوپ تاریکیاں ہیں، جن

← السلطان (ح ۶۷۸۸)

مسلم۔ کتاب الحدود: باب قطع السارق الشریف وغیرہ (ح ۱۶۸۸)

[1] حلیۃ الاولیاء (۴/ ۱۳۹، ۱۴۰)

میں ظالم بھٹکتے اور ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں گے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِتَّقُوا الظُّلْمَ، فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

''ظلم سے بچو، کیونکہ ظلم کا نتیجہ قیامت میں گھٹا ٹوپ تاریکیاں ہیں۔'' [1]

مندرجہ ذیل حدیث قدسی میں کتنی خوب صورتی کے ساتھ ظلم سے منع کیا گیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ ظلم کو قطعی طور پر حرام قرار دیتا ہے کہ اس میں تاویل و اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں، جیسا کہ حدیث قدسی ہے کہ:

((يَا عِبَادِي إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي، وَ جَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا، فَلَا تَظَالَمُوا))

''اے میرے بندو! میں نے اپنے آپ پر ظلم کو حرام کر لیا ہے اور اسے تمہارے درمیان بھی حرام قرار دیا ہے۔ اس لیے باہم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔'' [2]

ظلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر حرام کر لیا ہے، جب کہ وہ خالق، شہنشاہ، قدوس، زبردست، جبار اور بڑائی اور پاکی والا ہے۔ اسی طرح اس نے اسے بندوں کے درمیان بھی حرام قرار دیا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی ممکن ہے کہ ظلم کا صدور کسی ایسے مسلمان سے ہو جو اس کے دین کی مضبوط رسّی کو تھامے ہوئے ہو؟

سچے مسلمان سے کبھی ظلم کا ارتکاب نہیں ہوتا، خواہ کیسے ہی اسباب و محرکات ہوں اور کیسے ہی حالات ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ نے مسلمانوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ، وَلَا يُسْلِمُهُ، وَ مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللّٰهُ فِي حَاجَتِهِ، وَ مَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَ مَنْ سَتَرَ

---

[1] مسلم۔ كتاب البر والصلة: باب تحريم الظلم (ح ۲۵۷۸)

[2] مسلم۔ حواله سابق (ح ۲۵۷۷)

مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے رسوا کرتا ہے۔ جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرے گا' اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرے گا۔ جو شخص مسلمان سے کوئی تکلیف دور کرے گا' اللہ تعالیٰ روز قیامت کی تکلیفوں میں سے اس سے ایک تکلیف دور فرمائے گا۔ جو کسی مسلمان کی ستر پوشی کرے گا' اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کی ستر پوشی فرمائے گا۔'' ①

رسول اللہ ﷺ نے سچے مسلمان سے صرف ظلم کی نفی پر اکتفا نہیں فرمایا' کہ اس کا تو اس سے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا' بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اپنے بھائی کو رسوا کرنے کی بھی نفی فرمائی ہے۔ کیونکہ اس کی رسوائی میں بھی ایک طرح کا ظلم ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس کی ضرورتیں پوری کرنے' اس کی تکلیفوں کا ازالہ کرنے اور اس کی ستر پوشی کرنے پر بھی اکسایا ہے۔ گویا کہ آپ اشارہ فرما رہے ہیں کہ ان فضائل سے پہلو تہی اور اعراض ظلم و تقصیر ہی ہے اور اس اخوت کی حق تلفی ہے جو مسلمانوں کے درمیان باہم پائی جاتی ہے۔

بلند مقاصد کو پیش نظر رکھتا ہے

سچا مسلمان اپنے معاشرتی تعلقات میں ہمیشہ بلند مقاصد کو پیش نظر رکھتا ہے اور ان تعلقات کو گھٹیا اغراض اور پست مفادات کی بنیاد پر استوار نہیں کرتا۔ اس لیے کہ اسے مہمل کاموں' پست مقاصد اور گھٹیا اغراض کے لیے فرصت نہیں' اور چونکہ اس کی تربیت اور نشوونما کتاب اللہ اور سنت رسول کی تعلیمات پر ہوتی ہے اس لیے وہ سنجیدگی اور وقار کو پسند کرتا ہے اور بے جا مذاق اور بے ہودگی کو ناپسند کرتا ہے' بلندی اور ارتقا کی طرف مائل ہوتا ہے اور پستی اور تنزلی سے نفرت کرتا ہے۔

---

① بخاری۔ کتاب المظالم: باب لا یظلم المسلم المسلم ولا یسلمه (ح ۲۴۴۲) مسلم۔ حواله سابق (ح ۲۵۸۰)

اللہ تبارک و تعالیٰ نے لوگوں کے لیے ایسا ہی اخلاق پسند فرمایا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں خبر دی ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ كَرِيمٌ يُحِبُّ الْكُرَمَاءَ ، وَ يُحِبُّ مَعَالِي الْاُمُوْرِ وَ يَكْرَهُ سَفْسَافَهَا))

''اللہ عز وجل کریم ہے اور نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے۔ بلند کاموں کو پسند کرتا ہے اور پست اور گھٹیا کاموں کو ناپسند کرتا ہے۔'' ①

مبالغہ آرائی اور تکلف سے گفتگو نہیں کرتا

اسی لیے باشعور مسلمان مبالغہ آرائی کرنے اور تکلف سے بنا بنا کر بولنے سے اجتناب کرتا ہے۔ وہ نمایاں ہونے کی خواہش میں یا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے بہ تکلف گفتگو نہیں کرتا۔ مبالغہ آرائی اور یاوہ گوئی باعمل مسلمان (جو بلند کاموں کو پسند کرتا ہے اور پست کاموں کو ناپسند کرتا ہے) کے اخلاق میں سے نہیں۔ یہ تو اس بے کار اور بے حیثیت انسان کے کردار میں پائی جاتی ہیں جس کا مقصد خود کو نمایاں کرنا، اپنی شخصیت کو ابھارنا اور لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانا ہوتا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے مبالغہ آرائی کرنے اور تکلف سے بنا بنا کر بولنے والوں پر سخت نکیر فرمائی ہے اور آپ کے بعد سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما نے بھی ان پر سخت نکیر کی ہے۔ یہاں تک کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((وَالَّذِي لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ مَا رَاَيْتُ اَحَدًا كَانَ اَشَدَّ عَلَى الْمُتَنَطِّعِينَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ، وَلَا رَاَيْتُ اَحَدًا اَشَدَّ عَلَيْهِمْ مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ اَبِي بَكْرٍ ، وَ اِنِّي لَا ظُنُّ عُمَرَ كَانَ اَشَدَّ اَهْلِ الْاَرْضِ خَوْفًا عَلَيْهِمْ ، اَوْلَهُمْ))

''اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے مبالغہ آرائی کرنے

① مستدرك حاكم (۱/ ۴۸) طبرانی فی الكبير (۶/ ۱۸۱، ح ۵۹۲۸)

اور تکلف سے بنا بنا کر بولنے والوں پر رسول اللہ ﷺ سے زیادہ سخت نکیر کرتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا' اور نہ آپ کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ ان پر نکیر کرتے ہوئے کسی کو دیکھا' اور میرا خیال ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ تمام لوگوں سے زیادہ ان پر سخت تھے' ان کے بارے میں خوف کرنے کی وجہ سے۔'' ①

کسی کی مصیبت پر خوش نہیں ہوتا

حقیقی مسلمان دوسروں کی مصیبت پر خوش ہونے' ان کی ہنسی اڑانے اور انہیں حقیر سمجھنے سے بھی احتراز کرتا ہے۔ اس لیے کہ کسی کی مصیبت پر خوش ہونا ایک پست' تکلیف دہ اور اذیت ناک خصلت ہے' جس سے اسلام نے منع کیا ہے اور اس میں مبتلا ہونے سے ڈرایا ہے۔

سچے مسلمان کے دل میں جو اسلامی روح اور اسلامی تعلیمات سے آسودہ اور سیراب ہوتا ہے ''کسی کی مصیبت پر خوشی'' کی کوئی جگہ نہیں ہوتی' بلکہ اگر کوئی شخص کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے تو اس کے ساتھ مہربانی اور شفقت سے پیش آتا ہے' اس کی تعزیت کرتا ہے اور اس کی مصیبت کو ہلکا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ دوسروں کی مصیبت پر خوشی کا اظہار تو وہ ''بیمار ذہنیت کے لوگ'' کرتے ہیں جو اسلام کی روح اور اس کی تعلیمات سے کوسوں دور رہتے ہیں اور جن کی پرورش انتقام' مکر و فریب' عیب جوئی' غیبت اور تکلیف دہی کی بنیادوں پر ہوتی ہے۔

سخی اور فیاض ہوتا ہے

حقیقی مسلمان جو اپنے دین کی تعلیمات سے روشنی حاصل کرتا ہے اور پورے صدق و اخلاص سے ان پر عمل کرتا ہے اور انہیں اپنے نفس پر نافذ کرتا ہے' وہ سخی اور فیاض ہوتا ہے' اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہوتے ہیں' وہ مختلف مناسبتوں اور مختلف مواقع پر اپنے ہم جنسوں پر پوری دریا دلی اور فیاضی سے خرچ کرتا ہے۔

① طبرانی فی الکبیر ۱۰/ ۳۶۷' (ح ۱۰۳۶۹) مسند ابو یعلی ۸/ ۴۳۷' (ح ۵۰۲۲)

انفاق کرتے ہوئے اسے پورا یقین اور ایمان ہوتا ہے کہ اس کے عطایا اور بخششیں ضائع اور رائگاں نہیں جائیں گی' بلکہ ان کا اجر علیم وخبیر ذات کے پاس محفوظ ہوگا' جیسے کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾ (البقرہ : ۲/ ۲۷۳)

''جو کچھ مال تم خرچ کرو گے وہ اللہ سے پوشیدہ نہ رہے گا۔''

اپنا مال خرچ کرتے ہوئے وہ یہ ایمان رکھتا ہے کہ وہ جو کچھ خرچ کرتا ہے اس کا اسے بہت زیادہ نفع اور خیر کثیر ہوگا اور اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت دونوں میں اس کا کئی گنا اجر عطا فرمائے گا' جیسے کہ فرمایا:

﴿مَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ (البقرہ : ۲/ ۲۶۱)

''جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں' ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانا بویا جائے اور اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ اسی طرح اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے افزونی (بڑھوتری' اضافہ و برکت) عطا فرماتا ہے۔ وہ فراخ دست بھی ہے اور علیم بھی۔''

نیز فرمایا:

﴿وَمَا أَنفَقْتُم مِّن شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ﴾ (سبا : ۳۴/ ۳۹)

''اور جو کچھ تم خرچ کر دیتے ہو اس کی جگہ وہی تم کو اور دے دیتا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ وَمَا تُنفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ﴾ (البقرہ : ۲/ ۲۷۲)

''اللہ کے رستے میں جو مال تم لوگ خرچ کرتے ہو وہ تمہارے اپنے لیے

بھلا ہے۔ آخر تم اسی لیے تو خرچ کرتے ہو کہ اللہ کی رضا حاصل ہو۔ تو جو کچھ مال تم اللہ کے رستے میں خرچ کرو گے اس کا پورا پورا اجر تمہیں دیا جائے گا اور تمہاری حق تلفی ہرگز نہ ہوگی۔''

سچا مسلمان جب اپنا مال خرچ کرتا ہے تو اسے پورا یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے عوض میں مال میں برکت' اضافہ اور اس کا نعم البدل عطا فرمائے گا' اور اگر اس نے مال کے لالچ میں بخشش و انفاق سے ہاتھ روکے رکھا تو اللہ تعالیٰ اس کے مال میں کمی اور گھاٹا کر کے اور اسے تلف کر کے آزمائے گا۔ مندرجہ ذیل حدیث شریف میں اس بات کی بہت ہی عیاں تصویر کشی کی گئی ہے' فرمایا:

((مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيهِ إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ، فَيَقُولُ أَحَدُهُمَا: اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا، وَ يَقُولُ الْآخَرُ: اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكاً تَلَفًا))

''روزانہ صبح کے وقت دو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک کہتا ہے: ''اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا نعم البدل عطا فرما'' دوسرا کہتا ہے: ''اے اللہ! بچا بچا کر رکھنے والے کے مال کو تلف فرما۔'' [1]

حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((أَنْفِقْ يَا ابْنَ آدَمَ يُنْفَقْ عَلَيْكَ))

''اے ابن آدم! خرچ کر' تجھ پر بھی خرچ کیا جائے گا۔'' [2]

لہٰذا اپنے رب پر ایمان و یقین رکھنے والے مسلمان کے دل میں کبھی یہ شک پیدا ہی نہیں ہوتا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے مال میں کمی آتی ہے۔ کیونکہ صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا بلکہ مال کو بڑھاتا ہے' جیسے کہ ارشاد رسول ہے:

((مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ))

---

[1] بخاری۔ کتاب الزکاۃ: باب قول اللہ تعالیٰ (فاما من اعطی واتقی) (ح ۱۴۴۲)

[2] بخاری۔ کتاب النفقات: باب فضل النفقۃ علی الاھل (ح ۵۳۵۲)

مسلم۔ کتاب الزکاۃ۔ باب الحث علی النفقۃ و تبشیر المنفق بالخلف (ح ۵۹۳)

''صدقہ سے کبھی مال میں کمی نہیں آتی......''①

اللہ کی خوشنودی کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے اس کے ثواب کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس پر کئی گنا زیادہ بے حساب اجر سے نوازتا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی راہ میں خرچ کیے ہوئے مال ہی کو درحقیقت باقی رہنے والا قرار دیا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

((مَا بَقِيَ مِنهَا؟ قَالَتْ: مَا بَقِيَ اِلَّا كَتِفُهَا' قَالَ: بَقِيَ كُلُّهَا غَيرَ كَتِفِهَا))

''نبی کریم کے ہاں ایک بکری ذبح اور تقسیم کی گئی۔ آپ نے دریافت کیا: ''باقی کیا بچا ہے؟'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''دستی کے علاوہ کچھ نہیں بچا۔'' فرمایا: ''دستی کے علاوہ سب کچھ بچ گیا ہے۔''②

رسول اللہ ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ کرم وسخاوت کی فضیلت لوگوں کے دلوں میں راسخ ہو جائے اور اس کا شمار ان فضائل میں ہونے لگے جن سے آراستہ پیراستہ ہونے اور باہم منافست کرنے کے لیے لوگ سبقت کرتے ہیں۔ آپ کے اس ارشاد سے اس کی تصدیق ہوتی ہے:

((لَا حَسَدَ اِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهُ عَلٰى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ' وَ رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ حِكْمَةً فَهُوَ يَقْضِيْ بِهَا وَيُعَلِّمُهَا))

''قابل رشک تو دو ہی طرح کے آدمی ہیں: ایک وہ جسے اللہ مال عطا فرمائے اور وہ اسے اللہ کی راہ میں لٹائے۔ دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ حکمت سے نوازے اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دے۔''③

---

① مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب استحباب العفو والتواضع (ح ۲۵۸۸)

② ترمذی۔ کتاب صفة القيامة: باب (۳۳) قوله ﷺ في الشاة (ح ۲۴۷۰)

③ امام ترمذیؒ نے روایت کیا اور فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ''دستی کے علاوہ سب کچھ بچ گیا ہے۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ دستی کے علاوہ سارا گوشت اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا گیا ہے' اس لیے ←

رسول کریم ﷺ نے حق کے راستے میں مال خرچ کرنے اور ''حکمت'' سے فیصلہ کرنے اور اس کی تعلیم دینے' دونوں کو برابر قرار دیا اور فرمایا کہ صرف انھی دو خصلتوں میں ''حسد'' یعنی رشک کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ حق کے راستے میں خرچ کرنے کا مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں گہرا اثر اور بیش بہا فائدہ ظاہر ہوتا ہے۔ مال زندگی کا ایک اہم حصہ ہے اور اسے حق کی راہ میں خرچ کرنا یقیناً ایک بڑا عمل ہے جس کی عبقریت اور عظمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ حکمت اور اس سے لوگوں کی منفعت سے کسی طرح کم نہیں۔

اس لیے باشعور مسلمان اپنے مال کو بصیرت کے ساتھ ایسی جگہوں پر خرچ کرتا ہے جس سے اسے خیر' ثواب اور اجر حاصل ہو۔ وہ نہ تو سارا کا سارا مال خرچ کر کے اپنے ورثا کو اس سے محروم کر دیتا ہے اور ان پر ظلم کرتا ہے' اور نہ ہی انہیں خیر کے کاموں میں خرچ کرنے سے روکے رکھتا ہے اور بچا بچا کر جمع کرتا رہتا ہے' بلکہ وہ شریعت کی تعلیم اور اس کے تابندہ مقاصد کے مطابق دونوں حالتوں میں اعتدال اور میانہ روی سے کام لیتا ہے۔ وہ مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے مقابلے میں ورثہ کے لیے بچا کر رکھنے کو پسند نہیں کرتا' بلکہ اللہ کے راستے میں خرچ کیا ہوا مال اس کے نزدیک میراث میں چھوڑے ہوئے مال سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہوتا ہے۔ اس لیے کہ پہلی قسم کا مال ہی دراصل اس کے نامہ اعمال میں باقی رہنے والا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے:

((اَیُّکُمْ مَالُ وَارِثِهِ اَحَبُّ اِلَیْهِ مِنْ مَالِهِ؟ قَالُوا: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ' مَا مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا مَالُهُ اَحَبُّ اِلَیْهِ۔ قَالَ: فَاِنَّ مَالَهُ مَا قَدَّمَ ' وَ مَالَ وَارِثِهِ مَا اَخَّرَ))

← اس کا اجر آخرت میں محفوظ ہو گیا۔

بخاری۔ کتاب العلم: باب الاغتباط فی العلم والحکمۃ (ح ۷۳)

مسلم۔ کتاب صلاۃ المسافرین: باب فضل من یقوم بالقرآن و یعلمه (ح ۸۱۶)

(نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا:) ''تم میں سے کسی کو اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال پسند ہے؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! ہم میں سے ہر شخص کو صرف اپنا مال محبوب ہوتا ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''آدمی کا اپنا مال وہ ہے جو اس نے آگے بھیج دیا اور وارث کا مال وہ ہے جو اس نے پیچھے چھوڑ دیا۔'' ①

جود وکرم اسلام کے افضل اخلاق اور مسلمانوں کے بہترین شمائل و اوصاف میں سے ہے۔ اسی لیے جب ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا کہ اسلام میں کون سی چیز بہتر ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

((تُطْعِمُ الطَّعَامَ ، وَ تَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَ مَنْ لَمْ تَعْرِفْ))

''یہ کہ تم کھانا کھلاؤ اور سلام کرو خواہ پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو۔'' ②

لیکن جود وسخا کا یہ مطلب بھی نہیں کہ آدمی سارا کا سارا مال خرچ کر دے اور کچھ بھی بچا کر نہ رکھے کہ اس کے ورثا اس سے یکسر محروم ہو جائیں۔ اسلام میں تمام کاموں میں توازن اور کمال پایا جاتا ہے۔ اس کے کسی پہلو میں زیادتی اور کسی میں کمی نہیں ہوتی۔ جس طرح خیر کے کاموں میں انفاق ایک اہم فریضہ ہے، ٹھیک اسی طرح اولاد کا خیال رکھنا، انہیں حقارت اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچانا اور ان کی عزت و کرامت کو محفوظ رکھنا بھی فرض ہے۔ حجۃ الوداع کے سال سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اتنے سخت بیمار ہوئے کہ مرنے کے قریب پہنچ گئے۔ نبی کریم ﷺ ان کی عیادت کو تشریف لائے تو سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے ان سے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میرے پاس بہت مال ہے اور میری وارث صرف میری

---

① بخاري۔ كتاب الرقاق: باب ما قدم من ماله فهوله (ح ۶۴۴۲)

② بخاري۔ كتاب الايمان: باب اطعام الطعام من الاسلام (ح ۱۲)

مسلم۔ كتاب الايمان: باب بيان تفاضل الاسلام وای اموره افضل (ح ۳۹)

بیٹی ہے۔ کیا میں اپنا دو تہائی مال صدقہ کر دوں؟''

آپ نے فرمایا: ''نہیں۔''

انہوں نے عرض کیا:

انہوں نے عرض کیا: ''تو آدھا؟''

فرمایا: ''نہیں۔''

انہوں نے عرض کیا: ''تو ایک تہائی؟''

فرمایا: ''ہاں! ایک تہائی صدقہ کرو۔ ایک تہائی بہت ہے۔''

پھر اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّكَ اِنْ تَرَكْتَ وَلَدَكَ اَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ اَنْ تَتْرُكَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ ، وَ اِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً اِلَّا اُجِرْتَ عَلَيْهَا ، حَتَّى اللُّقْمَةَ تَرْفَعُهَا اِلٰى فِيِّ اَمْرَاَتِكَ))

''تم اپنی اولاد کو مال دار چھوڑو، یہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ ان کو محتاج چھوڑو کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ تم جو کچھ خرچ کرو گے اس پر اجر پاؤ گے۔ یہاں تک کہ اس لقمے پر بھی اجر کے مستحق ہو گے جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے۔'' [1]

رسول کریم ﷺ بے لوث اور پر خلوص سخاوت اور فیاضی کی زندہ مثال تھے۔ آپ ﷺ نے کبھی عطا و بخشش سے اپنا ہاتھ نہیں روکا اور نہ ہی کبھی کسی سائل کو واپس کیا۔ صحابی رسول سیدنا جابر رضی اللہ عنہ آپ کی اس صفت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((مَا سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شَيْئًا قَطُّ ، فَقَالَ: لَا))

''رسول اللہ ﷺ سے جب بھی کسی نے کچھ مانگا تو آپ نے کبھی ''نہیں'' کا

---

[1] بخاری۔ کتاب الوصایا: باب ان یترك ورثته اغنیاء خیر من ان یتكففوا الناس (ح ۲۷۴۲)

مسلم۔ کتاب الوصیة بالثلث (ح ۱۶۲۸)

لفظ نہیں فرمایا۔'' ①

نبی اکرم ﷺ کو پوری طرح احساس تھا کہ انسانوں کے دلوں میں مال کا کتنا اثر ہے۔ چنانچہ آپ اسے ان کی تالیف قلب اور انہیں اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے ایک ذریعہ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ آپ دعوت کی صف میں نئے لوگوں کا اضافہ کرنے کے راستے میں کثیر مال خرچ کرنے کو زیادہ نہیں سمجھتے تھے۔ آپ کو بخوبی معلوم تھا کہ یہ شخص جو شروع شروع میں مال کے لالچ میں اسلام قبول کر رہا ہے' جلد ہی جب وہ اسلامی تعلیمات کی گہرائی میں جائے گا تو اسلام کو صدق دل سے قبول کر لے گا اور سب سے پختہ ایمان اور اچھے اسلام والا بن جائے گا۔

جلیل القدر صحابی سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

((مَا سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى الْإِسْلَامِ شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ ، وَلَقَدْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَأَعْطَاهُ غَنَمًا بَيْنَ جَبَلَيْنِ ، فَرَجَعَ إِلَى قَوْمِهِ فَقَالَ: يَا قَوْمِ أَسْلِمُوْا ! فَإِنَّ مُحَمَّدًا يُعْطِيْ عَطَاءً مَنْ لَا يَخْشَى الْفَقْرَ۔ وَإِنْ كَانَ الرَّجُلُ لَيُسْلِمُ مَا يُرِيْدُ إِلَّا الدُّنْيَا ، فَمَا يَلْبَثُ إِلَّا يَسِيْرًا حَتَّى يَكُوْنَ الْإِسْلَامُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَ مَا عَلَيْهَا))

''اسلام لانے کے بعد جس کسی نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ مانگا' آپ نے اسے ضرور دیا۔ ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا تو آپ نے اسے بکریوں کا اتنا بڑا ریوڑ دے دیا جو دو پہاڑوں کے درمیان آئے۔ وہ اپنی قوم میں واپس آیا تو کہنے لگا: ''اے لوگو! اسلام لے آؤ۔ محمد (ﷺ) تو اس شخص کی طرح دیتے ہیں جسے فقر و فاقہ کا کچھ خوف نہیں ہوتا۔'' بعض لوگ محض دنیا کے لیے اسلام قبول کرتے تھے' مگر جلد ہی اسلام ان کے نزدیک دنیا اور دنیا

---

① بخاری۔ کتاب الادب: باب حسن الخلق والسخاء (ح ۶۰۳۴)
مسلم۔ کتاب الفضائل: باب فی سخائه ﷺ (ح ۲۳۱۱)

کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہو جاتا تھا۔'' ①

رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں جو کچھ آتا آپ اسے لوگوں میں تقسیم فرما دیتے اور اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے کچھ بچا کر نہ رکھتے۔ آپ کے لیے یہی کافی تھا کہ مال کو اس کے مستحقین تک پہنچا دیں' جس سے کہ سخت دلوں کے بند دروازے کھل جائیں اور دلوں میں جود و سخا کی خصلت جاگزیں ہو جائے۔ آپ نے ایک مرتبہ اپنی سخاوت کی ایک بہترین اور اعلیٰ مثال بیان فرمائی۔ جسے روایت کرتے ہوئے سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوۂ حنین سے واپس آ رہا تھا۔ راستے میں کچھ اعراب آپ سے لپٹ گئے اور آپ سے مانگنے لگے۔ یہاں تک کہ آپ مجبور ہو کر ایک ببول کے درخت کے سائے میں آ گئے۔ درخت میں آپ کی چادر اٹک گئی۔ آپ ٹھہر گئے اور فرمایا:

((اَعْطُوْنِیْ رِدَائِیْ ' فَلَوْ كَانَ لِیْ عَدَدُ هٰذِهِ الْعِضَاهِ نَعَمًا لَقَسَمْتُهٗ بَيْنَكُمْ ' ثُمَّ لَا تَجِدُوْنِیْ بَخِيْلًا وَلَا كَذَّابًا وَلَا جَبَانًا))

''مجھے میری چادر دے دو۔ اگر میرے پاس ان خار دار درختوں کے برابر بھی اونٹ ہوتے تو میں انہیں تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا۔ پھر تم مجھے بخیل' جھوٹا اور بزدل نہ پاتے۔'' ②

سخاوت کا یہ طرز جسے رسول اللہ ﷺ اپناتے تھے' بے لوث جود و سخا کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ جو اغراض' خواہشات اور شبہات سے مبرا و منزہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے زندگی میں نافذ اور جاری و ساری کر کے ثابت کر دیا کہ یہ انسانیت کا اعلیٰ نمونہ ہے' جس تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور اگر انسان کے دل میں ایمان کی عظیم حقیقت روشن ہو جائے تو وہ اس کی بلندیوں تک پہنچ سکتا ہے اور اس راہ کے بلند مقامات حاصل کر سکتا ہے۔

---

① مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۲۳۱۲)

② بخاری۔ کتاب الجهاد: باب الشجاعة فی الحرب والجبن (ح ۲۸۲۱)

چنانچہ انسان کو جتنا زیادہ اللہ سے قرب حاصل ہوگا اتنا ہی اس میں سخاوت و کرم کا جذبہ موجزن ہوگا' اور جب اسے ان نعمتوں کا احساس ہوگا جنہیں اللہ تعالیٰ نے سخی و فیاض' کشادہ دست اور اس کی راہ میں خرچ کرنے والے لوگوں کے لیے تیار کر رکھا ہے تو وہ مزید سخا و عطا اور بخشش و انفاق کرے گا' اور جتنا اللہ سے اس کا تعلق مضبوط ہوگا اتنا ہی وہ سخاوت کے ثمرات اور اجر کا احساس رکھے گا اور اسی کے بقدر پوری فراخ دلی اور کشادہ دستی سے خرچ کرے گا۔ رمضان میں جناب جبرئیل علیہ السلام سے ملاقات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حال ہوتا تھا۔ ملاء اعلیٰ سے تعلق کے تکرار اور اعادہ کی وجہ سے اس مبارک مہینا میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت و فیاضی میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ سیدنا جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رمضان کے مہینے میں ہر رات ملتے تھے۔ چنانچہ آپ کے قلب مبارک میں خیر و انفاق کے معانی جاگزیں ہو جاتے تھے اور آپ مزید فضل و احسان' فیاضی و دریا دلی اور جود و سخا کرنے لگتے تھے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ ' وَ كَانَ اَجْوَدَ مَا يَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ حِيْنَ يَلْقَاهُ جِبْرِيْلُ ' وَكَانَ جِبْرِيْلُ يَلْقَاهُ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ ' يَعْرِضُ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ الْقُرْآنَ ' فَإِذَا لَقِيَهُ جِبْرِيْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ))

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ سخی و فیاض تھے اور سیدنا جبرئیل علیہ السلام سے ملاقات کے وقت تو آپ اور بھی سخاوت کرنے لگتے تھے۔ سیدنا جبرئیل علیہ السلام آپ سے رمضان کی ہر رات ملاقات کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے قرآن کا دورہ کرتے۔ جب سیدنا جبرئیل علیہ السلام آپ سے ملتے تو آپ (بارش لانے والی) تیز ہوا سے بھی زیادہ سخاوت کرتے۔''[1]

---

[1] بخاری۔ کتاب المناقب: باب صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ح ۳۵۵۴)

اس لیے جب ہم دیکھتے ہیں کہ قرن اول کے مسلمان سخاوت کے اس بلند معیار سے قریب تر تھے تو ہمیں کوئی تعجب نہیں ہوتا۔ ان میں سے کوئی اپنا تمام مال و اسباب اللہ کریم کی راہ میں لٹا دیتا' جیسا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا۔ کوئی اپنا نصف مال خرچ کر دیتا' جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کیا۔ کوئی اپنے مال سے پورے پورے لشکر کو سامان جنگ فراہم کرتا جیسا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا۔ کوئی اپنی نفیس ترین اور بیش بہا چیزیں اللہ کریم کی راہ میں قربان کر دیتا' جیسا کہ سیدنا ابودحداح رضی اللہ عنہ نے کیا کہ انہوں نے اپنا بہترین باغ اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا' اور جب ان کی بیوی کو یہ معلوم ہوا تو اس نے خندہ روئی اور ہنس مکھ چہرے سے کہا:

((رَبِحَ الْبَیْعُ یَا اَبَا الدَّحْدَاحِ))

''نفع کا سودا ہے اے ابودحداح!''

ان کے علاوہ بھی بہت سے فیاض لوگوں کے واقعات ملتے ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی پر آخرت کی زندگی کو ترجیح دی اور اپنی دولت اور اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی اللہ کی راہ میں خرچ کر دی۔ اس لیے کہ انہوں نے اللہ عزوجل کے ساتھ سچا عہد کیا تھا اور مضبوط اور ابدی تعلق قائم کیا تھا۔ چنانچہ وہ ان حقیقتوں پر ایمان لاتے تھے' پھر انہیں اپنی زندگی میں عملاً نافذ کرتے تھے۔ وہ محض زبان سے جود و سخاوت کا تذکرہ کرنے' اس کی تحسین و تعریف کرنے اور اس کے تذکرہ سے متاثر ہونے پر اکتفا نہیں کرتے تھے' جیسا کہ آج کے بیشتر اغنیا کا حال ہم دیکھتے ہیں۔

آج کے مال داروں میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کروڑ پتی اور ارب پتی ہیں۔ اگر وہ اپنے مال سے دریا دلی اور فیاضی سے نہ بھی خرچ کریں' صرف مال کی زکوٰۃ ادا کر دیں تو معاشرہ سے غریبی کا یکسر خاتمہ ہو جائے۔ لیکن یہ لوگ یہ جانتے ہوئے بھی کہ زکوٰۃ اسلام کا ایک اہم فریضہ اور رکن ہے' سخاوت و فیاضی تو کیا' زکوٰۃ ادا کرنے سے بھی باز رہتے ہیں۔ اگر کبھی دل میں بات آئی تو کسی عید یا تہوار کے موقع

← مسلم۔ کتاب الفضائل: باب جودہ صلی اللہ علیہ وسلم (ح ۲۳۰۸)

پر ''چند سکے'' غریبوں میں تقسیم کر دیتے ہیں یا بعض اسلامی ممالک میں غریبوں میں روٹی اور کھانا تقسیم کرا دیتے ہیں۔

جب سادہ لوح لوگ ان کے دروازے پر غریبوں اور فقر و فاقہ کے مارے ہوئے لوگوں کی بھیڑ دیکھتے ہیں جو ان چند ''ٹکڑوں'' کو حاصل کرنے کے لیے جمع ہو جاتے ہیں' تو ان کی سخاوت و فیاضی کے قصیدے پڑھتے ہیں اور انہیں بہت بڑا سخی اور دریا دل سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ان سادہ لوح لوگوں کو نہیں معلوم کہ یہ کروڑ پتی لوگ جو کچھ خرچ کرتے ہیں' وہ اس مال کا انتہائی قلیل حصہ ہوتا ہے جو ان پر زکوۃ میں فرض ہوتا ہے۔ یہ لوگ جو لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے ''چند سکے'' ان پراگندہ اور تباہ حال فقرا کی طرف پھینک دیتے ہیں اور اللہ کی اطاعت اور اس کی راہ میں انفاق کا دکھاوا کرتے ہیں' ان کا حال سارے جہاں کے رب پر' جو اغنیا اور فقرا سب کا رب ہے' مخفی نہیں ہے۔ وہ اس کی پکڑ اور اس کے عقاب سے نہ بچ سکیں گے۔ ایسے لوگ اس ارشاد باری تعالیٰ کے ذیل میں آتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ﴾ (التوبہ: ۹/ ۳۴، ۳۵)

''دردناک سزا کی خوش خبری دو' ان لوگوں کو جو سونے اور چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ ایک دن آئے گا کہ اسی سونے چاندی پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی اور پھر اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں' پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا:) یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا۔ لو' اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزا چکھو۔''

مال داروں کا یہ گروہ جس نے غیر اسلامی اقتصادی نظام کے زیر سایہ دولت جمع

کر لی ہے' وہ مسلمانوں کے ممالک میں بائیں بازو کے نظاموں اور اصولوں کے درآمد ہونے کا بنیادی سبب ہیں' جو کہ حرص و لالچ اور استحصال کے فلسفہ اور الٰہی تعلیمات سے دوری کی بنیاد پر مبنی ہیں۔ اگر یہ گروہ اپنے مال میں اللہ کا حق پہچانتا اور اس میں بغیر کمی کیے ہوئے پورا پورا ادا کرتا تو مسلمانوں کے معاشرہ میں ان لوگوں کا سرے سے وجود ہی نہ ہوتا جو ''سرخ کمیونزم'' یا ''مزین اشتراکیت'' کی طرف دعوت دینے کی جرأت کرتے ہیں۔ اور نہ ہی طبقاتی حقد و کینہ پیدا ہوتا جس سے فائدہ اٹھا کر بائیں بازو کی پارٹیوں نے بعض ممالک میں اشتراکی نظام حکومت قائم کر دیا ہے' اور اس طرح ان سرمایہ داروں کا اور ان کے کارخانوں اور کمپنیوں کا تختہ پلٹ دیا ہے' ان کے تمام سرمایہ پر قبضہ کرلیا ہے اور ان کے خزانے خالی کر دیے ہیں۔

کشادگی' عزت' فراخی اور خوش حالی کے زمانے میں ان ظالم سرمایہ داروں کا حال یہ تھا کہ بسا اوقات غریب مزدور کی ہفتہ وار یا ماہانہ معمولی سی مزدوری میں نصف ''لیرا'' (روپیہ) بھی اضافہ کرنے پر تیار نہیں ہوتے تھے' اس خوف سے کہ کہیں ان کے منافع (Profit) میں کمی نہ آ جائے۔ یہی نہیں بلکہ معمولی سی زیادتی کے مطالبہ پر ہنگامہ کھڑا کر دیتے تھے۔ دوسری طرف ان ہزاروں روپیوں سے آنکھیں بند کر لیتے تھے جنہیں ان کے بیٹے تھیٹر' سینما اور رقاصی کی محفلوں میں فاحشہ عورتوں کے قدموں میں بے تحاشا خرچ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض پورے تھیٹر کو صرف اپنے لیے ریزرو کرا لیتے تھے' تاکہ تن تنہا اس میں رقص کرنے والی حسین دوشیزاؤں سے متمتع اور لطف اندوز ہوں۔

اسلامی معاشرہ میں نہ مال دار غریب پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی غریب مال دار سے کینہ رکھتا ہے۔ کیونکہ مال دار سخی اور فیاض ہوتا ہے۔ وہ اپنے مال میں غریب کا حق جانتا ہے۔ چنانچہ اس کی حق تلفی نہیں کرتا اور نہ اس کی امداد اور اس کا تعاون کرنے' اسے عطیہ دینے اور اس کے ساتھ انصاف کرنے سے پہلوتہی کرتا ہے۔ اسی طرح فقیر بھی مال دار کی طرف محض اس وجہ سے کہ وہ مال دار ہے' حقد و کینہ اور نفرت کی نگاہ

سے نہیں دیکھتا ہے۔ اسلامی معاشرہ میں مال دار اپنا مال حرام طریقوں سے جمع نہیں کرتا' بلکہ محنت و مشقت' کد و کاوش' جانفشانی و جفاکشی اور جدوجہد سے حلال اور جائز کمائی کے راستے سے حاصل کرتا ہے۔ اسلامی معاشرہ نے اپنے زیر سایہ رہنے والے لوگوں کو ''جائز اصولوں پر مبنی پر امن مواقع سے فائدہ اٹھانے'' کا جو اصول دیا ہے وہ غریب کے لیے محنت و جانفشانی کر کے مال دار بننے کا میدان وسیع رکھتا ہے۔ راستہ ہر ایک کے لیے کھلا ہے۔ ہر بلند پرواز' نشیط' اولو العزم اور عالی ہمت شخص اسے اپنا سکتا ہے۔ اس لیے حقد و کینہ' حسد اور انتقام کی خواہش کا کوئی محرک نہیں ہوتا۔ اور اسلامی معاشرہ میں' جو محبت و اخوت کی بنیادوں پر قائم ہوتا ہے' حقد و کینہ رکھنے والوں اور انتقام کے لیے موقع تلاش کرنے والوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو انفاق کی تعلیم دیتے تھے' انہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر اکسایا کرتے تھے اور ان کے دلوں سے مال کی محبت نکالنے کی کوشش کرتے تھے۔ تاکہ مال لوگوں کے درمیان منقسم رہے اور ان کی زندگیوں میں خوش حالی و فارغ البالی چھائی رہے اور جمع شدہ مال جمع کرنے والے کے لیے روز قیامت نحوست' عذاب اور اللہ کی ناراضی کا ذریعہ نہ بن جائے۔ اس سلسلہ میں رسول کریم ﷺ اسوۂ حسنہ اور اعلیٰ نمونہ تھے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ بقیع کی طرف جا رہے تھے۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ آپ سے جا ملے۔ چلتے ہوئے راستے میں آپ نے ان سے فرمایا:

((اِنَّ الْمُكْثِرِيْنَ هُمُ الْمُقِلُّوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ' اِلَّا مَنْ قَالَ هٰكَذَا وَ هٰكَذَا فِیْ حَقٍّ))

''یقیناً دنیا میں مال و دولت جمع کرنے والے قیامت کے دن تہی دست ہوں گے' سوائے ان لوگوں کے جو پوری فیاضی سے مناسب جگہوں پر خرچ کریں۔''

پھر اُحد پہاڑ دکھائی دیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوذر!'' سیدنا ابو

ذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''اے اللہ کے رسول! لبیک وسعدیک' میں آپ پر قربان جاؤں (آپ کیا فرماتے ہیں؟'') فرمایا:

((مَا يَسُرُّنِي اَنَّ اُحُدًا لِآلِ مُحَمَّدٍ ذَهَبًا ' فَيُمْسِي عِنْدَهُمْ دِيْنَارٌ ' اَوْ قَالَ' مِثْقَالٌ))

''مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس احد کے مثل سونا ہو اور شام ہوتے ہوتے ان کے پاس ایک دینار بھی بچ جائے۔'' (یا فرمایا: ''ایک مثقال بچ جائے'')[1]

حقیقی مسلمان سخی ہوتا ہے' خواہ کتنا ہی غریب ہو اور اس کے پاس کتنا ہی کم مال ہو۔ اسلامی تعلیمات کی بنا پر اس کے دل میں اپنے سے غریب لوگوں کے لیے رحم کا جذبہ پایا جاتا ہے اور وہ دوسروں کی تکلیف اور محرومی کا احساس رکھتا ہے۔ اسی لیے نصوص میں فقرا کو حسب استطاعت معمولی انفاق پر اکسایا گیا ہے۔ تاکہ ان کے دل اپنے بھائیوں سے وجدانی اور شعوری مشارکت کی تراوٹ سے سیراب رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تنگی اور ناداری کے باوجود انفاق کرنے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کے صدقے میں اضافہ کرے گا اور انہیں پروان چڑھائے گا' یہاں تک کہ وہ بلند پہاڑ کے بقدر ہو جائیں گے۔ بشرطیکہ وہ حلال کمائی سے ہوں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ ' وَلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ اِلَّا الطَّيِّبَ' فَاِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُهَا بِيَمِيْنِهِ ' ثُمَّ يُرَبِّيْهَا لِصَاحِبِهَا كَمَا يُرَبِّي اَحَدُكُمْ فُلُوَّهُ ' حَتّٰى تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ))

''جو شخص اچھی کمائی سے ایک کھجور کے بقدر بھی صدقہ کرے گا...... اور اللہ تعالیٰ صرف اچھی کمائی ہی کا صدقہ قبول کرتا ہے...... تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے داہنے ہاتھ سے قبول کرے گا' پھر اسے اس کے مالک کے لیے پروان

---

[1] بخاری۔ کتاب الاستئذان: باب من اجاب بلبیك و سعیدك (ح ۶۲۶۸)
مسلم۔ کتاب الزکاۃ: باب الترغیب فی الصلاۃ (ح ۹۴۳۲)

چڑھائے گا' جس طرح ایک شخص اپنے گھوڑے کے بچے کو پالتا اور پروان چڑھاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ صدقہ پہاڑ کے مثل ہو جائے گا۔" ①

رسول اللہ ﷺ نے اس مقصد سے کہ دلوں کے دروازے بند نہ ہو جائیں' معاشرہ میں شعوری و وجدانی مشارکت مفقود نہ ہو جائے اور خیر و بھلائی' رحم و کرم' شفقت و مہربانی اور باہمی ہمدردی کے سوتے خشک نہ ہو جائیں' لوگوں کو ہر حال میں انفاق کی دعوت دی' خواہ وہ کتنے ہی مفلس اور نادار ہوں' اور انہیں سلبیت' تنگدلی اور بخل سے ڈرایا' کیونکہ اس میں ہلاکت' تباہی اور عذاب ہے۔ فرمایا:

((اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ))

"جہنم کی آگ سے بچو' خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی صدقہ کر کے۔" ②

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ مسلمان اپنے معاشرہ میں تعمیر' منفعت اور خیر و بھلائی کا عنصر ہو' ہمیشہ لوگوں میں خیر و بھلائی عام کرے اور انہیں اپنے فضل و احسان سے نوازے' خواہ غنی ہو یا فقیر۔ اسی لیے نبوی تعلیمات میں مسلمان کو قدرت و طاقت اور وسائل و امکانات کے بقدر نیک عمل کرنے پر اکسایا گیا ہے' اور اس کے ہر نیک عمل کو صدقہ قرار دیا گیا ہے۔ جیسے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے۔"

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "اے اللہ کے نبی! جس شخص کے پاس صدقہ کرنے کو کچھ نہ ہو وہ کیا کرے؟"

فرمایا: "اپنے ہاتھ سے کمائے۔ خود بھی فائدہ اٹھائے اور صدقہ کرے۔"

---

① بخاري- كتاب الزكاة: باب الصدقة من كسب طيب (ح ١٤١٠)
مسلم- كتاب الزكاة: باب قبول الصدقة من الكسب الطيب و تربيتها (ح ١٠١٤)

② بخاري- كتاب الزكاة: باب اتقوا النار ولو بشق تمرة والقليل من الصدقة (ح ١٤١٧)
مسلم- كتاب الزكاة: باب الحث على كل مسلم صدقة فمن لم يجد فليعمل بالمعروف (ح ١٤٤٥)

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو؟''

فرمایا: ''حاجت مند اور مصیبت زدہ کی مدد کرے۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو؟''

فرمایا: ''نیکی کرے اور برائی سے رکا رہے کہ یہ بھی صدقہ ہے۔'' ①

اسلام نے نیک اعمال کے دائرہ کو بہت وسیع کر دیا ہے' تاکہ ہر مسلمان ان کے کرنے پر قادر ہو سکے اور مفلس و نادار کو یہ احساس نہ ہو کہ وہ مال سے تہی دست ہونے کی وجہ سے معاشرہ میں نیک کاموں میں مشارکت سے محروم ہے۔ اسلام نے اس کے لیے اس مشارکت کے دروازے کھول دیئے' ہر نفع پہنچانے والے عمل کو صدقہ قرار دیا جس پر اسے اسی طرح ثواب ملے گا جس طرح مال دار کو انفاق پر ثواب ملے گا۔ فرمایا:

((كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ))

''ہر نیکی صدقہ ہے۔'' ②

اس طرح اسلام نے معاشرہ کی تعمیر' خدمت اور ارتقا میں تمام افراد کی مشارکت کی ضمانت دی' اور اس مشارکت کے ذریعے سے' جس سے انسان کی حیثیت متعین ہوتی ہے' عزت و کرامت کی حفاظت ہوتی ہے اور اجر و ثواب ملتا ہے' تمام لوگوں کے دلوں میں راحت' سرور اور خوشی پیدا کی۔

اسلام نے مسلمانوں کے ساتھ حقیقت پسندی اور رحم و ہمدردی کا معاملہ کیا کہ انہیں مالا یطاق (ناقابل عمل) کا مکلّف نہیں بنایا۔ ان سے صرف ضرورت سے زائد مال کے انفاق کا مطالبہ کیا اور بقدر کفاف روک لینے والوں پر ملامت نہیں کی' بلکہ ان

---

① بخاری۔ کتاب الزکاۃ: باب علی کل مسلم صدقة فمن لم یجد فلیعمل بالمعروف (ح ۱۴۴۵)

مسلم۔ کتاب الزکاۃ: باب بیان ان اسم الصدقة یقع علی کل نوع من المعروف (ح ۱۰۰۸)

② بخاری۔ کتاب الادب: باب کل معروف صدقة (ح ۶۰۲۱)

کے لیے یہ چیز بہتر قرار دی کہ وہ اپنی ضرورتیں بذاتِ خود پوری کریں۔ کیوں کہ اسلام میں اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔ البتہ جو ضرورت سے زائد ہو اس کے خرچ کرنے کا شمار جود و سخاوت میں منافست اور مسابقت کے ضمن میں ہوتا ہے۔ سچا مسلمان خیر کے کاموں میں مال خرچ کرنے سے نہیں رکتا۔ کیونکہ دین کی تعلیمات سے اس نے یہ جانا ہے کہ مال خرچ کرنا بہتر ہے اور اسے روک کر رکھنا برا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

((یَا بْنَ آدَمَ اِنَّکَ اِنْ تَبْذُلِ الْفَضْلَ خَیْرٌ لَکَ ' وَ اِنْ تُمْسِکْهُ شَرٌّ لَکَ ' وَلَا تُـلَامُ عَلٰی کَفَافٍ وَ ابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ ' وَالْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِنَ الْیَدِ السُّفْلٰی))

''اے ابن آدم! اگر تو اپنے فاضل مال کو خرچ کرے گا تو یہ تیرے حق میں بہتر ہے۔ اگر تو اسے بچا بچا کر رکھے گا تو یہ تیرے لیے برا ہے۔ بقدر ضرورت روکنے میں کوئی ملامت نہیں۔ خرچ کی ابتدا اس سے کرو جس کی کفالت کرتے ہو۔ اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔'' [1]

باشعور اور ذکی و فہیم مسلمان کے ہاتھ میں جب اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضرورت سے زائد کوئی شے آتی ہے تو وہ اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور صدقہ کرنے سے نہیں چوکتا' وہ اسے بچا بچا کر نہیں رکھتا۔ (جیسا کہ لوگ احتیاطاً مستقبل میں فقر سے بچنے کے لیے یا مال داری میں ترقی کی منازل طے کرنے کے لیے بینک بیلنس کرتے رہتے ہیں۔) بلکہ دینی تعلیمات کی روشنی میں وہ یہ سمجھتا ہے کہ ایسے موقع پر اس کا صدقہ تمام صدقات میں سب سے افضل ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے۔ فرماتے ہیں: ''ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! کون سا صدقہ اجر کے لحاظ سے افضل ہے؟'' فرمایا:

((اَنْ تَصَدَّقَ وَاَنْتَ صَحِیْحٌ شَحِیْحٌ تَخْشَی الْفَقْرَ ' وَ تَأْمُلُ

[1] مسلم۔ کتاب الزکاۃ: باب بیان ان الید العلیا خیر من الید السفلٰی (ح ۱۰۳۶)

الْغِنٰی ـ وَلَا تُمْهِلُ حَتّٰی اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتَ لِفُلَانٍ كَذَا وَلِفُلَانٍ كَذَا ، وَ قَدْ كَانَ لِفُلَانٍ))

''وہ صدقہ جسے تم ایسی حالت میں دو کہ تندرست ہو، مال کی حرص رکھتے ہو، فقر سے ڈرتے ہو اور دولت کی امید رکھتے ہو پھر ڈھیل نہ دو، یہاں تک کہ روح حلق کو پہنچ جائے تو کہنے لگو کہ فلاں کے لیے اتنا ہے، فلاں کے لیے اتنا ہے۔ حالانکہ وہ تو فلاں کے لیے (یعنی تمہارے ورثا کے لیے) ہو چکا۔'' (یعنی اب تم نہ بھی کہو تو انہوں نے تیرے مرنے کے بعد لے ہی لینا ہے۔) ①

سچا اور سخی مسلمان عطا و بخشش اور سخاوت خصوصاً ان لوگوں پر کرتا ہے جو تعاون، مدد اور اعانت کے مستحق ہوتے ہیں۔ وہ ان نادار اور محتاج مسکینوں کو تلاش کرتا ہے جو لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے اور ان سے باصرار مانگنے سے گریز کرتے ہیں، جس کی وجہ سے لوگ انہیں مال دار سمجھتے ہیں۔ وہ ان لوگوں کے پاس جاتا ہے، ان کے دروازے کھٹکھٹاتا ہے اور انہیں ان کا حق پہنچاتا ہے، جس سے ان کی ضرورت پوری ہوتی ہیں اور یوں ان کی عزت و شرافت کی حفاظت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ یہی دست سوال دراز کرنے سے احتراز کرنے والے مساکین بخشش و عطا کے زیادہ مستحق ہیں۔ انھی کے بارے میں رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

((لَيْسَ الْمِسْكِيْنُ الَّذِيْ تَرُدُّهُ التَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ ، وَلَا اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ ، اِنَّمَا الْمِسْكِيْنُ الَّذِيْ يَتَعَفَّفُ))

''مسکین وہ نہیں جسے ایک کھجور یا دو کھجوریں یا ایک لقمہ یا دو لقمے پلٹا دیں۔ بلکہ مسکین وہ ہے جو مانگنے سے احتراز کرے۔'' ②

---

① بخاری۔ کتاب الزکاۃ: باب فضل الصدقۃ الشحیح الصحیح (ح ۱۴۱۹) مسلم۔ کتاب الزکاۃ: باب بیان ان افضل الصدقۃ صدقۃ الصحیح الشحیح (ح ۱۰۳۲)

② بخاری۔ کتاب التفسیر سورۃ البقرۃ: باب (لایسالون الناس الحافًا) (ح ۴۵۳۹) مسلم۔ کتاب الزکاۃ: باب المسکین الذی لایجد غنی (ح ۱۰۳۹)

صحیحین کی ایک روایت میں ہے:

((لَيْسَ الْمِسْكِينُ الَّذِي يَطُوفُ عَلَى النَّاسِ تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ ، وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ ، وَلٰكِنَّ الْمِسْكِينَ الَّذِي لَا يَجِدُ غِنًى يُغْنِيهِ ، وَلَا يُفْطَنُ بِهِ فَيُتَصَدَّقَ عَلَيْهِ ، وَلَا يَقُومُ فَيَسْأَلُ النَّاسَ))

''مسکین وہ نہیں جو لوگوں میں گھومتا پھرے' اور ایک لقمہ یا دو لقمے اور ایک کھجور یا دو کھجوریں اس کو پلٹا دیں۔ بلکہ مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ اس کی ضرورتیں پوری ہو سکیں' نہ اس کے فقر و محتاجی کا پتا چلے کہ اسے لوگ صدقہ دیں اور نہ ہی وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔''[1]

اسی طرح فراخ دل اور فیاض مسلمان یتیم پر بھی صدقہ کرتا ہے' اگر ممکن ہو تو اس کی کفالت کرتا ہے' اس کا خرچ برداشت کرتا ہے اور اس کے معاملات سے دلچسپی لیتا ہے' خواہ وہ یتیم اس کا قریبی ہو یا اس سے دور کا تعلق ہو' اور وہ جو کچھ اس راہ میں خرچ کرتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اجر و ثواب کی امید رکھتا ہے کہ جس نے یتیم کی کفالت کرنے والے کے لیے وہ بلند مقام تیار کر رکھا ہے جس کی بلندی کا اندازہ لگانا مشکل ہے اور جس کے سامنے تمام خوش کن تمنائیں ہیچ ہیں۔ ہاں! اس نے اس جنت میں یتیم کی کفالت کرنے والے کو رسول کریمؐ کی زبان پر آپ کے جوار کا شرف عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَنَا وَ كَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا وَ أَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى وَ فَرَّجَ بَيْنَهُمَا))

---

[1] بخاری۔ کتاب الزکاۃ: باب قول اللہ عز و جل لا یسالون الناس الحافا (ح ۱۴۷۹)

مسلم۔ حوالہ سابق۔

''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔ یہ فرماتے ہوئے آپ نے کلمہ (شہادت) کی انگلی اور بیچ کی انگلی سے اشارہ کیا اور ان میں کچھ کشادگی دکھائی۔'' (۱)

اسی طرح فضل و احسان کرنے والا اور سخی مسلمان دین کی محکم تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اور رب کی خوشنودی اور رضا جوئی چاہتے ہوئے بیوہ اور مسکین کی خبر گیری کرتا ہے اور اس عظیم ثواب کی امید رکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ بیوہ اور مسکین کی خبر گیری کرنے والے کو عطا کرے گا۔ حتیٰ کہ اس کا ثواب روزہ رکھنے والے' نمازیں پڑھنے والے اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے اجر کے برابر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے:

((اَلسَّاعِیُ عَلَی الْاَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِیْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاَحْسِبُهُ قَالَ: وَ كَالْقَائِمِ الَّذِیْ لَا یَفْتُرُ ' وَكَالصَّائِمِ الَّذِیْ لَا یُفْطِرُ))

''بیوہ اور مسکین کی خبر گیری کرنے والا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔'' (راوی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ) میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا: ''اور مسلسل نمازیں پڑھنے والے اور مسلسل روزے رکھنے والے کی طرح ہے۔'' (۲)

یہ ہیں نیکی کے وہ راستے جنہیں سخی اور انفاق کرنے والا مسلمان اختیار کرتا ہے اور ان کے ذریعے سے اپنے رب کی خوشنودی اور ثواب کی آرزو رکھتا ہے۔ یہ ہیں وہ نیک اعمال جن سے بندے کو اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے۔ نہ کہ ان دعوتوں سے

---

(۱) بخاری۔ کتاب الادب: باب فضل من یعول یتیما (ح ۶۰۰۵)

(۲) بخاری۔ کتاب النفقات: باب فضل النفقة علی الاهل (ح ۵۳۵۳؛
مسلم۔ کتاب الزهد: باب فضل الاحسان الی الارملة والمسکین والیتیم (ح ۲۹۸۲)

جو مال داروں اور ذی وجاہت لوگوں کو دی جاتی ہیں، جن میں بے تحاشا دولت خرچ کی جاتی ہے، جس کا مقصد محض شہرت، وجاہت اور وقتی فائدہ ہوتا ہے۔ ایسی دعوتوں کی رسول اللہ ﷺ نے مذمت کی ہے۔ کیوں کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مقصود نہیں ہوتی۔ آپ نے فرمایا:

((بِئْسَ الطَّعَامُ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ، يُدْعَى إِلَيْهَا الأَغْنِيَاءُ وَ يُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ))

''بد ترین کھانا اس ولیمہ کا کھانا ہے جس میں امیروں کو بلایا جائے اور غریبوں کو چھوڑ دیا جائے۔'' (۱)

بیوہ و مسکین کی خبر گیری کرنے، یتیم کی کفالت کرنے اور اس کے ساتھ فضل و احسان کا برتاؤ کرنے سے عظیم ثواب حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ دینے والے کے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے، اس کی انسانیت پروان چڑھتی ہے، دل میں رقت طاری ہوتی ہے، وہ بخشش و عطا کی حلاوت محسوس کرنے لگتا ہے، شفقت و محبت کے احساس سے لذت حاصل کرتا ہے اور نیک کام کے ذریعے سے سعادت حاصل کرتا ہے۔ اسی لیے رسول اکرم ﷺ ''سخت دلوں'' کو فضل و احسان کرنے پر آمادہ کرتے تھے، تاکہ ان میں رقت آئے اور ہمدردی و مہربانی، نرمی و تراوٹ اور محبت و شفقت کی آمیزش ہو۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی سنگ دلی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا:

((امْسَحْ رَأْسَ الْيَتِيمِ، وَأَطْعِمِ الْمِسْكِينَ))

''یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرو اور مسکین کو کھانا کھلاؤ۔'' (۲)

---

(۱) بخاری۔ کتاب النکاح: باب من ترك الدعوة فقد عصى الله و رسوله (ح ۵۱۷۷)

مسلم۔ کتاب النکاح: باب الامر باجابة الداعی الی الدعوة (ح ۱۴۳۲)

(۲) مسند احمد (۲/ ۳۸۷)

جن لوگوں پر خرچ کرتا ہے ان پر احسان نہیں جتاتا

متقی اور باشعور مسلمان کو جب اللہ تعالیٰ اپنے راستے میں انفاق وصدقہ کی توفیق عطا فرماتا ہے تو وہ لوگوں پر احسان نہیں جتاتا اور اس کی آرزو ہوتی ہے کہ اسکا شمار ان لوگوں میں ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَا اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَا اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (البقرہ: ۲/ ۲۶۲)

''جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کر کے پھر احسان نہیں جتاتے، نہ دکھ دیتے ہیں۔ ان کا اجران کے رب کے پاس ہے اوران کے لیے کسی رنج وخوف کا موقع نہیں۔''

اس پر یہ بات مخفی نہیں ہوتی کہ احسان جتانے اور تکلیف پہنچانے سے بڑھ کر عمل کو باطل کرنے اور صدقہ کا ثواب ضائع کرنے والی کوئی چیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو احسان جتانے سے منع کیا ہے اور ڈرایا ہے کہ اس سے صدقات بے کار اور نیکیاں بے حیثیت ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان اسے پوری طرح آگاہ کر دیتا ہے اور اس کے وجود کو جھنجھوڑ دیتا ہے اور اسے احسان جتلانے یا اذیت پہنچانے کے بارے میں سوچنے سے بھی باز رکھتا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى﴾

(البقرہ: ۲/ ۲۶۴)

''اے ایمان لانے والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر خاک میں نہ ملا دو۔''

غریب انسان پر، جسے ضرورت نے صدقہ قبول کرنے پر مجبور کر دیا ہو، احسان جتلانا اس کی انسانیت کی توہین، اس کی عزت کی ہتک اور اس کی قدر ومنزلت کی رسوائی

ہے' اور اسلامی شریعت میں یہ سب حرام ہے۔ کیوں کہ اس کی نظر میں صدقہ دینے والا اور صدقہ قبول کرنے والا دونوں بھائی ہیں' ان کے درمیان کوئی فرق و امتیاز نہیں۔ اگر کوئی امتیاز وفضیلت ہوسکتی ہے تو تقویٰ اور عمل صالح کی بنیاد پر۔ اور ایک بھائی اپنے دوسرے بھائی پر احسان نہیں جتلاتا نہ اذیت پہنچاتا ہے اور نہ ہی اس کی عزت و کرامت کو داغ دار کرتا ہے۔ اسی لیے اس حدیث میں جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' احسان جتلانے والے کے لیے سخت وعید آئی ہے۔ ایسے شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بد بخت لوگوں کے زمرہ میں شمار کیا ہے جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام فرمائے گا' نہ ان کی طرف نظر اٹھائے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور انہیں دردناک عذاب دیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا:

((ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ ، وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ، وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ، قَرَاَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ: خَابُوْا وَ خَسِرُوْا ، مَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ: اَلْمُسْبِلُ ، وَالْمَنَّانُ ، وَالْمُنْفِقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلْفِ الْكَاذِبِ))

''تین اشخاص ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات کرے گا' نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تین مرتبہ فرمایا) تو سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یہ لوگ تو برباد و ناکام ہو گئے۔ وہ کون لوگ ہیں اے اللہ کے رسول؟'' فرمایا: (''ٹخنوں سے نیچے) کپڑے لٹکانے والا' احسان جتلانے والا' جھوٹی قسمیں کھا کر سودا بیچنے والا۔''[1]

---

[1] مسلم۔ کتاب الایمان: باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار والمن بالعطیة (ح ۱۰۶) یعنی اپنا پائجامہ' تہبند اور کپڑا تکبر سے ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا۔ اگر ذہن میں متکبرانہ سوچ نہ بھی ہو تو پھر بھی ٹخنوں سے کپڑا نیچے لٹکانا منع ہے اور اس پر سخت وعید ہے۔

مہمان نواز ہوتا ہے

یہ چیز بدیہی اور عیاں ہے کہ سچا مسلمان، جس کی روح جود وسخا کی حقیقتوں سے سیراب ہوتی ہے، مہمان نواز ہوتا ہے، مہمان کے آنے سے خوش ہوتا ہے، اس کے اکرام و اعزاز کی طرف لپکتا ہے اور اپنے اندرون میں پائے جانے والے اس پاکیزہ اسلامی اخلاق پر لبیک کہتا ہے جس کا سرچشمہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان ہے:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ))

''جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔'' ①

گویا مہمان کی عزت کرنے والا اپنے عمل سے ثابت کرتا ہے کہ وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ اسی لیے اس عزت اور اکرام کو حدیث میں ''انعام'' سے تعبیر کیا گیا ہے جو مہمان کو دیا جاتا ہے۔ گویا یہ مہمان کا شکریہ ہے کہ اس نے میزبان کو نیک عمل کا موقع دیا جس سے اس کے ایمان کا تحقق ہوتا ہے اور اس کا رب خوش ہوتا ہے۔ رسول رحمت ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ جَائِزَتَهُ، قَالُوْا: وَمَا جَائِزَتُهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ: يَوْمُهُ وَ لَيْلَتُهُ، وَالضِّيَافَةُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ، فَمَا كَانَ وَرَآءَ ذٰلِكَ فَهُوَ صَدَقَةٌ))

''جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کی عزت کرے اور اس کا انعام دے۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! اس کا انعام کیا ہے؟'' فرمایا: ''ایک دن ایک رات پر تکلف مہمانی کرے۔ ویسے مہمان نوازی تین دن تک ہے۔ اس سے زائد صدقہ ہے۔'' ②

---

① بخاری۔ کتاب الادب: باب من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلا یوذ جارہ (ح ۶۰۱۸)
مسلم۔ کتاب الایمان: باب الحث علی اکرام الجار والضیف (ح ۴۷)

② بخاری۔ حوالہ سابق (ح ۶۰۱۹)
مسلم۔ کتاب اللقطۃ: باب الضیافۃ و نحوھا (ح ۱۴/ ۴۸)

اسلام میں مہمان نوازی سچے مسلمان کا پسندیدہ اور محبوب عمل ہے جس پر اسے ثواب ملتا ہے۔ اسلام نے مہمان نوازی کے کچھ آداب بتلائے ہیں اور اس کے کچھ حدود متعین کیے ہیں۔ مہمان کا انعام ایک دن ایک رات ہے۔ اس کے بعد ضیافت کا فریضہ آتا ہے جس کی مدت تین دن ہے۔ اور اگر اس سے زائد ہو تو وہ صدقہ ہے جو سخی اور مہمان نواز شخص کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔

اسلام میں مہمان نوازی کوئی اختیاری فعل نہیں ہے جو لوگوں کے مزاج' نفسیات اور شخصی اجتہادات کے تابع ہو' بلکہ یہ ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اس پر لازم ہے کہ اگر کوئی رات میں اس کا دروازہ کھٹکھٹائے' یا اس کے گھر آئے تو وہ اس کی مہمان نوازی اور خاطر و مدارات کرے:

((لَيْلَةُ الضَّيْفِ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ ' فَمَنْ اَصْبَحَ بِفِنَائِهِ فَهُوَ دَيْنٌ عَلَيْهِ فَاِنْ شَاءَ اقْتَضَاهُ ' وَاِنْ شَاءَ تَرَكَهُ))

''رات میں آنے والے شخص کی مہمان نوازی ہر مسلمان پر واجب حق ہے۔ البتہ اگر کوئی صبح آئے تو اس کی مہمان نوازی اس پر قرض ہے۔ اب اگر (مہمان) چاہے تو اس کا تقاضا کرے اور چاہے تو چھوڑ دے۔'' ①

رہے وہ لوگ جو مہمان کے آنے پر تنگ دل ہو جاتے ہیں اور اس پر اپنے دروازے بند کر لیتے ہیں' ان میں کوئی خیر نہیں۔ جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا خَيْرَ فِيْمَنْ لَا يُضِيْفُ))

''جو شخص مہمان نوازی نہ کرے اس میں کوئی خیر نہیں۔'' ②

اسلام نے مہمان نوازی کو ہر مسلمان پر واجب قرار دیا ہے اور اسے مہمان کا حق

---

① ابوداود۔ کتاب الاطعمة: باب ماجاء فی الضیافة (ح ۳۷۵۰)
ابن ماجه۔ کتاب الادب: باب حق الضیف (ح ۳۶۷۷)

② مسند احمد (۴/ ۱۵۵)

شمار کیا ہے جس کی ادائیگی میزبان پر فرض ہے' جس میں کوتاہی مسلمان کے لیے مناسب اور شایانِ شان نہیں۔ اور اگر لوگوں کے دلوں میں لالچ گھر کر لے' یہاں تک کہ وہ مہمان کا حق ادا کرنے سے گریز کریں تو اسلام نے مہمان کو اجازت دی ہے کہ ان سے اپنا حق وصول کر لے۔ امام بخاری و امام مسلم رحمہما اللہ اور دیگر محدثین نے سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' فرماتے ہیں' میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! آپ ہمیں بھیجتے ہیں تو راستے میں ہمیں ایسے لوگوں کے یہاں ٹھہرنا پڑتا ہے جو ہماری مہمان نوازی نہیں کرتے۔ ایسے موقع پر آپ ہمیں کیا کرنے کا حکم دیتے ہیں؟'' آپؐ نے فرمایا:

((اِنْ نَزَلْتُم بِقَوْمٍ فَاُمِرَ لَكُمْ بِمَا يَنْبَغِى لِلضَّيْفِ فَاقْبَلُوا ' فَاِنْ لَمْ يَفْعَلُوا فَخُذُوا مِنْهُمْ حَقَّ الضَّيْفِ الَّذِى يَنْبَغِى لَهُمْ))

''اگر تم ایسے لوگوں کے یہاں ٹھہرو اور وہ تمہارے ساتھ ویسا ہی معاملہ کریں جیسا مہمان کے ساتھ کیا جاتا ہے تو ان کی میزبانی قبول کر لو' اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو تم خود ان سے مہمان کا حق وصول کر لو جو ان پر عائد ہوتا ہے۔''[1]

مہمان نوازی اسلام کے عمدہ اخلاق میں سے ہے۔ اسی لیے کوئی مسلمان' جس کا اسلام بہتر ہو' مہمان نوازی میں بخل نہیں کر سکتا۔ خواہ اس کی اقتصادی حالت جیسی بھی ہو۔ اس لیے کہ اسلام نے تعلیم دی ہے کہ دو آدمیوں کا کھانا تین آدمیوں کے لیے کافی ہے اور تین آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کے لیے کافی ہے۔ اس لیے اگر اچانک کوئی مہمان آ پہنچے تب بھی کوئی پریشانی نہیں۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((طَعَامُ الِاثْنَيْنِ ' كَافِى الثَّلَاثَةِ ' وَ طَعَامُ الثَّلَاثَةِ كَافِى الْاَرْبَعَةِ))

''دو آدمیوں کا کھانا تین آدمیوں کے لیے کافی ہے اور تین آدمیوں کا کھانا

---

[1] بخاری۔ کتاب الادب: باب اکرام الضیف خدمته ایاه بنفسه (ح ۶۱۳۷)

چار آدمیوں کے لیے کافی ہے۔''[۱]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الِاثْنَيْنِ ، وَطَعَامُ الِاثْنَيْنِ يَكْفِي الْاَرْبَعَةَ ، وَ طَعَامُ الْاَرْبَعَةِ يَكْفِي الثَّمَانِيَةَ))

''ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کے لیے کافی ہے' دو آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کے لیے کافی ہے اور چار آدمیوں کا کھانا آٹھ آدمیوں کے لیے کافی ہے۔''[۲]

سچا مسلمان کھانے پر زیادہ لوگوں کے جمع ہو جانے سے نہیں ڈرتا' جس طرح کہ مغرب کا انسان ڈرتا ہے' کہ اگر کوئی شخص اچانک آ پہنچے جس کے لیے پہلے سے کھانا تیار نہ کیا گیا ہو تو اسے کھانے میں شریک نہیں کرتا۔ اس کے برعکس مسلمان اچانک آ جانے والے مہمان کا استقبال کرتا ہے' اسے اپنے کھانے میں شریک کرتا ہے اور اسی طرح اگر اس کے پیٹ کے حصہ سے چند لقمے کم ہو جائیں تو اس کو گراں نہیں سمجھتا۔ اس لیے کہ بھوکا رہ جانا سچے مسلمان کے نزدیک مہمان سے اعراض کرنے اور منہ موڑنے سے بہتر ہے' کہ جس کی عزت کرنے کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے۔ ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ ایک آدمی کے کھانے میں برکت عطا فرماتا ہے کہ وہ دو آدمیوں کے لیے کافی ہو جاتا ہے اور دو آدمیوں کے کھانے میں برکت عطا فرماتا ہے کہ وہ چار آدمیوں کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح علیٰ ہذا القیاس...... یہاں اس قابل نفرت خشکی اور بے رخی کا کوئی محرک نہیں ہوتا جس میں مادی تمدن کا پروردہ' مغربی طرز کا انسان' خواہ وہ مشرق کا رہنے والا ہو یا مغرب کا' مبتلا ہے۔

---

[۱] بخاری۔ کتاب الاطعمة: باب طعام الواحد یکفی الاثنین (ح ۵۳۹۲)
مسلم۔ کتاب الاشربة: باب فضیلة المواساة فی الطعام القلیل (ح ۲۰۸۵)

[۲] مسلم۔ حواله سابق (ح ۲۰۵۹)

ہمارے سلف صالحین نے مہمان نوازی کی ایک اعلیٰ مثال قائم کی، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کو بھی مہمان نوازی کے سلسلہ میں ان کا عمل پسند آیا۔ جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے (جس کی تخریج امام بخاری وامام مسلم رحمہما اللہ نے کی ہے):

''ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اپنی بیویوں کے پاس کہلا بھیجا (کہ جو کچھ کھانا ہو بھیج دو۔) سب نے جواب دیا کہ ''ہمارے پاس پانی کے سوا کچھ نہیں۔'' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا: ''اس شخص کی کون مہمان نوازی کر سکتا ہے؟'' ایک انصاری نے عرض کیا: ''میں۔'' پھر وہ اسے اپنے گھر لے گئے اور اپنی بیوی سے کہا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان کی خاطر تواضع کرو۔'' بیوی نے کہا: ''میرے پاس بچوں کے کھانے کے علاوہ کچھ نہیں۔'' انہوں نے کہا: ''چراغ درست کر لینا اور بچوں کو جب وہ کھانے کا ارادہ کریں تو سلا دینا۔'' ان کی بیوی نے ایسا ہی کیا۔ کھانا تیار کر لیا، چراغ درست کر لیا اور بچوں کو سلا دیا۔ پھر کھڑی ہوئی اور چراغ درست کرنے کے بہانے اسے گل کر دیا (یعنی بجھا دیا۔) اور دونوں نے مہمان کے ساتھ بیٹھ کر یہ ظاہر کیا کہ اس کے ساتھ وہ بھی کھا رہے ہیں۔ اس طرح انہوں نے (مہمان کو کھانا کھلا دیا اور خود) فاقے سے رات گزار دی۔ جب صبح ہوئی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا:

((لَقَدْ عَجِبَ اللّٰهُ مِنْ صَنِيْعِكُمَا بِضَيْفِكُمَا اللَّيْلَةَ))

''تم دونوں (میاں بیوی) نے رات اپنے مہمان کے ساتھ جو معاملہ کیا وہ اللہ کو بہت پسند آیا۔''

اور اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (الحشر: ۵۹/ ۹)

''وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچائے گئے وہی فلاح پانے

والے ہیں۔''①

حقیقی مسلمان سمجھ دار اور ذہین ہوتا ہے۔ وہ جب اپنے بھائی کے یہاں مہمان بن کر جاتا ہے تو اس کے حالات کا خیال رکھتا ہے اور زیادہ دن اس کے گھر پڑا نہیں رہتا' کہ اس کے رہنے سے میزبان کو دشواری' پریشانی اور حرج لاحق ہو۔ یہاں تک کہ بسا اوقات معاملہ تنگی' دل برداشتگی اور نفرت و کراہیت تک پہنچ سکتا ہے۔ بلکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے یہ جانتا ہے کہ آپ نے ایسا کرنے کو حرام قرار دیا ہے اور اسے اسلام کی روح کے منافی بتلایا ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ ' اَنْ يُقِيمَ عِنْدَ اَخِيهِ حَتَّى يُؤْثِمَهُ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! وَ كَيْفَ يُؤْثِمُهُ ؟ قَالَ: يُقِيمُ عِنْدَهُ وَلَا شَيْءَ لَهُ يَقْرِيهِ بِهِ))

''مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کے یہاں اتنا (عرصہ تک) ٹھیرے کہ اسے گناہ گار کر دے۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! اسے گناہ گار کیسے کر دے گا؟'' فرمایا: ''اس کے یہاں ٹھیرے گا اور اس کی ضیافت کے لیے میزبان کے پاس کچھ نہیں رہے گا۔''

ایک روایت میں ہے کہ (آپ نے فرمایا):

((وَلَا يَحِلُّ لَهُ اَنْ يَثْوِيَ عِنْدَهُ حَتَّى يُحْرِجَهُ))

''اس کے لیے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کے یہاں اتنا ٹھیرے کہ اسے تنگی میں ڈال دے۔''②

---

① بخاری۔ کتاب مناقب الانصار: باب قول اللہ عزوجل ﴿ویؤثرون علی انفسھم﴾ (ح ۳۷۹۸)

مسلم۔ کتاب الاشربة: باب اکرام الضیف و فضل ایثارہ (ح ۲۰۵۴)

② مسلم۔ کتاب اللقطة: باب الضیافة و نحوھا (ح ۱۵/ ۴۸)

بہر حال چاہے گناہ کا اندیشہ ہو یا تنگی کا' حقیقی مسلمان اپنے میزبان کو کسی میں مبتلا نہیں کرتا۔ مسلمان مہمان' باادب اور سلیقہ مند ہوتا ہے۔ اسلام نے اسے ضیافت کے جو آداب و اخلاق سکھلائے ہیں ان پر پوری دقت و باریکی کے ساتھ عمل پیرا ہوتا ہے۔ وہ اپنے میزبانوں کے ساتھ خوش طبع و خوش مزاج ہوتا ہے اور وہ لوگ جو کچھ چاہتے ہیں یا جن باتوں یا جن خواہشات کا اظہار کرتے ہیں انہیں خوش اخلاقی کے ساتھ بجالاتا ہے۔

دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتا ہے

حقیقی مسلمان' جس کا دل اسلام کے سرچشموں سے سیراب ہوتا ہے' وہ ایثار کرتا ہے خواہ غریب ہو اور فقر میں مبتلا ہو۔ اس لیے کہ اسلام نے اپنی تعلیمات کے ذریعے سے اسے ایثار کا عادی بنا دیا ہے۔ یہاں تک کہ ایثار کا شمار حقیقی مسلمان کے بنیادی اخلاق میں ہوتا ہے اور اسی صفت کے ذریعے سے اسے دوسروں کے مقابلے میں پہچانا اور امتیاز کیا جاتا ہے۔

انصار رضی اللہ عنہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایثار کے پہلے علم بردار تھے۔ یہاں تک کہ ان کے بارے میں قرآن نازل ہوا' جس میں ان کے بے مثل ایثار کی تحسین و تعریف کی گئی۔ ان کے ایثار نے انہیں آئندہ نسلوں کے لیے زندۂ جاوید مینارۂ نور بنا دیا' جنہیں دیکھ کر معلوم کیا جاتا ہے کہ سخاوت کیسے کی جاتی ہے؟ اور ایثار کسے کہتے ہیں؟ ان کے ایثار کی عظمت کا اندازہ محض اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب ان کے مہاجر بھائی تہی دست اور تہی دامن ان کے یہاں آئے تو انہوں نے خندہ روئی کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور اپنی ہر چیز میں انہیں شریک کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ان لفظوں میں تعریف فرمائی ہے:

﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَ الْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ

وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝ (الحشر : ۵۹/ ۹)

''اور وہ لوگ جو مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دار الہجرت میں مقیم تھے' ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں اور جو کچھ بھی ان (مہاجرین) کو دے دیا جائے اس کی کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے' اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں' خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔''

نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ ایثار سے پر تھی۔ آپ نے خود عمل کر کے ایثار کو صحابہ کرامؓ کے نفوس میں راسخ کیا اور ان کی طبیعتوں اور عادتوں میں پیوست کیا۔ جیسے کہ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک بنی ہوئی چادر لے کر آئی اور عرض کیا: ''میں نے اس کو اپنے ہاتھ سے بنا ہے تاکہ آپ کو پہناؤں۔'' نبی کریم ﷺ نے اس کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے اسے لے لیا' پھر آپ اس کو تہہ بند بنا کر باہر ہمارے مجمع میں تشریف لائے تو ایک شخص نے کہا: ''کتنی اچھی ہے! یہ مجھے دے دیجیے۔'' آپ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے (لے لو!) آپ اسی جگہ بیٹھے رہے' پھر تھوڑی دیر کے بعد تشریف لے گئے اور لپیٹ کر اسے بھیج دی۔ لوگ اس شخص سے کہنے لگے: ''تم نے اچھا نہیں کیا۔ نبی کریم ﷺ اسے پہنے ہوئے تھے' آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی' پھر بھی تم نے مانگ لی۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ آپ کسی سائل کو واپس نہیں کرتے۔'' اس نے کہا: ''اللہ کریم کی قسم! میں نے اسے اس لیے نہیں مانگا ہے کہ اسے پہنوں' بلکہ صرف اس لیے مانگا کہ وہ میرا کفن بنے۔'' سیدنا

سہلؓ فرماتے ہیں کہ وہ چادر اس کے کفن ہی میں کام آئی۔'' ①

رسول اللہ ﷺ کو کس قدر خوشی ہوتی تھی جب آپ دیکھتے تھے کہ آپ نے مسلمانوں کی زندگیوں میں ایثار کا جو پودا لگایا تھا وہ بار آور ہو رہا ہے۔ جذبہ ایثار کے حامل لوگوں کے متعلق آپ اپنی خوشی کا اظہار فرماتے تھے۔ مثلاً فرمایا:

((اِنَّ الْاَشْعَرِيِّيْنَ اِذَا اَرْمَلُوْا فِي الْغَزْوِ اَوْ قَلَّ طَعَامُ عِيَالِهِمْ بِالْمَدِيْنَةِ جَمَعُوْا مَا كَانَ عِنْدَهُمْ فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ ، ثُمَّ اقْتَسَمُوْهُ بَيْنَهُمْ فِيْ اِنَاءٍ وَاحِدٍ بِالسَّوِيَّةِ ، فَهُمْ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْهُمْ))

''قبیلہ اشعر والوں کی عادت ہے کہ جب کسی غزوہ میں ان کا زاد راہ ختم ہونے کے قریب ہوتا ہے' یا مدینہ میں ان کے اہل وعیال کی خوراک کم پڑ جاتی ہے تو سب کے پاس جو کچھ ہوتا ہے اسے ایک کپڑے میں جمع کرتے ہیں' پھر ایک برتن سے سب کو برابر برابر تقسیم کر دیتے ہیں۔ وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔'' ②

تنگ دست قرض دار کو مہلت دیتا ہے

حقیقی مسلمان فراخ دل' روادار' خوش اطوار اور خلیق ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

﴿وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ﴾ (البقرہ: ۲/ ۲۸۰)

''اگر (قرض دار) تنگ دست ہو تو ہاتھ کھلنے تک اسے مہلت دو۔''

پر عمل کرتے ہوئے تنگ دست قرض دار کو مہلت دینے کی طرف سبقت کرتا ہے۔ کیونکہ اسلام مسلمان سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ صاحب حق ہونے سے پہلے ''انسان''

① بخاری۔ کتاب اللباس باب البرود والحبر والشملة (ح ۵۸۱۰)

② بخاری۔ کتاب الشرکة: باب الشرکة فی الطعام والنهد والعروض (ح ۲۴۸۶)
مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة: باب من فضائل الاشعريين رضی الله عنهم (ح ۲۵۰۰)

ہو۔ چنانچہ جب اپنے قرض دار بھائی کو تنگی و پریشانی میں دیکھے تو اسے معذور سمجھے اور جس تنگی میں مبتلا ہے اس کا لحاظ کرتے ہوئے اسے مہلت دے دے یا قرض کا کچھ حصہ معاف کر دے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرے گا اور آخرت کی زندگی کے لیے نیک عمل انجام دے گا' جس کی بدولت اللہ تعالیٰ روز قیامت کی تکلیفوں سے اسے نجات دے گا اور اپنے عرش عظیم کے سایہ میں جگہ دے گا' جس دن کہ اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔

سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((مَنْ سَرَّہُ اَنْ یُنَجِّیَہُ اللّٰہُ مِنْ کُرَبِ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ ' فَلْیُنَفِّسْ عَنْ مُعْسِرٍ اَوْ یَضَعْ عَنْہُ))

''جس کی خواہش ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے روز قیامت کی تکلیفوں سے نجات دے' اسے چاہیے کہ محتاج و تنگ دست قرض دار کو مہلت دے یا اس کا قرض معاف کر دے۔'' [1]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا ' اَوْ وَضَعَ لَہُ ' اَظَلَّہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِہِ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّہُ))

''جو شخص تنگ دست قرض دار کو مہلت دے گا یا اس کا قرض معاف کر دے گا' اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن اپنے عرش کے سائے میں جگہ دے گا' جب کہ اس کے سائے کے علاوہ کہیں سایہ نہ ہوگا۔'' [2]

اس موضوع سے متعلق بہت سی نصوص مروی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اگر قرض کا مطالبہ کرنے والا قرض دار کو مہلت دے یا کچھ قرض معاف کر دے تو

[1] مسلم۔ کتاب المساقاۃ: باب فضل انظار المعسر (ح ۱۵۶۳)

[2] ترمذی۔ کتاب البیوع: باب ماجاء انظار المعسر والرفق بہ (ح ۱۳۰۶)

اس کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں رائگاں نہیں جائے گا' بلکہ وہ اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور اس کے اپنے بھائی کو درگزر کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے بھی درگزر فرمائے گا اور اس نیک عمل کی بدولت اس وقت جب لوگ رب العالمین کے روبرو کھڑے ہوں گے' اس کی کوتاہیوں کی تلافی ہو گی' لغزشیں معاف ہوں گی اور ہول سے نجات ملے گی۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كَانَ رَجُلٌ يُدَايِنُ النَّاسَ' وَ كَانَ يَقُوْلُ لِفَتَاهُ: اِذَ اَتَيْتَ مُعْسِرًا فَتَجَاوَزْ عَنْهُ' لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يَتَجَاوَزَ عَنَّا ' فَلَقِيَ اللّٰهَ فَتَجَاوَزَ عَنْهُ))

''ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور اپنے ملازم سے کہتا تھا کہ جب تنگدست مقروض سے مطالبہ کرنا تو اس سے درگزر کرنا' امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے بھی درگزر فرمائے گا۔ جب وہ شخص اپنے پروردگار سے ملا تو اس نے بھی اس سے درگزر فرمایا۔'' ①

سیدنا ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک شخص کا حساب لیا گیا تو اس کی کوئی نیکی نہ ملی۔ سوائے اس کے کہ وہ لوگوں سے خرید و فروخت کا معاملہ کرتا تھا۔ وہ مال دار تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے غلاموں سے کہہ رکھا تھا کہ تنگ دست مقروض سے درگزر کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((نَحْنُ اَحَقُّ بِذٰلِكَ مِنْهُ ' تَجَاوَزُوْا عَنْهُ))

''ہم اس سے زیادہ درگزر کرنے والے ہیں' (اور فرشتوں کو حکم دیا) اس سے درگزر کرو۔'' ②

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں:

---

① بخاری۔ کتاب البیوع: باب من انظر معسرا (ح ۲۰۷۸)
مسلم۔ کتاب المساقاۃ: باب فضل انظار المعسر (ح ۱۵۶۲)

② مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۱۵۶۱)

''اللہ تعالیٰ کے ایک بندے کو اس کی بارگاہ میں حاضر کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا: ''تو نے دنیا میں کیا کیا؟'' (پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ﴿وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا﴾ یعنی وہ اللہ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے۔) وہ عرض کرے گا: ''اے رب! تو نے مجھے مال دیا' میں لوگوں سے خرید و فروخت کرتا تھا۔ خرید و فروخت کرنے میں نرمی میری عادت تھی۔ میں مال دار سے آسانی کا برتاؤ کرتا تھا اور نادار و تنگدست کو مہلت دیتا تھا۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((اَنَا اَحَقُّ بِذَا مِنْكَ ' تَجَاوَزُوا عَنْ عَبْدِي))

''میں تجھ سے زیادہ درگزر کا حق رکھتا ہوں۔ (فرشتو)! میرے بندے سے درگزر کرو۔''!

سیدنا عقبہ بن عامر اور سیدنا ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم نے ایسا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ [1]

دست سوال دراز کرنے سے احتیاط کرتا ہے

حقیقی مسلمان خوددار اور بے نیاز ہوتا ہے' کسی کے سامنے دست سوال نہیں پھیلاتا' جب اس پر تنگی آ پڑتی ہے اور وہ پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے تو صبر کا دامن تھام لیتا ہے' مزید محنت و مشقت اور کد و کاوش کرنے لگتا ہے اور اس کی شدید خواہش ہوتی ہے کہ وہ گدائی نہ کرے' نہ کسی کے سامنے دست سوال دراز کرے' اور نہ صدقہ و خیرات کرنے والوں کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھے۔ اس لیے کہ اس دین کی تعلیمات مسلمان کو ایسا کرنے سے باز رکھتی ہیں' اسے عفت و پاک دامنی' استغنا و بے نیازی اور صبر پر اکساتی ہیں' اور تسلی دیتی ہیں کہ عنقریب اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا اور اسے مال داری' صبر اور پاک دامنی بخشے گا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا:

((مَنْ يَّسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللّٰهُ ' وَمَنْ يَّسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ ' وَ مَنْ

---

[1] مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۱۵۶۰) و رواہ البخاری (ح ۲۰۷۷ بلفظ آخر)

يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ ' وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ عَطَاءً هُوَ خَيْرٌ وَأَوْسَعُ مِنَ الصَّبْرِ))

''جو خود دار رہنا چاہے گا' اللہ اسے خود دار رکھے گا۔ جو غنی رہنا چاہے گا اللہ اس کو غنی رکھے گا۔ جو صبر اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اللہ اسے صبر عطا فرمائے گا۔ البتہ اگر کسی کو بے مانگے کچھ مل جائے تو اس کا لینا صبر کرنے سے بہتر ہے۔'' ①

اسلام' جس نے اغنیا کے اموال میں فقرا کا حق متعین کیا ہے' اس نے ایک طرف اغنیا کو حکم دیا کہ بغیر احسان جتلائے یا ایذا پہنچائے' یا تنگ دل ہوئے یہ حق ادا کریں' دوسری طرف اس نے غریبوں کو بھی حکم دیا کہ اس حق سے استغنا برتیں۔ اس نے اعلان کیا کہ اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے اور حقیقی مسلمان کو ہمیشہ یہ کوشش کرنی چاہیے کہ اس کا ہاتھ نیچے نہ ہونے پائے۔ یہی اس کے مناسب' شایانِ شان اور لائق ہے۔ اسی طرح اس نے تنگ دست اور غریب لوگوں کو اکسایا کہ دوگنی محنت کریں اور صدقہ وعطا پر بھروسا نہ کریں۔ اس طرح ان کی عزت وکرامت کی حفاظت ہوتی ہے اور اسے ٹھیس نہیں لگتی' اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے منبر پر سے صدقہ اور دستِ سوال دراز کرنے سے احتراز کا تذکرہ کرتے ہوئے اعلان فرمایا کہ:

((اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى ' وَالْيَدُ الْعُلْيَا هِيَ الْمُنْفِقَةُ ' وَالسُّفْلَى هِيَ السَّائِلَةُ))

''اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ اوپر والا ہاتھ صدقہ کرنے والے کا ہے اور نیچے والا ہاتھ مانگنے والے کا۔'' ②

---

① بخاری۔ کتاب الزکاۃ: باب الاستعفاف عن المسالۃ (ح ۱۴۶۹)
مسلم۔ کتاب الزکاۃ: باب فضل التعفف والصبر والقناعۃ (ح ۱۰۵۳)

② بخاری۔ کتاب الزکاۃ: باب لاصدقۃ الا عن ظھر غنی (ح ۱۴۲۹)
مسلم۔ کتاب الزکاۃ: باب بیان ان الیدالعلیا خیر من الید السفلی (ح ۱۰۳۳)

وہ لوگوں سے محبت کرتا ہے اور لوگ اس سے محبت کرتے ہیں

باشعور اور دینی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کرنے والا مسلمان خوش اخلاق' لوگوں سے محبت کرنے والا اور لوگوں کا محبوب ہوتا ہے۔ وہ لوگوں سے محبت کرتا ہے' ان میں گھل مل کر رہتا ہے اور ان سے دوستی رکھتا ہے۔ اسی طرح لوگ بھی اس سے محبت کرتے ہیں' اس سے گھل مل کر رہتے ہیں اور اس سے دوستی رکھتے ہیں۔ یہ ایک بلند معاشرتی خصلت ہے جس سے تہذیب یافتہ مسلمان متصف ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ دین کے پیغام کا شعور رکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ معاشرہ میں لوگوں سے میل جول رکھنا اور ان کا اعتماد حاصل کرنا مسلمان کی اہم ذمہ داری ہے اور یہی چیز انہیں کلمہ حق سنانے اور ان اقدار و روایات سے واقف کرانے کا' جن کا وہ حامل ہے' مؤثر اور کامیاب ذریعہ ہے۔ اس لیے کہ لوگ اسی کی بات سنتے ہیں جس سے محبت کرتے ہیں اور جس پر اعتماد رکھتے ہیں' اور صرف انھی لوگوں کی بات پر یقین رکھتے ہیں جن کے بارے میں ان کے دل میں اعتماد' محبت اور بھروسا ہو۔ اسی لیے نصوص میں اس قسم کے لوگوں کی عظیم شان بتلائی گئی ہے جو لوگوں سے محبت کرتے ہیں اور جن سے لوگ محبت کرتے ہیں' اور ان کا شمار اس گروہ میں کیا گیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے نزدیک سب سے محبوب ہے اور جو قیامت کے روز آپ سے سب سے قریب ہوگا۔ اس کے متعلق آپ نے فرمایا:

((اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَحَبِّکُمْ اِلَیَّ ' وَاَقْرَبِکُمْ مِنِّیْ مَجْلِسًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ ؟ فَاَعَادَهَا ثَلَاثًا اَوْ مَرَّتَیْنِ ' قَالُوْا: نَعَمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ' قَالَ: اَحْسَنُکُمْ خُلُقًا))

''کیا میں تمہیں ان لوگوں کے بارے میں نہ بتلاؤں جو میرے نزدیک سب سے محبوب اور قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب ہوں گے؟''

آپ نے دو مرتبہ یا تین مرتبہ ایسا ہی فرمایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! ضرور بتلائیے۔ فرمایا:''جن کے اخلاق اچھے ہوں۔''(۱)

ایک روایت میں یہ اضافہ ہے:

((اَلْمُوَطَّؤُوْنَ اَکْنَافًا الَّذِیْنَ یَاْلَفُوْنَ وَ یُوْلَفُوْنَ))

''جو نرم خو ہوں' اور لوگوں سے محبت کرنے والے اور ان کے محبوب ہوں۔''

مومن کی صفات میں سے یہ ہے کہ وہ محبت کرنے والا اور محبوب ہوتا ہے۔ وہ لوگوں سے محبت کرتا ہے اور لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔ وہ ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور لوگ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو وہ پیغام الٰہی کی تبلیغ نہیں کر سکتا' نہ اس سے کوئی امید کی جا سکتی ہے اور نہ ہی وہ کوئی ذمہ داری سرانجام دے سکتا ہے۔ اور جو شخص ایسا ہو اس میں کوئی خیر نہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

((اَلْمُؤْمِنُ یَاْلَفُ وَ یُوْلَفُ ' وَلَا خَیْرَ فِیْمَنْ لَا یَاْلَفُ وَلَا یُوْلَفُ))

''مؤمن محبت کرنے والا اور محبت کیا جانے والا ہوتا ہے۔ اس شخص میں کوئی خیر نہیں جو دوسروں سے محبت کرے نہ دوسرے اس سے محبت کریں۔''(۲)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کے دلوں کو موہ لینے کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے' قول و عمل اور کردار میں اپنا اسوہ اختیار کرنے کی دعوت دی ہے' اور لوگوں کے دلوں میں گھر کرنے اور ان کی محبت و مؤدت اور پسندیدگی حاصل کرنے کا معتدل راستہ بتلایا ہے۔

❀ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت خندہ رو' نرم خو اور خوش خلق رہتے تھے۔ اگر کسی مجلس میں جاتے تو آخر میں بیٹھتے اور دوسروں کو بھی اس کا حکم دیتے تھے اپنی مجلس میں بیٹھنے والے تمام لوگوں کو ان کا حق دیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھنے

(۱) مسند احمد (۲/ ۲۱۷' ۲۱۸)

(۲) مسند احمد (۲/ ۴۰۰)

والا ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ وہ آپ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز ہے۔

- جس نے کبھی آپ سے کچھ مانگا آپ نے اسے خالی ہاتھ نہیں لوٹایا اور اگر مجبوری ہوئی تو نرم بات کہہ کر معذرت کر دی۔
- آپ کی خوش طبعی و خوش خلقی تمام لوگوں کے لیے عام تھی۔ آپ ان کے باپ کی طرح تھے' اور وہ لوگ حق کے معاملہ میں آپ کے نزدیک برابر تھے۔ آپ کی مجلس میں تمام لوگ برابر تھے' کسی کو کسی پر کوئی ترجیح اور امتیاز نہ تھا۔ اگر تھا تو تقویٰ کی بنیاد پر۔ سب لوگ تواضع اختیار کرتے تھے' بڑوں کی عزت و تکریم کرتے تھے' چھوٹوں پر رحم' شفقت اور مہربانی سے پیش آتے تھے' ضرورت مند کو ترجیح دیتے تھے اور اجنبی و پردیسی کا خیال رکھتے تھے۔
- آپ سے امید اور آس رکھنے والا مایوس اور ناکام و نامراد نہ لوٹتا۔
- آپ تین چیزوں سے دور رہتے تھے : لڑائی جھگڑا' ڈینگیں مارنا اور لا یعنی چیزوں میں پڑنا۔
- آپ لوگوں کے بارے میں تین چیزوں سے اجتناب کرتے تھے: کسی کی برائی نہ کرتے' نہ کسی کو عار دلاتے' اور نہ کسی کے عیوب کے پیچھے پڑتے۔
- آپ ﷺ صرف وہی کہتے ہیں جس میں ثواب کی امید ہو۔ جب آپ گفتگو فرماتے تو مجلس میں خاموشی چھا جاتی اور ایسا سناٹا چھا جاتا گویا سروں پر پرندے بیٹھے ہوں' اور جب آپ خاموش ہو جاتے تب دوسرے لوگ بولتے۔
- آپ کی مجلس میں لوگ لڑائی جھگڑا نہ کرتے۔ جن باتوں پر لوگ ہنستے ان پر آپ بھی ہنستے' اور جن باتوں پر لوگ تعجب کرتے ان پر آپ بھی تعجب کا اظہار فرماتے' اگر کوئی اجنبی آپ سے گفتگو کرنے یا آپ سے کچھ مانگنے میں درشت کلامی کرتا تو آپ برداشت کر لیتے تھے۔ یہاں تک آپ کے اصحاب اس کی اس گستاخی پر اسے سرزنش کرتے۔
- آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرماتے: ''جب کسی ضرورت مند کو دیکھو تو اس کی مدد

کرو۔“

❀ آپ کسی سے تعریف سننا پسند نہیں فرماتے تھے اور نہ کسی کی گفتگو میں دخل اندازی کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اپنی بات ختم کر لیتا یا مجلس سے چلا جاتا۔“ ①

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ:

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم برے لوگوں سے بچتے تھے اور ان کے ساتھ نرم گفتگو اور اچھا برتاؤ کر کے انہیں اپنی طرف مائل کر لیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ کے پاس آنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا ”آنے دو، یہ اپنی قوم کا سب سے برا آدمی ہے۔“ پھر جب وہ شخص آیا تو آپ نے اس سے بہت نرمی سے گفتگو فرمائی۔ اس کے جانے کے بعد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول! آپ نے پہلے تو اس شخص کے بارے میں فرمایا (کہ وہ اپنی قوم کا سب سے برا آدمی ہے) پھر اس سے نرمی سے گفتگو فرمائی۔ آپ نے فرمایا: ”اے عائشہ! لوگوں میں سب سے برا آدمی وہ ہے جس کی فحش گوئی سے بچنے کے لیے لوگ اس سے نہ الجھیں۔“ ②

بے شک حقیقی مسلمان لوگوں سے معاملہ کرنے میں رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتا ہے۔ اس طرح وہ تمام لوگوں کے نزدیک محبوب، پیارا، منظور نظر اور مقبول ہو جاتا ہے۔

اپنی عادتوں کو اسلامی سانچے میں ڈھالتا ہے

حقیقی اور باشعور مسلمان کا ایک امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ اپنی ہر پسندیدہ

① ترمذی۔ فی الشمائل (۳۵۰)

② بخاری۔ کتاب الادب: باب لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاحشا ولا متفاحشا (ح ۶۰۳۲) مسلم۔ کتاب البر والصلة: باب مداراة من یتقی فحشه (ح ۲۵۹۱) لیکن اس میں یہ جملہ نہیں ہے ”آپ برے لوگوں...... مائل کر لیتے تھے۔“

عادت کو اسلام کے سانچے میں ڈھالتا ہے۔ اس کی تمام معاشرتی قدریں اسلام کے تصور اس کے مفاہیم اور اس کے امتیازی اور بنیادی اصولوں سے مستفاد و ماخوذ ہوتی ہیں۔

چنانچہ وہ سونے کی انگوٹھی نہیں پہنتا۔ اس لیے کہ سونے کی انگوٹھی استعمال کرنا اسلام میں مردوں کے لیے حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو فرمایا:

((يَعْمِدُ اَحَدُكُمْ اِلٰى جَمْرَةٍ نَارٍ فَيَجْعَلُهَا فِيْ يَدِهٖ))

''تم میں سے کوئی چاہتا ہے کہ اپنے ہاتھ میں جہنم کا ایک انگارا رکھے؟'' [۱]

پھر آپ نے اس شخص کی انگلی سے انگوٹھی نکالی اور زمین پر پھینک دی۔ اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس آدمی کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و اتباع اور تابعداری کا کیا جذبہ موجود تھا کہ جب اس کے ساتھیوں نے اس سے کہا کہ اپنی انگوٹھی اٹھا لو اور اسے بیچ کر اس کی قیمت سے فائدہ اٹھاؤ' تو اس نے کہا اللہ ذوالجلال کی قسم! میں ایسا نہیں کروں گا۔ جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے پھینک دیا ہو اسے میں نہیں اٹھا سکتا۔

اسی طرح سچا مسلمان سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا نہیں کھاتا' نہ ریشم اور حریر کے کپڑے پہنتا ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے بہت سی احادیث میں اس سے منع فرمایا ہے۔ مثلاً سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَانَا عَنِ الْحَرِيْرِ وَالدِّيْبَاجِ وَالشُّرْبِ فِيْ آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، وَ قَالَ: هِيَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا، وَ هِيَ لَكُمْ فِي الْآخِرَةِ))

''نبی کریم ﷺ نے ہمیں ریشم و دیبا کے استعمال کرنے سے اور سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے: ''یہ دوسرے لوگوں کے لیے دنیا ہی میں ہے اور تمہارے لیے آخرت میں

---

[۱] مسلم۔ کتاب اللباس: باب تحریم خاتم الذهب علی رجال (ح ۲۰۹۰)

ہے۔''⟨۱⟩

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلَّذِیْ یَشْرَبُ فِیْ آنِیَۃِ الْفِضَّۃِ اِنَّمَا یُجَرْجِرُ فِیْ بَطْنِہٖ نَارَ جَھَنَّمَ))

''جو شخص چاندی کے برتن میں پانی پیتا ہے دراصل وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ نگلتا ہے۔''⟨۱⟩

مسلم کی ایک روایت میں ہے:

((اِنَّ الَّذِیْ یَاْکُلُ اَوْ یَشْرَبُ فِیْ آنِیَۃِ الْفِضَّۃِ وَالذَّھَبِ))

''جو شخص سونے اور چاندی کے برتن میں کھاتا پیتا ہے۔''⟨۲⟩

مسلم ہی کی دوسری روایت میں ہے:

((مَنْ شَرِبَ فِیْ اِنَاءٍ مِنْ ذَھَبٍ اَوْ فِضَّۃٍ فَاِنَّمَا یُجَرْجِرُ فِیْ بَطْنِہٖ نَارًا مِنْ جَھَنَّمَ))

''جو شخص سونے چاندی کے برتن میں پانی پیے وہ دراصل اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ نگلتا ہے۔''⟨۳⟩

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

⟨۱⟩ بخاری۔ کتاب الاشربۃ: باب الشرب فی آنیۃ الذھب (ح ۵۶۳۲)
مسلم۔ کتاب اللباس: باب تحریم استعمال اناء الذھب والفضۃ (ح ۲۰۶۷)

⟨۲⟩ بخاری۔ کتاب الاشربۃ: باب آنیۃ الفضۃ (ح ۵۶۳۴)
مسلم۔ کتاب اللباس: باب تحریم استعمال اوانی الذھب والفضۃ فی الشرب وغیرہ (ح ۲۰۶۵)

⟨۲⟩ مسلم۔ حوالہ سابق

⟨۳⟩ مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۲/ ۲۰۶۵)

((اِنَّمَا يَلْبَسُ الْحَرِيْرَ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ))

''ریشم تو وہ شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔'' ①

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ نے اپنے داہنے ہاتھ میں ریشم اور بائیں ہاتھ میں سونا لے کر فرمایا:

((اِنَّ هٰذَيْنِ حَرَامٌ عَلٰى ذُكُوْرِ اُمَّتِيْ))

''یہ دونوں چیزیں میری امت پر حرام ہیں۔'' ②

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((حُرِّمَ لِبَاسُ الْحَرِيْرِ وَالذَّهَبِ عَلٰى ذُكُوْرِ اُمَّتِيْ، وَاُحِلَّ لِاِنَاثِهِمْ))

''ریشم کا لباس اور سونے کے (زیورات) میری امت کے مردوں پر حرام ہیں اور عورتوں کے لیے حلال ہیں۔'' ③

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((نَهَانَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم اَنْ نَشْرَبَ فِيْ آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَ اَنْ نَاْكُلَ فِيْهَا، وَ عَنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ وَالدِّيْبَاجِ وَ اَنْ نَجْلِسَ عَلَيْهِ))

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے' ریشم اور دیباج کے کپڑے پہننے اور ان پر بیٹھنے سے منع کیا ہے۔'' ④

---

① بخاري۔ كتاب اللباس: باب لبس الحرير للرجال وقدر مايجوز منه (ح ۵۸۳۵)

مسلم۔ كتاب اللباس: باب تحريم لبس الحرير وغير ذلك للرجال (ح ۲۰۶۹)

② ابوداود۔ كتاب اللباس: باب في الحرير للنساء (ح ۴۰۵۷)

نسائی۔ كتاب الزينة: باب تحريم الذهب على الرجال (ح ۵۱۴۷)

ابن ماجه۔ كتاب اللباس: باب بس الحرير والذهب للنساء (ح ۳۵۹۵)

③ ترمذی۔ كتاب اللباس: باب ماجاء في الحرير والذهب للرجال (ح ۱۷۲۰)

نسائی۔ حواله سابق (ح ۵۱۵۱)

④ بخاری۔ كتاب الاشربة: باب الشرب في آنية الذهب (ح ۵۶۳۲)

حقیقی مسلمان رسول کریم ﷺ کے حکم کی تعمیل میں ان چیزوں کو اپنے اوپر حرام سمجھتا ہے، قبل اس کے کہ خود اس پر تحریم کی علت واضح ہو...... اس لیے کہ کسی چیز کو حلال قرار دینے یا حرام کرنے کا قانون اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر: ۵۹/ ۷)

''جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رک جاؤ۔''

وہ منگنی اور شادی کی ان رسموں کے پیچھے نہیں پڑتا جنہیں لوگوں نے مغرب سے اندھوں اور طوطوں کی طرح بغیر سوچے سمجھے اور بغیر دانش و بینش کے قبول کر لیا ہے۔ جیسے کہ داہنے ہاتھ میں منگنی کی انگوٹھی پہننا' پھر شب زفاف میں اسے بائیں ہاتھ میں منتقل کر دینا۔ اسی طرح وہ کسی نامحرم فوٹو گرافر کے آنے کی اجازت نہیں دیتا' جو شب زفاف میں اس کے اور اس کی بیوی کے یادگاری فوٹو لے۔ اسی طرح دیگر ان چیزوں سے بھی احتراز کرتا ہے' جنہیں لوگ ان معاشروں میں کرنے کے عادی ہو گئے ہیں جن پر مغربی تہذیب نے فکری اور نفسیاتی حملہ کیا ہے۔ جس سے ان کی حقیقی شکل و ہیئت بگڑ گئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ سمجھتے ہیں کہ اسلام سے ان کا گہرا تعلق ہے۔

ان عادات میں سے' جنہیں باشعور مسلمان اپنی معاشرتی زندگی سے ساقط کر دیتا ہے' گھروں میں تصویر لٹکانے' مجسمے نصب کرنے اور نگرانی کے علاوہ محض فیشن کے لیے کتے پالنے کی عادت ہے۔ اسلام نے ان عادتوں کے اختیار کرنے سے شدت سے منع کیا ہے' اور قطعی نصوص میں انہیں تمام مسلمانوں کے لیے سخت حرام قرار دیا گیا ہے' جس میں ادنیٰ سی بھی رخصت اور ڈھیل کی گنجائش نہیں۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ الَّذِيْنَ يَصْنَعُوْنَ هٰذِهِ الصُّوَرَ يُعَذَّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ' يُقَالُ لَهُمْ: اَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ))

''جو لوگ یہ تصویریں بناتے ہیں انہیں قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا

اور ان سے کہا جائے گا: جو کچھ تم نے بنایا ان میں جان ڈالو۔'' (۱)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے تشریف لائے۔ میں نے ایک کھڑکی پر ایک پردہ لٹکا رکھا تھا جس میں کچھ تصویریں تھیں۔ جب آپ کی نظر اس پر پڑی تو آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور آپ نے فرمایا:

((يَا عَائِشَةُ ، اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِيْنَ يُضَاهُوْنَ بِخَلْقِ اللّٰهِ ! قَالَتْ: فَقَطَعْنَاهُ ، فَجَعَلْنَا مِنْهُ وِسَادَةً اَوْ وِسَادَتَيْنِ))

''اے عائشہ! قیامت کے دن سب سے سخت عذاب ان لوگوں پر ہوگا جو اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کی نقل اتارتے ہیں۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''تب ہم نے اس کے ٹکڑے کر کے ایک یا دو تکیے بنا لیے۔'' (۲)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((كُلُّ مُصَوِّرٍ فِي النَّارِ يُجْعَلُ لَهُ بِكُلِّ صُوْرَةٍ صَوَّرَهَا نَفْسٌ ، فَيُعَذِّبُهُ فِيْ جَهَنَّمَ))

''تصویر بنانے والے کو جہنم میں ڈالا جائے گا اور جتنی تصویریں اس نے بنائی ہوں گی ان میں جان ڈالی جائے گی اور وہ اس پر جہنم میں عذاب کریں گی۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

((فَاِنْ كُنْتَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَاصْنَعِ الشَّجَرَ وَمَا لَا رُوْحَ فِيْهِ))

---

(۱) بخاري۔ كتاب اللباس باب عذاب المصورين يوم القيامة (ح ۵۹۵۱)
مسلم۔ كتاب اللباس: باب تحريم تصوير صورة الحيوان (ح ۲۱۰۸)

(۲) بخاري۔ كتاب اللباس: باب ما وطئ من التصاوير (ح ۵۹۵۴)
مسلم۔ حواله سابق (ح ۲۱۰۷)

''اگر تصویریں بنانا ہی ہے تو درخت اور بے جان چیزوں کی تصویریں بناؤ۔'' (۱)

سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُورَةٌ))

''جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اس میں (رحمت کے) فرشتے نہیں آتے۔'' (۲)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ''ایک دفعہ سیدنا جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا کہ فلاں وقت آؤں گا۔ وہ وقت ہو گیا مگر سیدنا جبرئیل علیہ السلام نہیں آئے۔ (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں) آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی' اس کو پھینک دیا اور فرمایا:

((مَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهُ وَلَا رُسُلَهُ ' ثُمَّ الْتَفَتَ ' فَإِذَا جِرْوُ كَلْبٍ تَحْتَ سَرِيرِهِ ' فَقَالَ مَتَى دَخَلَ هٰذَا الْكَلْبُ ؟ فَقُلْتُ: وَاللّٰهِ مَا دَرَيْتُ بِهِ ' فَأَمَرَ بِهِ فَأُخْرِجَ ' فَجَاءَهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ' فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَعَدْتَنِي فَجَلَسْتُ لَكَ وَ لَمْ تَأْتِنِي ' فَقَالَ: مَنَعَنِي الْكَلْبُ الَّذِي كَانَ فِي بَيْتِكَ ' إِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا صُورَةٌ))

''اللہ اور اس کا رسول وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ پھر آپ کی نظر چارپائی کے نیچے پڑی تو کتے کا پلا نظر آیا۔ آپ نے فرمایا: ''یہ کتا کب آ گیا؟'' میں نے عرض کیا: ''مجھے نہیں معلوم۔'' آپ نے اسے نکال دینے کا حکم دیا۔ پھر سیدنا جبرئیل تشریف لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آپ نے مجھ سے آنے کا وعدہ کیا تھا اور میں آپ کے انتظار میں بیٹھا رہا' مگر آپ وقت پر نہ آئے۔'' سیدنا

---

(۱) بخاری۔ کتاب البیوع: باب بیع التصاویر التی لیس فیها روح (ح ۲۲۲۵)
مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۲۱۱۰ واللفظہ لہ)

(۲) بخاری۔ کتاب اللباس: باب التصاویر (ح ۵۹۴۹)
مسلم۔ کتاب اللباس: باب تحریم تصویر صورة الحیوان (ح ۲۱۰۶)

جبرئیل نے کہا: ''مجھے اس کتے نے روکے رکھا جو آپ کے گھر میں تھا۔ ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔'' ①

اس سلسلہ میں بے شمار نصوص مروی ہیں جو تصاویر عام کرنے اور مجسّمے نصب کرنے کو حرام قرار دیتی ہیں۔ زمانے نے اس تحریم کی حکمت بھی بتلا دی ہے۔ خاص طور پر اس زمانے میں جب کہ منافقین' تملق پسند اور با اقتدار لوگوں کے حوالی موالی لوگوں نے ان کی چاپلوسی کر کے انہیں مزید سرکشی میں مبتلا کر دیا ہے۔ ان کی زندگی میں یا ان کے مرنے کے بعد ان کے یادگاری مجسّمے قائم کر کے انہیں ''معبود'' کے مقام تک یا اس کے قریب تک پہنچا دیا ہے۔ وہ سریر عظمت پر جلوہ نما ہوتے ہیں اور کمزور لوگوں پر کوڑے برساتے ہیں۔

اسلام جو عقیدۂ توحید لے کر آیا ہے اور جس نے پندرہ صدیاں قبل شرک و جاہلیت کے بتوں کو چکنا چور کر دیا تھا' سچا مسلمان ان بتوں کو دوبارہ مسلمانوں کی زندگی میں لانے سے انکار کرتا ہے۔ ''فلاں لیڈر کی یادگار'' کے نام پر ''فلاں آرٹسٹ کی عزت افزائی اور تکریم'' کے طور پر یا ''فلاں عالم یا شاعر یا ادیب کی تعظیم'' کے لیے جو لوگ ان بتوں کو دوبارہ نصب کرنا چاہتے ہیں ان کی مخالفت کرتا ہے۔ اسلامی معاشرہ توحید پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے علاوہ کسی کی تعظیم و تقدیس نہیں کرتا اور نہ کسی کی پاکی بیان کرتا ہے۔ اس میں ان بتوں اور مجسّموں کی کوئی جگہ اور کوئی قدر نہیں ہوتی۔

رہا کتا پالنا تو اگر اس کی غرض شکار یا مویشی اور کھیت کی نگرانی ہے تو کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((مَنِ اقْتَنٰی کَلْبًا اِلَّا کَلْبَ صَیْدٍ اَوْ مَاشِیَةٍ ' فَاِنَّهٗ یَنْقُصُ مِنْ اَجْرِهٖ کُلَّ یَوْمٍ قِیْرَاطَانِ))

''شکار کے لیے' یا مویشیوں کی نگرانی کی غرض کے علاوہ کسی اور غرض سے اگر کوئی

① مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۲۱۰۴)

شخص کتا پالے گا تو ہر روز اس کے اجر سے دو قیراط نیکیاں کم ہوتی رہیں گی۔'' ①

البتہ مغربی طرز پر گھروں میں کتا پالنا' ان کی دیکھ بھال کرنا' ان کے ساتھ اٹکھیلیاں کرنا' ان کے لیے کھانے اور صابن (Shampoo) خاص کرنا' مخصوص غسل کھانے تعمیر کرانا اور ان کے لیے دیگر ان چیزوں کا اہتمام کرنا جن پر مغرب اور امم متحدہ ہر سال اربوں ڈالر خرچ کرتے ہیں' ان سب کاموں کا اسلام اور اس کی فراخ عادتوں سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ اگر مغرب میں لوگوں کے نفسیاتی احوال اور ان کی خشک مادی زندگی نے ان میں اس حد تک انحراف پیدا کر دیا ہے' جس کے ذریعہ سے وہ انسانی محبت کے جذبے کا بدل تلاش کرتے ہیں جو ان کی معاشرتی زندگی میں مفقود ہے' تو اسلام کو اس انحراف کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اسلام میں معاشرتی زندگی انسانی جذبے سے پوری طرح سیراب ہے۔

کھانے پینے میں اسلامی آداب کا خیال رکھتا ہے

حقیقی مسلمان کا ایک امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ کھانے پینے میں اسلامی آداب کا خیال رکھتا ہے۔ اسے کسی بھی معاشرے میں اگر دسترخوان پر دیکھ لیا جائے تو اس کے کھانے پینے کے آداب کو دیکھ کر' جن کا نبی کریم ﷺ کی اعلیٰ تعلیمات میں حکم دیا گیا ہے اور ان سے آراستہ ہونے کی ترغیب دی گئی ہے' ہر کوئی اسے پہچان سکتا ہے۔

وہ بسم اللہ کہے بغیر کھانا شروع نہیں کرتا۔ وہ داہنے ہاتھ سے اور اپنے سامنے سے کھاتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((سَمِّ اللّٰهَ ، وَ كُلْ بِيَمِينِكَ ، وَ كُلْ مِمَّا يَلِيكَ))

''اللہ کا نام لو' داہنے ہاتھ سے اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔'' ②

---

① بخاري۔ كتاب الذبائح و الصيد: باب من اقتنى كلبًا ليس بكلب صيدا و ماشية (ح ۵۴۸۱)
مسلم۔ كتاب المساقاة: باب الامر بقتل الكلاب و بيان نسخه (ح ۱۵۷۴)

② بخاري۔ كتاب الاطعمة: باب التسمية على الطعام والاكل باليمين (ح ۵۳۷۶)
مسلم۔ كتاب الاشربة: باب آداب الطعام والشراب (ح ۲۰۲۲)

اور اگر کھانے کے شروع میں بسم اللہ کہنا بھول جائے اور بعد میں یاد آ جائے تو ((بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَ اٰخِرَهٗ)) کہہ لیتا ہے۔ جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے۔ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ تَعَالَى ' فَاِنْ نَسِيَ اَنْ يَذْكُرَ اسْمَ اللّٰهِ تَعَالَى فِيْ اَوَّلِهِ فَلْيَقُلْ: بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهُ وَآخِرَهُ))

''جب تم میں سے کوئی شخص کھانے کا ارادہ کرے تو بسم اللہ کہہ لے۔ اگر شروع میں بسم اللہ کہنا بھول جائے اور بعد میں یاد آئے تو کہے: ((بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَ اٰخِرَهٗ)) [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے شروع میں بسم اللہ کہنے کا خود بھی بہت اہتمام کرتے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اس پر اکساتے رہتے تھے۔ اس لیے کہ اللہ کا نام لینے میں کھانے والوں کے لیے بڑی بھلائی ہے اور اس طرح کھانا اور کھانے والے دونوں شیطان کے شر اور اذیت سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''ہمیں جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانے کا اتفاق ہوتا تو ہم آپ کے کھانا شروع کرنے سے پہلے کھانے میں ہاتھ نہ ڈالتے۔ ایک بار ہم آپ کے ساتھ کھانے میں شریک تھے کہ ایک لڑکی اس طرح دوڑتی ہوئی آئی جیسے کوئی اسے دوڑا رہا ہو۔ پھر وہ کھانے میں ہاتھ ڈالنے کے لیے لپکی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر ایک اعرابی دوڑتا ہوا آیا' گویا کوئی اسے دوڑا رہا ہو۔ آپ نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا' پھر فرمایا:

((اِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ اَنْ لَا يُذْكَرَ اسْمُ اللّٰهِ تَعَالَى عَلَيْهِ ' وَاِنَّهُ جَاءَ بِهٰذِهِ الْجَارِيَةِ لِيَسْتَحِلَّ بِهَا فَاَخَذْتُ بِيَدِهَا ' فَجَاءَ بِهٰذَا الْاَعْرَابِيِّ لِيَسْتَحِلَّ بِهِ فَاَخَذْتُ بِيَدِهِ ' وَالَّذِيْ

---

[1] ابوداود۔ کتاب الاطعمة: باب التسمية على الطعام (ح ۳۷۶۷)
ترمذی۔ کتاب الاطعمة باب ماجاء فی التسمية على الطعام (ح ۱۸۵۸)

نَفْسِيْ بِيَدِهِ اِنَّ يَدَهُ فِيْ يَدِيْ مَعَ يَدَيْهِمَا، ثُمَّ ذَكَرَ اسْمَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَاَكَلَ))

''شیطان اس کھانے کو اپنے لیے حلال سمجھتا ہے جس پر اللہ کا نام نہیں لیا جاتا۔'' چنانچہ وہ اس لڑکی کو لے کر آیا تاکہ اس کے ذریعے سے کھانا اپنے لیے حلال کر لے۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر وہ اس اعرابی کو لے کر آیا تاکہ اس کے ذریعے سے کھانا حلال کر لے۔ میں نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے' ان دونوں کے ہاتھوں کے ساتھ شیطان کا ہاتھ بھی میرے ہاتھ میں ہے۔ پھر آپ نے بسم اللہ کہا اور کھانے لگے۔'' [1]

دوسرا ادب داہنے ہاتھ سے کھانا ہے۔ اسلامی آداب سے آراستہ ہونے والا مسلمان داہنے ہاتھ سے کھاتا ہے اور کبھی غلطی سے بھی بائیں ہاتھ سے نہیں کھاتا۔ بے شمار احادیث میں داہنے ہاتھ سے کھانے اور بائیں ہاتھ سے نہ کھانے کا واضح اور صریح حکم ملتا ہے۔ مثلاً: ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَاْكُلْ بِيَمِيْنِهِ، وَاِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِيَمِيْنِهِ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَاْكُلُ بِشِمَالِهِ وَ يَشْرَبُ بِشِمَالِهِ))

''جب تم میں سے کوئی کھانے کا ارادہ کرے تو داہنے ہاتھ سے کھائے' اور جب پانی پینے کا ارادہ کرے تب بھی داہنے ہاتھ سے پیے۔ اس لیے کہ بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا پیتا ہے۔'' [2]

دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((لَا يَاْكُلْ اَحَدُكُمْ بِشِمَالِهِ، وَلَا يَشْرَبَنَّ بِشِمَالِهِ، فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَاْكُلُ بِشِمَالِهِ، وَ يَشْرَبُ بِشِمَالِهِ))

---

[1] مسلم۔ کتاب الاشربة: باب آداب الطعام والشراب (ح ۲۰۱۷)

[2] مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۱۰۵/ ۲۰۲۰)

''تم میں سے کوئی شخص بائیں ہاتھ سے نہ کھائے اور نہ کبھی بائیں ہاتھ سے پیے۔ اس لیے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے۔''

سیدنا نافعؒ اس میں مزید یہ اضافہ کرتے تھے:

((وَلَا یَأْخُذْ بِهَا وَلَا یُعْطِ بِهَا))

''اور نہ بائیں ہاتھ سے کوئی چیز لے نہ کوئی چیز دے۔'' ①

رسول کریم ﷺ جب کسی کو بائیں ہاتھ سے کھاتے ہوئے دیکھتے تو اسے منع کرتے' سمجھاتے اور ادب سکھلاتے۔ اور اگر وہ اپنے اس فعل پر اصرار کرتا اور تکبر کا اظہار کرتا تو آپ اسے سخت سست کہتے اور بسا اوقات بددعا کر دیتے۔ جیسے کہ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے سامنے بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا تو آپ نے فرمایا:

((کُلْ بِیَمِیْنِكَ قَالَ: لَا اَسْتَطِیْعُ ۔ قَالَ: لَا اسْتَطَعْتَ ! مَا مَنَعَهُ اِلَّا الْکِبْرُ ! فَمَا رَفَعَهَا اِلٰی فِیْهِ))

''داہنے ہاتھ سے کھاؤ!'' وہ بولا: ''میں سیدھے ہاتھ سے نہیں کھا سکتا۔'' آپ نے فرمایا: ''نہ کھا سکو'' اس شخص نے یہ بات تکبر سے کہی تھی۔ چنانچہ وہ پھر کبھی اپنے منہ تک ہاتھ نہ اٹھا سکا۔'' ②

رسول کریم ﷺ ہر چیز میں داہنے ہاتھ کا استعمال پسند فرماتے تھے اور اسی پر دوسرے لوگوں کو بھی اکساتے تھے۔ اس سلسلہ میں امام بخاری' امام مسلم اور امام مالک رحمہم اللہ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ کے پاس دودھ لایا گیا جس میں کنوئیں کا پانی ملایا گیا تھا۔ آپ کے داہنے طرف ایک اعرابی تھا اور بائیں طرف سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ پہلے آپ نے پیا پھر اعرابی کو دیا اور فرمایا:

((اَلْاَیْمَنَ فَالْاَیْمَنَ))

---

① مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۱۰۶/ ۲۰۲۰)

② مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۲۰۲۱)

''پہلے دائیں طرف کا آدمی پھر اس کے بعد کا۔''[1]

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں ایک مشروب لایا گیا۔ آپ کے داہنے طرف ایک لڑکا تھا[2] اور بائیں طرف بوڑھے لوگ تھے۔ اسے پہلے آپ نے پیا پھر لڑکے سے فرمایا: ''پہلے پینے کا حق تمہارا ہے' لیکن کیا تم ان بوڑھے لوگوں کے حق میں اپنے اس حق سے دست بردار ہو گے؟'' لڑکے نے عرض کیا: ''نہیں اللہ کی قسم اے اللہ کے رسول! میں آپ کے جھوٹے پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔'' یہ حدیث صحیح مسلم میں سیدنا سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے' فرماتے ہیں کہ:

((اُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِشَرَابٍ ' فَشَرِبَ مِنْهُ ' وَعَنْ يَمِيْنِهِ غُلَامٌ وَ عَنْ يَسَارِهِ اَشْيَاخٌ ' فَقَالَ لِلْغُلَامِ: اَتَاْذَنُ لِیْ اَنْ اُعْطِیَ هٰؤُلَاءِ ؟ فَقَالَ الْغُلَامُ: لَا وَاللّٰهِ ' لَا اُوْثِرُ بِنَصِيْبِیْ مِنْكَ اَحَدًا ' فَتَلَّهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ يَدِهِ))

''رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک مشروب لایا گیا۔ آپ نے اس میں سے پیا۔ آپ کے دائیں جانب ایک لڑکا تھا اور بائیں جانب بوڑھے لوگ تھے۔ آپ نے لڑکے سے فرمایا: ''کیا تم اجازت دیتے ہو کہ میں ان لوگوں کو دے دوں؟'' اس لڑکے نے عرض کیا: ''نہیں اللہ کی قسم! میں آپ کے جھوٹے پر کسی کو ترجیح نہ دوں گا۔'' یہ سن کر آپ نے پیالہ اس لڑکے کے ہاتھ پر رکھ دیا۔''[3]

---

[1] بخاری کتاب الاشربة: باب الایمن فالایمن فی الشرب (ح ۵۶۱۹)
مسلم۔ کتاب الاشربة: باب استحباب ادارة الماء واللبن و غیرھما علی یمین المبتدی (ح ۲۰۲۹)

[2] یہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما تھے۔

[3] بخاری۔ کتاب الاشربة: باب ھل یستاذن الرجل من عن یمینه فی الشرف لیعطی الاکبر (ح ۵۶۲۰)
مسلم۔ حواله سابق (ح ۲۰۳۰)

یہ اور اسی طرح کی دیگر نصوص و شواہد اس بات پر قطعی دلالت کرتے ہیں کہ اسلامی آداب میں داہنے ہاتھ کے استعمال کی بہت اہمیت ہے۔ اور حقیقی مسلمان بغیر کسی تساہلی و سستی اور تاخیر کے اپنے آپ کو اس کا پابند بناتا ہے اور اس سے سرمو بھی انحراف نہیں کرتا۔

امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ داہنے ہاتھ کے استعمال کو بہت اہمیت دیتے تھے، اور جو اس میں تساہلی برتتا اس سے چشم پوشی نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ اپنی رعایا میں گشت کر رہے تھے اور ان کے حالات کا جائزہ لے رہے تھے کہ ایک شخص کو بائیں ہاتھ سے کھاتے ہوئے دیکھا۔ اس سے فرمایا: ''اے اللہ کے بندے! داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔'' پھر دوبارہ بائیں ہاتھ سے کھاتے دیکھا تو ایک درّہ لگایا اور فرمایا: ''اللہ کے بندے! داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔'' پھر اسے تیسری مرتبہ بھی بائیں ہاتھ سے کھاتے دیکھا تو ایک درّہ مارا اور ڈانٹتے ہوئے فرمایا: ''اے اللہ کے بندے! داہنے ہاتھ سے کھایا کرو۔'' اس شخص نے جواب دیا: ''اے امیر المومنین! وہ مشغول ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کس چیز میں مشغول ہے؟'' اس شخص نے جواب دیا: ''غزوۂ موتہ نے اسے مشغول کر لیا ہے۔'' [1] یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ بہت ہی معذرت، غم خواری اور مواسات کرتے ہوئے اس شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور انتہائی دردمندی اور سوز سے کہنے لگے: ''تمھیں وضو کون کراتا ہوگا؟ تمھاری ضروریات کون پوری کرتا ہوگا؟ تمھارا کاموں میں ہاتھ کون بٹاتا ہوگا؟'' پھر آپ نے اس کے ساتھ انصاف کرنے اور اس کی دیکھ بھال کرنے کا حکم دیا۔

امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اپنی رعیت کے ایک آدمی کے کردار میں ایک جزئی کے اس قدر اہتمام کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی کتنی اہمیت ہے اور یہ کہ یہ مسلمان کی شخصیت کی نمایاں پہچان اور امتیازی وصف ہے۔ اسی لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسے مسلمانوں کی زندگی میں نافذ کرنے کی شدید خواہش رکھتے تھے۔ اس خصلت کی اس

---

[1] یعنی غزوۂ موتہ میں شل ہو گیا ہے۔

قدر اہمیت کا اندازہ ہو جانے کے بعد اس میں تساہلی برتنا یا اس سے اعراض کرنا کسی طرح جائز نہیں۔

یہ بات میں ان مسلمانوں تک پہنچانا چاہتا ہوں جنہوں نے مغرب کے دسترخوان کے نظام کو بعینہٖ اپنا لیا ہے' جس میں کھانے والا کانٹا بائیں ہاتھ میں لیتا ہے اور چھری دائیں ہاتھ میں۔ داہنے ہاتھ سے کاٹتا ہے اور بائیں ہاتھ سے لقمہ اٹھاتا ہے۔ چنانچہ ان مسلمانوں نے بھی یہی طریقہ بعینہٖ قبول کر لیا اور بائیں ہاتھ سے کھانا گوارا کر لیا اور کچھ پروا نہیں کی کہ اس میں ان کی دینی تعلیمات کی مخالفت ہوتی ہے۔ ان اندھی تقلید میں مبتلا ہونے والوں نے اتنی بھی زحمت گوارا نہیں کی کہ کانٹا داہنے ہاتھ میں لے لیں اور چھری بائیں ہاتھ میں' تاکہ داہنے ہاتھ سے کھا سکیں۔ محض اس خدشہ سے کہ اگر ایسا کریں گے تو اس سے مغربی تہذیب مجروح ہو گی۔ دراصل یہ ذہنی مرعوبیت اور نفسیاتی ہزیمت کی ایک مثال ہے جس میں ہماری ملت مبتلا ہو گئی ہے' کہ جو بھی نئی چیز درآمد ہوتی ہے اس میں بغیر کچھ ترمیم و تعدیل کیے ہوئے اور بغیر اسے اپنی شخصیت' اپنے دین اور اپنی بنیادی قدروں کے موافق بنائے اپنا لیتی ہے۔ حقیقی مسلمان طوطوں کی طرح اس ادنیٰ اور رذیل تہذیب کی اندھی تقلید نہیں کرتا' بلکہ اس سے دور رہتا ہے۔

باشعور' صاحب بصیرت اور دین کی محکم تعلیمات اور بلند آداب پر فخر کرنے والا مسلمان داہنے ہاتھ سے کھاتا ہے اور دوسروں کو بھی اس پر آمادہ کرتا ہے۔ اسے ان محفلوں اور معاشروں میں بھی' جو مغرب کی طرف سے آئی ہوئی ہر چیز کو حرف بحرف قبول کر لیتے ہیں' علی الاعلان ایسا کرنے میں شرمندگی دامن گیر نہیں ہوتی۔ وہ سب کے سامنے کھلے عام ایسا کرتا ہے تاکہ غافل' لاپروا اور بے توجہی برتنے والے لوگ متنبہ ہو جائیں اور کھانے پینے میں داہنے ہاتھ کا استعمال کرنے کی سنت نبوی کی تعلیم پر عمل کریں۔

کھانے کا تیسرا ادب یہ ہے کہ اپنے سامنے سے کھایا جائے۔ بے شمار احادیث میں پوری وضاحت اور صراحت سے نبی کریم ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر اور داہنے ہاتھ

سے کھانے کے ساتھ ساتھ اپنے سامنے سے کھانے کا بھی حکم دیا ہے۔ مثلاً سیدنا عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''میں بچہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت تھا۔ کھانے میں میرا ہاتھ پلیٹ میں اِدھر اُدھر جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

((يَا غُلَامُ، سَمِّ اللّٰهَ، وَ كُلْ بِيَمِيْنِكَ، وَ كُلْ مِمَّا يَلِيْكَ))

''اے لڑکے! اللہ کا نام لو۔ داہنے ہاتھ سے اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔'' ①

مسلمان جب ہاتھ سے کھانا کھاتا ہے تو نرمی، شائستگی اور تہذیب سے کھاتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا۔ آپ تین انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے تھے اور پورا ہاتھ کھانے میں نہیں ڈالتے تھے، جس سے کہ دیکھنے والوں کو ناگواری ہو اور گھن آئے۔ سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ آپ کے کھانے کی کیفیت یوں بیان کرتے ہیں:

((رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَأْكُلُ بِثَلَاثِ أَصَابِعَ، فَإِذَا فَرَغَ لَعِقَهَا))

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے تین انگلیوں سے کھانا نوش فرمایا اور جب فارغ ہوئے تو انگلیاں چاٹ لیں۔'' ②

آپ انگلیاں چاٹنے اور برتن صاف کر لینے کا حکم دیتے تھے۔ جیسا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیاں چاٹنے اور برتن صاف کر لینے کا حکم دیا اور فرمایا:

((إِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ فِيْ أَيِّ طَعَامِكُمُ الْبَرَكَةُ))

''تم نہیں جانتے کہ کھانے کے کس حصہ میں برکت ہے۔'' ③

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

---

① بخاری۔ کتاب الاطعمۃ: باب التسمیۃ علی الطعام والاکل بالیمین (ح ۵۳۷۶)
مسلم۔ کتاب الاشربۃ: باب آداب الطعام والشراب (ح ۲۰۲۲)

② مسلم۔ کتاب الاشربۃ: باب استحباب لعق الاصابع والقصعۃ (ح ۲۰۳۲)

③ مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۲۰۳۳)

((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَكَلَ طَعَامًا لَعِقَ اَصَابِعَهُ الثَّلَاثَ ' وَ قَالَ: اِذَا سَقَطَتْ لُقْمَةُ اَحَدِكُمْ فَلْيَاْخُذْهَا ' وَلْيُمِطْ عَنْهَا الْاَذٰى ' وَلْيَاْكُلْهَا وَلَا يَدَعْهَا لِلشَّيْطَانِ وَ اَمَرَنَا اَنْ نَسْلُتَ الْقَصْعَةَ ' وَ قَالَ: اِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ فِيْ اَيِّ طَعَامِكُمُ الْبَرَكَةُ))

''رسول اللہ ﷺ جب کھانا تناول فرماتے تو اپنی تینوں انگلیاں چاٹ لیا کرتے تھے اور فرماتے تھے: ''جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے تو اسے چاہیے کہ اٹھا لے اور اگر اس میں کچھ لگ جائے تو اسے صاف کر کے کھا لے اور اسے شیطان کے لیے نہ چھوڑے۔'' (سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ) نبی کریم ﷺ نے ہمیں برتن صاف کر لینے کا حکم دیا اور فرمایا: ''تمہیں نہیں معلوم کہ کھانے کے کس حصہ میں برکت ہے۔'' [1]

نبی کریم ﷺ کی اس تعلیم میں برکت تلاش کرنے کے ساتھ ساتھ ہاتھ اور برتن صاف کرنے کی بھی ترغیب ہے۔ کھانے سے ہاتھ اور برتن کو صاف کر لینا تہذیب یافتہ اور نظافت پسند انسان کے شایانِ شان ہے اور اس سے اس کی نظافت' تربیت اور سلامت ذوق پر دلالت ہوتی ہے۔ آج مغرب نے اس اچھی عادت کو قبول کر لیا ہے جسے رسول کریم ﷺ نے پندرہ صدیاں قبل بتلایا تھا۔ چنانچہ آج یورپین برتن کو صاف کر لیتے ہیں اور اس میں کچھ نہیں چھوڑتے۔

یہ چیز بدیہی ہے کہ ذکی الحس اور اسلامی آداب اختیار کرنے والا مسلمان کھانے کے دوران میں منہ سے یا حلق سے آواز نہیں نکالتا ہے اور نہ لقمہ منہ میں چباتے وقت کریہہ اور متنفر کرنے والی ناپسندیدہ آوازیں نکالتا ہے اور نہ ہی بڑے بڑے لقمے اٹھاتا ہے کہ اس کا منہ پھول جائے اور صورت بگڑ جائے۔

یہاں تک کہ جب کھانے سے فارغ ہو جاتا ہے تو ان بہترین کلمات سے اللہ کی حمد بیان کرتا ہے جو رسول کریم ﷺ نے سکھلائے ہیں اور اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر

---

[1] مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۲۰۳۴)

ادا کرتے ہوئے اس سے حمد وشکر کرنے والوں کے اجر وثواب کی آرزو رکھتا ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانے سے فارغ ہوتے اور دستر خوان اٹھاتے تو فرماتے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَ لَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا)) ①

''تمام عمدہ اور با برکت تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! نہ اس سے کفایت ہے نہ بے نیازی۔''

سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص کھانا کھانے کے بعد یہ کہے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي اَطْعَمَنِيْ هٰذَا وَ رَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِنِّيْ وَلَا قُوَّةٍ)) ②

''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور رزق عطا کیا' حالانکہ میری اس میں کوئی طاقت وقوت نہیں۔''

تو اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔''

اسلامی آداب اختیار کرنے والا مسلمان نبوی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ اختیار کرتے ہوئے کھانے میں عیب نہیں تلاش کرتا' خواہ کھانا کیسا ہی ہو۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

---

① بخاری۔ کتاب الاطعمة: باب مایقول اذا فرغ من طعامه (ح ۵۴۵۸)

② ابوداود۔ کتاب اللباس: باب مایقول اذا لبس ثوبا جدیداً (ح ۴۰۲۳)
ترمذی۔ کتاب الدعوات: باب مایقول اذا فرغ من الطعام (ح ۳۴۵۸)
ابن ماجه۔ کتاب الاطعمة: باب ما یقال اذا فرغ من الطعام (ح ۳۲۸۵)

((مَا عَابَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَعَامًا قَطُّ اِنِ اشْتَهَاهُ اَكَلَهُ ، وَاِنْ كَرِهَهُ تَرَكَهُ))

''رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں لگایا۔ اگر پسند آیا تو کھا لیا' نہ پسند ہوا تو چھوڑ دیا۔'' ①

مسلمان کے پینے کے آداب بھی اسلامی آداب سے مستفاد اور ماخوذ ہیں۔ چنانچہ وہ بسم اللہ کر کے دو یا تین سانس میں پیتا ہے' برتن میں سانس نہیں لیتا' حتی الامکان مشک میں منہ لگا کر پینے سے احتیاط برتتا ہے' مشروب میں پھونک نہیں مارتا' اور جہاں تک ممکن ہوتا ہے بیٹھ کر پیتا ہے۔

دو یا تین سانس میں پینا خود رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَتَنَفَّسُ فِي الشَّرَابِ ثَلَاثًا))

''رسول اللہ ﷺ پیتے وقت (برتن سے باہر) تین مرتبہ سانس لیا کرتے تھے۔'' ②

رسول کریم ﷺ نے ایک سانس میں پینے سے منع کیا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

((لَا تَشْرَبُوْا وَاحِدًا كَشُرْبِ الْبَعِيْرِ ، وَلٰكِنِ اشْرَبُوْا مَثْنٰى وَ ثُلَاثَ ، وَ سَمُّوْا اِذَا اَنْتُمْ شَرِبْتُمْ ، وَاحْمَدُوْا اِذَا اَنْتُمْ رَفَعْتُمْ))

''اونٹ کی طرح ایک سانس میں نہ پیا کرو' بلکہ دو یا تین سانس میں پیا کرو۔ پینے سے پہلے اللہ کا نام لو اور پی چکنے کے بعد اس کی حمد کرو۔'' ③

نبی کریم ﷺ نے پانی میں پھونکنے یا سانس لینے سے منع فرمایا ہے۔ سیدنا ابو

---

① بخاری۔ کتاب المناقب: باب صفة النبی ﷺ (ح ۳۵۶۳)
مسلم۔ کتاب الاشربة: باب یعیب الطعام (ح ۲۰۶۴)

② بخاری۔ کتاب الاشربة: باب الشرب بنفسین او ثلاثا (ح ۵۶۳۱)

③ (ضعیف) ترمذی۔ کتاب الاشربة: باب ماجاء فی التنفس فی الاناء (ح ۱۵۵۸)

سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

((اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم نَهٰی عَنِ النَّفُخِ فِی الشَّرَابِ ' فَقَالَ رَجُلٌ اَرَی الْقَذَاةَ فِيهِ ' قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَاَهْرِقْهَا قَالَ: اِنِّی لَا اَرْوٰی مِنْ نَفْسٍ وَاحِدٍ ' فَقَالَ الرَّسُوْلُ صلی اللہ علیہ وسلم: فَاَبِنِ الْقَدَحَ عَنْ فِيكَ ثُمَّ تَنَفَّسْ))

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی میں پھونک مارنے سے منع فرمایا۔ ایک آدمی نے عرض کیا: ''اگر اس میں کوئی تنکا دکھائی دے تو کیا کروں؟'' فرمایا: ''اسے گرا دو۔'' اس نے پھر عرض کیا: ''میں ایک سانس میں سیراب نہیں ہوتا ہوں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پیالے کو منہ سے دور کر کے سانس لے لیا کرو۔'' [1]

پینے کے آداب کے سلسلہ میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہتر اور اچھا طریقہ یہ ہے کہ تہذیب یافتہ مسلمان حتی الامکان مشک میں منہ لگا کر نہ پیے' اور جہاں تک ہو سکے بیٹھ کر پیے۔ یہی بہتر اور افضل طریقہ ہے۔ جیسا کہ اس موضوع کی احادیث دلالت کرتی ہیں۔ اگرچہ مشک میں منہ لگا کر اور کھڑے ہو کر بھی پینا جائز ہے۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حالتوں میں بھی پیا ہے۔

سلام کو رواج دیتا ہے

مسلمان کا ایک امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ سلام کو عام کرتا ہے۔ اسلام میں سلام کا رواج محض معاشرتی رسم کے طور پر نہیں ہے جسے انسانوں نے مختلف زمانوں میں ایجاد کیا ہو یا اسے رواج دیا ہو کہ وہ معاشرتی ماحول اور اس زمانے کے مطابق تغیر و

[1] موطا امام مالک (۲/ ۹۲۵) کتاب صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب النهی عن الشراب فی آنية الفضة (ح ۱۲)

ترمذی۔ کتاب الاشربة: باب ماجاء فی کراهية النفخ فی الشراب (ح ۱۸۸۷)

مسلم۔ کتاب الاشربة: باب کراهة التنفس فی نفس الاناء (ح ۲۰۲۸)

تبدل کا شکار ہوتا رہے جس میں وضع کیا گیا ہے، بلکہ یہ دراصل ایسا متعین اور مقرر بنیادی ادب ہے جس کا اللہ رب العزت نے اپنی محکم کتاب میں حکم دیا ہے اور رسول کریم ﷺ نے اپنی بے شمار احادیث میں اس کے اصول و قواعد بتلائے ہیں۔ اس باب میں احادیث کی کثرت کا اندازہ محض اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ محدثین نے اپنی کتابوں میں ''کتاب السلام'' یا ''باب السلام'' کے نام سے مستقل ایک باب منعقد کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی محکم کتاب میں اہل ایمان کو سلام کرنے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا﴾ (النور: ۲۴/ ۲۷)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، جب تک کہ گھر والوں کی رضا نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سلام کا ویسا ہی یا اس سے اچھا جواب دینے کا بھی حکم دیا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ جو بھی سلام سنے اس کا جواب دے اور اس میں تجاہل یا تساہل نہ برتے:

﴿وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا﴾ (النساء: ۴/ ۸۶)

''جب تمھیں کوئی سلام کرے تو اس کو اس سے بہتر طریقے کے ساتھ جواب دو یا کم از کم اسی طرح۔''

اسی طرح بے شمار احادیث میں سلام عام کرنے اور ہر ایک کو سلام کرنے کا حکم دیا گیا ہے، خواہ وہ جان پہچان کا ہو یا نہ ہو، اور پوری حرارت و گرم جوشی سے سلام کہنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ جیسے کہ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اسلام میں کون سا عمل سب سے بہتر

ہے؟" فرمایا:

((تُطْعِمُ الطَّعَامَ ، وَ تَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَ مَنْ لَمْ تَعْرِفْ))

"کھانا کھلاؤ اور سلام کرو، خواہ کسی کو پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو۔" ①

سلام رسول اللہ ﷺ کی ان سات وصیتوں میں سے ہے جس کا آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا تھا کہ ان کا اپنی معاشرتی زندگی میں التزام کریں اور ان کے بعد امت مسلمہ بھی انہیں لازم پکڑے۔ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِسَبْعٍ: بِعِيَادَةِ الْمَرِيْضِ ، وَاتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ ، وَ تَشْمِيْتِ الْعَاطِسِ ، وَ نَصْرِ الضَّعِيْفِ ، وَ عَوْنِ الْمَظْلُوْمِ ، وَ اِفْشَاءِ السَّلَامِ وَ اِبْرَارِ الْمُقْسِمِ))

"رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سات چیزوں کا حکم دیا: مریض کی عیادت کرنا، جنازوں کے پیچھے چلنا، چھینکنے والے کا جواب دینا، کمزور کی مدد کرنا، مظلوم کا تعاون کرنا، سلام کو عام کرنا اور قسم کھانے والے کی قسم پوری کرنا۔" ②

رسول کریم ﷺ نے اپنی بے شمار احادیث میں سلام پر بہت زور دیا ہے، اسے عام کرنے پر اکسایا ہے، اور اس کی ترغیب دی ہے۔ اس لیے کہ آپ بخوبی جانتے تھے کہ دلوں میں محبت کے چشمے جاری کرنے، دلوں کے تعلقات مستحکم کرنے اور افراد و جماعت کے درمیان محبت و مودت اور قربت و اخلاص کے رشتے قائم کرنے میں سلام کا بہت بڑا کردار ہے۔ یہاں تک کہ آپ نے "سلام" کو محبت کا ذریعہ قرار دیا ہے جس سے ایمان نصیب ہوتا ہے اور جنت حاصل ہوتی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

---

① بخاری۔ کتاب الایمان: باب اطعام الطعام من الاسلام (ح ۱۲)
مسلم۔ کتاب الایمان: باب بیان تفاضل الاسلام (ح ۳۹)

② بخاری۔ کتاب النکاح: باب حق اجابة الولیمة والدعوة (ح ۵۱۷۵)
مسلم۔ کتاب اللباس: باب تحریم استعمال اناء الذهب والفضة (ح ۲۰۶۶)

((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا ، وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا ، اَوَلَا اَدُلُّکُمْ عَلٰی شَیْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْہُ تَحَابَبْتُمْ ؟ اَفْشُوا السَّلَامَ بَیْنَکُمْ))

''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم لوگ اس وقت تک جنت میں نہیں جا سکتے جب تک کہ ایمان نہ لے آؤ اور اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ باہم محبت نہ کرنے لگو۔ کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتلاؤں جس پر عمل کرنے سے آپس میں محبت پیدا ہو جائے گی؟ آپس میں سلام عام کرو۔'' ①

نبی کریم ﷺ نے اللہ سے قربت اور اس کی خوشنودی، نعمتوں اور انعامات کا مستحق اس شخص کو قرار دیا ہے جو سلام میں پہل کرے:

((اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاللّٰہِ مَنْ بَدَاَھُمْ بِالسَّلَامِ))

''لوگوں میں اللہ سے قریب وہ شخص ہے جو سلام میں پہل کرے۔'' ②

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عموماً بازار تشریف لے جاتے اور جس کے پاس سے بھی گزرتے اسے سلام کرتے۔ ایک دن کسی ساتھی نے آپ سے پوچھا: ''آپ بازار میں آخر کیا کرتے ہیں؟ آپ نہ تو خرید و فروخت کرتے ہیں نہ سودے کے بارے میں کچھ پوچھتے ہیں نہ مول تول کرتے ہیں (یعنی قیمت وغیرہ پوچھتے ہیں) نہ بازار کی مجلسوں میں بیٹھتے ہیں۔'' تو آپ نے فرمایا:

((اِنَّمَا نَغْدُوْ مِنْ اَجْلِ السَّلَامِ عَلٰی مَنْ لَقِیْنَا))

''ہم تو صرف اس لیے بازار جاتے ہیں تاکہ جو بھی ملے اس کو سلام کریں۔'' ③

---

① مسلم۔ کتاب الایمان: باب بیان انه لایدخل الجنة الاالمومنون (ح ۵۴)

② ابو داود۔ کتاب الادب: باب فی فضل من بدا بالسلام (ح ۵۱۹۷)
ترمذی۔ کتاب الاستئذان: باب ماجاء فی فضل الذی یبداء بالسلام (ح ۲۶۹۴)

③ موطا امام مالک ۲/ ۹۶۱، ۹۶۲ کتاب السلام: باب جامع السلام (ح ۶)

اسلامی معاشرہ میں سلام کا صرف ایک صیغہ ہے جس کا حقیقی دینی آداب کا شعور رکھنے والا اور ان پر عمل کرنے والا مسلمان التزام کرتا ہے۔ اور وہ ہے:

''السلام علیکم و رحمة اللّٰه و برکاته''

اسے سلام میں پہل کرنے والا شخص کہتا ہے خواہ مخاطب ایک ہی شخص ہو اور جواب دینے والا کہتا ہے:

''و علیکم السلام و رحمة و برکاته۔''

سچا مسلمان ان کلمات کو چھوڑ کر اور ان سے بے نیاز ہو کر عربی کے وہ دوسرے قدیم کلمے جیسے ''عِمَ صَبَاحًا'' (صبح خوشگوار ہو) یا جدید کلمے جیسے ''صَبَاحُ الْخَيْرِ'' (صبح بخیر) یا جو کہ انگریزی کے (Good Morning) اور فرانسیسی کے (Bonsoir) کا لفظی ترجمہ ہے یا دیگر ان کلمات کو نہیں اختیار کرتا جو دین کی محکم تعلیمات سے پیچھے رہ جانے والے مسلم معاشروں میں عام ہو گئے ہیں۔

اسلام کا یہی وہ سلام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت سے ہمیشہ کے لیے اپنی مخلوق کے لیے خاص کر دیا ہے۔ آدم علیہ السلام کو بھی اسی کی تعلیم دی اور فرمایا کہ اسی کے ذریعے سے فرشتوں کو سلام کریں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ ہر جگہ آدم علیہ السلام کی ذریت اسی کو اپنائے۔ اس لیے کہ اس میں ''سلامتی'' کے معنی پائے جاتے ہیں' جو ہر زمان و مکان میں انسان کو سب سے محبوب رہا ہے۔ اس زبانی سلام کو صرف ملت حنفیہ پر قائم رہنے والی امت مسلمہ نے ہی اپنائے رکھا ہے۔ نہ کچھ تغیر و تبدیلی کی ہے نہ اس سے سرمو انحراف کیا ہے اور نہ ہی اس کے اختیار کرنے میں سستی و تن آسانی کا مظاہرہ کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

> ''جب اللہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو فرمایا: ''جاؤ ان لوگوں کو سلام کر آؤ' (یعنی فرشتوں کی ایک جماعت کو جو بیٹھی ہوئی تھی) اور سنو کہ وہ لوگ جواب میں کیا کہتے ہیں۔ کیونکہ وہی تمہارا اور تمہاری ذریت کا سلام ہو گا۔'' آدم

علیہ السلام نے ان کے پاس جا کر کہا: "السلام علیکم" فرشتوں نے جواب دیا: "السلام علیك و رحمة اللّٰه" فرشتوں نے جواب میں رحمة اللّٰه کا اضافہ کیا۔" ①

اس لیے کوئی تعجب نہیں کہ سلام کا یہ صیغہ مبارک اور پاکیزہ ہو۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اسے اپنا سلام بنائیں اور اس کو چھوڑ کر کوئی دوسرا طریقہ نہ اختیار کریں۔ جیسے کہ فرمایا:

﴿فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً﴾ (النور: ۲۴/ ۶۱)

"تو جب گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے لوگوں کو سلام کیا کرو۔ یہ دعائے خیر اللہ کی طرف سے مقرر فرمائی ہوئی' بڑی با برکت' بڑی پاکیزہ ہے۔"

اور اسی لیے سیدنا جبرئیل علیہ السلام نے بھی اسی صیغہ کا التزام کیا جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو سلام کیا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی جواب میں یہی صیغہ اختیار کیا۔ جیسا کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

((هٰذَا جِبْرِيلُ يَقْرَأُ عَلَيْكِ السَّلَامَ))

"یہ جبرئیل ہیں' تمہیں سلام کہہ رہے ہیں۔"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' میں نے عرض کیا:

((وَ عَلَيهِ السَّلَامُ وَ رَحمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهُ)) ②

---

① بخاری۔ کتاب الاستئذان: باب بدء السلام (ح ۶۲۲۷)
مسلم۔ کتاب الجنة: باب یدخل الجنة اقوام افئدتهم مثل افئدة الطیر (ح ۲۸۴۱)

② بخاری۔ کتاب بدء الخلق: باب ذکر الملائکة صلوات اللہ علیهم (ح ۳۲۱۷)
مسلم۔ کتاب فضائل الصحابة: باب فی فضائل عائشة ام المومنین رضی اللہ عنہا (ح ۲۴۴۷)

اسلام میں سلام کے کچھ قواعد وضوابط ہیں جنہیں حقیقی مسلمان ذہن نشین کرنے اور معاشرتی زندگی میں ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ قواعد اس حدیث میں مختصراً آ گئے ہیں جسے امام بخاریؒ اور دیگر محدثین نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

((يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِيْ ' وَالْمَاشِيْ عَلَى الْقَاعِدِ ' وَالْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ))

''سوار پیدل کو سلام کرے' پیدل بیٹھنے والے کو سلام کرے اور تھوڑے زیادہ (تعداد والوں) کو سلام کریں۔'' ①

بخاری کی ایک روایت ہے:

((وَالصَّغِيْرُ عَلَى الْكَبِيْرِ))

''اور چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔'' ②

سلام مردوں کی طرح عورتوں کو بھی کیا جائے گا۔ اس کی تائید سیدہ اسما بنت یزید رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث سے ہوتی ہے۔ فرماتی ہیں کہ:

((اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ فِيْ الْمَسْجِدِ يَوْمًا وَ عُصْبَةٌ مِنَ النِّسَاءِ قُعُوْدٌ فَاَلْوَى بِيَدِهِ بِالتَّسْلِيْمِ))

''رسول اللہ ﷺ ایک دن مسجد سے گزرے۔ وہاں عورتوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا۔'' ③

---

① بخاري۔ كتاب الاستئذان: باب يسلم الراكب على الماشي (ح ۶۲۳۲)
مسلم۔ كتاب السلام: باب يسلم الراكب على الماشي (ح ۲۱۶۰)

② بخاري۔ كتاب الاستئذان: باب تسليم القليل على الكثير (ح ۶۲۳۱)

③ ابوداود۔ كتاب الادب: باب في السلام على النساء (ح ۵۲۰۴)
ترمذي۔ كتاب الاستئذان: باب ماجاء في التسليم على النساء (ح ۲۶۹۷)
ابن ماجه۔ كتاب الادب: باب السلام على الصبيان والنساء (ح ۳۷۰۱)

اسی طرح سلام بچوں کو بھی کیا جائے گا' تا کہ وہ بھی سلام کے آداب کے عادی ہو جائیں۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ کچھ بچوں کے پاس سے گزرے تو انہیں سلام کیا اور فرمایا:

((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَفْعَلُهُ))

''اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کیا کرتے تھے۔'' ①

اسلام میں سلام کے قواعد و آداب میں یہ بات بھی داخل ہے کہ نرمی' آہستگی اور پست آواز سے کیا جائے کہ جاگنے والے سن لیں اور سونے والوں کی نیند میں خلل نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی عادت شریفہ تھی۔ جیسا کہ سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں مروی ہے۔ فرماتے ہیں:

((كُنَّا نَرْفَعُ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم نَصِيبَهُ مِنَ اللَّبَنِ ' فَيَجِيءُ مِنَ اللَّيْلِ فَيُسَلِّمُ تَسْلِيمًا لَا يُوقِظُ نَائِمًا ' وَ يُسْمِعُ الْيَقْظَانُ ' فَجَاءَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَسَلَّمَ كَمَا كَانَ يُسَلِّمُ))

''ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ کا حصہ رکھ دیا کرتے تھے۔ آپ رات میں تشریف لاتے تو ایسی آواز میں سلام کرتے کہ سونے والے بیدار نہ ہوتے اور جاگنے والے سن لیتے۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اسی طرح سلام کیا۔ ②

کسی مجلس میں پہنچتے اور وہاں سے اٹھتے دونوں وقت سلام کرنا چاہیے۔ اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((إِذَا انْتَهَى أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَجْلِسِ فَلْيُسَلِّمْ ' فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَقُومَ فَلْيُسَلِّمْ ' فَلَيْسَتِ الْأُولَى بِأَحَقَّ مِنَ الْآخِرَةِ))

''جب تم میں سے کوئی کسی مجلس میں پہنچے تو سلام کرے۔ پھر جب وہاں

---

① بخاری۔ كتاب الاستئذان: باب التسليم على الصبيان (ح ٦٢٤٧)
مسلم۔ كتاب السلام: باب استحباب السلام على الصبيان (ح ٢١٦٨)

② مسلم۔ كتاب الاشربة: باب اكرام الضيف و فضل ايثاره (ح ٢٠٥٥)

سے اٹھنے کا ارادہ کرے تو دوبارہ سلام کرے۔ کیونکہ پہلا سلام دوسرے سلام سے زیادہ بہتر نہیں ہے۔'' ①

دوسرے کے گھر میں بغیر اجازت نہیں داخل ہوتا

دینی آداب کا شعور رکھنے والا مسلمان اپنے گھر کے علاوہ دوسرے کے گھر میں بغیر اجازت نہیں داخل ہوتا۔ اجازت لینا اللہ کا حکم ہے جس میں تساہلی یا اعراض جائز نہیں۔ فرمایا:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَأْنِسُوا وَ تُسَلِّمُوا عَلٰٓى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَ اِنْ قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾ (النور: ۲۴/ ۲۷، ۲۸)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی رضا نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو۔ یہ طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ توقع ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے۔ پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو داخل نہ ہو جب تک کہ تم کو اجازت نہ دے دی جائے۔ اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس ہو جاؤ۔ یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ (النور: ۲۴/ ۵۹)

---

① ابوداود۔ کتاب الادب: باب فی السلام اذا قام من المجلس (ح ۵۲۰۸)
ترمذی۔ کتاب الاستئذان: باب ماجاء فی التسلیم عند القیام و عند القعود (ح ۲۷۰۶)

''اور جب تمہارے بچے عقل کی حد کو پہنچ جائیں تو چاہیے کہ اسی طرح اجازت لے کر آیا کریں جس طرح ان کے بڑے اجازت لیتے رہے ہیں۔''

بغیر اجازت کسی کے گھر میں جانا شکوک وشبہات سے خالی نہیں ہوسکتا۔ اجازت کی قید سے جاسوسی، غفلت سے فائدہ، چپکے سے گھسنے اور بغیر اجازت داخل ہونے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی اور وہ شکوک وشبہات ہی پیدا نہیں ہوتے جو بغیر اجازت داخل ہونے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور یہ ملاقاتی اور گھر والے دونوں کی عزت وشہرت کے لیے زیادہ بہتر اور پاکیزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اپنے مومن بندوں کے لیے اجازت مشروع کرنے کا یہی مقصد ہے۔

پھر اجازت طلبی کے بھی کچھ آداب ہیں، جنہیں اسلام نے مسلمان کے لیے لازم کیا ہے اور اسے کہیں کسی سے ملاقات کے لیے جاتے وقت ان سے آراستہ ہونے کا حکم دیا ہے۔

پہلا ادب یہ ہے کہ دروازے کے سامنے نہ کھڑا ہو بلکہ دروازے سے ہٹ کر دائیں یا بائیں جانب کھڑا ہو۔ رسول اللہ ﷺ کی یہی عادت شریفہ تھی۔ سیدنا عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ اِذَا اَتٰی بَابًا یُرِیْدُ اَنْ یَسْتَاْذِنَ لَمْ یَسْتَقْبِلْهُ، جَاءَ یَمِیْنًا اَوْ شِمَالًا فَاِنْ اُذِنَ لَهُ، وَاِلَّا انْصَرَفَ))

''نبی کریم ﷺ جب کسی کے گھر جاتے اور اجازت لینا چاہتے تو دروازے کے دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے۔ اگر اجازت مل جاتی (تو داخل ہو جاتے) ورنہ واپس لوٹ جاتے۔'' [1]

اجازت لینے کی مشروعیت اس لیے ہے کہ ناگاہ کسی نامحرم پر نگاہ نہ پڑ جائے۔ جیسا کہ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1] ابوداود۔ کتاب الادب: باب کم مرة یسلم الرجل فی الاستئذان (ح ۵۱۳۶)

((اِنَّمَا جُعِلَ الْاِسْتِئْذَانُ مِنْ اَجْلِ الْبَصَرِ))

''اجازت لینا صرف اس لیے مشروع ہوا ہے تاکہ کسی نامحرم پر نظر نہ پڑ جائے۔'' ①

اس لیے اجازت لینے والے شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ دروازے کے سامنے اس طور پر کھڑا ہو کہ دروازہ کھلنے پر اس کی نظر اندر پہنچ جائے۔

دوسرا ادب یہ ہے کہ پہلے سلام کرے پھر اجازت چاہے۔ سلام کرنے سے پہلے اجازت طلب کرنا صحیح نہیں۔ سیدنا ربعی بن حراش رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کی تعلیم دی ہے۔

''سیدنا ربعیؒ فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنو عامر کے ایک شخص نے ہم سے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تھے۔ اس نے آپ سے آنے کی اجازت طلب کرتے ہوئے کہا: ''کیا میں اندر آ جاؤں؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم سے فرمایا: ''جاؤ اس کو اجازت مانگنے کا طریقہ بتلاؤ۔ اس سے کہو کہ یوں اجازت مانگے: ''السلام علیکم' کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟'' اس آدمی نے سن لیا اور کہا: ''السلام علیکم' کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی اور وہ اندر آ گیا۔'' ②

تیسرا ادب یہ ہے کہ جب اس سے پوچھا جائے: ''کون ہے؟'' تو اپنا نام یا کنیت جس سے وہ جانا جاتا ہو' بتلائے اور کوئی مبہم کلمہ جیسے ''میں'' وغیرہ نہ کہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ناپسند فرمایا ہے کہ دروازہ کھٹکھٹانے والا ''میں'' یا کوئی ایسا کلمہ کہے جس سے اس کی شخصیت نہ پہچانی جا سکے۔ آپ نے حکم دیا ہے کہ پوچھنے پر اپنا صریح نام بتلائے۔

---

① بخاری۔ کتاب الاستئذان: باب الاستئذان من اجل البصر (ح ۶۲۴۱)
مسلم۔ کتاب الآداب: باب تحریم النظر فی بیت غیرہ (ح ۲۱۵۶)

② ابوداود۔ کتاب الادب: باب کیف الاستئذان (ح ۵۱۷۷)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

''میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ نے فرمایا:

((مَنْ هٰذَا ؟ فَقُلْتُ: اَنَا، فَقَالَ: اَنَا اَنَا ؟ كَاَنَّهُ كَرِهَهَا))

''کون؟'' میں نے عرض کیا ''میں'' آپ نے فرمایا: ''میں میں کیا؟'' گویا آپ کو میرا ''میں'' کہنا ناپسند لگا۔'' ①

اس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں اجازت طلب کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ صریح نام بتلایا جائے۔ اسی پر آپ خود اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عمل کرتے تھے۔

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: ''میں ایک رات باہر نکلا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا چل رہے ہیں۔ میں بھی چاند کے سائے میں چلنے لگا۔ آپ متوجہ ہوئے اور میری طرف دیکھ کر فرمایا:

((مَنْ هٰذَا ؟ فَقُلْتُ: اَبُوْ ذَرٍّ))

''کون؟'' میں نے عرض کیا: ''ابوذر۔'' ②

سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ غسل فرما رہے تھے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کا آڑ کیے ہوئے تھیں۔ آپ نے فرمایا:

((مَنْ هٰذِهٖ ؟ فَقُلْتُ: اَنَا اُمُّ هَانِیءٍ))

''کون ہے؟'' میں نے عرض کیا: ''میں ام ہانی ہوں۔'' ③

چوتھا ادب یہ ہے کہ اگر گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے، واپس

---

① بخاری۔ کتاب الاستئذان: باب اذا قال من ذا، فقال انا (ح ۶۲۵۰)

② بخاری۔ کتاب الرقاق: باب المکثرون هم المقلون (ح ۶۴۴۳)
مسلم۔ کتاب الزکاۃ: باب الترغیب فی الصدقة (ح ۳۳/ ۹۴)

③ بخاری۔ کتاب الغسل: باب الستر فی الغسل عندالناس (ح ۲۸۰)
مسلم۔ کتاب صلاۃ المسافرین: باب استحباب صلاۃ الضحی (ح ۸۲/ ۳۳۶)

ہونے کو کہا جائے تو بغیر دل میں کوئی بات لائے واپس لوٹ جائے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں یہی حکم دیا ہے:

﴿وَ اِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ﴾ (النور: ۲۴/ ۲۸)

''اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس ہو جاؤ۔ یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے' اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔''

اس سلسلہ میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد عالی بھی ہے جس میں بتلایا گیا ہے کہ اجازت تین بار لینی چاہیے۔ اگر اجازت مل جائے تو داخل ہو جائے ورنہ واپس ہو جائے۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَلْاِسْتِئْذَانُ ثَلَاثٌ ، فَاِنْ اُذِنَ لَكَ وَاِلَّا فَارْجِعْ))

''اجازت تین مرتبہ لینی چاہیے۔ اگر تمہیں اجازت مل جائے تو داخل ہو جاؤ ورنہ واپس ہو جاؤ۔'' [1]

ایک مرتبہ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی' لیکن اجازت نہیں ملی تو واپس لوٹ گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں بلا بھیجا اور ان دونوں کے درمیان اجازت لینے اور واپس ہونے کے سلسلہ میں گفتگو ہوئی' جسے یہاں نقل کرنا مفید ہوگا تاکہ قاری کو معلوم ہو جائے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کرنے اور آپ کی تعلیمات پر عمل کرنے کی کتنی دقت و باریکی سے کوشش کرتے تھے۔

سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تین مرتبہ اجازت چاہی' مگر کوئی جواب نہ آیا تو میں واپس لوٹ آیا۔ انہوں نے مجھے بلا بھیجا۔ میں گیا تو فرمایا:

---

[1] بخاری۔ کتاب الاستئذان: باب التسلیم والاستئذان ثلاثا (ح ۶۲۴۵)
مسلم۔ کتاب الآداب: باب الاستئذان (ح ۲۱۵۳)

''اے اللہ کے بندے! تمہیں میرے دروازے پر رکنا شاق گزرا؟ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اسی طرح لوگوں کو بھی تمہارے دروازے پر رکنا شاق گزرتا ہے۔''

میں نے کہا: ''میں نے تین مرتبہ اجازت چاہی مگر کوئی جواب نہ ملا تو واپس چلا گیا۔ ہمیں ایسا ہی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔''

انھوں نے فرمایا: ''یہ تم نے کس سے سنا ہے؟''

میں نے کہا: ''نبی کریم ﷺ سے۔''

انھوں نے کہا: ''کیا تم نے نبی کریم ﷺ سے ایسی بات سنی جو میں نے نہیں سنی؟ اگر تم نے اس پر کوئی دلیل پیش نہیں کی تو میں تمہیں سخت سزا دوں گا۔''

میں باہر نکلا' یہاں تک کہ انصار کی ایک جماعت کے پاس آیا جو مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا۔ ان لوگوں نے کہا: ''کیا اس میں بھی کوئی شک کر سکتا ہے؟'' میں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بات سنائی تو ان لوگوں نے کہا: ''تمہارے ساتھ ہم میں سے وہ جائے گا جو سب سے چھوٹا ہو۔''

چنانچہ میرے ساتھ ابو سعید (یا ابو مسعود) خدری رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے یہ حدیث بیان کی کہ: ''ہم لوگ ایک مرتبہ نبی ﷺ کے ساتھ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر گئے۔ آپ نے سلام کیا مگر کوئی جواب نہ ملا۔ دوسری مرتبہ پھر تیسری مرتبہ سلام کیا مگر خاموشی رہی۔ تو آپ نے فرمایا: ''ہمارا جو فرض تھا وہ ہم نے پورا کر دیا۔'' پھر آپ واپس ہو رہے تھے کہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ آ پہنچے اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے' میں نے ہر مرتبہ آپ کا سلام سنا اور اس کا جواب بھی دیا' لیکن زور (بلند آواز) سے اس لیے نہیں کہا کیونکہ میری خواہش ہوئی کہ آپ مجھے اور میرے گھر والوں کو زیادہ سے زیادہ سلام کریں۔ (یعنی سلامتی کی دعا دیں۔)

آخر میں سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کا امین ہوں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہاں! یہ ٹھیک ہے' لیکن میں نے چاہا کہ ثبوت مل جائے۔'' (۱)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب حدیث ثابت ہوگئی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو ملامت کرتے ہوئے کہا:

((اَخَفِیَ عَلَیَّ مِنْ اَمْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ؟ اَلْھَانِی الصَّفْقُ بِالْاَسْوَاقِ' یَعْنِیْ الْخُرُوْجَ اِلَی التِّجَارَۃِ))

''کیا مجھ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مخفی رہ گئی؟ مجھے بازاروں میں خرید و فروخت (یعنی تجارت کی مشغولیت) نے غافل کر دیا ہے۔'' (۲)

مجلس کے آداب کا خیال رکھتا ہے

حقیقی' باشعور اور دینی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کرنے والا مسلمان مجلس کے آداب کا بھی خیال رکھتا ہے اور جس مجلس میں بھی جاتا ہے وہاں امتیازی اور اعلیٰ ادب کا مظاہرہ کرتا ہے' جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی اور عملی تعلیمات سے مستفاد ہوتا ہے۔ ان آداب سے آراستہ ہونے کی وجہ سے وہ معاشرتی بلندی اور خوش اخلاقی کی نشانی ہوتا ہے۔

اس بلند تعلیم سے مسلمان پہلی جو چیز سیکھتا ہے وہ یہ ہے کہ مجلس کے آخر میں بیٹھنا چاہیے۔ چنانچہ وہ گردنیں نہیں پھلانگتا اور لوگوں میں مزاحم نہیں ہوتا' تا کہ لوگ اسے مجلس کے بیچ میں جگہ دے دیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتا ہے جس کی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دی تھی۔

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((کُنَّا اِذَا اَتَیْنَا النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم جَلَسَ اَحَدُنَا حَیْثُ یَنْتَہِیْ))

---

(۱) بخاری۔ فی الادب المفرد (ح ۱۰۷۳)

(۲) بخاری۔ کتاب البیوع: باب الخروج فی التجارۃ (ح ۲۰۶۲)

مسلم۔ کتاب الآداب: باب الاستئذان (ح ۳۶/ ۲۱۵۳)

''جب ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو جہاں مجلس ختم ہو رہی ہوتی وہیں بیٹھ جاتے۔'' [۱]

نبوی ادب سے آراستہ ہونے والا مسلمان دو آدمیوں کے درمیان نہیں کود پڑتا' اور اگر دونوں کے بیچ میں بیٹھنے کی شدید ضرورت ہو تو دونوں سے اجازت لے لیتا ہے۔ اس لیے کہ بغیر اجازت دو آدمیوں کو الگ کر دینے سے رسول کریم ﷺ نے منع کیا ہے اور اس سے ڈراتے ہوئے فرمایا ہے:

((لَا یَحِلُّ لِرَجُلٍ اَنْ یُفَرِّقَ بَیْنَ الِاثْنَیْنِ اِلَّا بِاِذْنِھِمَا))

''کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ دو آدمیوں کے درمیان بغیر ان کی اجازت کے حائل ہو جائے۔'' [۲]

اس لیے کہ دو آدمیوں کے درمیان حائل ہو جانا (خواہ مجلس میں یا کہیں اور) ان ناپسندیدہ اور قابل مذمت کاموں میں سے ہے جن سے اسلام نے شدت سے منع کیا ہے اور اس سے احتراز کرنے کی تنبیہ کی ہے۔ اس سلسلہ میں بہت سی احادیث اور آثار وارد ہیں۔

مثلاً سیدنا سعید مقبریؒ بیان فرماتے ہیں کہ: ''میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس سے گزرا۔ ان کے ساتھ ایک آدمی تھا جس سے گفتگو کر رہے تھے۔ میں ان دونوں کے پاس کھڑا ہو گیا' تو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے میرے سینے پر ایک گھونسہ مارا اور کہا:

((اِذَا وَجَدْتَ اثْنَیْنِ یَتَحَدَّثَانِ فَلَا تَقُمْ مَعَھُمَا' وَلَا تَجْلِسْ

---

[۱] ابوداود۔ کتاب الادب: باب فی التحلق (ح ۴۸۲۵)
ترمذی۔ کتاب الاستئذان: باب (۲۹) فی الثلاثة الذین اقبلوا فی مجلس النبی ﷺ (ح ۲۷۲۵)

[۲] ابوداود۔ کتاب الادب: باب فی الرجل یجلس بین الرجلین بغیر اذنھما (ح ۴۸۴۵)
ترمذی۔ کتاب الادب: باب ماجاء فی کراھیة الجلوس بین الرجلین بغیر اذنھما (ح ۲۷۵۲)

مَعَهُمَا، حَتّٰی تَسْتَاْذِنَهُمَا فَقُلْتُ: اَصْلَحَكَ اللّٰهُ يَا اَبَا عَبْدَالرَّحْمٰنِ، اِنَّمَا رَجَوْتُ اَنْ اَسْمَعَ مِنْكُمَا خَيْرًا))

''جب دو آدمیوں کو بات کرتے ہوئے دیکھو تو بغیر ان کی اجازت کے نہ ان کے ساتھ کھڑے ہو نہ ان کے ساتھ بیٹھو۔'' میں نے عرض کیا: ''اے ابو عبدالرحمٰن! میں صرف اس لیے کھڑا ہو گیا تھا کہ مجھے امید تھی کہ آپ دونوں سے اچھی بات سنوں گا۔'' ①

اور اگر کوئی مجلس سے اٹھ کر اسے اپنی جگہ بٹھانا چاہے تو وہاں نہ بیٹھے۔ یہی بہتر، افضل اور مثالی طریقہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يُقِيمَنَّ اَحَدُكُمْ رَجُلًا مِنْ مَجْلِسِهِ، ثُمَّ يَجْلِسُ فِيهِ، وَلٰكِنْ تَوَسَّعُوا وَ تَفَسَّحُوا ـ وَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا قَامَ لَهُ رَجُلٌ مِنْ مَجْلِسِهِ لَمْ يَجْلِسْ فِيهِ))

''کوئی شخص مجلس سے کسی شخص کو اٹھا کر اس کی جگہ ہرگز نہ بیٹھے۔ البتہ مجلسوں میں وسعت اور کشادگی پیدا کرو۔'' چنانچہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ اگر کوئی شخص ان کے لیے اپنی جگہ خالی کر دیتا تو وہاں نہیں بیٹھتے تھے۔'' ②

پھر جب وہ مجلس میں بیٹھ جاتا ہے تو اپنی گفتگو اور اپنی حرکات و سکنات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی آداب کا لحاظ رکھتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کا حال یہ تھا کہ آپ مجلس میں بیٹھنے والے ہر شخص کو اس کا حق دیتے تھے۔ آپ کی مجلس میں بیٹھنے

---

① بخاری۔ فی الادب المفرد (ح ۱۱۶۶) مسند احمد (۲/ ۱۱۴)

② بخاری۔ کتاب الاستئذان: باب لایقیم الرجل الرجل من مجلسه (ح ۶۲۶۹، ۶۲۷۰)

مسلم۔ کتاب السلام: باب تحریم اقامة الانسان من موضعه المباح الذی سبق الیه (ح ۲۱۷۷)

والا ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ آپ کے نزدیک اس سے زیادہ کوئی باعزت اور عزیز نہیں۔ آپ نہ کسی کی مذمت کرتے نہ کسی کو عار دلاتے' نہ کسی کے عیوب کے پیچھے پڑتے' نہ ایسی گفتگو کرتے جس میں کوئی خیر وثواب نہ ہو' نہ کسی کی گفتگو میں دخل اندازی کرتے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی بات ختم کر لیتا یا مجلس سے اٹھ کر چلا جاتا۔ ①

مجلس میں جمائی لینے سے حتی الامکان احتراز کرتا ہے

مہذب اور مجلس کے آداب کا شعور رکھنے والا مسلمان حتی الامکان جمائی لینے سے احتراز کرتا ہے اور اگر جمائی آ جائے تو جہاں تک ممکن ہوتا ہے اس کو دفع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے یہی طریقہ بتلایا ہے۔ فرمایا:

((اِذَا تَثَاءَ بَ اَحَدُکُمْ فَلْیَکْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ))

''جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو جہاں تک ہو سکے روکے۔'' ②

اور اگر جمائی اتنی زور سے آئے کہ روک نہ سکے تو منہ پر ہاتھ رکھ لے۔ کیونکہ رسول کریم ﷺ نے ایسا ہی کرنے کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

((اِذَا تَثَاءَ بَ اَحَدُکُمْ فَلْیُمْسِكْ بِیَدِہٖ عَلٰی فِیْهِ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَدْخُلُ))

''جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لے۔ اس لیے کہ ہاتھ نہ رکھنے سے شیطان منہ میں داخل ہو جاتا ہے۔'' ③

مجلسوں میں جمائی لینا بری اور متنفر کرنے والی عادت ہے جو ایک مہذب انسان کے شایان شان نہیں۔ اس لیے جس شخص کو جمائی آئے اسے کھلے ہوئے منہ پر ہاتھ رکھ کر اور دوسرے لوگوں سے اس منظر کو چھپا کر اسے دفع کرنا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ

---

① ترمذی فی الشمائل (ح ۳۵۰)

② بخاری۔ کتاب الادب: باب اذا تثاء ب فلیضع یدہ علی فیه (ح ۶۲۲۶)
مسلم۔ کتاب الزھد: باب تشمیت العاطس و کراھة التثاوب (ح ۲۹۹۴)

③ مسلم۔ حوالہ سابق (ح ۲۹۹۵)

نے یہی تعلیم دی ہے کہ مسلمان اپنے عمل سے مجلس میں بیٹھنے والوں کو متنفر نہ کرے اور انہیں یہ احساس نہ دلائے کہ وہ ان کے ساتھ بیٹھنے سے اکتا گیا ہے اور ان کے پاس سے جانا چاہتا ہے یا ان لوگوں کو اپنے پاس سے بھگانا چاہتا ہے۔

چھینک آنے کے وقت اسلامی آداب کا لحاظ رکھتا ہے

جس طرح اسلام نے مجلس میں جمائی لینے کا ادب سکھلایا ہے اسی طرح چھینکنے کا بھی ادب بتلایا ہے۔ چنانچہ اس نے مسلمان کو تعلیم دی ہے کہ اسے جب چھینک آئے تو کیا کرے اور کیا کہے؟ یا چھینکنے والے شخص کو کیا جواب دے اور اس کے لیے کیا دعا کرے؟

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعِطَاسَ وَ يَكْرَهُ التَّثَاؤُبَ ، فَإِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ وَ حَمِدَ اللّٰهَ تَعَالٰى كَانَ حَقًّا عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ سَمِعَهُ اَنْ يَقُولَ لَهُ: يَرْحَمُكَ اللّٰهُ۔ وَاَمَّا التَّثَاؤُبُ فَاِنَّمَا هُوَ مِنَ الشَّيْطَانِ ، فَإِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَرُدَّهُ مَا اسْتَطَاعَ ، فَاِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا تَثَاءَبَ ضَحِكَ مِنْهُ الشَّيْطَانُ))

''اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند کرتا ہے اور جمائی کو ناپسند کرتا ہے۔ لہٰذا جب کسی کو چھینک آئے اور وہ ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ)) کہے تو ہر مسلمان پر جو اسے سنے لازم ہے کہ ((يَرْحَمُكَ اللّٰهُ)) (اللہ تم پر رحم کرے) کہے۔ رہی جمائی تو وہ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔ لہٰذا جب کسی کو جمائی آئے تو جہاں تک ممکن ہو اسے دفع کرنے کی کوشش کرے۔ اس لیے کہ جب کوئی شخص جمائی لیتا ہے تو شیطان اس کو دیکھ کر ہنستا ہے۔''[1]

کوئی معمولی سے معمولی واقعہ بھی مسلمان کی زندگی میں یوں ہی نہیں گزر جاتا

[1] بخاري۔ كتاب الادب: باب ما يستحب من العطاس و مايكره من التثاوب (ح ٦٢٢٣)

کہ اس کے کوئی اصول وضوابط اور آداب نہ ہوں۔ مسلمان اپنے دل کی گہرائیوں سے یہ احساس رکھتا ہے کہ یہ دین اس کے چھوٹے بڑے تمام معاملات کی بہتری کے لیے آیا ہے' اس نے زندگی کی چھوٹی بڑی تمام چیزوں کو منظّم کیا ہے اور اس کے لیے ایسے کلمے مخصوص کیے ہیں جن سے انسان کا اللہ سے (جو سارے جہاں کا رب ہے) رشتہ ہمیشہ استوار رہے۔

لہٰذا جب اسے چھینک آئے تو اس پر لازم ہے کہ ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ)) (تمام تعریف اللہ کے لیے ہے) کہے اور سننے والے پر ضروری ہے کہ ((یَرْحَمُكَ اللّٰهُ)) (اللہ تم پہ رحم فرمائے) کہے۔ پھر چھینکنے والے پر ضروری ہے کہ چھینک کا جواب دینے والے کے لیے یہ دعا کرے اور یہ کہے:

((یَهْدِیكُمُ اللّٰهُ وَ یُصْلِحُ بَالَكُمْ))

''اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہاری حالت درست فرمائے۔''

صحیح بخاری کی روایت کردہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اسی چیز کی طرف رہنمائی کی ہے۔ فرمایا:

((إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ' وَلْيَقُلْ لَهُ أَخُوهُ أَوْ صَاحِبُهُ: يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَإِذَا قَالَ لَهُ: يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَلْيَقُلْ: يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَ يُصْلِحُ بَالَكُمْ))

''جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اسے چاہیے کہ ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ)) کہے اور اس کے بھائی کو کہنا چاہیے: ((یَرْحَمُكَ اللّٰهُ)) جب وہ یرحمك الله کہے تو چھینکنے والے کو کہنا چاہیے: ((یَهْدِیكُمُ اللّٰهُ وَ یُصْلِحُ بَالَكُمْ))۔[1]

دعا کے اس صیغہ ((یَرْحَمُكَ اللّٰهُ)) کو تشمیت کہتے ہیں۔ یہ کہنا مستحب ہے۔ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب چھینکنے والا ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ)) کہے۔ لیکن اگر وہ

---

[1] بخاری۔ کتاب الادب: باب اذا عطس کیف یشمت (ح ۶۲۲۴)

((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ)) نہ کہے تو اس کے جواب میں ((یَرْحَمُكَ اللّٰہُ)) نہیں کہا جائے گا۔ حدیث میں ہے:

((اِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتُوْهُ ، فَاِنْ لَمْ يَحْمَدِ اللّٰهَ فَلَا تُشَمِّتُوْهُ))

''جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے اور وہ ((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ)) کہے تو اس کا جواب دو؛ اور اگر ((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ)) نہ کہے تو اس کا جواب مت دو۔'' [1]

اسی طرح سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

''دو آدمیوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چھینک آئی۔ آپ نے ایک کی چھینک کا جواب دیا مگر دوسرے کی چھینک کا جواب نہیں دیا۔ جس شخص کو چھینک کا جواب نہیں دیا تھا اس نے عرض کیا: ''فلاں شخص کو چھینک آئی تو آپ نے اس کا جواب دیا اور مجھے چھینک آئی تو آپ نے جواب کیوں نہیں دیا؟'' آپ نے فرمایا: ''اس نے ((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ)) کہا تھا اور تم نے ((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ)) نہیں کہا۔'' [2]

ان تمام کلمات کا، جنہیں چھینک آنے پر کہنے کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب دی ہے، تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مقصود اللہ کا ذکر اور اس کی حمد اور مسلمانوں کے مابین اخوت و بھائی چارگی، محبت و مودت اور اخلاص کے رشتوں کا استحکام ہے۔ چھینکنے والا اپنے سر سے اشتعال، ہیجان اور اضطراب دور ہو جانے پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور اس کی حمد بیان کرتا ہے، اور دوسرا شخص جب اسے اللہ کی حمد بیان کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس کے لیے رحمت کی دعا کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ کی حمد بیان کرنے والا اس کی رحمت کا مستحق ہے۔ پھر چھینکنے والا چھینک کا جواب دینے والے کے

---

[1] مسلم۔ کتاب الزهد: باب تشميت العطاس و كراهة التثاوب (ح ۲۹۹۲)

[2] بخاری۔ کتاب الادب: باب لا يشمت العاطس اذا لم يحمدالله (ح ۶۲۲۵) مسلم۔ حواله سابق (ح ۲۹۹۱)

لیے اس سے زیادہ لمبی اور جامع دعا کرتا ہے جو خیر و بھلائی' محبت و مؤدت اور انس و پیار کے معانی سے لبریز ہوتی ہے۔

اس طرح اسلام مسلمانوں کی زندگی میں خود بخود پیش آنے والے واقعات کی توجیہ کرتا ہے اور ایسے مواقع پیدا کرتا ہے کہ مسلمان اپنے رب کو یاد کریں' ان کی زبانوں پر اس کی حمد جاری ہو جائے اور ان کے دلوں میں اخوت' محبت اور باہم رحم و کرم کے رشتے مضبوط ہو جائیں۔

چھینکنے کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ چھینکنے والا اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لے اور جہاں تک ہو سکے اپنی آواز پست رکھنے کی کوشش کرے۔ رسول کریم ﷺ کی چھینکنے کے وقت یہی عادت شریفہ تھی۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا عَطَسَ وَضَعَ يَدَهُ اَوْ ثَوْبَهُ عَلٰى فِيْهِ، وَ خَفَضَ اَوْ غَضَّ بِهَا صَوْتَهُ شَكَّ الرَّاوِيُّ))

''رسول اللہ ﷺ کو جب چھینک آتی تو اپنا دست مبارک یا کپڑا منہ پر رکھ لیتے اور آواز پست کر لیتے۔''[1]

کسی دوسرے کے گھر میں نہیں جھانکتا

مجلس کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ مسلمان اپنے ہم نشیں کے گھر میں تاک جھانک نہ کرے اور نہ اس میں پردہ کی جگہوں کی ٹوہ میں رہے۔ اس لیے کہ یہ شرمیلے' حیادار اور باادب مسلمان کا اخلاق نہیں۔ رسول کریم ﷺ نے ایسے لوگوں کے بارے میں وعید سنائی ہے جو مجالس میں تاک جھانک کیا کرتے ہیں اور لوگوں کی لغزشوں' عیوب اور پردہ کی جگہوں کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے:

[1] ابو داود۔ کتاب الادب: باب فی العطاس (ح ۵۰۲۹)
ترمذی۔ کتاب الادب: باب ماجاء فی خفض الصوت و تخمیر الوجه عندالعطاس (ح ۲۷۴۵)

((مَنِ اطَّلَعَ فِی بَیْتِ قَوْمٍ بِغَیْرِ اِذْنِهِمْ ، فَقَدْ حَلَّ لَهُمْ اَنْ یَفْقَؤُوا عَیْنَهُ))

''جو شخص کسی کے گھر میں بغیر اس کی اجازت کے جھانکے تو گھر والوں کو اجازت ہے کہ اس کی آنکھ پھوڑ دیں۔'' [1]

عورتوں کی مشابہت نہیں اختیار کرتا

اسلامی معاشرہ میں نہ مسلمان مرد عورتوں کی مشابہت اختیار کرتا ہے اور نہ عورت مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہے۔ اس لیے کہ اسلامی شریعت میں ہر صنف کا علیحدہ صنف سے مشابہت اختیار کرنا حرام ہے۔ اسلامی معاشرہ میں مرد مرد ہے اور عورت عورت۔ مرد کی علیحدہ صفات' خصوصیات اور مفوضہ اعمال ہیں اور عورت کی دوسری صفات' خصوصیات اور ذمہ داریاں ہیں۔ اس لیے مناسب نہیں کہ دونوں صنفوں کے درمیان ظاہری اور باطنی فرق ختم ہو جائیں۔ اسی لیے اسلام نے عورتوں سے مشابہت اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں سے مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں' دونوں کو سخت وعید سنائی ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں:

((لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْمُخَنَّثِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَاءِ))

''رسول اللہ ﷺ نے ان مردوں پر جو عورتوں کے مشابہ حرکات کرتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں جیسی حرکات کرتی ہیں' لعنت فرمائی ہے۔'' [2]

دوسری روایت میں ہے کہ:

((لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْمُتَشَبِّهِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ،

---

[1] بخاری۔ کتاب الدیات: باب من اخذ حقه او اقتص دون السلطان (ح ۶۸۸۸)
مسلم۔ کتاب الآداب: باب تحریم النظر فی بیت غیره (ح ۲۱۵۸ و اللفظ له)

[2] بخاری۔ کتاب اللباس: باب المتشبهین بالنساء والمتشبهات بالرجال (ح ۵۸۸۵)

وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ))

''رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے مشابہت اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔'' [1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((لَعَنَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ اَلرَّجُلَ یَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْاَةِ ، وَالْمَرْاَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ))

''رسول اللہ ﷺ نے اس مرد پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کا لباس پہنتا ہے اور اس عورت پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں کا لباس پہنتی ہے۔'' [2]

آج ہم بعض اسلامی معاشروں میں ایسے نوجوانوں کو دیکھتے ہیں جو اپنے لمبے بالوں کی وجہ سے لڑکیوں کی طرح لگتے ہیں۔ حتیٰ کہ بسا اوقات ان میں تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ خاص طور پر اس وقت جب وہ اپنے گلے میں سنہری زنجیر ڈال لیتے ہیں جو ان کے کھلے ہوئے سینے پر لٹکتی رہتی ہے۔ اسی طرح ایسی دوشیزائیں دیکھتے ہیں جو ایسی تنگ پینٹ اور شرٹ پہنتی ہیں جو مردوں کا لباس ہیں۔ ان کے سر اور بازو کھلے ہوتے ہیں جس سے بالکل نوجوان لڑکوں کی طرح لگتی ہیں۔ یہ مناظر اسلامی معاشروں میں درآمد شدہ ہیں جو ''فاجر مغرب'' اور ''کافر مشرق'' سے آ گئے ہیں، جن کی بنا پر ہپی ازم، وجودیت، عبثیت اور عدمیت کی موجیں امنڈ آئی ہیں اور ایسی گمراہیاں عام ہو گئی ہیں جن سے انسانیت بھٹک گئی ہے اور فطرتِ انسانی کی راہ سے منحرف ہو گئی ہے۔ جس کا بھیانک اور ہولناک انجام اور تلخ نتیجہ اس آوارگی اور گمراہی کی شکل میں ظاہر ہوا جس میں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بھٹک رہے ہیں۔ ان تحریکوں نے زوال، فتنہ انحراف اور گمراہی کے اس زمانہ میں اسلامی معاشرہ کے ان نوجوانوں لڑکوں اور لڑکیوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ یہاں تک کہ ان کا وجود امت مسلمہ میں اجنبی کا سا ہو گیا ہے جن کا اسلام کے پاکیزہ اور مثالی معاشرہ سے دور کا بھی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔

---

[1] بخاری۔ کتاب الحدود: باب نفی اصل المعاصی والمخنثین (ح ۶۸۳۴)

[2] ابوداود۔ کتاب اللباس: باب فی لباس النساء (ح ۴۰۹۸)

آخری بات

مندرجہ بالا فصول میں مسلمان کی شخصیت کو نمایاں کیا گیا ہے اور روشن آیات اور صحیح احادیث کی قطعی نصوص میں اس کی حسین تصویر کشی کی گئی ہے۔ جس سے مسلمان کے اپنے رب سے تعلق اور اس کے نفس میں جسم، عقل اور روح کے درمیان پر حکمت توازن اور دوسرے لوگوں، جیسے والدین، بیوی، بچے، رشتے دار، پڑوسی، بھائی، دوست احباب اور معاشرہ کے مختلف گروہ اور طبقات اور مختلف طرز رہائش اختیار کرنے والے لوگوں سے اس کے معاشرتی تعلقات کی وضاحت ہوتی ہے۔

ان فصول میں مذکورہ تفصیلات سے یہ بات پوری طرح عیاں ہوگئی ہے کہ وہ مسلمان جسے اسلام پیش کرتا ہے اپنے انفرادی اخلاق و اوصاف اور معاشرتی تعلقات دونوں میں بے مثل اور یگانہ روزگار انسان ہے۔

ساتھ ہی یہ بھی واضح ہوگیا ہے کہ انسان اپنی طویل تاریخ میں کبھی باکمال اور ہمہ گیر شخصیت کو وجود میں لانے والی ان چیزوں سے ہمکنار اور بہرہ یاب نہیں ہوسکا ہے جن سے مسلمان فیضیاب ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس نے قرآن کریم اور سنت مطہرہ کی نصوص کے ذریعہ سے وحی اور ربانی ہدایت کی روشنی حاصل کی۔ اسلام نے انسان کی عقل کو نہ تو فلسفیانہ علوم و معارف سے بھر دیا جیسا کہ یونان نے کیا، نہ ہی اسے مبالغہ آمیز اور خرافاتی روحانیات کی آماجگاہ بنا دیا جیسا کہ ہندوؤں نے کیا۔ اس نے نہ صرف جسم کی ورزشی تربیت پر زور دیا جیسا کہ اہل روما نے کیا، اور نہ ہی اسے نفع پرست مادی فلسفہ کا اسیر بنایا جیسا کہ آج مشرق و مغرب میں مادہ پرست دنیا نے اسے اپنا رکھا

ہے۔ بلکہ اس نے انسان کی تربیت کے لیے ایک متوازن اور کامل نظام پیش کیا ہے اور اس میں انسان کے جسم، عقل اور روح تینوں کو پیش نظر رکھا ہے۔ کیونکہ اس کے نزدیک انسان محض گوشت پوشت کا ایک ڈھانچہ نہیں، بلکہ جسم، عقل اور روح سے مرکب ایک مخلوق ہے۔

اسی لیے اسلام کے زیر تربیت مسلمان کی شخصیت میں توازن، یکسانیت اور ہمہ گیریت ظاہر ہوتی ہے۔ اس میں کسی پہلو میں افراط اور کسی پہلو میں تفریط نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ان دیگر غیر مسلم معاشروں میں بکثرت ہوتا ہے، جن میں انسان کی تربیت وہ خود ساختہ ناقص نظام کرتے ہیں جن پر خواہشات نفس، بدعات و خرافات، منحرف قدروں اور گمراہیوں کی حکمرانی ہوتی ہے۔

مسلمان کی شخصیت...... جیسا کہ اس مطالعہ سے واضح ہوا...... اللہ تعالیٰ کی مطیع و فرماں بردار، اس کی تعلیمات کا اتباع کرنے والی، اس کی پناہ میں آنے والی، اس کی قضا وقدر پر راضی برضا اور ہمیشہ اس کی خوشنودی و رضا جوئی چاہنے والی ہوتی ہے۔

مسلمان کی شخصیت میں غایت درجے کا توازن پایا جاتا ہے۔ وہ اپنے جسم پر پوری توجہ دیتا ہے اور ظاہری شکل و ہیئت کی مناسب دیکھ بھال رکھتا ہے۔ مگر ساتھ ہی وہ باطن سے بھی بے پروا نہیں ہوتا، بلکہ انسان (جسے اللہ نے اعزاز بخشا، فرشتوں کو اس کے سامنے سجدہ کرایا اور زمین و آسمان کو اس کے لیے مسخر کیا) کے اندر ان چیزوں کے پروان چڑھانے کی کوشش کرتا ہے جن سے عقل راجح، فکر صائب، پختہ رائے، اشیا کے حقائق کا گہرا فہم، حقائق کی تہہ اور جوہر تک پہنچ جانے والی تیز نگاہ وجود میں آتی ہے اور یہ بھی فراموش نہیں کرتا کہ انسان محض جسم اور عقل سے مرکب نہیں ہے بلکہ وہ ایک دھڑکنے والا دل، پھڑکنے والی روح، کھٹکنے والا نفس اور اس مادی دنیا اور اس کی بے حیثیت چیزوں سے بلند ہونے اور خیر، فضیلت اور نور کی بلندیوں کو طے کرنے پر اکسانے والا بلند شوق رکھتا ہے۔ اس لیے وہ جس طرح جسمانی اور عقلی تربیت پر توجہ دیتا ہے اسی طرح روحانی تربیت پر بھی توجہ دیتا ہے، اور اس میں انتہائی درجے کے

توازن کا خیال رکھتا ہے۔ نہ کسی پہلو میں افراط ہوتی ہے نہ کسی پہلو میں تفریط۔

وہ اپنے والدین کے ساتھ سچی فرماں برداری‘ بے لوث حسنِ سلوک‘ بے پایاں رحم وکرم‘ کامل تہذیب اور گہری وفاداری کا نمونہ ہوتا ہے۔

وہ اپنی بیوی کے ساتھ حسن معاشرت اور خوش معاملگی سے پیش آتا ہے‘ اس کے ساتھ بڑی ذہانت اور سمجھ داری سے برتاؤ کرتا ہے‘ اس کی نفسیات اور مزاج کا گہرا فہم رکھتا ہے اور اس کی اچھی طرح نگہبانی کرتا ہے۔

وہ اپنے بچوں کے سلسلہ میں بھی اپنی عظیم ذمہ داری کا احساس رکھتا ہے۔ وہ ان پر اپنی محبت‘ پیار اور ہمدردی نچھاور کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت‘ ذہن سازی اور رہنمائی سے کبھی غافل نہیں ہوتا۔ اور ان تمام چیزوں سے آگاہ رہتا ہے جو ان کی شخصیات کو اسلامی نہج پر پروان چڑھانے میں مؤثر ثابت ہوسکتی ہیں۔

وہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ محبت کا رشتہ قائم رکھتا ہے اور ٹوٹے ہوئے رشتوں کو جوڑتا ہے۔ اسے اچھی طرح اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت میں رشتہ کا کتنا عظیم مقام ہے۔ اسی لیے خواہ کیسے ہی حالات ہوں وہ صلہ رحمی کرتا ہے اور رشتوں کو جوڑتا ہے۔

وہ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن جوار کا نمونہ ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا ہے‘ ان کے جذبات واحساسات کا خیال رکھتا ہے‘ ان کی طرف سے ہونے والی تکلیفیں برداشت کرتا ہے‘ ان کی خطاؤں سے چشم پوشی کرتا ہے اور خود ان میں جا پڑنے سے احتراز کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ اسلامی اخلاق سے آراستہ رہتا ہے اور پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتا ہے۔ جس کی روح الامینؑ نے اتنی تاکید کی کہ رسول کریم ﷺ کو یہ گمان ہونے لگا کہ وہ اسے وراثت میں بھی حق دار قرار دے دیں گے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر پڑوسی کے بارے میں اس کی طرف سے کوئی برائی نہیں سرزد ہوتی اور نہ اس کے حق میں کوئی تقصیر ہوتی ہے‘ بلکہ وہ اس کے ساتھ بھلائی کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتا اور پھر اس کی طرف سے بھلائی کے عوض میں کسی صلہ یا

شکریہ کا منتظر نہیں رہتا ہے۔

اپنے بھائیوں اور دوستوں کے ساتھ اس کا تعلق بہت ہی پاکیزہ، صاف ستھرا اور بے لوث ہوتا ہے۔ وہ ان سے صرف اللہ کے واسطے محبت کرتا ہے۔ اس کی للّٰہی محبت اخوت، صدق اور پاکیزگی کی بنیادوں پر مبنی ہوتی ہے، جس کی پاکیزگی اور شفافیت مشکوٰۃ وحی اور تعلیم نبوی سے مستفاد ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی محبت انسانی اخوت اور بشری تعلقات میں بے نظیر اور عدیم المثال ہوتی ہے۔

اس گہرے تعلق اور شدید محبت کی بنا پر ایسے پاکیزہ اور درخشاں اخلاق نمودار ہوتے ہیں جن سے آراستہ ہو کر سچا مسلمان ''ایک عجیب و غریب انسان'' بن جاتا ہے۔ اس کے اندر اسلامی قدریں اور اسلامی اخلاق پروان چڑھتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے بھائیوں اور دوستوں سے محبت کرنے لگتا ہے، ان کے ساتھ سخت مزاجی اور بے رخی سے پیش نہیں آتا، ان کا وفادار ہوتا ہے، ان کے ساتھ خیانت اور دغا بازی نہیں کرتا، ان کا خیر خواہ ہوتا ہے، ان کے ساتھ غداری، فریب کاری اور دھوکا دہی نہیں کرتا، نرمی سے پیش آتا ہے سختی نہیں کرتا، بردبار، فراخ دل اور عفو و درگزر کرنے والا ہوتا ہے، حقد و کینہ نہیں رکھتا، سخی ہوتا ہے، اپنی ذات پر اپنے بھائیوں کو ترجیح دیتا ہے اور ہمیشہ ان کے لیے ان کے حق میں غائبانہ دعا کرتا ہے۔

رہے اس کے عام لوگوں کے ساتھ معاشرتی تعلقات! تو وہ تہذیب و ثقافت، عظمت اور شرافت پر مبنی ہوتے ہیں۔ ان میں وہ ان مکارم اخلاق سے آراستہ ہوتا ہے جن کے اختیار کرنے پر اسلام نے اکسایا ہے۔ اس کی خوش خلقی بناوٹی یا وقتی نہیں ہوتی جس کے پس پردہ اغراض اور مطالب و مقاصد پوشیدہ ہوں، بلکہ حقیقی، بے لوث اور دائمی ہوتی ہے جس سے آراستہ ہونے کا کتاب و سنت کی نصوص میں حکم دیا گیا ہے اور اسے دین قرار دیا گیا ہے جس پر انسان کا محاسبہ کیا جائے گا۔

چنانچہ وہ تمام لوگوں سے سچ بولتا ہے۔ دغا بازی، دھوکا دہی، مکر و فریب اور غداری سے احتراز کرتا ہے۔ کسی سے حسد نہیں کرتا۔ وعدہ کا پکا ہوتا ہے۔ حیادار ہوتا

ہے۔ عفو و درگزر کرنے والا' نرمی برتنے والا اور معاف کر دینے والا ہوتا ہے۔ خندہ رو اور خوش طبع ہوتا ہے۔ بردبار اور حلیم ہوتا ہے۔ گالی گلوچ' فحش گوئی اور بد کلامی سے اجتناب کرتا ہے۔ کسی پر ناحق فسق یا کفر کی تہمت نہیں لگاتا۔ انتہائی شرمیلا اور پردہ پوش ہوتا ہے۔ لایعنی چیزوں میں نہیں پڑتا۔ لوگوں کی غیبت کرنے سے اجتناب کرتا ہے۔ اگر کسی راز کا امین بنایا جاتا ہے تو اس کی حفاظت کرتا ہے اور اسے فاش نہیں کرتا۔ تواضع و فروتنی اختیار کرتا ہے۔ متکبر اور گھمنڈی نہیں ہوتا۔ کسی کا مذاق نہیں اڑاتا۔ بڑے کی تعظیم کرتا ہے اور اہل فضل کا احترام بجا لاتا ہے۔ نیک لوگوں کے ساتھ رہتا ہے۔ لوگوں کو فائدہ پہنچانے اور ان سے ضرر و تکلیف دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کی جد و جہد کرتا ہے۔ حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دیتا ہے۔ بیمار کی عیادت اور مزاج پرسی کرتا ہے۔ جنازہ کے ساتھ شامل ہوتا ہے۔ احسان کا بدلہ دیتا ہے اور اس پر شکریہ ادا کرتا ہے۔ لوگوں میں گھل مل کر رہتا ہے اور ان کی طرف سے ہونے والی تکلیفوں کو برداشت کرتا ہے۔ جہاں تک ممکن ہوتا ہے لوگوں کو خوش کرنے اور ان کے دلوں میں سرور و فرحت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لوگوں کی خیر کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ تمام کاموں میں آسانی پسند کرتا ہے۔ فیصلہ کرنے میں عدل و انصاف سے کام لیتا ہے۔ نہ کسی پر ظلم کرتا ہے نہ کسی کی ناحق طرف داری کرتا ہے' منافقت و مداہنت کا رویہ اختیار کرتا ہے نہ ریاکاری اور دکھاوا کرتا ہے' اور نہ اپنے کاموں اور کارناموں پر فخر کرتا ہے۔ ثابت قدمی اور استقامت کو اپنا شعار بناتا ہے' اور حالات خواہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں راہ حق سے منحرف نہیں ہوتا۔ کجی نہیں اختیار کرتا اور بہروپ نہیں بھرتا۔ بلند کاموں کو پسند کرتا ہے اور پست اور رذیل کاموں کو ناپسند کرتا ہے۔ تکلف سے بنا بنا کر نہیں بولتا' نہ لوگوں سے گردن ٹیڑھی کر کے متکبرانہ گفتگو کرتا ہے۔ سخی اور فیاض ہوتا ہے۔ جن پر صدقہ کرتا ہے یا جن کے ساتھ کوئی احسان کرتا ہے ان پر احسان نہیں جتاتا۔ مہمان نواز ہوتا ہے۔ اگر کوئی مہمان آ جاتا ہے تو اسے ناگواری نہیں ہوتی اور دل تنگ نہیں

ہوتا۔ جہاں تک ہو سکتا ہے دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتا ہے۔ تنگ دست اور نادار قرض دار کو مہلت دیتا ہے۔ پاک دامن اور محتاط ہوتا ہے۔ کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتا۔ اوپر والے ہاتھ کو نچلے ہاتھ سے بلند سمجھتا ہے۔ دوسروں سے محبت کرتا ہے اور دوسرے اس سے محبت کرتے ہیں۔ وہ اپنی عادتوں کو اسلامی سانچے میں ڈھال لیتا ہے۔ کھانے پینے' سلام کرنے' لوگوں سے ملاقات کرنے' ان کے گھر جانے اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور دیگر معاشرتی تعلقات میں اسلامی آداب کا خیال رکھتا ہے۔

یہ ہے مسلمان کی روشن' تاباں اور درخشاں تصویر جسے اسلام قرآن و سنت کے سانچے میں ڈھالتا ہے اور جس کا نفس اس کے شیریں سرچشمے سے سیراب ہوتا ہے اور اس کے ربانی اور درخشندہ نور سے اپنی عقل' قلب اور روح کو نورانیت بخشتا ہے۔

بے شک انسان کو مکارمِ اخلاق کے اس بلند اور پاکیزہ معیار تک پہنچا دینا اور اسے زمین پر فرشتوں کے سے کردار کا چلتا پھرتا نمونہ بنا دینا ایک عظیم تہذیبی کارنامہ ہے جسے سرانجام دینے کے لیے مختلف نظام' قوانین' فلسفے اور نظریات (Ideologies) ناکام کوشش کرتے رہے اور کر رہے ہیں۔ مگر اس میں حقیقی کامیابی صرف اور صرف اسلام کو حاصل ہوئی ہے۔ اور یقیناً یہ اسلام کا اتنا عظیم کارنامہ ہے جس کے سامنے دیگر تمام علمی اور مادی کارنامے' جنہوں نے آج ہماری دنیا کو ڈھانپ لیا ہے اور جن کی روشنیوں اور رنگینیوں سے دل اور نگاہیں خیرہ ہوگئی ہیں' ہیچ ہیں۔ اس لیے کہ انسان اس دنیا کا گل سرسبد اور مقصد وجود ہے۔ اب تک جتنی بھی انتھک کوششیں کی گئی ہیں اور انسانی تہذیبیں وجود میں آئی ہیں ان کا مقصد انسان کی خوش بختی و خوش حالی' ترقی' تکریم اور عزت افزائی ہے' اور انسان کی تکریم کا سبب اس کی انسانیت ہے۔ اسی لیے جن تہذیبوں نے محض انسان کی سفلی خواہشات کو پورا کرنے کا اہتمام کیا ہے اور اس کی انسانیت کو پروان چڑھانے' اس کا تزکیہ کرنے اور اس میں خیر کے چشمے جاری کرنے کی طرف توجہ نہیں دی ہے' وہ ناقص اور نامکمل تہذیبیں ہیں جن میں انسانی تہذیب کی اہم شرطیں بھی پوری نہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے انسان کی انسانیت ہی سے بے توجہی

برتی ہے۔ حالانکہ یہی اس کا پوشیدہ جوہر اور اس کی سب سے قیمتی شے ہے۔

آج انسانی تہذیب نے جتنی ترقی کر لی ہے اور توپ' راکٹ' مواصلاتی سیارے' ٹرانسسٹر' ٹیلیویژن' ویڈیو' ڈش' کیبل' نیٹ ورک' انٹرنیٹ اور دیگر میدانوں میں جو کارنامے انجام دیے ہیں وہ انسان کی انسانیت پر توجہ دینے اور اس کا اہتمام کرنے سے بے نیاز نہیں کر سکتے' جب تک کہ انہیں انسان کی ترقی' خوش حالی اور اس کے نفس کے تزکیہ کے لیے مسخر نہ کر دیا جائے:

﴿وَ نَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ○ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا ○ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ○ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾ (الشمس: ۹۱/ ۷ تا ۱۰)

''اور نفس انسان کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے ہموار کیا' پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیز گاری اس پر الہام کر دی۔ یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا۔''

انسانی معاشروں کی ترقی محض سائنس کی کامیابیوں اور کارناموں اور مادی دنیا میں ہونے والی ایجادات سے نہیں ناپی جاتی۔ بلکہ اس کا اندازہ اس کے ساتھ ساتھ اس سے بھی اہم شئے سے ہوتا ہے اور وہ ہے: ان پر محبت و شفقت' ہمدردی و رحم دلی' ایثار و قربانی' استقامت و ثابت قدمی' عقیدہ' کردار' معاملات کی پاکیزگی اور دیگر انسانی قدروں کی حکمرانی۔

اور چونکہ افراد ہی معاشروں کی اساس اور وہ بنیادیں ہوتی ہیں جن پر کوئی بھی اجتماعی ترقی مبنی ہوتی ہے' اسی لیے بیدار انسانی معاشرے انسان کی تربیت پر زور دیتے ہیں' اس میں بھلائی اور تعمیر کے گوشے پروان چڑھاتے ہیں اور اس کے نفس سے بدی اور تخریب کے رجحانات نکال پھینکنے کی کوشش کرتے ہیں' تاکہ وہ اچھا شہری بن سکے۔ اس لیے کہ اچھے شہریوں ہی سے مل کر ایک نیک' طاقت ور' ترقی یافتہ اور پاکیزہ معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

اسلامی معاشرہ اعلیٰ طرز کا کامل اور ترقی یافتہ معاشرہ ہوتا ہے۔ اس میں زندگی

گزارنے والا انسان اعلیٰ اور بلند طرز کا مدنی الطبع اور معاشرت پسند انسان ہوتا ہے۔ اس لیے کہ وہ اپنے برحق دین کے احکام اور تعلیمات حاصل کرتا ہے' اور جن بلند پاکیزہ انسانی اخلاق کی طرف وہ تعلیمات دعوت دیتی ہیں اور جن سے معاشرتی معاملات میں آراستہ ہونے پر اکساتی ہیں ان پر عمل پیرا ہوتا ہے۔

آج ہم ملکوں' قوموں اور افراد کی سطح پر مسلمانوں کی صفوں میں جو پسماندگی' افتراق و انتشار' بغض و عداوت اور بے تعلقی دیکھتے ہیں وہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ مسلمان اللہ کی مضبوط رسّی سے دور ہو گئے' ایمان کے مضبوط تعلق کو بھلا بیٹھے ہیں اور اخوت کے راسخ اور مستحکم رشتے توڑ چکے ہیں۔ اسی لیے ان کے ملکوں میں گمراہ کن جاہلی نعرے بلند ہونے لگے ہیں اور درآمد غیر ملکی اصول و نظریات نے یورش کر دی ہے۔ چنانچہ مسلمانوں میں طرح طرح کے جھنڈے بلند ہو گئے ہیں' ان کے معاشروں میں آفتیں اور بلائیں گھس آئی ہیں اور ان کی حالت سیلاب کے جھاگ کے مثل ہو گئی ہے۔

مسلمانوں کی زندگی میں ایسا ہرگز نہ ہوسکتا تھا اگر مسلمان کی اصلی شخصیت محفوظ رہتی اور اس کے فکری اور روحانی سرچشمے صحیح و سلامت رہتے۔ لیکن دشمنان اسلام نے عالم اسلام پر یورش کر کے مسلمان کی شخصیت اور اس کے فکری اور روحانی سرچشموں دونوں کو نشانہ بنایا۔ حملہ کرنے والے اسلام اور مسلمانوں سے دونوں محاذوں پر برسرپیکار تھے۔ ان کا پہلا مقصد یہ تھا کہ مسلمان کو اس اصلی شخصیت سے ہٹا دیں' اور دوسرا مقصد ان کے پیش نظر یہ تھا کہ اس کے فکری اور روحانی سرچشموں کو آلودہ کر دیں یا ان سرچشموں سے ہٹا کر اسے دوسرے نامانوس سرچشموں سے وابستہ کر دیں۔

بہت سے مسلم ممالک میں وہ مسلمان کی شخصیت کو لرزہ براندام کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اسے اس کی اصلیت سے دور کر کے فکری و شعوری اور کردار کی غلامی کے دلدل میں پھنسا دیا ہے۔ اسے اس کے دین کی قدروں اور اخلاقیات سے عاری کر دیا ہے اور اس ربانی پیغام سے بے بہرہ کر دیا ہے جس کی تبلیغ و اشاعت کے

لیے اسے کھڑا کیا گیا تھا اور جس کی بدولت وہ تاریخ میں داخل ہوا تھا اور تاریخ انسانی میں اس نے ایک اہم مقام حاصل کیا تھا۔

مسلمان دوبارہ اپنی عافیت اور اصلیت اسی وقت حاصل کر سکتا ہے جب پورے صدق دل اور اخلاص سے زندۂ جاوید الٰہی نظام کی طرف رجوع کرے اور اس زندگی میں جس پیغام کا حامل ہے اس کی حقیقت کا گہرا فہم حاصل کرے، اور عقیدہ، عبادت، کردار اور نظام کی حیثیت سے اس کا گہرا فہم حاصل کرنے کے بعد اس پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کی عظیم ذمہ داری سرانجام دے۔

امت اسلامیہ جو جاہلیت کے صحرا میں حیران و سرگشتہ پھر رہی ہے..... غلامی و محکومی کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں غرق ہے..... اور عصبیت کے بیابانوں میں بھٹک رہی ہے..... وہ جس دن الٰہی نظام کے وسیع اور گھنے سایہ میں آ جائے گی..... اس دن وہ پھر متحد..... مضبوط..... باہم محبت کرنے والی..... طاقتور..... زبردست..... اور آزاد امت کی حیثیت سے نمودار ہوگی..... اور اس وقت نہ اس کا ہتھیار کند ہوگا..... نہ اس کا جھنڈا سرنگوں ہوگا..... اور نہ اس کے لشکر کو شکست ہوگی۔ اس لیے کہ اس دن وہ ایمان کی علم بردار امت ہوگی اور اللہ رب العزت نے اپنی محکم کتاب میں اعلان کیا ہے کہ وہ ہمیشہ ایمان کی علم بردار امت کی مدد کرے گا۔ فرمایا:

﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (الروم: ۳۰/ ۴۷)

''اور ہم پر یہ حق تھا کہ ہم مومنوں کی مدد کریں۔''

محمد رضی الاسلام ندوی عفی اللہ عنہ

❀❀❀

❀ ایک عورت ایک مثالی مسلمان عورت کیسے بن سکتی ہے؟ کہ ہر جگہ اس کی راہوں میں آنکھیں بچھائی جائیں، اس کی بات مان کر خوشی محسوس کی جائے۔

❀ ایک مثالی عورت اپنے رب کو کیسے مناتی ہے؟ کہ ہر دکھ و تکلیف سے اس کی مدد پا کر نجات پا جائے۔

❀ مثالی مسلمان عورت اپنی ذات کو دوسروں کے سامنے کس طرح پیش کرتی ہے؟ کہ اس کے عزت و وقار میں اضافہ ہی اضافہ ہو۔

❀ مثالی عورت اپنے والدین سے کس طرح کا سلوک کرتی ہے؟ کہ لوگ عش عش کر اٹھیں۔

❀ مثالی عورت کا تعلق اپنے خاوند کے ساتھ کیسا ہوتا ہے؟ جو اس کی دنیا اور آخرت کی کامیابی کا ضامن ٹھہر...

❀ مثالی عورت اپنی اولاد کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کرتی ہے؟ کہ جو بڑھاپے میں اس کے لیے سکو... جھونکا ثابت ہو۔

❀ مثالی عورت کا تعلق اپنی بیٹی اور داماد کے ساتھ کیسا ہوتا ہے؟ کہ جس سے گھر رشک چمن بن کر مہک ا...

❀ مثالی عورت کا تعلق اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ کیسا ہوتا ہے؟ جو خاندان بھر میں اس کو سر بلند کر د...

❀ مثالی عورت کا تعلق اپنے قرب و جوار میں محلے داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ کیسا ہوتا ہے؟ ک... پڑوس سے ہی اس کے مددگار و غمگسار پیدا کرنے کا باعث بنے۔

❀ مثالی عورت کا تعلق اپنی سہیلیوں اور بہنوں کے ساتھ کیسا ہوتا ہے؟ کہ جو اس کے متعلق ہر سو نیک نا... خوشبو بانٹتی پھریں۔

❀ مثالی عورت کا تعلق و رابطہ اپنے معاشرے کے ساتھ کیسا ہوتا ہے؟ کہ جس کی بنا پر وہ اس کی آئیڈ... رہنما اور قابل تعظیم ہستی بن جائے۔

اگر آپ یہ سب کچھ جاننا چاہتی ہیں!!
اگر آپ بھی معاشرے کی مثالی خاتون بننا چاہتی ہیں..... کہ جس کی ہر جگہ عزت ہو..... اگر آپ چاہتی ہیں کہ لوگ آپ کو اپنا آئیڈیل بنائیں۔ یوں آپ دنیا میں بھی کامیاب و کامران ہوں اور آخرت میں جنتوں کی وارث بن سکیں تو آج ہی اس کتاب ”مثالی مسلمان عورت“ کا مطالعہ خود بھی کریں، اپنی بچیوں، بہنوں اور سہیلیوں کو بھی کروائیں۔
یقیناً آپ دنیا و آخرت میں آئیڈیل بن جائیں گی۔ ان شاء اللہ

مثالی مسلمان مرد
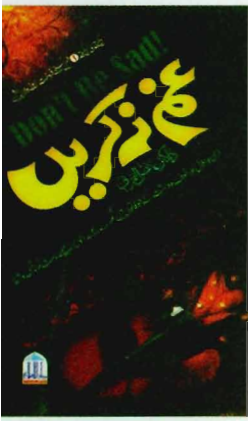
ہر انسان آئیڈیل لائف کا خواہاں ہے۔ وہ خود ایک ایسی مثالی شخصیت بننا چاہتا ہے جو مثالی اوصاف کی مالک ہو۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کی اس عارضی زندگی میں ہر جگہ عزت ہو، وقار کا تاج اس کے سر پر سجے، لوگ اس کے لیے دیدہ دل اور فرش راہ ہوں، ہر دل میں اس کے لیے احترام وتکریم اور پیار کا جذبہ ہو...... عام طور پر تو لوگوں کی سوچ اس دنیا میں ہر طرح کی کامیابی تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے ...... لیکن حقیقت میں کامیاب اور مثالی ہستی وہ ہے جو نہ صرف دنیا میں ہی عزت واحترام، پیار، وقار، ہر دلعزیزی اور پسندیدگی کا تاج سر پر پہنے بلکہ آخرت میں مرنے کے بعد بھی کامیاب مثالی مسلمان ثابت ہو کر دودھ، شہد کی بل کھاتی نہروں چشموں اور حور وغلمان کی جلوہ افروزیوں سے معمور جنتوں کا مالک بن جائے۔

یہ کتاب ہر مسلمان کے کے اندر چھپی دنیا وآخرت میں آئیڈیل مسلمان بننے کی اس خواہش کو پورا کرنے کے لیے لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب بتاتی ہے کہ دنیا اور آخرت میں مثالی مسلمان بننے کے لیے کیا کرنا ہے کہ جو آپ کو ہر ایک کی آنکھ کا تارا بنا دے۔ لوگ آپ کی مثال دیں کہ اگر زندگی سنوارنی ہے تو اس شخص کو آئیڈیل بنائیں۔

یہ کتاب آپ کو وہ راہ دکھاتی ہے جو آپ کو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی آئیڈیل وکامیاب ماڈل شخصیت بنا دے۔ آج ہی پہلی فرصت میں اپنی شخصیت کے نکھار اور دارین میں آئیڈیل بن کر کامیابی پانے کے لیے اس کو پڑھیں اور اس پر عمل کر کے کامیاب وکامران ہو جائیں۔ ان شاء اللہ

محمد طاہر نقاش